کی کیا ضرورت ہے البتہ اگر وہ اب رجوع کرنے کا ارادہ کرے اس وقت کنایات کی تحقیق کی ضرورت ہوگی۔ اشرف علی

جواب: ۔ رجوع کرنا چاہتا ہے۔

الجواب: صورت مسئولہ میں تین طلاق واقع ہوگئیں کیونکہ شوہر کا یہ لفظ کہ "اس کی ماں کو کہدینا کہ دوسری شادی کر دے اب ہم اس کو نہیں چاہتے" کنایہ طلاق کا لفظ ہی اس کے بعد اس نے دو مرتبہ "اس کو ہم طلاق دیتے ہیں" تحریر کیا ہی جو کہ طلاق کا صریح لفظ ہے و الصریح یلحق البائن اس لئے مجموعہ تین طلاق ہوگئیں، البتہ اگر اس نے دوسرے اور تیسرے لفظ سے انشاء طلاق کا قصد نہ کیا ہو بلکہ پہلے طلاق کی اخبار کا قصد کیا ہو تو اس صورت میں دیانۃً ایک یا دو طلاق ہوں گی تین نہ ہوں گی مگر اس صورت میں اگر عورت کو یہ معلوم ہو چکا ہے کہ مجکو تین طلاق دی گئی ہیں تو اس کو شوہر کے پاس رہنا اور اس کو اپنے اوپر قابو دینا حرام ہی کیونکہ قضاءً تین طلاق ہو ہی چکی ہیں والمرأۃ کالقاضی، واللہ اعلم۔

اور اگر عورت کو تین طلاق کا علم نہیں ہوا بلکہ ایک یا دو کا علم ہوا ہی یا کچھ بھی علم نہیں ہوا تو شوہر کے پاس صورت ثانیہ میں جبکہ اس نے اخبار کا قصد کیا ہو وہ رہ سکتی ہی اور اگر اس نے اخبار کا قصد نہیں کیا بلکہ ہر لفظ میں انشاء کا قصد کیا ہی یا کچھ بھی نیت نہ تھی تو زوجہ پر قضاءً و دیانۃً تین طلاق کا وقوع ہو چکا ہی اب بدون حلالہ کے وہ حلال نہیں ہو سکتی واللہ اعلم وفی التجرید لو قال وھبتك لاھلك او لابیك او لامك او للازواج ونوی الطلاق فھی طالق اھ خلاصہ (ج ۲ ص ۹۹) وفی الدر المختار کرر لفظ الطلاق وقع الکل وان نوی التاکید دین اھ ورد المحتار قال فی الفتح والتاکید خلاف الظاھر وعلمت ان المرأۃ کالقاضی لا یحل لھا ان تمکنہ اذا علمت منہ ما ظاھرہ خلاف مدعاہ اھ (ص ۲۶۹ ج ۲) ۱۵ر جمادی الاخری سنہ ۴۰ھ

شوہر کا اپنی بیوی کو کہنا "تم کو حرام کیا"

سوال: (۱) ایک عورت کو اس کے شوہر نے یہ کہا کہ تمہارے ہاتھ کا کھانا کھانا حرام ہی بلکہ تم کو حرام کیا اور قیامت تک تمہاری طرف نظر اٹھا کر نہیں دیکھیں گے جس کو ڈیڑھ برس کا زمانہ ہوا۔ اور اب تک اپنی حالت پر قائم ہی نہ آمد و رفت نہ نان نفقہ۔

(۲) جس صورت میں وہ بد باطن ہی اور عورت کو پریشان رکھنے کے لئے صاف بات

نہیں کرتا ہے اور عورت بھی اس کے برتاؤ سے بیزار ہے ۔ ادر ءا کا جو واقعہ گذرا ہے اس کے بعد اس عورت کے والد نے لڑکی کی مرضی سے دوسرے سے عقد کردیا، یہ عقد جائز ہے یا نہیں؟

③ جو صورتیں اوپر گذری ہیں ان سے اگر عقد جائز نہیں ہوا تو جواز عقد کی کیا صورت ہوگی؟

الجواب؛ قال فی الدر المختار قال لامرأته انت علی حرام ونحو ذلك کانت معی فی الحرام ایلاء ان نوی التحریم اولم ینو شیئًا وظہارٌ ان نواہ وھدرٌ ان نوی الکذب وذا دیانةً واما قضاءً فإیلاء قہستانی وتطلیقة بائنة ان نوی الطلاق وثلاث ان نواھا ویفتی بانہ طلاق بائن وان لم ینوہ لغلبة العرف اھ ص۹۱۰ و۹۱۱ ج۲ ۔ وفی رد المحتار ص ۷۶۲ ج۲ وسیأتی وقوع البائن به (ای بالحرام) بلانیة فی زماننا للتعارف لافرق فی ذلك بین محرمة وحرمتك سواء قال علیّ اولا اھ ۔

قائل نے اپنی بیوی کو جو یہ لفظ کہا ہے کہ "بلکہ تم کو حرام کیا" متأخرین نے عرف کی وجہ سے اس کو طلاق بائن مانا ہے جہاں ہم نے تحقیق کیا ہے ہم کو بھی اس وقت یہی معلوم ہوا کہ بیوی کو حرام کرنے سے عوام کو طلاق کے ہی معنی متبادر ہوتے ہیں دوسرے معنی کی طرف ذہن نہیں جاتا لہذا اس تقدیر پر صورت مسئولہ میں طلاق بائن واقع ہوگئی، اور اگر دوسرا نکاح اس عورت کا اس واقعہ سے بعد تین حیض گذرنے کے ہوا ہے تو وہ نکاح بھی صحیح ہوگیا ۔ اور اگر سائل کے یہاں لفظ حرام سے کوئی دوسرے معنی بھی مفہوم ہوتے ہیں یا قائل نے کسی دوسرے معنی کا قصد کیا تھا تو وہ اس کو مفصل لکھے پھر جواب دیا جائے گا، واللہ اعلم ۔

۶ر شوال سنہ ۴۰ھ

شوہر کی نیت کے مطابق ایک طلاق بائن یا تین طلاق کا واقع ہونا

(سوال) نحمدہ ونصلی علیٰ رسولہ الکریم ۔ علماء دین شرع متین اس مسئلہ میں کیا ارشاد فرماتے ہیں جو شخص اس قسم کا طلاق نامہ لکھکر اپنی بیوی کو دے جاوے تو اس طلاق نامہ سے طلاق رجعی پڑتی ہے یا طلاق بائن یا مغلظہ پڑتی ہے ۔ جواب سے مطلع فرمادیں مہربانی ہوگی ۔ طلاق نامہ کی نقل ذیل میں درج ہے :

نقل طلاق نامہ

منکہ عبدالحفیظ ولد محمد مہنگا سکنہ موضع کہوئیاں ڈاکخانہ ڈبوالی تحصیل سرسہ ضلع حصار کا ہوں کہ رحمی دختر کریم بخش موضع سوانہ مال ضلع رہتک کے ساتھ میرا نکاح ہوا میں نے طلاق نامہ

لکھ دیا ہے تاکہ سند رہے مہر اس کا میں چار ماہ کے اندر انشاء اللہ روانہ کر دوں گا جو مبلغ ۳۶ روپئے ہیں جو مہر میں اس کا ادا نہیں کروں گا خدا کے ہاں دین دار رہوں گا اور میرا اس عورت سے کچھ دعویٰ نہیں اس کے باپ کو اختیار ہے جہاں مرضی ہو بٹھا دیوے ۔

نوٹ :۔ اصل طلاق نامہ پر عبدالحفیظ کا نشان انگوٹھہ ہے اور تین شخصوں کے دستخط اور پانچ شخصوں کے انگوٹھے ہیں ۔

الجواب ؛ قال فی العالمگیریة ولو قال فی حال مذاکرة الطلاق باینتك او ابنتك او ابنت منك او لا سلطان لی علیك او سرحتك او وهبتك لنفسك او خلیت سبیلك الی اخر الامثلة یقع الطلاق وان قال لم انو الطلاق لم یصدق قضاءً ا ۔ وفیها ایضًا روی الحسن عن ابی حنیفةؒ انه اذا قال وهبتك لاهلك او لأبیك او لأمك او للازواج فهو طلاق اذا نوی اھ ص ۶۹ ج ۲ ۔ پس صورت مسئولہ میں بموجب الفاظ اس طلاق نامہ کے مسماۃ رحمی پر ایک[1] طلاق بائن واقع ہو گئی بشرطیکہ شوہر نے تین طلاق کی نیت نہ کی ہو اب بدون تجدید نکاح کے وہ اپنے شوہر کے ساتھ نہیں رہ سکتی اور اگر شوہر نے طلاق نامہ لکھنے سے پہلے یا اس کے بعد زبان سے بھی طلاق دی ہو تو اگر دو بار اس نے طلاق کا لفظ استعمال کیا ہوگا تو مسماۃ رحمی پر تین طلاق پڑ جائیں گے ۔ اسی طرح اگر اس نے زبان سے تو کچھ نہ کہا ہو لیکن طلاق نامہ لکھتے ہوئے تین طلاق کی نیت کی ہو تب بھی مسماۃ پر تین طلاق پڑ جائیں گی ۔ پس دوسری صورت میں عبدالحفیظ سے اس کی نیت کا حال دریافت کیا جاوے اگر اس نے ایک طلاق کی نیت کی ہو تو ایک ہے اور اگر تین کی نیت کی ہے تو تین طلاق مغلظ واقع ہو جائیں گی واللہ اعلم ۔

۱۱ ربیع الثانی سنہ ۴۱ھ ۔

"میں تم سے علیحدگی اختیار کرتا ہوں"
یہ الفاظ شوہر نے کہے

(سوال) کیا فرماتے ہیں علماء دین متین ومفتیان شرع مبین کہ زید نے ہندہ کو تہمت زنا لگایا خالد کے ساتھ جو ہندہ کا ماموں زاد بھائی اور اب وہ بمنزلہ حقیقی بھائی کے ہے اسی خیال پر زید نے ہندہ سے کہا کہ میں تم سے علیحدگی اختیار کرتا ہوں اور اپنے باپ اور قاضی کو بلالو

---

[1] قلت ثم ظهر لی ان الواقع فی هذه الصورة طلقتان كما سیأتی ۱۲ منه

میں بخوشی اسی وقت تمہارا نکاح خالد سے کئے دیتا ہوں۔ اب ہندہ زید سے سخت ناخوش ہے اور اس سے قبل زید ہندہ سے ناراضگی کی حالت میں بارہا یہ الفاظ بھی کہہ چکا ہے کہ تم اپنے باپ کے گھر بیٹھی رہو۔ میں اپنے گھر خوش تم اپنے گھر خوش، اور خرچ وغیرہ بھی تم کو نہیں دوں گا۔ اب ہندہ زید سے علیحدگی چاہتی ہے، اس حالت میں ہندہ کی زید سے علیحدگی کی موافق شرع شریف کے کیا صورت ہونی چاہئے بینوا توجروا۔ (بعض کلمات دوسرے پرچہ میں ہیں)

میں تم سے علیحدگی اختیار کرتا ہوں اور اپنے باپ اور قاضی کو بلالو میں بخوشی لادعوی ہوتا ہوں۔ اور اسی وقت تمہارا نکاح خالد سے کئے دیتا ہوں۔ میں خوشی سے لادعوی ہوا۔ اور پھر چھاتی ٹھوک کر کہا کہ میں لادعویٰ ہو چکا، یہ الفاظ تین مرتبہ کہا اور یہ الفاظ کہے ہوئے آٹھ ماہ کا عرصہ ہوچکا اور اس پر پردہ کرا دیا گیا ہے۔

الجواب: صورت مسؤلہ میں عورت پر تین طلاق مغلظ واقع ہو چکیں اگر زید کو یہ الفاظ کہے ہوئے اتنا عرصہ گذر چکا جس میں ہندہ کو تین حیض آچکے ہوں تو وہ اپنا دوسرا نکاح کرسکتی ہے اور اگر تین حیض ان کلمات کے بعد سے ابھی تک پورے نہیں ہوئے تو بعد اتمام عدت دوسرے سے نکاح کرسکتی ہے زید سے بدون تحلیل کے اس کا نکاح درست نہیں فان قولہ علیحدگی اختیار کرتا ہوں بمعنی جدائی وصرح فی الخلاصۃ ص۱ ج۲ انّ فی لفظۃ جدائی لا یحتاج الی النیۃ ثم قولہ خوشی سے لادعوی ہوتا ہوں اور لادعویٰ ہوچکا و ان کان من الکنایات فانہا تلحق بالصریح ولا یحتاج الی النیۃ فی حالۃ الغضب فانہا لاتصلح الا للطلاق والجواب فی عُرفِنا کما لا یخفی۔ واللہ اعلم۔

۲۷؍ جمادی الثانیہ سنہ ۴۱ھ

شوہر کا کہنا "میرا اس عورت پر کچھ دعوے نہیں"

(**سوال**) علماء دین شرع متین اس مسئلہ میں کیا ارشاد فرماتے ہیں: یہ طلاق نامہ کی نقل آپ کی خدمت میں ارسال ہے، طلاق لکھنے والا یعنی طلاق دینے والا کہتا ہے کہ میں نے طلاق نامہ لکھتے وقت نیت طلاقِ رجعی کی کی تھی اور عدت ہی کے اندر دو گواہوں کے سامنے اپنی بیوی کو رجوع کرلیا تھا اور رجوع کرنے کی خبر بذریعہ خط اپنی عورت کو دیدی تھی آیا یہ رجعت درست ہوئی یا نہیں یا طلاق بائن ہوئی یا مغلّظ؟

نقل طلاق نامہ:۔ منکہ عبدالحفیظ ولد محمد مہنگا سکنہ موضع کھوئیاں ڈاکخانہ

ڈیوالی تحصیل سرسہ ضلع حصار کا ہوں کہ رحیمی دختر کریم بخش موضع سوانہ مال ضلع رہتک کے ساتھ میرا نکاح ہوا تھا میں نے طلاق نامہ لکھدیا ہے تاکہ سند رہے مہر اس کا میں چار ماہ کے اندر انشاء اللہ روانہ کر دوں گا جو مبلغ ۳۶ روپیہ ہیں جو مہر میں اس کا ادا نہیں کروں گا خدا کے ہاں دیندار ہوں گا اور پھر اس عورت سے کچھ دعویٰ نہیں اس کے باپ کو اختیار ہے جہاں مرضی ہو بٹھا دیوے۔

نوٹ:۔ اصل طلاق نامہ پر عبدالحفیظ کا نشان انگوٹھا ہے اور تین شخصوں کے دستخط اور پانچ شخصوں کے انگوٹھے ہیں۔

الجواب؛ صورت مسئولہ میں مسماۃ رحیمی پر دو طلاق بائن واقع ہو گئی ہیں ایک طلاق اس لفظ سے واقع ہو گئی "میں[ع] نے طلاق نامہ لکھدیا ہے" اور دوسری اس لفظ سے "میرا اس عورت پر کچھ دعویٰ نہیں" فانہ بمعنی لا سبیل لی علیک ولا سلطان لی علیک والبائن یلحق الصریح فیکون الکل بائناً پس عبدالحفیظ کا رجوع کرنا صحیح نہیں ہوا۔ ہاں اگر عورت راضی ہو تو نکاح دوبارہ ہو سکتا ہے، واللہ اعلم۔

۲۷ جمادی الثانیہ

شوہر نے کہا: "میں تیرا روادار نہیں، نہ تو میری کچھ لگتی ہے نہ میں تیرا کچھ

(سوال) کیا فرماتے ہیں علمار دین متین مسئلہ ہذا میں کہ مسمی زید نے اپنی بیوی مسماۃ ہندہ سے بوجہ عقیمہ (بانجھ) ہونے کے قطع تعلق کر دیا حتی کہ بات چیت بھی نہیں کرتا اور اکثر یہ الفاظ کہتا رہتا ہے کہ تیرا دل جس جگہ چاہے چلی جا میں تیرا روادار نہیں نہ تو میری کچھ لگتی ہے نہ میں تیرا کچھ لگتا ہوں۔ میری طرف سے تجکو طلاق ہے اور مسماۃ مذکورہ اس پر کہتی ہے کہ ایک کاغذ طلاق نامہ کا مجھے لکھدے مگر زید مذکور زبانی طلاق تو اکثر دیتا رہتا ہے کاغذ پر طلاق نامہ لکھ کر نہیں دیتا اس لئے کہ عورت مہر کا دعوی نہ کر دے اور پھر مہر ادا کرنا پڑے گا۔ لہذا ایسی صورت میں مسماۃ مذکورہ کیا کرے کیا ایسی صورت میں طلاق پڑ جاتی ہے یا نہیں اگر ایسی صورت میں طلاق ہو جاوے تو کسی دوسرے آدمی سے بعد عدت کے نکاح کر سکتی ہے یا نہیں؟

الجواب؛ صورت مسئولہ میں ہندہ پر تین طلاق پڑ گئیں اب اس کو زید کے پاس رہنا ہرگز جائز نہیں عدت کے بعد وہ دوسرے سے نکاح کر سکتی ہے طلاق نامہ لکھنے پر وقوع

[ع] لانہ یتضمن الاقرار بالطلاق السابق واقرار الطلاق طلاق کما عرف فی موضعہ ۱۲ منہ

طلاق موقوف نہیں ہوا کرتی۔ قال فی العالمگیریۃ ولو قال لها مرا با تو کارے نیست وترا با من نے اعطینی ما کان لی عندك واذهبی حیث شئت لا یقع بدون النیۃ کذا فی الخلاصۃ اھ ص۵۷ ج ۲ قلت وهو یفید الوقوع بالنیۃ ومذاکرۃ الطلاق فی حکم النیۃ کما عرف فیقع واحدۃ بقولہ "تیرا دل جس جگہ چاہے چلی جا میں تیرا وارا نہیں" والثانیۃ بقولہ "نہ میں تیرا کچھ لگتا ہوں نہ تو میری کچھ لگتی ہے" فی العالمگیریۃ ولو قال ما انت لی بامرأۃ ولست لك بزوج ونوی الطلاق یقع عند ابی حنیفۃ اھ ص۶۹ ج۲ اور جب شوہر نے زبانی طلاق اکثر دی ہے تب تو صراحۃً ہندہ پر تین طلاق واقع ہو گئیں اب وہ بدون تحلیل کے زید کے لئے حلال نہیں ہو سکتی، واللہ اعلم۔ ۱۹؍ رجب سنہ ۴۱ھ

بامر سیدی حکیم الامت

طلاق بلفظ "جا نکاح کر" و تفصیل حکم کنایات دیانۃً وقضاءً

(سوال) زید نے مسماۃ ہندہ سے کہا کہ "اب تو دوسرا نکاح کرے گی ہی فلاں سے" یا یوں کہا "جا نکاح کر" یا ہندہ کے گھر والوں سے کہا کہ "جاؤ دوسرا انتظام کرو"۔ لفظ ثالث سے مقصود طلاق نہیں علیٰ ہذا ماقبل کے دونوں لفظوں سے بھی طلاق کا خیال نہیں۔ زید کہتا ہے کہ میں نے الفاظ مذکورہ اس وجہ سے استعمال کیا کہ آئندہ ہندہ کو عبرت ہو پھر ایسے حرکت ناشائستہ نہ کرے ممکن ہے کہ آئندہ اپنی حرکت نامعقول سے باز آجاوے۔ جب مقصود تنبیہ ہے طلاق نہیں تو کیا دلالت حال کا اعتبار کر کے شرع وقوع طلاق کا حکم لگا سکتی ہے یا نہیں اگر یہ الفاظ مذاکرۂ طلاق اور حالت غضب میں نہ کہے جاویں بلکہ استہزاءً کہے جاویں تو کیا حکم ہے؟

(۲) فقہاء نے کنایہ کی تعریف یہ کی ہے: ما یوضع لہ ولغیرہ ولا یقع الطلاق الا بالنیۃ او بدلالتہ کحالۃ الغضب ومذاکرۃ الطلاق۔ سوال یہ ہے کہ دلالت اس وقت بھی معتبر ہے جبکہ کنایات سے مقصود طلاق نہ ہو صرف علیٰ سبیل التنبیہ والتہدید تلفظ کئے گئے ہوں جیسا کہ صور مذکورہ میں، یا ایسے صورت میں دلالت معتبر نہیں اور طلاق واقع نہیں ہو گی۔

(۳) اگر زید کی نیت قضاءً معتبر نہ ہو تو کیا دیانۃً فیما بینہ وبین اللہ بھی معتبر نہ ہوگی یعنی اگر قضاءً ہندہ طالق ہو گئی تو فیما بینہ وبین اللہ بھی طالق ہوئی یا نہیں اگر دیانۃً طلاق نہیں پڑی تو کیا تعلق رکھنا ہندہ سے جائز ہے یا تجدید نکاح کی ضرورت ہے؟

(۴) زید نے ہندہ کو دو طلاق رجعی دی (اس واقعہ کے قبل) اور رجعت بھی کرلی پھر ایک مدۃ کے بعد الفاظ کنایہ کا تکلم کیا جن سے ایک طلاق بائن پڑی۔ اب سوال یہ ہے کہ دو اور ایک ملکر تین طلاقیں ہوئیں اور ہندہ مغلظہ ہو گئی یا ہر ایک کا حکم جداگانہ ہے مغلظہ نہیں ہوئی۔ ازمنۂ متفرقہ کی تین طلاقین جو مغلّظہ ہو جاتی ہیں وہ رجعی اور ایک قسم کے طلاق کا مسئلہ ہے یا دو قسموں کا بھی یہی حکم ہے؟

حاصل مرام یہ ہے کہ اب جوازِ تعلق کی کوئی صورت ہندہ سے ہے یا نہیں بالتفصیل سوالات مذکورہ بالا کا جواب دے کر فلاح دارین حاصل کیجئے فقط بینوا توجروا۔

الجواب: زید کا یہ قول کہ "اب تو تو دوسرا نکاح کرے گی ہی" کنایہ یا صریح کچھ نہیں اس سے انشاء طلاق کا قصد محاورات میں نہیں ہو سکتا اور دوسرا اور تیسرا لفظ یعنی یعنی "جا نکاح کر" یا ہندہ کے اہل سے کہا "جاؤ دوسرا انتظام کرو" یہ کنایات طلاق میں سے ہے جس کا حکم یہ ہے کہ قضاءً دلالت حال غضب یا مذاکرہ کے ہوتے ہوئے بدون نیت کے اس سے طلاق واقع ہو جائے گی اور اگر دلالت حال و مقال نہ ہو تو بدون نیت کے وقوع نہ ہوگا۔ اور دلالت حال غضب کے ہوتے ہوئے قضاءً نیت تہدید مسموع نہ ہوگی اور عورت قضاء کا سا معاملہ کرے گی اور دیانۃً جمیع کنایات میں بدون نیت کے طلاق واقع نہیں ہوتی کما یظھر من الدر والشامیۃ (ص۶۴۲ و ۶۵۵ ج۲) من تقییدھما مسئلۃ وقوع الطلاق بھا بدلالۃ الحال من غیر نیۃ بالقضاء وتعلیلھما ایاھا بانہ صرف عن الظاھر فلذا وقع بھا قضاءً بلا توقفٍ علی النیۃ کما فی صریح الطلاق اذا نوی بہ الطلاق عن وثاق اھ قلت وقد مر فی باب الصریح انہ لو نوی بہ الطلاق عن وثاقٍ دُیِّنَ فکذا فی المشبہ فافھم۔

(۲) دلالت قائم مقام نیت کے ہے بلکہ اس سے اقویٰ ہے قال فی الدر وفی مذاکرۃ الطلاق یتوقف الاول فقط ویقع بالاخیرین وان لم ینو لان مع الدلالۃ لا یصدق قضاءً فی نفی النیۃ لانہا اقویٰ لکونہا ظاھرۃ والنیۃ باطنۃ اھ (ص۶۵۵ ج۲) لہٰذا دلالت حال کے ہوتے ہوئے نیت کی کوئی ضرورت نہیں بدون نیت کے بھی قضاءً وقوع طلاق ہو جائے گا البتہ دیانۃً کنایات سے دلالت حال کے بعد بھی نیت ہی سے وقوع ہوتا ہے بدون نیت کے وقوع نہیں ہوتا۔

(۴) جن صورتوں میں قضاءً وقوع طلاق ہوتا ہے اور دیانۃً نہیں ہوتا وہاں حکم یہ ہے

کہ شوہر کو تو بیوی کے ساتھ معاملۂ زوجیت جائز ہے لیکن اگر عورت نے الفاظ طلاق کنایہ وغیرہ خود سُنے ہیں یا تو کسی عادل نے اسے خبر دی ہے تو اس کو شوہر کے پاس رہنا جائز نہیں اور نہ تمکین جائز ہے لانہا کالقاضی لاتقبل منہ الا ما یقبلہ القاضی وتس دّ مایس دّہٗ ۔

(۴) دو طلاق رجعی کے بعد تیسری طلاق کنایہ خواہ متصل دے یا منفصل وہ دو پہلی طلاقوں کے ساتھ مل کر تین طلاق ہو جائیں گی خواہ تیسری کتنے ہی زمانہ کے بعد دے پس جس عورت کو دو طلاق رجعی پہلے مل چکی ہوں پھر عرصہ کے بعد طلاق بائن دی گئی ہو وہ اب تین طلاق کے ساتھ مغلظہ ہو جائے گی جو بدون تحلیل کے اپنے شوہر کے واسطے حلال نہیں ہو سکتی، واللہ اعلم ۔ ۱۵ ذی الحجہ ۴۲ھ

تیرے ساتھ جماع کروں تو ماں بہن سے جماع کروں میں نے تجھ کو چھوڑ دیا، تیرا میرا کچھ تعلق نہیں کہنے سے طلاق بائن واقع ہونے کا حکم

(سوال) کیا فرماتے ہیں علماء دین اس مسئلہ میں کہ اگر ایک شخص نے اپنی عورت سے کہا کہ "اگر میں تیرے ساتھ جماع کروں تو میں اپنی ماں بہن کے ساتھ کروں، میں نے تجھ کو چھوڑ دیا میرا تیرا کچھ تعلق نہیں خواہ تو کہیں رہ میں کہیں رہوں"۔ پھر واپس نہیں آیا اپنی دوکان میں خود رہنے لگ گیا اور عورت کو گھر چھوڑ گیا پھر گھر نہیں آیا پھر عورت کا مقدمہ وغیرہ چلایا اور جب اس سے دریافت کیا جاتا ہے تو کہتا ہے کہ میں نے اس کی بدچلنی دیکھ کر اس سے اظہار ناراضگی کی تھی طلاق کا میرا ارادہ نہیں تھا جب پوچھا جاتا ہے کہ پھر تو اس کے پاس کیوں نہیں پہونچا تو کہتا ہے کہ یہ بدافعالی سے باز نہیں آتی تھی میرے کہنے پر عمل نہ کرتی تھی اور مجھ میں اتنی قوت وطاقت نہیں جو مقدمہ چلاؤں یا جس کے گھر میں ہے اس سے مقابلہ کروں میرا معاملہ اللہ کے یہاں ہے اگر میری ہوگی تو مل جائے گی ورنہ بروز قیامت سمجھوں گا تو کیا اس سے طلاق ہوگئی یا نہیں؟ بینوا توجروا ۔

الجواب: اس شخص کا یہ قول تو محض لغو ہے کہ "اگر تیرے ساتھ جماع کروں تو اپنی ماں بہن کے ساتھ کروں"، البتہ اُس کا یہ قولؔ "میں نے تجھ کو چھوڑ دیا" طلاق میں صریح ہے اور یہ لفظ "میرا تیرا کچھ تعلق نہیں"، کنایہ ہے اور چونکہ مذاکرۂ طلاق میں واقع ہوا ہے اس لئے محتاج نیت نہیں پس اس شخص کی بیوی پر دو طلاق بائن واقع ہوگئیں ۔ اگر طرفین راضی ہوں تو عدت میں یا بعد عدت کے تجدید نکاح کرکے باہم رہ سکتے ہیں اگر تجدید نکاح نہ کریں تو بعد عدت کے یہ عورت دوسرے سے نکاح کر سکتی ہے قال فی الھندیۃ ولو قال الرجل ترا چنگ باز داشتم او بہشتم اویلہ کردم ترا فھذا کلہ تفسیر قولہ طلقتک عرفا حتی یکون رجعیًا ویقع بدون

النیة من الخلاصة (ص ۷۲ ج ۲) وفیه ایضًا لو قال ان وطئتك وطئت امی فلا شیٔ علیه کذا فی غایة السروجی (ص ۱۴۷ ج ۲) ولحوق البائن بالصریح معروف والله اعلم۔

۲۵ محرم ۴۵ھ

شوہر کا بیوی سے یہ کہنا کہ ”تجھ کو میری طرف سے جواب ہے“

سوال کیا فرماتے ہیں علماء دین متین ومفتیان شرع مبین اس مسئلہ میں کہ زینب کا شوہر عرصہ سے زینب کا نان ونفقہ ادا نہیں کرتا ہے آج جو زینب اپنے نان ونفقہ کے تقاضا کے لئے شوہر کے پاس گئی اور شوہر سے اپنا نان ونفقہ مانگا تو اس کے شوہر نے جواب میں مندرجہ ذیل الفاظ کہے ”تیرے سترہ خصم ہیں خدا کی قسم تجھ کو میری طرف سے جواب ہے“ ان الفاظ سے زینب کو کیا سمجھنا چاہیئے طلاق ہوگی یا نہیں اور ہوگئی تو کس قسم کی طلاق ہوئی؟ بینوا توجروا۔

تنقیح اوّل:۔ یہ الفاظ کتنے مرتبہ کہے اور غصہ میں کہے تھے یا بدون غصہ کے اور عورت نے ان الفاظ سے قبل طلاق کا مطالبہ کیا تھا یا نہیں اس کا مفصل جواب مع اس پرچہ کے روانہ کیا جائے۔

جواب تنقیح اوّل:۔ زینب کے شوہر نے الفاظ مذکورہ فی الفتویٰ کو دو بار کہا اور غصہ کی حالت میں کہا زینب نے اس الفاظ سے قبل طلاق کا مطالبہ نہیں کیا تھا۔

تنقیح ثانی:۔ اس استفتاء کے متعلق ابھی یہ امر قابلِ تحقیق ہے کہ خاوند کیا کہتا ہے اس لفظ کہتے وقت کیا نیت بتلاتا ہے اور یہ بھی لکھیں کہ نفقہ کا مطالبہ کرنے پر فوراً اس نے یہ لفظ مذکور فی السوال کہدیئے یا مطالبہ کے بعد اور کچھ گفتگو بھی ہوئی تھی صاف لکھیں کہ یہ الفاظ کس سوال اور گفتگو کے بعد کہے تھے؟

جواب تنقیح ثانی:۔ زینب بغرض دریافت نیت بوقت تکلم الفاظ مذکور فی الفتویٰ شوہر کے پاس گئی شوہر نے ہاتھ پکڑ کر دروازہ کی طرف کر دیا اور کہا کہ میں تجھ سے کہہ چکا ہوں تجھے میری طرف سے جواب ہے چاہے جہاں جا“ ان الفاظ کو چند مرتبہ کہا۔ نیز وہ الفاظ فی السوال شوہر نے اس مطالبہ کے بعد فوراً ہی کہدیئے تھے اور کچھ گفتگو نہیں کی تھی۔

الجواب: صورت مسئولہ میں شوہر کا بیوی کو ہاتھ پکڑ کر نکالنا اور یہ کہد دینا کہ تجھے میری طرف سے جواب ہے چاہے جہاں جا“ معنی طلاق کو مفید ہے لفظ جواب ہمارے محاورے میں کنایہ ہے جو غضب وغیرہا کے قرینہ کے بعد محتاج نیت نہ رہے گا لہذا زینب پر

صورت مسئولہ میں ایک طلاق بائن واقع ہوگئی ان الفاظ کو چند دفعہ کہنے سے متعدد طلاق نہ ہوں گی لان البائن لا یلحق البائن اور عدت پہلی بار کے قول سے شمار ہوگی۔

۹ر جمادی الثانیہ ۴۵ھ

لفظ "صاف جواب ہے" سے بشرط نیت طلاق بائن واقع ہوگی

(سوال) کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیانِ شرع مبین اس مسئلہ میں کہ ایک شخص نے اپنی لڑکی نابالغ کا نکاح ایک شخص بالغ کے ساتھ کر دیا اس کے کچھ عرصہ بعد اس شخص کو لڑکی والے نے کہا کہ تم اپنی بیوی کو لے جاؤ اس کا انتظام کھانے کپڑے کا کر دو میں غریب آدمی ہوں مجھ سے خرچ نہیں اوٹھ سکتا ہے۔ اوس شخص نے جواب دیا کہ میں ذمہ دار نہیں ہوں تمہاری خوشی ہے اور تم کو اختیار ہے کہ اپنی لڑکی کا چاہے جہاں نکاح کر دو میں مزاحم نہیں ہوں میری طرف سے صاف جواب ہے میں تمہاری لڑکی کو نہیں رکھ سکتا ہوں اور نہ رکھوں گا"۔ اور اب تک یہ لڑکی منکوحہ نابالغ ہی ہے بالغ بھی نہیں ہوئی ہے صرف اس کے والد نے اس کا نکاح کر دیا تھا اور بلکہ اس شخص نے اس سے پہلے ایک اپنی بیوی جان سے مار ہی ڈالی تھی یہ شخص ظالم اور خونی بھی ہو چکا ہے اب اس لڑکی کا باپ لڑکی کا نکاح دوسری جگہ کر سکتا ہے یا کہ نہیں کر سکتا ہے، کیونکہ یہ غریب آدمی ہے اس قدر خرچہ نہیں اوٹھا سکتا ہے برائے عنایت اس کا جواب با صواب مرحمت فرمائیں بینوا توجروا

الجواب؛ صورت مسئولہ میں اگر اس شخص نے لفظ "صاف جواب ہے" سے یا اس کے قبل الفاظ سے نیتِ طلاق کی ہے اس لڑکی پر ایک طلاق بائن واقع ہو چکی ہے لان قولہ "چاہے جہاں نکاح کر دو" و قولہ "صاف جواب ہے" مستعمل فی الطلاق عرفاً ولکنہ کنایۃ فیحتاج الی النیۃ۔ پس بعد انقضاء عدت کے اس لڑکی کا دوسرا نکاح ہو سکتا ہے۔ اور اگر زوج نیت طلاق سے انکار کرے اور اس پر حلف کر لے تو طلاق واقع نہیں ہوئی۔ واللہ اعلم۔

۱۵ر شعبان ۴۴ھ

لفظ حرام سے بلا نیت طلاق بائن واقع ہو جاتی ہے

(سوال) اگر کوئی شخص اپنی بیوی سے کہے کہ تم میرے واسطے حرام ہوگئی تو اس کا شرع میں کیا حکم ہے؟

الجواب؛ صورت مسئولہ میں اس شخص کی بیوی پر ایک طلاق بائن واقع ہوگئی اگر تین کی نیت نہ کی ہو اور بدون دوبارہ نکاح کئے وہ اس کے لئے حلال نہیں ہو سکتی اور اگر تین کی نیت کی ہے تو سوال دوبارہ کیا جائے۔ قال فی الشامیۃ والحاصل ان المتاخرین

خالفوا المتقدمين فی وقوع البائن بالحرام بلا نیة حتی لو قال لم انو لم یصدق لاجل العرف الحادث فی زمان المتاخرین الیٰ ان قال ان لفظ حرام معناه عدم حل الوطیٔ ودواعیه وذلك یکون بالایلاء مع بقاء العقد وهو غیر متعارف ویکون بالطلاق الرافع للعقد وهو قسمان بائن ورجعی لکن الرجعی لا یحرم الوطیٔ فتعین البائن وکونه التحق بالصریح للعرف لاینافی وقوع البائن به فان الصریح قد یقع به (البائن) کتطلیقة شدیدة کما ان بعض الکنایات قد یقع به الرجعی مثل اعتدی ونحوه والحاصل انه لما تعورف به الطلاق صار معناه تحریم الزوجة وتحریمها لا یکون الا بالبائن اھ (ص ۴۶۳ ج ۲) قلت وکذا هو عرفنا اهل الهند تعورف للطلاق ولا یفهم به الایلاء فی العرف اصلاً والله اعلم۔

۱۱ر محرم سنہ ۴۵ھ

وہ میری زوجیت سے باہر ہے وہ میرے لئے مرگئی اور میں اس سے مرگیا کہنے سے بلانیت طلاق واقع نہیں ہوگی

سوال: کیا فرماتے ہیں مندرجہ ذیل بیان کے واسطے:

جناب خالد خان بات یہ ہے کہ میں آصف نگر جارہا ہوں اور برخوردار حافظ کو (جو ایک سال عمر کا ہے) اپنے ہمراہ لے جارہا ہوں اور تمہاری ہمشیرہ بغیر میری اجازت کے چلی آئی ہے یہ کام اچھا نہیں۔ اس واسطے وہ میری زوجیت سے باہر ہے وہ میرے سے مرگئی اور میں اس سے مرگیا فقط۔ یہ ایک ردی کاغذ پر ہے دستخط کوئی نہیں ہے شہادت کوئی نہیں نہ زوجہ سامنے ہے صرف ردی کاغذ پر لکھا ہے۔ **سوال**:۔ کیا یہ طلاق ہوگئی نکاح سے خارج ہوگئی زوجیت سے باہر ہے یہ کہنا درست ہے کیوں کہ وہ پاس نہیں نکاح سے باہر نہیں کہا۔

الجواب: صورت مسئولہ میں زوج کی نیت پر مدار ہے اگر اس کی نیت طلاق کی تھی تو طلاق واقع ہوگئی ورنہ نہیں لما فی العالمگیریة (ص ۶۹ ج ۲) ولو قال ما انت لی بامرأة ولست لك بزوج ونوی الطلاق یقع عند ابی حنیفة وعندهما لا یقع وفیه ایضاً (ص ۷۱ ج ۲) وان کانت (ای الکتابة) مستبینة غیر مرسومة ان نوی الطلاق یقع والا فلا فقط۔ کتبه عبدالکریم عفی عنه، ۲۸ر ج۱ سنہ ۴۴ھ

الجواب صحیح۔

ظفر احمد عفا عنه، ۲۸ر ج۱ سنہ ۴۴ھ

"تجھ سے کوئی سروکار نہیں نہ میں شوہر نہ تو زوجہ" کہنے سے طلاق کا حکم

سوال: اگر کسی نے اپنی اہلیہ سے کہا کہ "اگر اس مکان سے فلاں مکان میں گئی تو مجھے تجھ سے کوئی سروکار واسطہ نہیں اور نہ میں شوہر اور نہ تو زوجہ" اور وہ عورت اُس مکان میں چلی گئی جس کی ممانعت تھی اور وہاں ہی ہے۔ ایسی صورت میں طلاق واقع ہوجائے گی یا نہیں؟

الجواب: فی العالمگیریة (۶۹ ج ۲) ولو قال لم یبق بینی وبینک شیء ونوی به الطلاق لا یقع وفی الفتاوی لم یبق بینی وبینک عمل ونوی یقع وفی العتابیه ولو قال لها مرا با تو کارے نیست وترا با من نے اعطنی ما کان عندک لا یقع بدون النیة اھ خلاصہ (ص ۹۸ ج ۲) وفی الدر لست لک بزوج او لست لی بامرأۃ طلاق ان نواہ خلافا لهما اھ قال الشامی اشار بقوله طلاق الی ان الواقع بهذہ الکنایة رجعی اھ (ص ۷۴۴ ج ۲) وفی الشامیة تحت قوله (فلا یرد الخ) ای اذا علمت ان الضمیر فی باقیها عائد الی الالفاظ المذکورۃ فی المتن فلا یرد ان غیرها من الفاظ الکنایات قد یقع به الرجعی من کل کنایة فیها ذکر الطلاق الخ (ص ۷۶۶ ج ۲) وفیه بعد اسطر عن البحر وجود الطلاق مقتضی او مضمرا۔

اس سے معلوم ہوا کہ صورت مسئولہ میں اگر نیت طلاق کی تھی تو ایک طلاق رجعی واقع ہوگئی اور اگر طلاق کی نیت نہ تھی تو ظاہر کیا جاوے کہ کیا نیت تھی۔

۲ رجب سنہ ۴۴ھ

رانڈ کو مت بلاؤ میرے کام کی نہیں۔ اگر طلاق کی نیت سے نہ کہے ہوں تو طلاق واقع نہیں ہوگی

سوال: کیا فرماتے ہیں علمائے کرام اہل السنۃ والجماعت کثر اللہ جماعتہم سوالات مستفسرہ ذیل کے جواب میں:- ہندہ کا نکاح جبکہ عمر اس کی گیارہ سال کی تھی زید کے ساتھ ہوا۔ بعد شادی ہندہ اپنے میکہ میں قریب ڈیڑھ سال رہی اور میاں بیوی میں یکجائی وتنہائی (زفاف) نہیں ہوا بعد میں زید بیمار ہوا قریبًا ۱۵ یا ۱۶ روز تک بیمار رہا۔ اس عرصہ بیماری میں زید نے اور اس کے رشتہ داروں نے ہندہ کو اس کے میکہ میں چند مرتبہ بلاوا بھیجا۔ لیکن ہندہ اپنے خاوند زید کے مکان نہیں گئی اور زید کی وفات کے ۳ یا ۴ یوم قبل زید نے اپنے حقیقی چچا کو ہندہ کو لانے کے لئے بھیجا اس لئے کہ ہندہ سے مہر بخشوا لیا جاوے۔ لیکن ہندہ نہیں آئی یہ واقعہ زید کے پاس بیان کیا گیا زید نے کہا کہ "رانڈ کو مت بلاؤ میرے کام کی نہیں" بعد میں زید مر گیا۔ اس واقعہ کے ایک ماہ بعد ہندہ کا نکاح خالد کے ساتھ ہندہ کی سسرال میں جبکہ وہ زید کی وفات کے بعد اپنی سسرال میں آئی ہوئی

تھی کر دیا گیا بعد نکاح ہندہ نے اپنی والدہ و بھائیوں سے بلا رضامندی اس کے نکاح پڑھا دیا جانا بیان کیا۔ اس کی بابت ہندہ کے بھائی نے جملہ مسلمانانِ ڈیڈوانہ کے سامنے سوال پیش کیا۔ انہوں نے گواہان کو جن کے سامنے مذکورہ الفاظ زید نے استعمال کئے تھے بلایا و نیز قاضی طلب کیا گیا۔ گواہ عبداللہ کا یہ بیان ہے کہ زید نے اس کے سامنے قریب ۸ بجے رات کو بموجودگی رحیم بخش و سمن یہ کہا تھا کہ " رانڈ کو مت بلاؤ میرے کام کی نہیں "۔

ذمہ دار قاضی کا یہ بیان ہے کہ میں نے نکاح پڑھانے والے کے کہنے پر نکاح پڑھانے کی اجازت دے دی تھی۔ نکاح پڑھانے والے کا (یعنی سیر قاضی کا) بیان ہے کہ میرے پاس زید کی وفات سے ۶ یا ۷ روز بعد زید کا چچا سمّن میرے پاس آیا اور کہا کہ زید کا مہر دیکھ دو کیونکہ متوفی نے مرنے سے پہلے یہ کہا تھا کہ رانڈ کو مت بلاؤ میرے کام کی نہیں اس کا مہر دے دینا۔ چنانچہ مہر دینا ہی اس پر نکاح پڑھانے والے نے کتاب دیکھ کر نکاح ثانی بلا عدت ہو سکنے کا کہدیا پھر نکاح پڑھانے والے نے سمّن رحیم بخش و عبداللہ گواہان متذکرہ بالا کو بلا کر دریافت کیا تھا تو گواہان نے اس کے سامنے یہ کہا تھا کہ مرنے والے نے یہ الفاظ کہے تھے کہ " رانڈ میرے کام کی نہیں مت بلاؤ اس کا مہر دیدینا " اس پر نکاح پڑھا دیا گیا اور اُن کا استدلال بہشتی زیور حصہ چہارم[عہ] ص ۳۵ باب رخصتی سے پہلے طلاق ہو جانے کا بیان پر ہے جس میں جملہ گول مول لفظوں پر طلاق کا ہونا قیاس کیا گیا ہے، گواہ سمن موجود نہیں ہے گاؤں گیا ہوا ہے لیکن اس امر کو رفع حجت و اطمینان دائمی کے لئے دریافت کرنا ضروری ہے۔ لہذا بحالات مذکورہ شرعاً ہندہ کا نکاح خالد کے ساتھ جائز ہوا ؟

سوال: رضامندی اور بلا رضامندی کی یہ کیفیت ہے کہ نکاح پڑھانے والے کا یہ بیان کہ اس نے ہندہ سے دریافت کیا کہ خالد کے ساتھ تم نکاح پڑھنے کے لئے رضامند ہو تو اس کی تصدیق عمر اور بکر گواہاں سے کی۔ ہندہ سے دریافت کیا گیا تو اس نے ایسی رضامندی دینے سے قطعی انکار کر دیا اور قریب عمر اور بکر کی موجودگی بیان کی اور ایک شخص حامد کو بتلایا جس کا یہ بیان ہے کہ ہندہ نے میرے سامنے نکاح سے انکار کیا۔ جب قاضی پیچھے ہٹ گیا پھر ہندہ نے کہا کہ میں اپنی سسرال کا گھر چھوڑنا نہیں چاہتی پھر اس نے رضامندی دے دی۔

[عہ] بہشتی زیور حصہ چہارم میں طلاق کنایہ کا حکم بھی تو دیکھنا چاہیئے تھا جس میں تصریح ہے کہ بدون نیت کے یا مذاکرۂ طلاق کے وقوع طلاق نہ ہوگا۔ ۱۲ ظفر

صورتِ مذکورہ بالا میں

(۱) رضامندی صریح یا معنوی ہوتی ہے یا نہیں؟

(۲) کیا زید کے الفاظ کہ رانڈ میرے کام کی نہیں مت بلاؤ طلاق بالکنایہ کی حد کو پہنچتے ہیں؟

(۳) اگر طلاق کی حد کو پہنچتے ہیں تو کونسی طلاق پڑے گی؟

(۴) اگر طلاق بالکنایہ کی حد کو نہیں پہنچتے ہیں تو خالد کے ساتھ ہندہ کا نکاح ناجائز ہے یا جائز؟

غرضیکہ حالات مندرجہ بالا کو بغور ملاحظہ فرما کر بالتشریح جواب معہ حوالہ حدیث وفقہ وقرآن عنایت فرمایا جاوے۔ بینوا توجروا۔

الجواب: یہ لفظ "رانڈ کو مت بلاؤ میرے کام کی نہیں" الفاظ طلاق میں سے صریح نہیں اور کنایہ کی اس قسم سے ہے جو سب وشتم کو بھی محتمل ہیں اور جو کنایات محتمل سب وشتم ہوں ان سے طلاق کا واقع ہونا جمیع حالات میں نیت زوج پر موقوف ہے اور صورت مسئولہ میں زید نے اس لفظ سے ارادۂ طلاق بیان نہیں کیا پس ہندہ پر طلاق واقع نہیں ہوئی اور جب زید اس واقعہ کے تین چار روز کے بعد مر گیا تو ہندہ پر عدتِ وفات چار ماہ دس دن واجب ہوگئی لکونہا منکوحۃ غیر مطلقۃ وقت موتہ اور چار ماہ دس دن گزرنے سے پہلے جو ہندہ کا نکاح خالد کے ساتھ ہوا ہے وہ صحیح نہیں ہوا اور اب اگر ہندہ خالد ہی کے ساتھ نکاح کرنا چاہے تو وفات زید سے چار ماہ دس دن گذرنے کے بعد نکاح خالد سے کرسکتی ہے اور اگر خالد کے سوا کسی اور سے کرنا چاہے تو اگر خالد سے ہمبستری ہوچکی ہے تو جب تک خالد سے علیحدگی کے بعد دوسری عدت نہ گذرے غیر خالد سے نکاح درست نہیں اور اگر خالد سے ہمبستری نہیں ہوئی تو دوسری عدت کی ضرورت نہیں اور عدت ثانیہ تین حیض ہے اگر ہندہ کو حیض آتا ہو اور اگر حیض نہ آتا ہو تو سوال دوبارہ کیا جائے اور اس کو بھی واضح کیا جائے کہ خالد سے ہمبستری ہوئی تھی یا نہیں، واللہ اعلم۔

۲۱/ ذی الحجہ ۴۹ھ

لفظ آزاد کے کنایہ ہونے اور نہ ہونے کی تحقیق

سوال: محمد یامین سکنہ پسر حافظ قطب الدین مرحوم سکنہ دیوبند اپنی جا ملازمت سہارنپور سے اپنی اہلیہ کو لینے کی غرض سے دیوبند آیا چونکہ اہلیہ بجائے اپنے والدین کے اپنی پھوپھی کے ہاں گئی ہوئی تھی اہلیہ سے کسی قسم کی گفتگو نہیں ہوئی، اہلیہ کے برادر سید حسن سے کہا گیا کہ تم ڈولی سے اپنی ہمشیرہ کو اپنے یہاں لے آؤ میں اس سے کچھ گفتگو کر دوں گا۔ برادر اہلیہ نے کہا کہ میں بعد نماز جمعہ ڈولی بھیجدوں گا

چنانچہ میں تین بجے کے قریب سسرال میں گیا وہاں پر خسر صاحب کے دریافت کرنے پر کہ کیا تم لینے کے لئے آئے ہو، میں نے ظاہر کیا ہے کہ ہاں لینے ہی آیا تھا مگر خسر صاحب نے اس پر کچھ ناراضگی ظاہر کی میں خاموش ان کی گفتگو کو سنتا رہا بعدہٗ سید حسن برادر اہلیہ سے دریافت کیا کہ تم سے ڈولی کے لئے کہا تھا اس پر جواب ملا کہ والد نے منع کر دیا ہے اس وجہ سے ڈولی نہیں بھیجی، میں سید حسن کو اپنے ہمراہ لئے ہوئے سید محمد محتشم کے مکان پر جہاں میری والدہ بھی مقیم تھیں گیا سید حسن نے واپس مکان چاہا تو میں نے اس کو یہ کہہ کر روک لیا کہ باغ دیکھنے شبیر احمد کے ہمراہ چلیں گے مگر شبیر احمد اس وقت تک اپنے مکان سے نہیں آئے تھے، میں نے والدہ صاحبہ سے کہا کہ جب کبھی لے جانے کا ذکر ہوتا ہے تو خسر صاحب کو ناگوار گذرتا ہے اس سے بہتر ہے کہ آپ یہاں سے کسی کو بھیجکر سہارنپور سے اپنا اسباب منگا لو اور یہاں ہی رہو کیونکہ وہاں مکان کرایہ پر ہے اور اسباب کی وجہ سے خالی مکان کا کرایہ دینا پڑتا ہے، والدہ صاحبہ نے جواب دیا کہ دو چار روز میں مَیں بہو کو لیکر چلی آؤں گی مکان کو ابھی نہیں چھوڑنا چاہئے، کیونکہ مجھے اس وقت یہ خیال پختہ نہ تھا کہ خسر صاحب اہلیہ کے بھیجنے پر رضامند نہیں ہیں۔ میں نے والدہ کو جواب دیا کہ میری طرف سے تم بھی آزاد ہو اور وہ بھی آزاد ہے جب چاہو آؤ میری تکلیف کی کسی کو بھی پرواہ نہیں اور میرا نقصان کرا رہی ہو اس وقت یہ الفاظ محض اس نیت سے کہے گئے تھے کہ گویا تم دونوں کو میری کچھ فکر نہیں ہے طلاق کی نیت سے یہ الفاظ نہیں کہے گئے اور میں ایک خط خسر صاحب کو لکھنے کے لئے وہاں ہی بیٹھ گیا خط لکھتے ہوئے دیکھ کر والدہ نے کہا کہ میرے منہ کو کیوں کمبل بندھوائے ہے، میں نے جواب میں بآواز کہا کہ میں بے شرع نہیں ہوں اور نہ میں طلاق نامہ لکھ رہا ہوں محض ایک خط لکھ رہا ہوں جس کا جواب سید حسن مجھے لادے گا اور میں شام کی گاڑی سے واپس چلا جاؤں گا، تھوڑی ہی دیر میں شبیر احمد بھی آگئے اور والدہ صاحبہ کے اشارہ پر کاغذ کو میرے ہاتھ سے لینا چاہا، میں نے ان کو بھی جواب دیکر کاغذ واپس لے لیا کہ مجھے خط پورا کرنے دو پھر دیکھ لینا چنانچہ میں نے خط کو پورا کرکے شبیر احمد کو دے دیا کہ اب تم خود بھی پڑھ لو اور والدہ صاحبہ کو بھی سنادو، اس خط کو شبیر احمد نے پڑھا اور سید محمد محتشم کو جو اس وقت مکان میں موجود تھے دکھانے کے لئے اندر لے گئے میں بھی بعد کو اندر گیا تو محمد محتشم نے مجھ سے کہا کہ تم عقلمند ہو بڑوں کو اس قسم کے خطوط نہیں لکھا کرتے اس خط کو مت بھیجو اور اگر وہ تمہاری اہلیہ کو نہیں جانے دیتے تو تم ہی خاموش ہو جاؤ

دیکھیں کب تک رکھتے ہیں اپنے آپ بھیجدیں گے ۔ میں نے اس خط کو اپنے پاس رکھ لیا اور باہر آکر دیکھا تو سید حسن نہیں ملا، میں نے وہ خط مولوی نور الحسن صاحب کو دکھایا مولوی صاحب نے اس کو پڑھکر پھاڑ دیا اور کہا کہ بڑوں کو ایسے الفاظ نہیں لکھا کرتے ۔ کیونکہ میرے خط میں الفاظ سخت تھے ، اس وجہ سے میں بھی خاموش ہوگیا مگر خط میں اہلیہ کا کوئی تذکرہ نہ تھا ۔ اگلے روز شام کے وقت مجھے معلوم ہوا کہ اہلیہ کی پھوپھی آئی تھیں اور کہتی تھیں کہ سید حسن نے یہ جاکر کہا کہ محمد یامین نے طلاق دے دی ہے ۔ چنانچہ ان کو جواب دیا گیا کہ یہ بالکل غلط ہے اور یامین صبح سے باغ میں گیا ہوا ہے ۔ شام کو جب میں باغ سے واپس آیا تو والدہ صاحبہ نے یہ قصہ مجھ سے کہا ۔ میں نے مولوی نور الحسن صاحب کو اطلاع دی کہ ایسی افواہ اڑادی گئی ہے اگر اس خط کو نہ پھاڑتے تو اس وقت وہ خط ان کو دکھا کر تسلی کردی جاتی خیر مولوی صاحب نے اُس وقت تو مجھ سے یہ کہکر ٹال دیا کہ ہم خود اس معاملہ کو حل کردیں گے ، سید حسن بچہ ہے وہ اس معاملہ کو کیا جانے ۔ اتوار کے روز صبح کو مولوی صاحب میرے پاس آئے اور کہا کہ تمہارے خسر صاحب بلاتے ہیں ۔ چنانچہ میں گیا اور خسر صاحب سے گفتگو کی میں نے خسر صاحب کو یہ یقین دلانا چاہا کہ میں نے طلاق نہیں دی اور نہ طلاق کے الفاظ استعمال کئے مگر ان کو یقین نہیں آیا اور یہ کہکر چلے گئے کہ شام کو اس کا جواب دوں گا ، چنانچہ میں نے پیر کے روز خود اہلیہ کی پھوپھی اور برادر اولاد حسین سے اس واقعہ کی تردید کی اور شام تک انتظار دیکھ کر منگل کے روز اپنی جائے ملازمت پر سہارنپور واپس چلا آیا ۔ جو اصلی اور صحیح واقعات شروع سے اخیر تک گذرے ہیں وہ نہایت ایمانداری اور سچائی کے ساتھ اس تحریر میں درج کردیئے ، میں طلاق کو عدمِ طلاق اور عدمِ طلاق کو طلاق بنانا نہیں چاہتا اور قسمیہ تحریر ہے کہ میرے الفاظ بہ نیت طلاق نہ تھے ۔ اس پر مفتیانِ شرع متین فتویٰ دیں کہ آیا اس واقعہ سے طلاق ہوئی یا نہیں ؟ تاکہ میں اور اہلیہ آخرت کی خرابی سے بچ جاویں، فقط ۔

الجواب : حامداً و مصلیاً ، جو الفاظ سوال میں مذکور ہیں وہ کنایات[عہ] طلاق کے ہیں لیکن مابعد کا کلام اور متکلم کا ان سے طلاق کا ارادہ نہ کرنا معنی طلاق کی ان الفاظ سے نفی کر رہا ہے اس لئے اس صورت میں دیانۃً کسی قسم کی طلاق شرعاً واقع نہیں

[عہ] ہم نے اپنے جواب میں اس کا کنایاتِ طلاق سے ہونا صورۃ مسئولہ میں تسلیم نہیں کیا ۱۲ ظفر

ہوگی، واللہ اعلم بالصواب۔

رقمہ ضیاء احمد عفا عنہ ۹ر جمادی الاولیٰ سنہ ۴۶ھ

الجواب صحیح، عنایت الٰہی عفا عنہ۔

الجواب من جامع امداد الاحکام بتھانہ بھون؛ واللہ الموفق للصواب

صورت مسئولہ میں متکلم کا یہ قول کہ "میری طرف سے تم بھی آزاد ہو اور وہ بھی آزاد ہے جب چاہے آؤ" نہ کنایات طلاق سے ہے نہ صریح سے اس لئے اس سے کسی قسم کی طلاق پڑنے کا احتمال نہیں۔ وجہ اس کی یہ ہے کہ کنایہ وہ ہے جس میں احتمال ارادۂ رفع قید نکاح بھی ہو اور اس کے غیر کا احتمال بھی ہو اور لفظ آزاد ہر حالت اور ہر استعمال میں کنایۂ طلاق نہیں بلکہ یہ کنایات میں اُس وقت داخل ہے جبکہ خلاف ارادۂ طلاق کا قرینہ کلام میں نہ ہو مثلاً یوں کہا جائے کہ میری بیوی آزاد ہے یا تو آزاد ہے یا وہ آزاد ہے اور وہ ہر طرح مجھ سے آزاد ہے اور تو پوری طرح آزاد ہے ان استعمالات میں بیشک یہ کنایات کی قبیل سے ہے اور اگر ارادۂ طلاق کا قرینہ قائم ہو تو پھر یہ لفظ صریح ہو جاتا ہے مثلاً یوں کہا جائے کہ میری بیوی میرے نکاح سے آزاد ہے۔ یا میں نے اس کو اپنے نکاح سے آزاد کیا۔ اور میں نے اس کو اپنے سے آزاد کر دیا۔ اور اگر کلام میں عدم ارادۂ طلاق کا قرینہ قائم ہو جائے تو پھر یہ نہ صریح طلاق سے ہے نہ کنایات سے مثلاً یوں کہا جائے کہ تو آزاد ہے جو چاہے کھا پی اور میں نے اپنی بیوی کو آزاد کیا چاہے وہ میرے پاس رہے یا اپنے گھر اور وہ آزاد ہے جب اس کا جی چاہے آوے۔ ان استعمالات میں ہرگز کوئی شخص محض مادۂ آزاد کی وجہ سے اس کلام کو کنایۂ طلاق سے نہیں کہہ سکتا بلکہ اباحت افعال وتخییر وغیرہ پر محمول کرے گا بشرطیکہ اس کو محاوراتِ لسان پر کافی اطلاع ہو اور ایک لفظ کا صریح طلاق اور کنایۂ طلاق ہونا اور گاہے دونوں سے خالی ہونا اہل علم پر مخفی نہیں ملاحظہ لفظ طالق اور طلقتک معنی طلاق میں شرعاً صریح ہے لیکن انت مطلقۃ بسکون الطاء من الاطلاق فکنایۃ ولو صرح بنحو انت طالق عن الوثاق او القید فانہ یصدق قضاء ودیانۃ فی عدم ارادۃ الطلاق الرافع لقید النکاح الا اذا قرنہ بعدد فلا یصدق اصلاً صرح بہ فی الدر والشامیۃ فی باب الصریح وھل ھذا الا ان اللفظ یختلف فی الدلالۃ علی معناہ بحسب اختلاف استعمالہ وان کان مادتہ

واحدۃ فی جمیع الاستعمالات ۔

پس ہمارے نزدیک صورت مسئولہ میں متکلم کا اپنی ماں کو خطاب کرکے یہ کہنا کہ " تم بھی آزاد ہو اور وہ بھی آزاد ہے جب چاہے آؤ " اس میں " جب چاہے آؤ " یہ قرینہ نفی ارادۂ طلاق کا ہے نیز اس کے ساتھ یہ بھی قرینہ ہے کہ متکلم نے اپنی ماں کو بھی آزاد کہا ہے اور وہاں یقیناً معنیٔ طلاق مراد نہیں ہیں تو اس سے اس کے قرین پر بھی اثر ہو پہنچتا ہے کہ جو معنی آزاد کے اول جملہ میں ہیں وہی دوسرے جملہ میں ہوں گے اور لفظ جب چاہے آؤ نے اس کو واضح کردیا کہ مراد آزادیٔ آمد و رفت کی ہے نہ کہ نکاح سے آزادی اور اس کے بعد سائل نے اسی جلسہ میں یہ بھی تصریح کردی کہ میں بے شرع نہیں ہوں نہ طلاق نامہ لکھ رہا ہوں جس سے ارادۂ طلاق کی نفی مؤکد ہوگئی ۔ پس صورت مسئولہ میں طلاق کے وقوع کا کوئی احتمال نہیں اور زوجۂ سائل کو عدۃ طلاق گزارنا جائز نہیں جب تک کہ اس کے پاس دو ثقہ عادل ان الفاظ کا متکلم کی زبان سے صادر ہونا بیان نہ کریں جو اس مادہ میں موجب وقوع طلاق ہو سکتے ہیں جس کی قدرے تفصیل اوپر گزر چکی ۔ اور سوال سے معلوم ہوتا ہے کہ مسماۃ کے پاس خبر لیجانیوالا سوائے اس کے بھائی کے اور کوئی نہیں تو اس صورت میں اگر اس کا بھائی ایسے الفاظ بھی بیان کرے جو درحقیقت موجب طلاق ہوں جب بھی مسماۃ کو اس کی تصدیق جائز نہیں جبکہ شوہر اس سے منکر ہے، واللہ اعلم ۔ حررہ الاحقر ظفر احمد عفا عنہ ۔

۲ رجب المرجب ۴۶ھ ۔

کنایہ طلاق کے اندر اگر نیت میں شک ہو تو طلاق واقع نہیں ہوگی

(سوال) اپنی عورت کے ساتھ نزاع کے وقت مرد کی زبان سے الفاظ " نکل جا ، اپنی ماں کے گھر چلی جا " نکلے ۔ ان الفاظ کے نکلنے کے بعد اس کو جب نیت کا خیال ہوا تو شک پڑ گیا کہ نیت تھی یا نہیں عورت کو ان الفاظ کے احکام کا علم نہیں ۔ وہ خاوند کے ہاں رہنے پر مصر ہے، اور طلاق کا مطالبہ نہیں کرتی ۔ پس ارشاد فرمایا جاوے کہ :

(۱) نیت کے مشکوک ہونے کی صورت میں طلاق پڑ جائے گی یا اس شک کا لحاظ کرکے عورت سے تعلقات رکھنا جائز ہے؟

(۲) خدانخواستہ اگر ان الفاظ سے طلاق واقع ہو جائے تو رجوع کی کیا صورت ۔ مخفی مبادکہ دو تین سال قبل اسی قسم کے الفاظ عورت کے سوال " پالنا ہو تو پالو ورنہ چھوڑ دو " پر

"جاؤ اپنی ماں کے گھر جاؤ" بلانیت طلاق نکلے پھر اس خیال سے کہ ان الفاظ سے طلاق واقع ہو جاتی ہے "گوشہ ہو جاؤ اب مجھ سے کچھ تعلق نہ رہا" کہا گیا۔ بنا بر استفتار بعض علمار نے طلاق واقع ہوگی اور بعض نے بلانیت واقع نہ ہوگی فرمایا اس لئے احتیاطاً اس وقت تجدید نکاح کر لیا گیا تھا۔

الجواب؛ قال فی الدر علم انہ حلف ولم یدر بطلاق او غیرہ لغا کما لو شك أطلق أم لا (ص ۷۴۵ ج ۲) چونکہ صورت مسئولہ میں لفظ صریح نہیں بلکہ کنایہ محتاج نیت ہے اور نیت میں شک ہے اس لئے طلاق واقع نہ ہوگی۔

۲۰ ر شعبان ۴۶ھ

مُکرَہ نے فرار عن الطلاق کی نیت سے لفظ تلاہے، تلاہے، تلاہے تین مرتبہ دہرایا تو طلاق واقع نہیں ہوگی

سوال) زید نے اپنی بیوی کو طلاق بائن دے دی عدت کے بعد عمرو نے زوجۂ زید سے نکاح کر لیا یہ خبر پا کر زید طلاق سے مُنکر ہو گیا اور عمرو پر دعویٰ دائر کر دیا چونکہ زید روپے والا تھا عدالت سے مقدمہ جیت گیا۔ اب زید نے عمرو کو مجبور کیا کہ تم اس کو طلاق دو۔ عمرو نے کہا کہ جب تم نے اس کو طلاق ہی نہیں دی تھی تو میرا نکاح ہی نہیں ہوا پھر میری طلاق کی کیا ضرورت ہے۔ زید نے کہا کہ تم کو طلاق دینا پڑے گی ورنہ تمہاری خیر نہیں۔ چونکہ زید ایک زبردست آدمی تھا اس لئے عمرو اُس کے سامنے مجبور ہو گیا بالآخر اس نے کسی قدر فاصلہ سے کھڑے کھڑے یوں کہا "تلاہے، تلاہے، تلاہے"۔ اور طلاق کی نیت نہیں کی بلکہ اپنے اوپر سے بلا ٹالنا چاہی اس لئے یہ مہمل لفظ استعمال کیا۔ پس صورت مسئولہ میں طلاق واقع ہوئی یا نہیں۔

الجواب؛ اس سوال کا جواب چند مقدمات پر مبنی ہے۔ مقدمہ (۱) اس میں تو شک نہیں کہ عوام طلاق دیتے ہوئے مخارج سے ادائے حروف کی سعی نہیں کرتے اسی لئے فقہار نے تلاک، تلاغ وغیرہ کو بھی موجب طلاق قرار دیا ہے (۲) نیز حرف اخیر جس پر وقف ہو عام طور پر بعض اہل ہند صاف نہیں بولتے اور بعض دفعہ شبہ ہو جاتا ہے کہ شاید اکتفاءً حرف اخیر کو حذف کر دیا ہے مثلاً دوست کا دوس گوشت کا گوش جناب کا جنا، سلام کا سلا مفہوم ہوا کرتا ہے (۳) اس میں بھی شک نہیں کہ لفظ تلا اگر بدون قرینہ کے استعمال کیا جائے لفظ مہمل ہے یا مختلف معانی کو محتمل ہے کہ جوتے کا تلا مراد ہے یا کیا (۴) اور اگر مذاکرۂ طلاق

کے بعد یا بیوی کے سامنے غضب کی حالت میں استعمال کیا جائے تو ان قرائن کے انضمام سے متبادر یہی ہوگا کہ طلاق مراد ہے اور اکتفاءً یا سرعت نطق کی وجہ سے حرف اخیر حذف کر دیا، یا مفہوم نہیں ہوا۔

خلاصہ یہ کہ یہ لفظ کنایات طلاق سے ہے جو مذاکرہ وغیرہ کے وقت طلاق کو موجب ہوگا۔ چونکہ صورت مسئولہ میں عمرو نے یہ لفظ مذاکرۂ طلاق کے بعد استعمال کیا ہے اس لئے قضاءً اس سے وقوع طلاق ہوگیا اور اضافت الی الزوجہ معنیً موجود ہے کیونکہ زید نے اُسی عورت کی طلاق پر اکراہ کیا تھا جس کے متعلق نزاع تھا۔ لیکن چونکہ عمرو کی نیت طلاق کی نہ تھی اس لئے دیانۃً وقوع طلاق نہیں ہوا۔ اور قضاءً بھی عمرو کا دعویٰ عدمِ نیت یمین کے بعد قبول کیا جائے گا۔ کیونکہ گو ایک قرینہ مذاکرۂ طلاق مؤید ارادۂ طلاق بلفظ تلا ہے مگر دوسرا قرینہ یعنی اکراہ مؤید ارادۂ فرار عن الطلاق باستعمال اللفظ المہمل المغیر ہے کیونکہ اکراہ کی حالت میں غالب یہ ہے کہ طلاق کی نیت ہوتی اب اگر لفظ صریح ہو تو دعوی عدمِ نیت بوجہ صراحت کے رد ہوگا اور اگر لفظ مصحف یا مغیر ہو اور مُکرَہ یہ دعویٰ کرے کہ میں نے تصحیف عمداً کی ہے تاکہ طلاق واقع نہ ہو تو یہ دعویٰ یمین کے ساتھ مقبول ہوگا اور اصل یمین قاضی کے سامنے ہونا چاہئے مگر طلاق کے معاملہ میں عورت کالقاضی ہے اس لئے یہ بھی کافی ہے کہ عورت گھر ہی میں شوہر سے قسم لیلے اگر وہ قسم کھالے کہ میری نیت طلاق کی نہ تھی بلکہ فرار عن الطلاق کی تھی تو اس کے بعد عورت کو عمرو کے نکاح میں بدستور رہنا جائز ہے۔

والمسئلة ماخوذة عن الدر والشامية (ص ۷۱۳ ج ۲ و ص ۷۶۴ ج ۲) باب الصريح والكنايات۔ واللہ اعلم۔

۵ رمضان ۴۶ھ

میں نے ہندہ کو اجازت دی ہے کہ جس سے چاہے نکاح کرے مجھ کو کچھ غرض نہیں، کہنے سے بلانیت طلاق بائن کا وقوع

سوال) کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرعِ متین اس مسئلہ میں کہ ہندہ ایک شریف خاندان کی لڑکی بباعث بے وارثی ہونے کے دھوکہ سے زید کے نکاح میں آگئی۔ زید تارک الصلوٰۃ، تارک الجمعہ، تارک الصوم ہندہ کو نان ونفقہ نہیں دیتا تھا نہ اس کے بچوں کو پرورش کرتا تھا اور اگر کبھی دو چار ماہ کو ہمراہ لے بھی گیا تو قسم قسم کی ایذاء سے ہندہ کو دق کرتا رہتا تھا اور اس کو اس کی ماں بیوہ کے پاس لاکر خود بھی اپنا خرچ اس کی ماں بیوہ کے ذمہ ڈال دیتا تھا حتیٰ کہ والدہ ہندہ سخت محتاج اور پریشان تھی عرصہ آٹھ نو سال تک اس ظلم کو بوجہ

بے وارثی سہتی رہی اور باقی یتیم پریشان رہ گئے سب مال دھمکا دھمکا کر زید کھا گیا۔ اب عرصہ ایک سال سے زید ایک عورت نامحرم سے تعلق بے جا کر کے فرار ہو گیا اور ہندہ اور ہندہ کی والدہ کو مکرر سہ کرر چند آدمیوں کے سامنے یہ جواب دے گیا کہ "میں نے بخوشی اجازت دی ہندہ اور نکاح کر لے، ہندہ سے کہا کہ میں نے تجھ کو خوشی سے اجازت دی تو جس سے چاہے نکاح کرلے مجھ کو کچھ غرض نہیں میں نان ونفقہ دوں نہ کمائی کروں تجھ کو اپنے نفس کا اختیار ہے" اب ہندہ نے ایک سال کے بعد اپنے خورد و نوش کے لئے مزدوری اختیار کی ہے آیا ہندہ کو باہر نکلنا کسی کے گھر جانا یا کسی کے بچہ کو دودھ پلانا یا دوسرا نکاح کر لینا جائز ہے؟ بینوا توجروا۔

الجواب: اگر صورت سوال صحیح ہے تو صورت مسئولہ میں ہندہ پر طلاق بائن واقع ہوگئی لان الاذن فی النکاح بمعنی ابتغی الازواج فیفید الطلاق اذا کان فی حالۃ الغضب اوالمذ اکرۃ وعندی ان قولہ "میں نے ہندہ کو اجازت دی کہ جس سے چاہے نکاح کرلے مجھے کچھ غرض نہیں" بمنزلۃ قولہ أبرأتك عن الزوجیۃ وبہ یقع الطلاق من غیر نیۃ فی الرضاء والغضب (عالمگیریہ ص ۲۷۰ ج ۲) فکذا ھذا الکلام بمجموعہ کالصریح عندی وکذا قال بعض اھل اللسان و وافقونی علیہ اسی طرح زوج کا یہ قول "مجھے کچھ غرض نہیں" بمعنی قولہ لاعلاقۃ لی بھا ولا سبیل لی علیھا اور اس سے پہلا کلام ارادۂ محض طلاق کو مفید ہے اس لئے بھی طلاق بائن میں شک نہیں پس ہندہ زید کے اس قول کے بعد سے تین حیض گزار کر جس سے چاہے نکاح کر سکتی ہے، واللہ اعلم۔ حررہ الاحقر ظفر احمد عفی عنہ

خلاصہ یہ کہ اگر جزو اول کا مؤثر ہونا کچھ خفی بھی ہو مگر جزو ثانی میں کچھ خفا نہیں ۱۲ اشرف علی

۲۵ر شوال ۴۶ھ

حکم بعض الفاظ کنایہ

(سوال) کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں زید اپنے زوجہ منکوحہ ہندہ نامی کو عرصہ ڈھائی سال کا ہوا بسبب تنازعہ ونفاق باہمی کے یہ الفاظ کہکر کہ تو میرے شرع سے باہر ہو گئی ہے۔ میرے لائق نہیں ہے۔ میں تیرا راضی ساتھی نہیں ہوں۔ میرے گھر سے نکل جا۔ جہاں تیرا جی چاہے جا۔ ہم سے کوئی واسطہ نہیں اپنے گھر سے نکال دیا۔ ہندہ مجبوراً اس کے پاس سے چلی آئی اور چونکہ اس کا کفیل اور دستگیر نہ تھا اس نے اپنے گذر معاش اور اوقات بسری کے لئے اپنے ایک ہم کفو بکر نامی کے یہاں قیام کیا اور اس گذشتہ

ڈھائی سال تک ہندہ علی الاعلان جو کہ زید و نیز تمام لوگوں کو بخوبی ظاہر تھا بغیر نکاح کئے ہوئے بکر کی زوجیت میں اس وقت تک رہی اور بکر مطابق سلوکات زن و شوہر ہندہ کے ہر قسم کے پرورش نان نفقہ اور ضروریات کا ذمہ دار رہا۔ زید نے نکال دینے کے بعد سے پھر ہندہ کو نہ رکھا نہ اس کے کسی قسم کے نان نفقہ کی فکر کی اور نہ کوئی تعلقات زن و شوہر کے قائم رہے اب عرصہ اٹھارہ یوم کا ہوا کہ زید قضاء الٰہی سے فوت ہوگیا ایسی صورت میں اس وقت ہندہ کو بکر کے ساتھ نکاح پڑھانے کے لئے زید کے فوت ہوجانے کی وجہ سے سوگ کرنے اور ایام عدت پورا کرنے کی ضرورت ہے یا نہیں اور یہ کہ ہندہ کا نکاح بکر کے ساتھ بغیر ایام عدت پورا کئے ہوئے اب اس وقت ہوسکتا ہے یا نہیں ؟

الجواب : زید کا یہ قول "تو میرے شرع سے باہر ہوگئی" اس میں شرع سے مراد نکاح ہے اس لئے معنی طلاق میں صریح ہے لکونہ مثل قولہ ابرأتك عن الزوجية وقد صرح فی الهندية بكونه صريحًا فی الطلاق (ص ۷۰ ج ۲) اس لئے ایک طلاق تو اس لفظ سے پڑگئی اس کے بعد کہا ہے "میرے گھر سے نکل جا" یہ کنایہ ہے جو وقوع طلاق میں بہر حال محتاج نیت ہے اس کے بعد کہا ہے "مجھ سے کچھ واسطہ نہیں" یہ بحالت مذاکرۂ طلاق محتاج نیت نہیں اس لئے ہندہ پر دو طلاق بائن واقع ہوگئیں اور عدت کے بعد اس کا نکاح بکر سے جائز ہے اور عدت طلاق کے وقت سے شمار کی جاوے گی جب طلاق کے وقت سے تین حیض پورے ہوچکیں اسی وقت نکاح درست ہے غالبًا اس ڈھائی سال میں تین حیض ہندہ کو آگئے ہوں گے اگر نہ آئے ہوں تو تین حیض پورے ہونے کے بعد بکر سے نکاح کرلے۔ اور بکر کے ساتھ جو ہندہ ڈھائی سال تک رہی اور اس سے مقاربت ہوئی یہ محض زنا ہے اس کی وجہ سے کوئی عدت لازم نہیں۔ واللہ اعلم۔

۲ ر ذیقعدہ ۴۶ھ

طلاق بائن کی ایک صورت کا حکم

(سوال) نحمدہ ونصلی علی رسولہ الکریم

کیا فرماتے ہیں علمائے دین و حامیٔ شرع متین اس باب میں کہ زید نے زبیدہ سے جو بیوہ تھی اس کی رضامندی سے عرصہ گیارہ سال کا ہوتا ہے نکاح کیا اور زید بسلسلۂ ملازمت پردیس چلا گیا کچھ عرصے بعد زبیدہ کا زید کے نام یہ خط پہونچتا ہے کہ اس خط کے دیکھتے ہی فورًا کہہ دینا کہ میں نے تم کو آزاد کردیا زید نے کراہتًا ایسا ہی کیا اور ذریعہ تحریر زبیدہ کو اس کی اطلاع دے دی زید کو اس معاملہ سے زبیدہ کی جانب سے بدگمانی ہوئی اور وہ یہ سمجھ چکا کہ کسی دوسرے

شخص کی وجہ وہ زید کے نکاح میں نہیں رہنا چاہتی۔ مگر زید عرصہ دو یا تین سال بعد جب وطن آتا ہے تو زبیدہ کو حسب معمول اپنا مائل پاتا ہے اور زید اُس کو کسی قسم کی طلاق اس وجہ سے نہیں دیتا کہ وہ ہر طرح سے اس کی فرمانبردار نظر آتی ہے اور بدگمانی کے متعلق حلف اٹھا کر صفائی کردیتی ہے زید اُس سے مقاربت کرتا ہے اور پھر تھوڑے عرصے رہ کر پردیس چلا جاتا ہے، پردیس جانے کے بعد بعض ذرائع اور قرائن معتبرہ سے زید یہ معلوم کر لیتا ہے کہ زبیدہ کا ناجائز تعلق کسی غیر شخص سے ہے۔ اس پر وہ سخت برہم ہو کر لکھ دیتا ہے کہ "مجھ سے تیرا کوئی تعلق نہیں رہا یا میں نے تجھ کو آزاد کردیا" وغیرہ مگر زبیدہ کی جانب سے اس بات کے قبول کرنے یا نہ کرنے کا کوئی جواب ملنا یا نہ ملنا یاد نہیں رہا مگر زید اس کو اپنی کم علمی کی وجہ یہ سمجھ چکا کہ زبیدہ مجھ سے ہمیشہ کے لئے علیحدہ اور حرام ہو گئی بلکہ اثنائے تذکرہ میں زبیدہ کی نسبت مطلقہ ہونے کا ذکر بیان کرتا ہے اور اس کو اپنی بہن وغیرہ سے تعبیر کرتا رہا ہے۔ اب زید عرصۂ نو سال بعد پھر وطن واپس آیا ہے تو زبیدہ کہتی اور دعویٰ کرتی ہے کہ میں تجھ پر کسی طرح حرام نہیں ہوئی میں تیری منکوحہ ہوں از روئے شرع شریف مجھ پر کوئی طلاق وغیرہ عائد نہیں ہوسکتی اور بدگمانی کی نسبت ہر طرح حلف وغیرہ اور خدائے واحد کو درمیان کر کے قسم کھا کر کہتی ہے کہ اگر میں نے تیری امانت میں خیانت کی ہو یا سوائے تیرے کسی غیر شخص سے حرام کیا ہو تو قیامت میں میرا دامن اور تیرا ہاتھ ہوگا اور اگر تو بلا وجہ اور بے گناہ محض بدگمانی اور قیاس پر مجھے چھوڑتا ہے تو قیامت میں تیرا دامن اور میرا ہاتھ ہوگا۔

اب زید نہایت مضطرب ہے اور چاہتا ہے کہ زبیدہ کو نہ چھوڑے بشرطیکہ شرع متین کی رُو سے زبیدہ اس کی ہوسکتی ہو۔ بیّنوا توجروا۔

نوٹ:۔ زبیدہ کا نکاح بغیر کسی مقررہ دین مہر کے ہوا تھا تو کیا شرع پیمبری کا مقررہ مہر ادا کرنا ہوگا؟

زبیدہ کا نکاح ایک عالم اور ایک جاہل جو گواہ کی صورت میں تھا دو شخصوں کے مواجہ میں ہوا تھا وہ نکاح صحیح ہے یا غیر صحیح؟ بینوا توجروا۔

تنقیح:۔ زید نے زبیدہ کا خط آنے پر جو زبان سے کہا کہ "میں نے تجھ کو آزاد کیا" اور بذریعہ تحریر زبیدہ کو اُس کی اطلاع بھی دیدی۔ اس کے متعلق یہ امر تنقیح طلب ہے کہ زید نے خط پڑھ کر یہی الفاظ مذکورہ کہے یا بیوی کا نام لیکر یوں کہا کہ میں نے زبیدہ کو آزاد کردیا۔ اور

صورت اولیٰ میں جبکہ "میں نے تجھ کو آزاد کیا" کہا ہو نیت طلاق کی تھی یا نہیں؟ اور زبیدہ کو جو بذریعہ تحریر اطلاع دی کن الفاظ سے اطلاع دی وہ الفاظ صحیح طور پر بلا کم و بیش لکھے جائیں۔ فان وجوہ الاضافۃ فی الخطاب مع عدم المخاطب مختلف فیہ کما یظھر من عبارات الفقھاء التی ذکرھا فی ردالمحتار (ص ۷۰۵ ج ۲) والخلاصۃ (ص ۹۱ ج ۲) اس کے بعد جو زید نے بدگمانی کی وجہ سے زبیدہ کو یہ لکھا کہ میرا تجھ سے تعلق نہیں رہا میں نے تجھ کو آزاد کر دیا۔ اس لفظ سے زبیدہ پر طلاق بائن پڑ گئی۔ لیکن یہ امر تنقیح طلب ہے کہ اس نے ان دونوں لفظوں کو ایک شمار کیا یا دونوں کو الگ الگ بہ نیت طلاق استعمال کیا ہے۔ رہا یہ کہ اب زبیدہ سے زید کا نکاح ہو سکتا ہے یا نہیں اس کا جواب تنقیح بالا پر دیا جائے گا۔ سائل کو مذکورہ بالا دونوں تنقیحوں کا جواب دینا چاہئے تاکہ یہ واضح ہو کہ زبیدہ پر تین طلاقیں واقع ہوئیں یا اُس سے کم۔

اور مہر مقرر نہ کرنے کی صورت میں زوجہ کا خاندانی مہر شوہر کے ذمہ لازم ہوتا ہے اور ایک عالم اور ایک جاہل مل کر دو گواہ پورے ہونے سے بھی نکاح منعقد و صحیح ہو جاتا ہے۔ واللہ اعلم۔

جواب تنقیح: (۱) زبیدہ کا خط بایں مضمون ہمدست ہوا تھا کہ یہ خط پہونچتے ہی تم کہہ دینا کہ میں نے تم کو آزاد کیا چنانچہ زید نے صرف اسی قدر الفاظ کہے تھے (کہ میں نے تم کو آزاد کیا) بُعدِ زمانہ کے باعث اس قدر خیال نہیں رہا کہ زبیدہ کا نام بھی لیا تھا یا نہیں یہ الفاظ کہتے ہوئے زید کو نیت طلاق کی تو نہ تھی مگر اپنی لاعلمی کی وجہ سے خیال کرتا تھا کہ اب زبیدہ اُس سے چھوٹ گئی۔ زبیدہ کو جو اطلاع دی گئی وہ بھی الفاظ مذکورہ کا اعادہ تھا بس۔

(۲) چونکہ زید اپنے خیال میں یہ تصور کر چکا تھا کہ زبیدہ اس سے گئی ان الفاظ سے وہ آزاد ہو گئی مگر نیت طلاق کی پھر بھی نہ تھی۔ بار اول مجبوراً و کراہتہً زبیدہ کے لکھنے پر یہ الفاظ کہے گئے بار دیگر بدگمانی کی وجہ۔ اس کے بعد ایک عرصے تک خط و کتابت بند رہنے سے زید زبیدہ سے بیحد بدگمان ہو کر ہمیشہ اس کو مطلقہ تصور کرتا رہا مگر دو بدو کبھی ایسے الفاظ نہیں کہے گئے بلکہ محض تحریراً۔

(۳) ایک صاحب جو عالم بھی ہیں مغالطہ ڈال رہے ہیں وہ فرماتے ہیں کہ تا وقتیکہ زبیدہ نکاح کے وقت خود موجود رہ کر اپنی زبان سے ایجاب و قبول نہ کرے یا اس کی جانب سے

کوئی وکیل درمیان میں نہ ہو صرف ایک عالم اور ایک جاہل کے موجود رہتے سے بلا واسطہ نکاح صحیح نہیں ہوا ناکح وکیل یا گواہ نہیں بن سکتا، واللہ اعلم۔

مفصلاً نکاح کی کیفیت مکرر عرض کرتا ہوں۔ زبیدہ نے زید سے کہا کہ میں تجھ سے راضی ہو چکی تو میرا نکاح پڑھوالے چنانچہ زید نے ایک عالم سے عرض کیا انہوں نے زبیدہ کی موجودگی یا اس کی جانب سے کسی وکیل وغیرہ کی موجودگی کی ضرورت تصور نہ فرما کر محض زید کے بیان پر بھروسہ کر کے ایک جاہل شخص جو اُن کے پاس بیٹھا ہوا تھا نکاح پڑھ دیا اور خود زید سے ایجاب و قبول کرایا تو کیا ایسی صورت میں نکاح صحیح ہو گیا اور اگر صحیح نہیں ہوا تو کیا اس وقت تک زید و زبیدہ کا تعلق ناجائز رہا اور اس کا ذمہ دار کون ہے؟ بینوا توجروا۔

الجواب: (۱و۲) صورت مسئولہ میں زید نے جو زبیدہ کا خط پڑھ کر یہ لفظ کہا کہ "میں نے تجھ کو آزاد کیا" اس سے طلاق نہیں پڑی کیونکہ اضافت موجود نہیں خطاب بوقت حضور مخاطب اضافت ہے وقت غیبت میں اضافت نہیں قال فی الخلاصۃ ان الکتابۃ من الغائب کالخطاب من الحاضر (ص ۲۹۱ ج ۲) قلت فیہ دلالۃ علیٰ ان الخطاب من الغائب لیس بشیٔ۔

البتہ اس کے بعد جو بدگمانی کی وجہ سے زید نے زبیدہ کو لکھا کہ "میرا تجھ سے تعلق نہیں رہا میں نے تجھ کو آزاد کر دیا" اس سے زبیدہ پر طلاق بائن پڑ گئی دوبارہ نکاح کر کے تعلقِ زوجیت قائم ہو سکتا ہے بدون نکاح کے ساتھ نہیں رہ سکتے۔

(۳) اس عالم نے صحیح نہیں کہا ناکح شاہد ہو سکتا ہے۔ قال فی الدر امر الأب رجلاً ان یزوج صغیرته فزوجها عند رجلٍ او امرأتین والحال ان الاب حاضر صح لانہ یجعل عاقداً حکماً والا لا ولو زوّج بنتہ البالغۃ العاقلۃ بمحضر شاہد واحد جاز ان کانت ابنتہ حاضرۃ لانہا تجعل عاقدۃ و الا لا والاصل ان الآمر متی حضر جعل مباشراً اھ (ص ۲۴۹ ج ۲) قلت وفیہ ایضاً ان الواحد یتولی طرفی العقد اذا لم یکن فضولیاً من الطرفین وفی الصورۃ المسئولۃ وکلت زبیدۃ زیداً للتزویج نفسہا منہ فصار اصیلاً ووکیلاً فیجوز العقد بعقد العالم عند شاہد واحد و زید حاضر واللہ اعلم۔

۲۴؍ ذی الحجۃ سنہ ۴۶ھ

دو طلاق صریح دینے کے بعد شوہر نے کہا "فضل کی لڑکی کو طلاق بائن دیا" تو قول ثانی اول کا بیان سمجھا جائیگا یا مستقل طلاق ہو کر حرمت مغلظہ ہوگئی

(سوال) کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ ایک شخص نے اپنی بی بی کے ساتھ جھگڑا کر کے کہا "ایک طلاق دو طلاق فضل کی لڑکی کو طلاق بائن دیا" اب اس کی بی بی پر کتنی طلاق واقع ہوں گی؟ بیّنوا توجروا۔

الجواب: صورت مذکورہ میں اُس کی بی بی پر دو طلاق بائن واقع ہوں گی کیونکہ مُطلّق کا بیان خبر بیان ہے اول قول کا یعنی پہلی دو طلاق، طلاق بائن ہیں کما فی الھدایۃ المجلد الثانی صفحہ ۳۴۹ فاذا وصف الطلاق بضرب من الزیادۃ والشدۃ کان بائنًا مثل ان یقول انت طالق بائن او البتۃ فیکون ھذا الوصف لتعیین احد المحتملین الی الرجعی والبائن۔ پس معلوم ہوا کہ صورت مذکورہ میں اس کی بی بی پر دو طلاق بائن واقع ہوں گی، فقط واللہ اعلم۔

کتبہ احقر محمود اللہ عفی عنہ

الکلام علی الجواب المذکور

یہ جواب غلط ہے اور صورت مسئولہ میں شخص مذکور کی بیوی پر تین طلاق واقع ہوگئیں۔ اور عبارت ہدایہ کا مطلب صرف اتنا ہے کہ جب طلاق کے ساتھ کوئی وصف مفید معنی زیادت وشدت ملحق ہوگا تو طلاق بائن ہو جائے گی اس کا مقتضا یہ ہے کہ شخص مذکور نے جو تیسری بار کہا فضل کی لڑکی کو طلاق بائن دیا تو وصف بائن سے یہ طلاق بائن ہوگئی۔ رہا یہ کہ اس وصف کے بڑھانے سے لفظ طلاق بائن دیا موجب وقوع طلاق نہ ہوگا بلکہ پہلے کلام کا بیان ہوگا عبارت ہدایہ اس پر دال نہیں والدلیل علی وقوع الثالث بقولہ طلاق بائن دیا ما فی ردالمحتار تحت قول الدر لایلحق البائن البائن اذا امکن جعلہ اخبارا عن الاوّل کانت بائن ابنتک بتطلیقۃ فلا یقع لانہ اخبار فلا ضرورۃ فی جعلہ انشاء اھ ما نصہ اشار بہ الٰی انہ لایشترط اتحاد اللفظین فیشمل ما اذا کان الاوّل بلفظ الکنایۃ البائنۃ او الخلع او الطلاق الصریح اذا کان علٰی مال او موصوفا بما ینبئ عن البینونۃ کما علم مما قدمناہ بعد کون الثانی بلفظ الکنایۃ البائنۃ کالخلع ونحوہ ممّا یتوقف علی النیۃ ولو باعتبار الاصل کانت حرام

طلاق بالکتابت کی ایک صورت

سوال :- کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ زید کی شادی بچپن میں ہوئی ۔ مگر زید نے بالغ ہونے کے کچھ مدت بعد عمرو سے کہا کہ ایک طلاق نامہ لکھدو تو عمرو نے پوچھا کہ کیا تم اپنی بی بی کو طلاق دو گے؟ تو زید نے کہا ہاں تو عمرو نے تین طلاق لکھکر زید کو دیدیا اور زید نے اسے بکر کو دیا کہ اس کو پڑھکر سنادو زید نے سننے کے بعد طلاق نامہ پر دستخط نہیں کیا اور طلاق نامہ لیکر رکھ لیا ۔ کچھ روز کے بعد زید نے اس کو پھاڑ ڈالا ۔ اس کے بعد زید کے گھر والوں کو خیال ہوا کہ اس کی بی بی کو بلایا جائے تو زید نے کہا کہ میں

نے ایک طلاق نامہ لکھوایا تھا مگر اس پر دستخط نہیں کیا تھا۔ اگر طلاق واقع ہوگئی ہو تو نہ بلایا جائے اور اگر نہ واقع ہوئی ہو تو بلایا جائے اور پنچایت میں لوگوں نے پوچھا کہ یہ کیوں لکھوایا تھا تمہاری کیا نیت تھی تو زید نے جواب دیا کہ چھوڑنے کی نیت تھی آیا اسی صورت میں طلاق ہوگی یا نہیں ؟

الجواب :- اگر واقعہ صرف اتنا ہی ہے جتنا سوال میں درج ہے کہ عمرو نے خود طلاق نامہ لکھ دیا زید نے مضمون نہیں تلایا تو زید کی بیوی پر طلاق نہیں پڑی اور اگر زید نے مضمون طلاق نامہ اپنی زبان سے عمرو کو تلایا کہ اس مضمون کا طلاق نامہ لکھ دو تو اس مضمون کو بیان کر کے سوال دوبارہ کیا جائے۔

قال فی رد المحتار وکذا کل کتاب لم یکتبہ بخطہ ولم یملہ بنفسہ لا یقع الطلاق مالم یقر انہ کتابہ اھ (ص ۴۲۷ ج ۲) واللہ اعلم۔

ظفر احمد عفا اللہ عنہ۔ از تھانہ بھون خانقاہ امدادیہ ۲۰ محرم سنہ ۱۳۴۹ھ

فصل فی تفویض الطلاق

تفویض طلاق کی ایک صورت اور اس کا حکم

سوال :- کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین دریں مسئلہ کہ ایک شخص مسمی اسمٰعیل نے اس کے بڑے بھائی مسمی آدم کو کہا کہ یہ عورت مسمی خدیجہ کی طلاق دینا یا نہ دینا ہر حال میں تجھے اختیار ہے تو چاہے میری طرف سے طلاق دے یا نہ دے تو جیسا بھی کریں اسپر راضی ہوں اور تجھے طلاق دینے میں میری رضا ہے۔ اب یہ شخص مسمی آدم کو ایک شخص مسمی ابراہیم اور دوسرا شخص مسمی حسن نے پوچھا کہ تیرے بھائی کی عورت مسمی خدیجہ کو طلاق کے بارہ میں تو کیا کہتا ہے تو آدم نے جواب دیا کہ ہمارے بھائی کی عورت مسمی خدیجہ کو طلاق دی چھوڑ دی ہے اب گھڑی گھڑی طلاق دینے کی ضرورت نہیں اس کو تو طلاق ہی ہے طلاق ہے کیا آدم کے یہ کہنے سے دو آدمی کے سامنے طلاق واقع ہوئی یا نہیں ؟ وہ مع حوالہ کتب جواب دیجئے۔ بینوا توجروا۔

تنقیح :- (۱) مسمی آدم نے یہ الفاظ اسی مجلس میں کہے ہیں جسمیں اسمٰعیل نے اسکو اپنی بیوی کی طلاق کا اختیار دیا تھا یا دوسری مجلس میں کہے ہیں ؟ (۲) اگر اسی مجلس میں کہے ہیں تو ان الفاظ سے پہلے اور اسمٰعیل کے کلام کے بعد درمیان میں آدم نے کوئی کام یا کلام اجنبی کیا ہے یا نہیں ؟ ان دونوں سوالوں کے جواب کے بعد حکم شرعی بتلایا جائے گا۔ ظفر احمد عفا اللہ عنہ ۱۰ ربیع الثانی سنہ ۱۳۴

جواب تنقیح :- (۱) مسمی اسمٰعیل نے آدم کو یہ اختیار پہلے دو چار روز پہلے بھی دیا تھا اور جس روز کہ یہ الفاظ کہے اس روز بھی چار گواہوں کے روبرو اسمٰعیل نے آدم کو تاکیدًا یہ کہا کہ میری عورت مسمی خدیجہ کی طلاق چاہے اس مجلس میں دے ہر جگہ ہر مجلس میں تجھے اختیار ہے اور میری رضا ہے

۲ - جب اسمٰعیل نے یہ کلام کہا فورًا آدم اسمٰعیل کے مکان سے جس جگہ یعنی مسجد کے سامنے جماعت مومنین جمع ہو رہی تھی آیا اور مذکورہ حروف مذکورہ گواہاں کے روبرو کہدے یعنی کہکر اور پھر خود کسی کام کے واسطے چلا گیا درمیان میں کوئی اجنبی بات آدم یا اسمٰعیل نے نہیں کی اور اسی وقت کا ذکر ہے مذکورہ حرف مذکورہ گواہ کے علاوہ بھی دیگر کئی شخص نے سنے ہیں فقط -

الجواب :-

صورت مذکورہ میں جب اسمٰعیل نے آدم سے یہ الفاظ کہے کہ (میری عورت مسمی خدیجہ کو طلاق دینے کا تجھے اختیار ہے) اگر اسماعیل کی نیت تین طلاق کا اختیار دینے کی نہ تھی تو آدم کے ان الفاظ مذکورہ سے خدیجہ پر صرف ایک طلاق رجعی واقع ہوئی ہے ایک سے زیادہ واقع نہیں ہوئی - عدت کے اندر اسمٰعیل اپنی بیوی سے رجعت کر سکتا ہے اور اگر اسمٰعیل کی نیت تین طلاق کا اختیار دینے کی تھی تو آدم کے انہی الفاظ سے خدیجہ پر تین طلاق واقع ہو گئیں کیونکہ اسنے تین مرتبہ طلاق کا لفظ استعمال کیا ہے اس صورت میں خدیجہ بدون حلالہ کے اسمٰعیل کے واسطے حلال نہیں ہو سکتی اور اگر اسمٰعیل کی کچھ نیت نہ تھی تب بھی ایک طلاق رجعی ہوئی -

قال فی العالمگیریۃ: اذا قال لہا طلقی نفسک سواء قال لہا ان شئت اولا فلہا ان تطلق نفسہا فی ذلک المجلس خاصۃ ولیس لہ ان یعزلہا قال الرجل طلق امرأتی وقرنہ بالمشیئۃ فہو کذلک اھ وفیہ اذ قال لہا طلقی حتی شئت قلبا ان تطلق حتی شاءت فی المجلس وبعدہٗ اھ قلت وفی الصورۃ مسئولۃ فوض الطلاق الیہ بلفظ العموم فہی نظیر الثانیۃ

تفویض طلاق میں مجلس علم میں طلاق واقع کرنا شرط ہے

سوال - کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین مسئلہ ذیل میں کہ مسمی عبدل ولد پیر خان جو کہ مسماۃ چنیاں کمہارن غیر مسلمہ کے ساتھ تعلق ناجائز رکھتا تھا (جب مسماۃ حوراں بنت نبی بخش سے شادی کرنے گیا تو نبی بخش نے ناجائز تعلق کے سبب سے عبدل سے ایک اسٹامپ تحریر کرایا کہ اگر دوبارہ میں ایسا کام کروں گا تو نبی بخش کو اور میری عورت کو اختیار ہے جیسا کہ نمبر ۵ میں تحریر ہے کہ میں اپنے نکاح سے لادعوی ہوں - اب عبدل نے اس چنیاں کمارن کو دوبارہ

اپنے گھر لایا ہے اور ناجائز تعلق قائم کیا اور حوراں اپنے والد کے گھر چلی آئی ہے اور کہتی ہے کہ مجھکو اختیار دیا تھا اس لئے میں نکاح سے خروج کو اختیار کرتی ہوں۔ آیا یہ حوراں عبدل کے نکاح سے خارج ہوئی یا نہ؟ اور نمبر ۴ کا بھی عبدل مرتکب ہوا ہے۔ **بینوا توجروا**

المستفتی بلیف احمد ولد کادل ملک گجرات
ضلع پنج محال قصبہ دوحد

نقل اسٹامپ شامل استفتاء ہے ملاحظہ ہو۔

اقرار نامہ

لکھنے والا میں بنام عبدل ولد پیر خان ساکن دھار محلہ چھتری پورہ، لکھدیتا ہوں ایسا کہ نبی بخش ولد بخشا سلاوٹ ساکن دہاری محلہ کھاری باوڑی ان کی لڑکی مسماۃ حوراں سے میری شادی ہونا قرار پایا ہے اس کی نسبت چند کلمہ حسب ذیل بطور سند کے لکھدیتا ہوں۔

① ——— اوّل: لڑکی نبی بخش صاحب مسماۃ حوراں کی پھر منگنی دیگر جگہ ہو گئی اس کی نسبت جو جھگڑا چاہے پنچ یا عدالت سے پھر جاوے گا وہ دینا مجھکو منظور ہے۔

② ——— دوسری: میں لڑکی کو شہر دہار میں سے کہیں لیجانے کا مجاز نہیں روزگار وغیرہ کے لئے دیگر جگہ میں خود جاؤں گا۔

③ ——— لڑکی کو کسی طرح کی تکلیف وغیرہ پہونچانے کا مجھے اختیار نہیں۔ اقرار مہر حوراں جب چاہے لے سکتی ہے۔

④ ——— لڑکی کو کسی طرح کی تکلیف ہوگی تو میرے سسر نبی بخش کو اختیار ہے فوراً وہ میرے بغیر اجازت میرے مکان سے لے جانے کا اختیار ہے۔

⑤ ——— میرا برتاؤ برخلاف اگر ظہور میں آوے گا تو میرے سسر صاحب کو مجاز ہے کہ میں اپنے نکاح سے گویا لادعوی ہوگیا۔ اسی قدر مجاز مسماۃ حوراں بنت نبی بخش کو بھی ہے وہ اپنے اقرار نکاح سے دور ہو سکتی ہے۔

الجواب

صورت مسئولہ میں مسمی نبی بخش کو تو طلاق واقع کرنے کا اختیار نہیں ہے کیونکہ عبدل کے یہ الفاظ کہ میرے سسر صاحب کو مجاز ہے کہ میں اپنے نکاح سے گویا لادعوی ہوگیا۔ تفویض طلاق کے الفاظ نہیں البتہ عبدل کے یہ الفاظ (اسی قدر مجاز مسماۃ حوراں بنت نبی بخش کو بھی ہے وہ اپنے اقرار نکاح سے دور ہو سکتی ہے) تفویض طلاق کے الفاظ ہیں جو کہ برتاؤ برخلاف ظہور میں

آنے پر معلق ہے پس اگر مسمی عبدل کا برتاؤ اس کے وعدہ کے برخلاف ظہور میں آیا ہے تو مسماۃ حوراں کو اپنے نفس پر طلاق واقع کرنے کا اختیار ہے مگر شرط یہ ہے کہ جس مجلس میں مخالفت کا علم ہوا ہے اسی مجلس میں فوراً اپنے کو طلاق دے اگر اس مجلس سے اٹھ جانے کے بعد طلاق اختیار کرنا چاہے تو وقوع طلاق نہ ہوگا جیسا کہ آگے آتا ہے۔ صورت سوال سے معلوم ہوتا ہے کہ مسماۃ حوراں نے یہ الفاظ کہ میں نکاح سے خروج کو اختیار کرتی ہوں اپنے باپ کے گھر جاکر کہے مجلس علم مخالفت میں نہیں۔ اس لئے صورت مسئولہ میں اسپر طلاق واقع نہیں ہوئی اور اب اختیار اس کے ہاتھ سے نکل گیا۔ واللہ اعلم

فی مجمع النوازل لو قال للصکاک اکتب لها خط الامر علی انی متی سافرت بغیر اذنها فهی تطلق نفسها واحدة کلما شاءت یصیر الامر بیدها فی تطلیقة واحدة اه ملخصا۔ عالمگیریہ ج ۲ ص ۸۰ وفیہ (ص ۸۲ ج ۲) سئل جدی عمن جعل امر امرأته بیدها اگر قمار کند ثم قامر فطلقت المرأة نفسها ثم ادعی الزوج انك قد علمت منذ ثلثة ایام ولم تطلقی فی مجلس علمك و قالت المرأة لا بل علمت الآن فطلقت نفسی علی الفور لمن یکون؟ اجاب: ان القول للمرأة کذا فی الفصول العمادیة اه قلت والمسئلة نظیر الصورة الثانیة فی کون التفویض موقوفا علی المجلس، واللہ اعلم۔

تفویض طلاق کے اندر مجلس علم میں طلاق واقع کرنا شرط ہے

سوال ۔ کیا فرماتے ہیں علماء دین و شرع متین اس مسئلہ میں کہ زید نے اپنا نکاح ہندہ کے ساتھ کیا۔ جس کو عرصہ پانچ سال اور کچھ ماہ کا گزر گیا نکاح کے تین سال اور کچھ ماہ بعد بوجہ باہمی نااتفاقی کے ہندہ کو ایک اقرار نامہ بطور اطمینان کے بابت دینے نان ونفقہ اور نہ کرنے مار پیٹ و برتاؤ بے رحمانہ و ظالمانہ کے اپنے ہاتھ سے تحریر کر کے دیدیا اور ہندہ کو اپنے گھر لے گیا بعد کو قریب ایک ماہ کے بعد ہندہ کو مار پیٹ کر اور اس کی جہیز وغیرہ اتار کر اس کے والدین کے گھر بھیجدیا کہ جس کو عرصہ دو سال اور کچھ ماہ کا گذر گیا تاہنوز نان نفقہ کچھ نہیں دیا حالانکہ اپنے تحریری اقرار نامہ میں یہ تحریر کر چکا ہے کہ اگر کسی وجہ سے زوجہ منمقر سے نااتفاقی ہوجاوے اور عرصہ تین ماہ تک مبلغ دس روپیہ ماہوار کے اس کو نہ بھیجوں تو بموجب شرع محمدی کے اپنی زوجہ منکوحہ کو طلاق تفویض کردوں کہ وہ قید نکاح سے اختیار آزادی کا رکھتی ہے اب سوال یہ ہے کہ بموجب تحریر زید کے اگر ہندہ پر خلع واجب ہوگئی ہو تو فتویٰ دیجئے خداوند کریم اجر خیر دے

مقام شہر میرٹھ محلہ مہابیر پورہ ۔ منشی حبیب الرحمٰن

الجواب :- قال فی العالمگیریة وقد وردت الفتوى عمن قال لامرأته اگر بعد از ده روز پنج دینار زر بتو نرسانم فامرك بیدك لتطلقی نفسك متى شئت ده روز گذشت وان زر نرسانید هل لها ان تطلق نفسها قلت نعم اه (ص۴۲ ج ۲)

وفیها ایضا التفویض المعلق بشرط اما ان یكون مطلقا عن الوقت واما ان یكون موقتا فان كان مطلقا بان قال اذا قدم فلان فامرك بیدك فقدم فلان فالامر بیدها اذا علمت فی مجلسها الذی قدم فیه الى ان قال ولو قال اذا مضى هذا الشهر فامرها بید فلان فمضى الشهر فامرها بیده فی مجلس علمه وان علم بعد شهرین لان التفویض معلق بمضی الشهر والمعلق بالشرط یصیر مرسلا عند وجود الشرط ولو ارسل التفویض بعد مضی الشهر یقتصر على مجلس علمه فكذا هذا اه (ص ۸۳ ج ۲) صورت مسئولہ میں جب تفویض کے بعد تین مہینہ بدون نفقہ گذر جانے پر عورت نے اپنے کو طلاق نہیں دی حتی کہ دو سال گذر گئے تو اب ہندہ اپنے اوپر خود طلاق واقع نہیں کر سکتی اس کو چاہیئے تھا کہ جب سے شوہر نے نفقہ بند کیا تھا اسی وقت سے دن شمار کرنا شروع کرتی اور اس وقت سے جب تین ماہ پورے ہوجاتے تو اسی ساعت اور اسی مجلس میں اپنے آپ کو طلاق دیدیتی مگر ہندہ نے ایسا نہیں کیا اس نے تین ماہ بدون نفقہ کے گذرنے کے بعد اپنے کو طلاق نہیں دی تو اب تفویض ختم ہو چکی وہ اپنے کو خود طلاق نہیں دے سکتی۔ (البتہ اگر زوج نے زبانی یہ بات کہی ہو کہ تین ماہ تک نفقہ نہ دوں تو ہندہ ہر وقت اپنے کو قید نکاح سے آزاد کر سکتی ہے تو ہندہ اب بھی اپنے کو طلاق دے سکتی ہے ۱۲ واللہ اعلم)

تفویضِ طلاق کے اندر مجلس علم میں طلاق واقع کرنا شرط ہے

سوال :- کیا فرماتے ہیں علماء دین و شرع متین اس مسئلہ نکاح میں کہ ایک عورت کا شوہر عرصہ ۸ سال سے پردیس چلا گیا اور اپنی کسی حالت سے آگاہی نہیں دیتا اور وہاں سے نہ کچھ خرچ دیتا ہے لہٰذا اس عرصہ کے اندر چھ برس نوکری کرتے ہوئے بڑی مشکل سے گذری اور کسی طرح اپنے دن کاٹے اور اپنی عصمت کو قائم رکھا نیز کسی سبب سے اس کی ملازمت جاتی رہی پھر وہ ۳ برس بے کار رہ کر بڑی مصیبتیں اٹھاتی رہی جب بہت تنگ ہوئی تو خیالات کچھ تبدیل ہوتے ہوئے پھر برادریوں سے داد خواہ ہوئی لیکن برادری جواب دینے سے قاصر تھے جب بہت پیچھے پڑی تو برادریوں نے اس کے بھائی سے کہا کہ تم اس کی پرورش کرو اس کے بھائی نے انکار کیا اور کہا کہ میری ماں کی بات نہیں ہے اس وقت برادریوں نے اس کے بھائی سے کہا کہ تم ہم سب کی

طرف سے ایک پنچایت نامہ اس کے پاس تحریر کرد کر جملہ پنچ تم کو بتاکید لکھتے ہیں کہ تم دیکھتے ہی خط کے بہت جلد آؤ یا تم اس کو طلاق دیدو کیونکہ اس کا گذر نہیں ہوتا ہے اس برادریوں کی تحریر پر اس نے یہ جواب تحریر کیا کہ ہم آپ لوگوں سے ۲ ماہ کی مہلت چیت بیساکھ بھر کی اور مانگتا ہوں بیساکھ میں ضرور آجاؤں گا اگر میں اپنے وعدہ پر نہ آؤں تو اس کو اختیار ہے میرا سب برادریوں کو السلام علیکم لہٰذا اس تحریر پر اس کی طلاق ہوسکتی ہے یا نہیں چنانچہ پھر وہ ایک سال تک انتظار کرتی رہی بعد دس سال کے پریشانی اٹھا کر اپنا نکاح ثانی ایک برادری سے کرلیا۔ اب اس کے بھائی وغیرہ اس کے خلاف ہو کر یہ کہتے ہیں کہ اس نے بلا ہم لوگوں کی مرضی نکاح کیوں کیا اور ہر قسم کی جھوٹی دلیلیں کرتے ہوئے ستر برس عورت کے بیٹھے رہنے کا مسئلہ پیش کرتے ہیں اس لئے تمام لوگوں کو بڑی تشویش اس مسئلہ میں ہو رہی ہے بھلا یہ ایسی صورت میں کس حد تک جائز سمجھا جاوے اور اگر وہ بیٹھی رہے تو کیا کھائے مفقود کی کوئی جائیداد نہیں جس سے گذر ہو اس کے خویش اقرباً اس کے شریک نہیں۔ عورت کے بھائی وغیرہ میں قوت کھلانے کی نہیں جو دو برس بھی نباہ سکے ستر برس تو کیا دس برس میں قلع قمع ہو گیا یہ سمجھ میں نہیں آتا کہ وہ پچھلا سا زمانہ نہیں ایسی عمریں اور ایسی نیتیں نہیں اس قدر مستقل مزاجی نہیں پھر اس قدر مدت دراز کی قید میں رہ کر کیسے گذر کرے اور کس طرح متحمل ہو سکے یہاں عیسائیوں کی پر فریب گھاتوں میں لانے والی باتیں ادھر ادھر پھیلائی جایا کرتی ہیں جس وقت غافل پاتے ہیں فوراً دام میں پھانس لیتے ہیں ایک واقعہ ابھی ایک عورت کا اسی طرح گذر چکا ہے جو پٹھان لوگوں نے اسے عرصہ تک جھلایا کیا اور اس کو بہت آزادی دیتے ہوئے ایک مدت سے تڑپا رہے تھے پریشانی اٹھاتے اٹھاتے تنگ ہو چکی تھی۔ گھبرا کر پھنس گئی اسی وجہ سے ایک برادری نے جب یہ دیکھا کہ یہ بھی فریب اس کے بہو بنج جانے والی ہے جب دس برس کے بعد جب اس کے شوہر کی تحریر پر جواب پاتے ہوئے نکاح میں لے لیا۔ لہٰذا ان دونوں مسئلوں کا جواب بہت جلد برائے خدا مع ثبوت قرآن و حدیث اور چند علماءِ دین کی مہروں کے عنایت فرمایا جاوے۔

غلام محی الدین خان مدرس

ضلع گونڈہ مقام مسکنواں ڈاکخانہ مسکنواں بازار مکتب اسلامیہ متصل مسجد ہیں۔

الجواب:۔ فی العالمگیریۃ التفویض المعلق بشرط اما ان یکون مطلقا عن الوقت واما ان یکون موقتا فان کان مطلقا بان قال اذا قدم فلان فامرک بیدک فقدم فلان فالامر بیدها اذا علمت فی مجلسها الذی قدم فیه

الی ان قال و لو قال اذا مضی ھذا الشھر فامرھا بید فلان فمضی الشھر فامرھا بیدہ فی مجلس علمہ وان علم بعد شھرین لان التفویض معلق بمضی الشھر والمعلق بالشرط یصیر مرسلا عند وجود الشرط و لو ارسل التفویض بعد مضی الشھر یقتصر علی مجلس علمہ فکذا ھذا ۔ اھ (ج ۲ ص ۸۳) صورت مسئولہ میں اگر دو مہینے گزرنے کے بعد ہی فوراً اس مجلس میں جسمیں بروقت تمام ہونے مدت کے وہ موجود ہوتی اپنی زبان سے یہ کہدیتی کہ میں اپنے نفس کو اختیار کرتی ہوں تب اس پر طلاق واقع ہوجاتی لیکن جب دو مہینہ کے بعد مدت گزر گئی اور عورت نے اپنے نفس کو اختیار نہیں کیا تو اب وہ اپنے اوپر طلاق واقع نہیں کرسکتی لہذا جب تک شوہر طلاق نہ دے اس وقت تک کسی سے اسکا نکاح درست نہیں ہوسکتا پس جو نکاح دوسرا اس عورت نے کیا ہے ۔ وہ صحیح نہیں ہوا ۔ باقی جتنی باتیں سائل نے لکھی ہیں وہ سب فضول ہیں ساٹھ ستر برس کا انتظار مفقود کی زوجہ کے لئے اور صورت مسئولہ میں جب شوہر کے پاس خطوط پہونچے ہیں اور اس کی جگہ معلوم ہے تو وہ مفقود نہیں ہے اس صورت میں تو اگر شوہر سو برس تک بھی طلاق نہ دے جب بھی یہ عورت کسی سے نکاح نہیں کرسکتی اب صرف ایک صورت ہے وہ یہ کہ برادری کے لوگ شوہر کو مجبور کرکے اس سے جبراً طلاق دلوادیں باقی یہ جو سائل نے لکھا ہے ۔ کہ عورت اس طرح کیونکر گزر کرسکتی ہے اس کا جواب یہ ہے کہ اگر کسی عورت سے کوئی شخص بھی نکاح نہ کرے تو وہ کیا کرے گی پس یہ عورت بھی وہی کرے جو ایسی عورت کیا کرتی ہے یعنی صبر کرے اور محنت و مزدوری سے اپنا کام چلائے اور اگر وہ معذور ہو تو مسلمانوں کو چاہیئے ایسی عورت کے لئے چندہ کرکے اسکی معیشت کا سامان کردیں تاکہ وہ کفار کے پھندہ میں نہ آجاوے ۔

۲۶ رجب ۱۳۴۱ھ

تفویض طلاق میں مجلس شرط ہے

سوال ۔ کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ زید نے بروقت نکاح ایک اقرار نامہ تحریر کیا اور اس اقرار نامہ کی رو سے یہ تسلیم کیا کہ اگر میں عقد ثانی کروں تو میری زوجہ کو اختیار حاصل ہے کہ وہ اپنے کو مطلقہ تصور کرے منجملہ دیگر شرائط یہ ایک شرط بھی ہے اب زید نے دو سال کے بعد عقد ثانی اس وجہ سے کیا کہ والدین زوجہ نے زید کی زوجہ کو زید کے ہمراہ جانے سے روکا ۔ اس شرط متذکرہ بالا کی بناء پر زید کی زوجہ خود کو مطلقہ تصور کرکے عقد کرتی ہے ایسی صورت میں یہ عقد جائز ہوگا ؟ اور زوجۂ زید مطلقہ تصور کی جاسکتی ہے ؟

الجواب : ۔ قال فی العالمگیریۃ والخیار اذا کان موقتا یبطل بمضی الوقت

سواء علمت او لم تعلم بخلاف ما اذا کان غیر موقت کذا فی السراج الوہاج (اھ صـ ج ۲) وفیہ ایضاً التفویض المعلق بشرط اما ان یکون مطلقا عن الوقت واما ان یکون موقتا فان کان مطلقا بان قال اذا قدم فلان فامرک بیدک فقدم فلان فالامر بیدھا اذا علمت فی مجلسھا الذی قدم فیہ الخ (صـ ۸۲ ج ۲)

صورت مسئولہ میں اگر زوجۂ اولی زید نے عقد ثانی کی خبر سنتے ہی اسی مجلس میں یہ کہدیا تھا کہ میں طلاق کو اختیار کرتی ہوں تب تو وہ مطلقہ ہو سکتی ہے اور اگر خبر سننے کے بعد فوراً اسی مجلس میں ایسا نہیں کہا تو اب کچھ نہیں ہو سکتا۔ اختیار اس کے ہاتھ سے نکل گیا۔ ۲ر شوال سـ۳۱ھ

تفویض طلاق کی ایک صورت

سوال :- گزارش یہ ہے کہ دو قلم از روئے بندہ نوازی تحریر فرما کے اس مسئلہ کے جواب سے مطلع فرماویں صورت مسئلہ بعینہٖ یہ ہے کہ زید نے اپنے بھائی عمرو کے پاس ایک خط لکھا تھا کہ میں پردیس یعنی دوسرا ملک میں ہوں میری بیوی کا حق مجھ سے ادا نہیں ہوتا ہے اس لئے میری طلاق دینے کی جو طاقت اور قوت ہے وہ اس کو سپرد کرتا ہوں اگر وہ چاہے تو دوسر جگہ نکاح بیٹھ سکتی ہے فقط اور کچھ تفصیل نہ کی۔

۱ - عمرو نے اس خط کو اپنے پاس رکھا اور کچھ ظاہر نہیں کیا اس وقت منکوحہ مطلقہ ہوگی یا نہیں۔

۲ - پھر اگر منکوحہ نے اس خبر کو سن کر طلاق اختیار کرے تو کتنے واقع ہوگا۔ فقط والسلام

احقر محمد بدیع الزماں نواکھالی

جواب :- صورت مسئولہ میں یہ صیغہ تفویض طلاق کا ہے۔ اس کا حکم یہ ہے کہ جس وقت عورت کو تفویض کا علم ہوا اسی وقت مجلس علم میں ہی طلاق لے لیگی تو طلاق پڑجاوے گی اور اگر اس کو تفویض کا علم ہی نہ ہو یا علم ہو اور وہ طلاق نہ لے تو وقوع طلاق نہ ہوگا ایسے ہی اگر مجلس علم کے بعد طلاق لے تب بھی وقوع نہ ہوگا یا مجلس علم میں سنتے ہی کسی اور بات میں لگ جاوے جس کو تفویض سے کچھ علاقہ نہیں پھر اس بات کے بعد میں طلاق لے تب بھی کچھ نہ ہوگا۔

قال فی الدر فلھا ان تطلق فی مجلس علمھا بہ مشافھۃ او اخبارا و ان طال یوما او اکثر مالم تقم لتبدل مجلسھا حقیقۃ او حکما بان تعمل ما یقطعہ مما یدل علی الاعراض اھ (صـ ۸۱ مع الشامی)

۲ - صورت مسئولہ میں عورت بعد علم کے اگر تین طلاق لینا چاہے تو لے سکتی ہے کیونکہ شوہر کے الفاظ یہ ہیں کہ "میرے طلاق دینے کی جو طاقت اور قوت ہے وہ اس کو سپرد کرتا ہوں" اس سے

بظاہر تین طلاق تک کی تفویض مفہوم ہوتی ہے اور اگر شوہر کی نیت ان الفاظ سے تین طلاق سپرد کرنے کی نہ تھی بلکہ ایک ہی طلاق سپرد کرنے کی نیت تھی تو عورت صرف ایک لے سکتی ہے۔ واللہ اعلم

احقر ظفر احمد عفا اللہ عنہ ۴۳ھ

ایک شخص نے باپ کو اپنی بیوی کی طلاق کا حق سپرد کیا باپ نے اس کے سسر کو اس کا اختیار دے دیا تو کیا سسر اس کی بیوی پر طلاق واقع کر سکتا ہے

سوال ۔ مسئلہ یہ ہے کہ ایک شخص اپنی بیوی کو طلاق دینے کا حق اپنے باپ کو سپرد کیا تھا کتنے روز کے بعد اس کے باپ نے وہ طلاق دینے کا حق اس شخص کے سسر کو سپرد کیا ہے۔ اس شخص کے سسر نے طلاق دیکر اپنی بیٹی کو عدت کے بعد دوسرے سے نکاح دے سکتا ہے یا نہیں؟ بینوا توجروا۔ بحوالہ کتاب معتبرہ زیادہ، فقط والسلام

عاصی محمد یٰسین خان موضع الکدیہ پوسٹ بوگیا ضلع جسر

الجواب :۔ طلاق میں وکیل کو اختیار نہیں کہ دوسرے شخص کو وکیل بنائے اس لئے سسر کو طلاق دینے کا اختیار نہیں ہے۔

فی الدر الوکیل لا یوکل الا باذن آمرہ وفیہ بعدأ سطر (والتفویض الی رائیہ) کاعمل برأیک (کالاذن فی التوکیل) الا فی طلاق وعتاق (شامی ص ۶۳۴ ج ۴)

احقر عبد الکریم عفی عنہ

نوٹ :۔ اگر سسر کے طلاق دینے کے بعد عورت کے شوہر نے یا عورت کے خسر نے بھی کچھ کہا ہو تو اس کو لکھ کر دوبارہ سوال کیا جاوے۔ ۱۲

ظفر احمد عفا اللہ ۵؍ ذیقعدہ ۴۴ھ

ان الفاظ سے کہ "زوجہ مذکورہ جس وجہ سے چاہے ہر وجہ سے ہم کو تین طلاق دینے کے لئے میری اختیار زوجہ کو سپرد کیا۔ بیوی کو طلاق کا حق مل سکتا ہے یا نہیں

سوال ۔ کیا فرماتے ہیں علمأ دین اس مسئلہ میں کہ زید ہندہ کو شادی کر کے پندرہ روز بعد پردیس چلا گیا۔ قریب تین سال تک پردیس میں رہا۔ نہ خورد پوشش دے رہا نہ خط و خطوط سے خبر گیری کر رہا۔ نہ خط لکھنے سے جواب دیتا ہے۔ شادی کے وقت ایک کابین نامہ رجسٹری کر کے دیا تھا اب زوجہ مذکورہ کو بہت تکلیف ہو رہی ہے اس صورت میں اس کابین نامہ کی شرائط کے مطابق وہ زوجہ اپنے آپ کو طلاق دے سکتی ہے یا نہیں۔ بر تقدیر اول بلا اطلاع زوج ہو سکتا ہے یا نہیں۔ بر صورت ثانیہ اطلاع کے بعد جواب نہ دینے سے طلاق کر سکتی ہے یا نہیں؟ بینوا توجروا۔

کابین نامہ کی دفعہ نمبر ۵ کا اردو ترجمہ حسب ذیل ارسال خدمت ہے:۔

اگر میں چھ مہینے سے زیادہ مدت تک کوئی پردیس میں رہوں یا دیس میں رہ کر بی بی مذکورہ کی خبر گیری نہ کروں یا شرائط بالا میں سے کوئی شرط کا خلاف کروں یا شرط کی کوئی جزو کے خلاف کروں یا پورا نہ کروں تو شرط کے خلاف کرنے کے بعد زوجہ مذکورہ جس وجہ سے چاہے ہر وجہ سے ہمکو تین طلاق دینے کے لئے میرے اختیار زوجہ مذکورہ کو سپرد کیا اس سپرد کردہ اختیار کی قوت سے جو کوئی وجہ سے طلاق دے تو میں کوئی عدالت میں زوجیت کا دعوی نہیں کر سکوں گا اور نہیں کروں گا اس بنا پر کابین نامہ لکھدیا ۔

تنقیح بر سوال

یہ کابین نامہ نکاح کے قبل لکھا گیا ہے یا نکاح کے بعد ؟

جواب **تنقیح** :۔ کابین نامہ نکاح کے بعد لکھا گیا ہے ۔

الجواب :۔ اس کابین نامہ میں جو الفاظ طلاق ہیں وہ لغو ہیں اس واسطے اس کابین نامہ کی بنا پر عورت کو طلاق کا کوئی حق نہیں ہے فی الدر المختار انا منک طالق او بریٔ لیس بشیٔ ولو نوی به الطلاق وفی رد المختار لان محلیة الطلاق قائمة بها لا به فالاضافة الیه الی غیر محله فیلغو اھ واللہ اعلم ۔

تنبیہ :۔ ہمارے ملک میں اس جملہ مذکورہ فی السوال کے یہی معنی ہیں جو موجب طلاق نہیں یعنی ہم کو طلاق دینا ترجمہ ہے ۔ تطلیقہا ایای کا ۔ اگر بنگالہ میں جو فقرہ استعمال کیا ہے اس کا یہی مطلب ہے تو یہ کابین نامہ بیکار ہے جیسا کہ جواب میں لکھا گیا اور اگر ہم کو طلاق دینا بنگالہ میں ترجمہ ہوتا ۔ تطلیقی ایاھا کا تو پھر کابین نامہ معتبر ہوگا اور عورت کو صورت مسئولہ بالا میں طلاق واقع کر لینے کا اختیار ہوگا اور خاوند کو اطلاع دینا وقوع طلاق کی شرط نہیں ہے ۔

ولا یرد ان التفویض المعلق بحرف ان یقتصر علی مجلس وجود الشرط کما هو المصرح به فی کتب الفقه وفی الواقعة المسئولة عنها تعلیق بحرف ان لان فی هذه الواقعة علق التفویض بلفظه "مذکورہ شرط کے خلاف کرنے کے بعد الخ" وحکمه ما فی العالمگیریه (ص ۸۳ ج ۲) من انه قال لها ان لم اوصل الیک خمسة دنانیر بعد عشرة ایام فامرک بیدک فی طلاق حتی شئت فمضی الایام ولم یرسل الیها النفقة ان کان الزوج اراد به الفور لها الایقاع وان لم یرد الفور لا تملک الایقاع حتی یموت احدهما کذا فی الوجیز للکردری اھ ۔ والظاهر المتبادر ان الزوج فی هذه الواقعة

المسئولۃ عنہا لم یرد الفور فالمرأۃ بالخیار من حین وجود الشرط الی الموت ولا یقتصر خیارہا علی مجلس وجود الشرط فقط والسلام ۔

عبدالکریم عفی عنہ از تھانہ بھون مورخہ سنہ ۵۱ھ

تفویض طلاق بالتعلیق بلفظ، اگر میں عورت کو وقوع طلاق کا اختیار مجلس وقوع شرط و مجلس علم بالوقوع تک خاص ہوتا ہے

سوال ۔ ماقولکم ایہا العلماء العظام رحمکم اللہ تعالیٰ ۔ کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ ایک شخص مسمی صفی اللہ نے اپنی بی بی مسمات آسیہ خاتون کے کابین نامہ میں چند شرطوں کو اقرار کر کے دستخط کیا اور محکمہ سرکار میں رجسٹری کرایا منجملہ شرطوں میں سے چوتھی شرط یہ ہے کہ ”اگر مرے رشتہ دار کے ساتھ آپ کی مخالفت ہو یا مرے گھر کی آب وہوا موافق نہ ہو ۔ آپ اپنی سکونت کے لئے جہاں چاہیں وہیں پردہ پوشی کر کے مسلمان شریف عورتوں کی طرح خود روپوش رہیئے اوقات بسر کرتے رہیں گے ۔ اپنی طبیعت خواہ مقام سے دوسرے مقام نہیں لے جاسکیں گے“ اور شرط آخیر یہ ہے کہ ”اگر مرقومۂ بالا شرطوں میں سے کسی شرط کو یا کسی شرط کے کوئی جزو کو خلاف کردوں تب آپ کو مرے تین طلاق دینے کی اختیار ہے وہ آپ کو آج ہی سے سپرد کرتا ہوں ۔ آپ اختیار مفوضہ کی رو سے خود مختار ہو کے نفس نفیسہ کو ایک دو تین طلاق دے کے مرے زوجیت کے دعویٰ سے رہائی پاکے دوسرا شوہر قبول کرسکتی ہیں“ ۔ اب صفی اللہ مذکور نے بعض شرائط کابین نامہ کے مخالفت کی ہے خصوصاً شرط مرقوم الصدر کو ۔ لہٰذا آسیہ خاتون مذکور نے شرط اخیر کے مطابق اپنے نفس پر ایک دو تین طلاق واقع کر کے دوسرا شوہر قبول کرسکتی ہے یا نہیں آپ اس کا جواب بالتفصیل کتب فقہ سے دلویں اور خدائے بزرگ سے نعمت دارین حاصل کریں ۔

الجواب :۔ اگر اس اقرارنامہ پر صفی اللہ نے نکاح ہونے کے بعد دستخط کئے ہیں تو یہ اقرارنامہ صحیح ہے اور اس کے بموجب جب کسی شرط کا خلاف ہوا ہو اور اسی وقت منکوحہ نے اپنے اوپر طلاق واقع کی ہو تو طلاق ہوجائے گی ورنہ نہیں ۔

اور اگر دستخط بعد نکاح نہیں بلکہ نکاح سے پہلے ہوئے ہیں تو یہ اقرارنامہ لغو ہے ۔

محمد کفایت اللہ غفرلہ، مدرسہ امینیہ دہلی ۔

الجواب صحیح
محمد مظہر اللہ غفرلہ، امام مسجد فتحپوری دہلی

الجواب صحیح
عبدالوحید عفا اللہ عنہ مدرس مدرسہ فتحپوری دہلی ۔

الجواب صحیح
خادم العلماء سلطان محمود، مدرسہ فتحپوری دہلی

الجواب صحیح
بندہ ضیاء الحق عفی عنہ مدرس امینیہ دہلی۔

الجواب صحیح
محمد شفیع عفی عنہ مدرس مدرسہ مولوی عبد الرب صاحب مرحوم دہلی

الجواب صحیح
محبوب الٰہی عفرلہ مدرسہ مولوی عبد الرب صاحب دہلی

الجواب صواب
ضیاء احمد عفی عنہ مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور
۲۰؍ شوال سنہ ۴۸ھ

الجواب صحیح
عبد اللطیف عفا اللہ عنہ مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور
۲۳؍ شوال سنہ ۴۸ھ

قد صح الجواب بغیر ارتیاب
ریاض الدین عفی عنہ، مفتی دارالعلوم دیوبند
۱۴؍ شوال سنہ ۴۸ھ

بندہ حسن عفا اللہ عنہ
مدرس دارالعلوم دیوبند
۱۰؍ شوال سنہ ۱۳۴۸ھ

الجواب ہو الجواب
محمد اعزاز علی غفرلہ مدرس دارالعلوم دیوبند
۱۴؍ شوال ۱۳۴۸ھ

مہر مدرسہ دارالعلوم دیوبند

للہ در المجیب المصیب حیث اجاد واصاب فیما اجاب انہ ہو الحق لاریب فیہ ولا مریۃ ولا ارتیاب فیہ ولا فریہ وماذا بعد الحق الا الضلال۔ کتبہ بقلمہ وقالہ بفمہ احقر العبد محمد نور اللہ النواکھالوی غفرلہ ربہ دارالعلوم دیوبند
جامعہ قاسمیہ ۲۷؍ رب۱ سنہ ۴۸ھ

الجواب من جامع امداد الاحکام بتھانہ بھون

صورت مسئولہ میں تفویض طلاق بالتعلیق ہے اور تعلیق لفظ "اگر" سے ہے اور تفویض معلق کا حکم یہ ہے کہ جس وقت شرط کا وقوع ہو اور عورت کے سامنے وقوع ہو تو عورت کو ایقاع طلاق کا اختیار مجلس وقوع تک ہے۔ بعد انقضائے مجلس اس کو اختیار نہ رہے گا اور عورت کے سامنے وقوع شرط نہ ہو تو جس مجلس میں اُس کو وقوع شرط کا علم ہوا ہے۔ اسی مجلس تک عورت کو ایقاع طلاق کا اختیار ہے اس کے بعد نہیں۔ پھر لفظ اگر سے تعلیق ہو تو ایک بار وقوع شرط سے تعلیق باطل ہو جاتی ہے اس کے بعد وقوع شرط سے حکم تعلیق ثابت نہ ہوگا۔

قال فی العالمگیریۃ التفویض المعلق بشرط اما ان یکون مطلقا عن الوقت واما ان یکون موقتا فان کان مطلقا بان قال اذا قدم فلان فقدم فلان فالامر بیدھا اذا علمت فی مجلسھا الذی قدم فیہ وان کان موقتا بان قال اذا قدم فلان فامرک بیدک یوما او قال الیوم الذی یقدم فیہ فالامر بیدھا فی

ذلک الوقت کلہ اذا علمت بالقدوم ولا یبطل بالقیام عن المجلس الخ ملخصا (ص ۸۲ ج ۲) وفیہ ایضا الفاظ الشرط ان واذا واذا ما وکل وکلما ومتی ومتی ما ففی ھذہ الالفاظ اذا وجد الشرط انحلت الیمین وانتھت لانھا لا تقتضی العموم والتکرار فبوجود الفعل مرۃ تم الشرط وانحلت الیمین فلا یتحقق الحنث بعدہ الا فی کلما لانھا توجب عموم الافعال الی ان قال والفاظ التی للشرط بالفارسیۃ اگر وہمی وہمیشہ وہرگاہ وہرزمان وہربار فالاول بمعنی قولہ ان فلا یحنث الا مرۃ والثانی بمعنی متی لا یحنث الا مرۃ والثالث کالثانی ومعناھما واحد وفی الرابع والخامس یحنث مرۃ لانہ بمعنی کل وھو الصحیح والسادس بمعنی کلما یحنث کل مرۃ کذا فی محیط السرخی اھ (ص ۹۴ ج ۲)

اور ظاہر ہے کہ کابین نامہ کی شرط اخیر میں تعلیق لفظ اگر کے ساتھ ہے کوئی لفظ معنی کلما کا مترجم نہیں اور تعلیق مطلق ہے موقت نہیں۔

لہذا عورت کو اس تفویض معلق کی وجہ سے ایقاع طلاق کا اختیار صرف اُس مجلس میں تھا جسمیں زوج نے عورت کے سامنے پہلی بار کسی شرط کی مخالفت کی تھی یا جس مجلس میں عورت کو مخالفت کا علم ہوا تھا اگر اس کے سامنے وقوع مخالفت ہوئی تھی اس مجلس کے بعد عورت کو ایقاع کا اختیار باقی نہیں رہا اور دوسری بار کسی شرط کی مخالفت سے بھی عورت کو اختیار حاصل نہ ہوگا کیونکہ ایک بار مخالفت شرط سے تعلیق باطل ہو چکی ہے اور عورت نے پہلی بار مخالفت کے وقت مجلس علم مخالفت میں اپنے اوپر طلاق واقع نہیں کی جیسا کہ سوال[۵] سے ظاہر ہے تو اب اس کابین نامہ کی وجہ سے جو اختیار اس کو حاصل تھا وہ باطل ہو چکا خواہ کابین نامہ کی تکمیل نکاح کے بعد ہی ہوئی اور اگر پہلے تکمیل ہو چکی تھی تو اس کا لغو ہونا تو ظاہر ہے۔ واللہ اعلم۔ حررہ الاحقر ظفر احمد عفا اللہ عنہ از تھانہ بھون ۲۸ شوال ۴۸ھ

نکاح کے بعد عورتوں کو پیش آنے والے مصائب کا سہل علاج

سوال :- آج کل عورتوں کو نکاح کے بعد جس قدر پریشانیوں کا سامنا ہوتا ہے۔ محتاج بیان نہیں کبھی مرد ظلم کرتا اور بے رخی سے پیش آتا ہے کبھی بال بچوں سے بیفکر ہو کر پردیس چلا جاتا اور لاپتہ ہو جاتا ہے۔ کبھی نامرد نکلتا ہے۔ بعض دفعہ باکرہ کا نکاح ولی اپنی رائے سے کر دیتا ہے اور بعد نکاح عورت مرد میں توافق نہیں۔ بعض دفعہ مرد مجنون بھی ہو جاتا ہے۔ اگر ہندوستان میں قاضی شرعی کا وجود ہوتا تو ان سب پریشانیوں کا علاج تھا مگر اب جبکہ قاضی

---

[۵] کہ زوج سے مخالفت صادر ہو چکی اور عورت نے ہنوز ایقاع نہیں کیا بلکہ استفتاء کر رہی ہے ۱۲

شرعی موجود نہیں ۔ عورتوں کو سخت مصیبت کا سامنا ہوتا ہے وہ نکاح کو فسخ کرنے کے لئے عدالت میں دعویٰ دائر کریں تو بعض دفعہ حاکم غیر مسلم اس کا فیصلہ کرتا ہے جو شرعاً معتبر نہیں بعض حاکم مسلم فیصلہ کرتا ہے مگر وہ قاعدۂ شرعیہ کی پابندی سے فیصلہ نہیں کرتا اس لئے وہ فیصلہ بھی قابل اطمینان نہیں ہوتا پس علماء سے دریافت کیا جاتا ہے کہ اس صورت کا کوئی سہل علاج ارشاد فرمائیں ۔ تاکہ عورتیں مصیبت کے وقت اس پر عمل کر کے ظلم و معصیت سے نجات پائیں ۔ بینوا توجروا ولکم الاجر الجزیل

الجواب :-

حیلة اخری فی اصل المسئلة ان تقول المرأة للمحلل زوجت نفسی منک علی ان امری بیدی اطلق نفسی کلما ارید ثم یقبل الزوج فیصیر الامر بیدہا تطلق نفسها کلما ارادت (عالمگیریة ص ۲۶۲ ج ۱)

صورت مسئولہ میں عورتوں کی اس مصیبت کا سہل علاج یہ ہے کہ عورت بوقت نکاح کے (یا اس کا وکیل قاضی نکاح خواں) مرد ناکح سے یوں کہے کہ میں نے اپنے آپ کو تیرے نکاح میں (یا قاضی یوں کہے کہ میں نے مسماۃ فلاں بنت فلاں کو تیرے نکاح میں اس شرط پر دیدیا کہ معاملہ کا اختیار مسماۃ فلاں کے ہاتھ میں ہوگا وہ جب اور جس وقت چاہے گی اپنے آپ کو طلاق دے لیگی اس کے جواب میں مرد ناکح یوں کہے گا کہ میں نے قبول کر لیا تو معاملہ عورت کے اختیار میں ہوگا وہ جب اپنے اوپر مصیبت و ظلم دیکھے اپنے آپ کو خود ایک طلاق بائن دیکر شوہر کے نکاح سے نکل جائے گی اور اس صورت کے جواز میں علماء حنفیہ کا اختلاف نہیں ہے بعض لوگوں نے اس کو نکاح معلق میں داخل سمجھکر شبہ کیا ہے مگر درحقیقت یہ نکاح معلق نہیں بلکہ نکاح منجز ہے جو مشروط با اختیار معلق ہے ۔ نکاح معلق وہ ہے کہ اس وقت نکاح ہی نہیں جیسے عورت یوں کہے کہ میں نے اپنے کو نکاح میں دیدیا اگر میرا باپ راضی ہو یا مرد یوں کہے میں نے قبول کر لیا ۔ اگر زید راضی ہو اس صورت میں نکاح نہیں ہوتا اور اگر اصل نکاح کو معلق نہ کیا جائے بلکہ اس کے ساتھ کوئی شرط زائد لگائی جائے تو یہ جائز ہے ۔ جس کا حاصل یہ ہوتا ہے کہ مجلس عقد میں نکاح اسی وقت ہو رہا ہے مگر اس کے ساتھ ایک شرط ہے جس کو شوہر سے منوایا جاتا ہے ۔ فافہم واللہ تعالیٰ اعلم ۔

حررہ الاحقر ظفر احمد عفا اللہ عنہ از تھانہ بھون ۔ خانقاہ امدادیہ ۲۸ دیقعدہ ۴۹ھ

* * *

فصل فی تعلیق الطلاق

"اگر تو اس گھر میں آئی تو تجھے سات طلاق ہیں"

سوال ۔ کیا فرماتے ہیں علمائے دین متین اس مسئلہ میں زید معہ اپنی زوجہ کے ایک مکان میں رہتے تھے اور وہ مکان ان کا ذاتی نہ تھا اور نہ وہ کرایہ دار تھے بلکہ صاحب خانہ کے دیرینہ مراسم کی وجہ سے وہ وہاں فروکش تھے کچھ عرصہ گزرنے پر کسی معاملہ میں زید کی ان مکان والوں سے لڑائی ہوگئی اور زید نے غصہ میں اپنی زوجہ سے یہ الفاظ کہے کہ اگر تو اس گھر میں آئی تو تجھے سات طلاق ہیں۔ یا اگر تو نے اس گھر میں قدم رکھا تو سات طلاق ہیں ۔ یا تجھ کو اس گھر میں سات طلاق ہیں اور اسی وقت سے زید نے معہ اپنی زوجہ کے وہ مکان چھوڑ دیا اور الگ مکان کرایہ پر لے کر رہنے لگے جب سال ڈیڑھ سال کا عرصہ گزر گیا تو زید کی اس پہلے مکان والوں سے جن سے اس کی لڑائی ہوئی تھی اور جس بناء پر علیحدگی اختیار کی گئی تھی مصالحت ہوگئی ۔ تو اب زید یہ چاہتا ہے کہ اپنی زوجہ کو اس مکان میں اپنی مرضی سے بھیجے ۔ تو کیا زید اپنی مرضی سے اپنی زوجہ کو اس مکان میں بھیج سکتا ہے اور طلاق تو نہیں ہوگی؟

سید رشید احمد ۔ فیض بازار محلہ قاضی واڑہ دہلی ۔

الجواب :۔ صورت مسئولہ میں اگر زید نے اپنی بیوی کو یہ الفاظ " اگر تو نے اس گھر میں قدم رکھا تو سات طلاق ہیں"۔ اس بنا پر کہے ہیں کہ ان گھر والوں سے لڑائی ہوئی تھی تو بعد مصالحت کے یہ طلاق معلق باقی نہ رہے گی اور بیوی کو وہاں بھیجنے سے طلاق نہ ہوگی ۔ مثل السلطان اذا حلّف انسانا لیرفعن الیہ خبر کل داعر فی المدینۃ کان علی مدۃ اقامتہ ومثلہ تحلیف رب الدین الغریم ان لا یخرج من البلد الا باذنہ تقید بقیام الدین ۔ شامی ص ۸۴۹ ج ۲ والحاصل ان الیمین تخصص بدلالۃ الحال والعادۃ والعرف صرح بہ فی الشامیۃ ص ۸۵ ج ۲ ۔ وقال فی باب یمین الفور انفرد الامام باظہارہا وکانت الیمین اولا قسمین مؤبدۃ اے مطلقۃ ومؤقتۃ وھذہ مؤبدۃ لفظاً مؤقتۃ معنیً تتقید بالحال اما بان تکون بناءً علی امر حالی کما مثل او تقع جوابا لکلام یتعلق بالحال اھ ص ۱۳۰ ج ۳ ۔

باقی بہتر یہ ہے کہ بیوی کو اس گھر میں کبھی نہ بھیجے کیونکہ الفاظ زید کے عام ہیں اور مسئلہ اختلافی ہے اور اختلاف سے بچنا اولیٰ ہے ۔ واللہ اعلم ۔ حررہ الاحقر ظفر احمد عفا اللہ عنہ ۱۰؍ صفر سنہ ۴۰ھ

تعلیق طلاق کی ایک خاص صورت اور اس کا حکم

سوال :- ایک مرد کا ایک عورت سے ناجائز تعلق ہے ایک روز اس مرد نے اس عورت سے کہا کہ اگر میں شادی بھی کسی اور عورت سے کر لوں اسوقت بھی اگر تجھ کو اپنے تصرف میں نہیں رکھوں گا تو میری بیوی طلاق ہو جاوے گی اھ اب وہ اس ناجائز تعلق کو چھوڑ کر اور کسی عورت سے نکاح کرنا چاہتا ہے تو کیا طلاق واقع ہو جاویگی یا نہیں -

الجواب :- اگر قائل کا مقصود اس قول سے صرف اس فاحشہ کو راضی کرنا تھا اور منکوحہ آئندہ پر ایقاع طلاق کا قصد نہ تھا تو اس صورت میں اگر وہ کسی عورت سے شادی کر لے اور اس فاحشہ سے تعلق قطع کر دے - منکوحہ پر طلاق نہ پڑے گی اور اگر ایقاع طلاق کا قصد تھا تو منکوحہ پر نکاح کرتے ہی - طلاق بائن پڑ جائے گی -

---

فی العالمگیریۃ اذا قال لامراتہ فی حالۃ الغضب ان فعلت کذا الی خمس سنین تصیری مطلقۃ منی واراد بذلک تخویفہا ففعلت ذلک الفعل قبل انقضاء المدۃ التی ذکرہا فانہ یسئل الزوج ھل کان حلف بطلاقہا فان اخبر انہ کان حلف بطلاقہا یعمل بخبرہ ویحکم بوقوع الطلاق وان اخبر انہ لم یحلف بہ قُبل قولہ کذا فی المحیط (ص ۱۰۶ ج ۲) اور وقوع طلاق کی صورت میں طلاق بائن بلا عدۃ کے ہوگی اور اس سے یمین ختم ہو جائے گی پھر اسی وقت اسی عورت سے دوبارہ نکاح کرے تو دوبارہ طلاق نہ ہوگی -

الفاظ الشرط ان واذا واذا ما وکل وکلما ومتی ومتی ما ففی ھذہ الالفاظ اذا وجد الشرط انحلت الیمین وانتہت لانہا لا تقتضی العموم والتکرار فبوجود الفعل مرۃ تم الشرط وانحلت الیمین فلا یتحقق الحنث بعدہ الا فی کلما اھ (ص ۹۲ ج ۲ عالمگیر)

البتہ اگر یہ حیلہ کرے کہ کسی عورت سے خود نکاح نہ کرے بلکہ اس کی طرف سے کوئی دوسرا شخص بدون اس کے امر کے از خود ایجاب و قبول کر لے اور یہ زبان سے اس نکاح کو نافذ نہ کرے بلکہ عملاً نافذ کر دے کہ بیوی کے پاس چلا جاوے تو اس صورت میں منکوحہ پر بالکل طلاق نہ ہوگی - فی الظہیریۃ فی الثانی من الطلاق لو قال ان تزوجت امراۃ فہی طالق ثلاثا فالحیلۃ فی ذلک ان یعقد فضولی بینہما عقد النکاح فیجیزہ بالفعل، لا یحنث اھ کذا فی تنقیح الفتاوی الحامدیہ (ص ۴ ج ۱) وفیہ ایضا صیغۃ المضارع لا یقع بہا الطلاق الا اذا غلب فی الحال صرح بہ الکمال بن الہمام اھ (ص ۳۸ ج ۱) اور بظاہر اہل بنگالہ (طلاق ہو جاوے گی) کے لفظ کو بمعنی حال ہی استعمال کرتے ہیں لہٰذا وقوع طلاق کا حکم دیا گیا اور اگر بمعنے استقبال کے استعمال

ہوتا ہو تو وقوع طلاق نہ ہوگا ۔ الا اذا نوی الحال ۔ واللہ اعلم

ظفر احمد عفا اللہ عنہ ۔ ۱۵ ربیع الثانی ۵۴ھ

تعلیق طلاق کی ایک صورت

سوال : کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ زید نے اپنی بیوی ہندہ کو عمر کے یہاں جانے سے بحالت کہ زید و عمر میں خصومت ناچاقی تھی منع کیا اور اپنے اقامت کے شہر سے زوجہ ہندہ کو اس کے والدہ کے مکان پر جو عمر کی سکونت گاہ سے کچھ فاصلہ پر ہے روانہ کرتے وقت کہا کہ تجھے صرف والدہ کے مکان پر جانیکی اجازت ہے مگر عمر کے یہاں کی اجازت نہیں اگر گئی تو تین طلاق ہیں ۔ ہندہ زید سے رخصت ہو کر میکے گئی اور تقریباً تین ماہ تک وہاں مقیم رہی حالانکہ عمر کا مکان بھی وہاں سے قریب ہی فاصلہ پر تھا مگر نہیں گئی ۔ اور اپنے شوہر زید کے پاس چلی آئی کچھ دنوں بعد پھر ہندہ کو میکے جانیکا اتفاق ہوا اس نے اپنے شوہر زید سے یہ اجازت طلب کی کہ اگر مجھے آپ کی غیر موجودگی میں کہیں جانے کی ضرورت درپیش آئے تو مجھے یہ اختیار حاصل ہے کہ میں ہر حالت میں جاسکوں؟ زید نے یہ کہکر رخصت کیا کہ ہاں اجازت ہے کہ تو اپنی والدہ کے ہمراہ کہیں جاسکتی ہے چونکہ گذشتہ بغض وعداوت اور طلاق والی باتیں زید، عمر و ہندہ کے خیال میں تھیں کہ جس شرط پر طلاق معلق تھا ان صورتوں میں اب اگر ہندہ اپنی والدہ کے ساتھ بھائی عمر کے ہاں کسی ضرورت سے جائے تو کیا زید و ہندہ کے درمیان طلاق واقعی ضرور ہوگا نہیں ؟ بینوا توجروا ۔

حافظ محمود احمد امام ہندوستانی مسجد سہر پردم (اپر برھما)

الجواب :۔ صورت مذکورہ میں جب ہندہ پہلی مرتبہ اپنے میکے گئی اور زید نے روانہ کرتے ہوئے اس نے یہ کہا کہ تجھکو صرف والدہ کے مکان پر جانیکی اجازت ہے مگر عمر کے یہاں کی اجازت نہیں اگر گئی تو تین طلاق ہیں اھ یہ طلاق اسی سفر کے ساتھ مخصوص تھی جب ہندہ اس سفر میں عمر کے یہاں نہیں گئی تو اس کلام سے آئندہ وقوع طلاق نہ ہوگا پس دوسری مرتبہ جب ہندہ اپنے میکے گئی اور شوہر سے اسنے پوچھا کہ اگر مجھے آپ کی غیر موجودگی میں کہیں جانے کی ضرورت پیش آئی تو مجھے یہ اختیار حاصل ہے کہ میں ہر حالت میں جاسکوں اور زید نے یہ کہکر رخصت کیا کہ تو اپنی والدہ کے ہمراہ ہر کہیں جاسکتی ہے ۔ اس سفر میں اگر ہندہ اپنی والدہ کے ساتھ عمر کے یہاں چلی جائے تو طلاق واقع نہ ہوگی ۔ لیکن اگر زید نے پہلے کلام سے ہمیشہ کے لئے ممانعت کا قصد کیا ہو اور ہمیشہ کے لئے کسیوقت کے جانے پر تین طلاق واقع کرنے کی نیت کی ہو تو اس صورت میں دوسری سفر میں اگر ہندہ اپنی ماں کے ساتھ بھی جائے گی تب بھی طلاق واقع ہو جائے گی واللہ اعلم ۔ ظفر احمد عفا اللہ عنہ ۱۸ رجب سنہ ۵۴ھ

اگر اس گھر میں جاؤ گی تو طلاق ہو جاویگی، کا حکم

سوال ۔ معظم مکرم محترم بندہ حضرت مولانا محمد اشرف علی صاحب دامت برکاتہم ۔ السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ ۔ یہ خاکسار بہ سرپرستی جناب دلدار خان صاحب کانپور ٹنیری میں ملازم ہے دو قطعہ مکان کارخانہ کے ہیں قرب ومکانیت دونوں مکانوں کی یکساں ہے اور ایک دوسرے مکان میں جانیکا راستہ بھی ہے میں ایک قطعہ میں رہتا ہوں دوسرے میں داروغہ عبدالحلیم صاحب جو کارخانہ میں ملازم ہیں رہتے ہیں میں نے اپنی بھاوج بیوہ کے ہمراہ جن کے دو لڑکے ہیں بعض دوراندیشیوں کے خیال سے ایام رمضان شریف گذشتہ میں عقد کرلیا ہے ۔ اہلیہ سابق وحال دونوں اس مکان میں مشترک رہتی ہیں خورد ونوش نشست وبرخاست یک جاہی ہے باہمی بظاہر کوئی شکایت نہیں ہے کل بروز بدھ قبل مغرب جب کارخانہ سے فرصت پاکر گھر گیا تو اہلیہ سابق کو غمگین دیکھکر دریافت کیا کیسا مزاج ہے انہوں نے میری ذات پر رنج کا اظہار کیا اور چند کلمہ جھوٹ کہے جس سے مجھکو ناگوار معلوم ہوا میں نے کہا نماز پڑھ لوں تو تمہارا انتظام کردوں وہ ناخوش ہوکر بالاخانہ پر جانے لگیں اسوقت میں نے روک کر کہا کہ چابی مکان کی اور زیور دیدو وہ چابیاں دیکر بالاخانہ پر چڑھکر اندر سے کواڑ بند کرلیا میں نماز مغرب میں مشغول ہو گیا نماز کے بعد بالاخانہ پر گیا معلوم ہوا نہیں ہیں ۔ داروغہ عبدالحلیم صاحب کے گھر میں ہیں بعدہٗ اہلیہ کو بہت سمجھانے کے بعد گھر واپس آکر بالاخانہ پر چلی گئیں نہ مجھ سے مخاطب ہوئیں نہ معذرت کیا بہر صورت جب مجھ سے صبر نہ ہوسکا تو میں نے اپنے لڑکے فریدالدین کو پکار کر کہا کہ اپنی والدہ کو کھانے کے لئے بھیجدو بعد تامل وہ بالاخانہ سے اُتر کر باورچی خانہ میں جاکر تنہا کھانا کھانے لگیں میں آنگن میں بیٹھا غصہ میں کچھ باتیں فراز ونشیب کی بطور نصیحت کرتا رہا اسی حالت میں یہ کہکر اٹھا کہ اگر اس گھر میں جاؤ گی طلاق ہوجاویگی اور متواتر اس کلمہ کو کہا اور دروازہ کھڑکی میں احتیاطاً قفل لگادیا کہ اس امر کا وقوع سہواً یا عمداً نہ ہو ۔ بہشتی زیور میں اس مسئلہ میں غور کیا گیا جو الفاظ استعمال کئے گئے ہیں وہ بالکل مطابقت کرتے ہیں ۔

تنقیح از جانب حضرت مولانا تھانوی مد فیضہم

اس مقام پر بہشتی زیور کی عبارت نقل کرنا چاہیئے تاکہ مطابقت دیکھی جاوے ۔

(بقیہ خط بالا)

یہ میری سرگذشت ہے دریافت طلب یہ امر ہے کہ ان الفاظوں کو جو میں نے غضبناک ہوکر کہے ہیں اور یہ نیت نہیں ہے کہ اگر ایسا ہوگا تو یہ ہوگا بلکہ غصہ میں کہگیا کہ کسی شرعی حکم سے واپس لے سکتا ہوں اور اس کے بعد داروغہ عبدالحلیم صاحب کے گھر میں اہلیہ کے جانے کا کچھ حرج تو نہیں ہے ۔ داروغہ

عبدالحلیم کے گھر میں تنہا ہیں اور نہایت نیک اور حافظ قرآن ہیں اور ان کے بچہ ہونے والا ہے۔ کوئی ظاہری معاونت ان کے ساتھ نہیں ہے۔ اگر ان کو کوئی تکلیف بچہ پیدا ہونے کی حالت میں پہونچی تو مروت اور حق ہمسائیگی کے خلاف ہے اور حق تلفی ہے بایں وجہ قطع مراسم اچھا نہیں معلوم ہوتا موجودہ کبیدگی وکشیدگی کا باعث عقد ثانی ضرور ہے۔ اگر میں اہلیہ ثانی کو علیحدہ مکان میں رکھوں تو بھی ان کی کشیدگی مجھ سے دفع نہ ہوگی یہ خلقی مادہ ہے۔ زیادہ والسلام۔ السائل آپ کا خادم

سعادت علی از کانپور ٹینری کانپور سہانہ پورہ۔

جواب تنقیح از جانب سائل

قبلہ حاجات حضرت مولانا شاہ اشرف علی صاحب دامت برکاتکم۔ السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ، مزاج مقدس بموجب ارشاد حضور والا مسئلہ مندرجہ بہشتی زیور جس سے اس نادان نے اپنے کلمات کو منطبق کئے ہیں ذیل میں درج کرکے اطمینان کا طالب ہے۔ زیادہ والسلام۔

مسئلہ مندرجہ بہشتی زیور حصہ چہارم ص ۴۲ اپنی بی بی سے کہا اگر اس گھر میں جاوے تو تجھکو طلاق۔

الجواب: صورۃ مسئولہ میں سائل نے صیغہ مضارع کا استعمال کیا ہے جس سے طلاق کا وقوع اسوقت ہوتا ہے جبکہ مضارع کا استعمال بمعنی حال غالب ہوگیا ہو۔ اردو میں چونکہ حال واستقبال کا صیغہ جدا جدا ہے اس لئے یہ نہیں کہا جاسکتا کہ مضارع بمعنی حال غالب ہے۔ پس صورۃ مسئولہ میں سائل کا یہ قول کہ آئندہ اگر اس گھر میں جاؤگی طلاق ہوجاویگی۔ تعلیق طلاق نہیں بلکہ محض وعید اور دھمکی ہے جیسا کہ سائل کے بیان سے بھی یہی معلوم ہوتا ہے کہ اسکا ارادہ تعلیق کا نہ تھا۔ لہٰذا اگر زوجہ اس گھر میں چلی جاوے گی تو شرعاً طلاق عائد نہ ہوگی۔ قال فی العالمگیریۃ اذا قال لامرأتہ فی حالۃ الغضب ان فعلت کذا الی خمس سنین تصیری مطلقۃ منی واراد بذلک تخویفہا ففعلت ذلک الفعل قبل انقضاء المدۃ التی ذکرہا فانہ یسئل الزوج ہل کان حلف بطلاقہا فان اخبر انہ کان حلف یعمل بخبرہ ویحکم بوقوع الطلاق وان اخبر انہ لم یحلف بہ قُبل قولہ کذا فی المحیط ص ۱۰۶ ج ۲ لیکن اگر زوج کی نیت محض دھمکی کی نہ تھی بلکہ طلاق کو معلق کرنے ہی کی نیت تھی تو اس گھر میں جانے سے زوجہ پر طلاق پڑجائے گی لہٰذا سائل اپنی نیت کو خود سوچ سمجھ لے اور اس صورت ثانیہ یعنی نیت تعلیق میں صرف طلاق رجعی ہوگی جس سے عدت کے اندر نکاح فسخ نہیں ہوتا۔ زبان سے بھی رجعت کرسکتے ہیں اور

تقبیل وغیرہ سے بھی رجعت ہو جاتی ہے اور ایک مرتبہ کے بعد پھر آئندہ اس گھر میں عورت کے جانے سے دوبارہ اس پر طلاق نہ ہوگی ۔

لان ان و اذا و اذاما و کل و متی و متی ما ففی ھذہ الالفاظ اذا وجد الشرط انحلت الیمین و انتہت لانہا لاتقتضی العموم والتکرار اھ (عالمگیری ص ۹۴ ج ۲)

واللہ اعلم

تنبیہ :- بہشتی زیور کی عبارت میں جس کا سائل نے حوالہ دیا ہے صیغۂ مضارع نہیں ہے اس کے الفاظ یہ ہیں (مسئلہ) اپنی بی بی سے کہا تھا اگر اس گھر میں جاوے تو تجھکو طلاق ہے اور وہ چلی گئی اور طلاق ہو گئی الخ (ص ۳۵ ج ۴) ان الفاظ کے ساتھ وقوع شرط پر وقوع طلاق لازمی ہے کیونکہ الفاظ انشا صریح موجود ہیں اور سائل کے الفاظ میں (طلاق ہو جاوے گی) کا لفظ ہے جو کہ انشا میں صریح نہیں ۔ واللہ اعلم

حررہ الاحقر ظفر احمد عفا اللہ عنہ ۱۸ محرم ۱۳۴۱ھ

اگر تو اس بات کا تذکرہ کسی سے کریگی تو تجھ پر تین طلاق اور پھر بعد میں خود تذکرہ کی اجازت دیدی تو کیا حکم ہے ۔

سوال - ایک شخص (زید) نے اپنی بیوی سے ایک واقعہ بیان کیا اور اس کے پوشیدہ رکھنے کے لئے کہا مگر اس کی عورت نے کہا کہ میں اس کا تذکرہ ضرور کروں گی خاوند (زید) نے اس بات کو پوشیدہ رکھنے کی مصلحت کو مدنظر رکھتے ہوئے اپنی عورت کو قسم دیدی ۔ کہ اگر تو اس کا تذکرہ کسی سے بھی کرے گی تو تجھ پر تین طلاق ، معاملہ رفع دفع ہوا اور عورت نے کسی سے تذکرہ نہیں کیا مگر یہ دونوں ایک ہی جگہ قیام پذیر رہے ۔ بیس پچیس روز کے بعد ان دونوں میں کچھ عرصہ کے لئے جدائی ہونے لگی یعنی (زید کی) عورت جس کو قسم دی گئی تھی اپنے میکے یا کسی قریبی عزیز کے یہاں جانے لگی ۔ چلتے وقت خاوند نے اپنی بیوی سے نہ معلوم کسی مصلحت سے یا ویسے ہی یہ کہدیا کہ اگر اس واقعہ کا جس پر مندرجہ بالا قسم دی گئی ہے کسی سے تذکرہ بھی کردے گی تو کوئی حرج نہیں ہے میں اپنی قسم واپس لیتا ہوں کوئی مواخذہ نہیں ہوگا اس اجازت دیتے وقت قسم دینے والے (خاوند) کی نیت بھی قسم کے واپس لینے کی تھی ۔ اس قسم کے واپس لینے کے بعد سے ابھی تک عورت نے کسی سے تذکرہ تو نہیں کیا ہے مگر خیال ہے کہ مبادا اس خیال سے کہ خاوند نے اجازت تو دیدی ہے ذکر نہ کردے ۔

اب دریافت طلب بات یہ ہے کہ اگر وہ عورت جس کو قسم دی گئی ہے اس اجازت سے فائدہ حاصل کر کے ذکر کر بھی دے تو کیا اس عورت پر طلاق تو نہیں پڑے گی اور خاوند کو اس قسم یا شرط کے واپس لینے کا حق حاصل ہے یا نہیں ہے ایک امر اور بھی قابل ذکر ہے کہ خاوند کی نیت قسم دیتے وقت کوئی خاص نہیں

تھی یعنی وہ شرط کو واپس لے گا یا نہیں اور نہ اس وقت کسی اجازت کا خیال تھا البتہ اجازت دیتے وقت اس امر کی نیت ضرور تھی کہ اگر یہ کہدے تو کوئی طلاق نہ پڑے ۔

السائل جمیل احمد نائب تحصیلدار مقام الوہ للادیہ دروازہ

الجواب :۔

صورت مسئولہ میں زید کا اپنی عورت کو اس طرح قسم دینا کہ " اگر تو اس بات کا تذکرہ کسی سے کرے گی تو تجھ پر تین طلاق " عرفاً اس کے معنی یہ ہوتے ہیں کہ جب تک اخفاً کی ضرورت ہے اس وقت تک اگر کسی سے تذکرہ کیا تو یہ حکم ہے پس جب شوہر کے نزدیک اخفاً کی ضرورت باقی نہیں رہی اس کے بعد اگر وہ عورت کسی سے تذکرہ کرے تو اس پر طلاق واقع نہ ہوگی ۔

قال فی العالمگیریۃ رجل خرج مع الوالی و حلف بالطلاق ان لا یرجع الا باذنہ وسقط منہ شیئ ورجع لذلک لا تطلق و لو حلف علی امرأتہ بطلاقہا ان لا تخرج من الدار الا باذنی او حلف السلطان رجلاً بطلاق امرأتہ ان لا یخرج من البلدۃ الا باذنہ او حلف صاحب الدین مدیونہ ان لا یخرج من البلدۃ الا باذنہ فالیمین مقیدۃ بحال قیام الزوجیۃ ۔ والسلطنۃ والدین بانت المرأۃ وعزل السلطان وسقط الدین واخلت الیمین ثم لا تعود ابدا وان عادت الولایۃ للزوج والسلطان وعاد الدین اھ ص ۱۱۱ ج ۲ ۔ وفیہا ایضاً ولو قال لہا اگر تو با کسے حرام کنی فانت طالق ثلثا فابانہا فجامعہا فی العدۃ طلقت عندہما لانہما یعتبران عموم اللفظ وابو یوسف رح یعتبر الغرض فعلی قیاس قولہ لا تطلق وعلیہ الفتوی اھ ص ۱۰۰ ج ۲ ۔ لیکن اگر صورت مسئولہ میں عورت احتیاط رکھے اور وہ بات کبھی کسی سے نہ کہے تو یہ بہتر ہے ۔ واللہ اعلم

حررہ الاحقر ظفر احمد عفا اللہ عنہ ۲۲ محرم ۱۳۴۱ھ

اگر اپنے بچہ کو فلاں قصبہ میں پانچ سال تک روانہ کروں تو اس کی ماں پر تین طلاق ۔ بعد میں بچہ کو خود وہاں لے گیا

سوال ۔ بسم اللہ الرحمن الرحیم

الاستفتاء ۔ کیا فرماتے ہیں علماء دین اس مسئلہ میں کہ زید ایک شہر کا رہنے والا ہے جس کا نکاح ایک قصبہ میں ہوا جو بذریعہ ریل دو سو ۲۰۰ میل پر واقع ہے چونکہ زید کو اس کے سسرال والے اپنے قصبہ میں بود و باش اختیار کرنے پر مجبور کرتے تھے اس لئے جب کبھی زید کی منکوحہ اپنے پیہر (میکے) جاتی تو اس کی واپسی میں زید کے

خسرال والے کچھ نہ کچھ جھگڑا ضرور کرتے ایک مرتبہ زید کی بیوی اپنی بہن کی شادی میں شرکت کے لئے قصبہ میں بلائی گئی زید نے اپنی بیوی کو پندرہ روز کی اجازت دیدی مگر اپنے تین سالہ لڑکے کو اس خیال سے روک لینا چاہا کہ اس بچہ کے میرے پاس ہونے سے نہ تو خسرال والوں کو میری بیوی کے روکنے کی جرأت ہوگی اور نہ خود بیوی بھی بوجہ مہر مادری وہاں زائد قیام کر سکے گی۔ مگر زید کی بیوی نے بچہ کے اپنے ہمراہ لیجانے میں سخت اصرار کیا لیکن زید نے مذکورہ مصلحت کی وجہ سے اپنی بیوی کی بات نہ مانی، روانہ ہوتے وقت بیوی نے غصے سے کہا تم دیکھنا میں اپنے باپ کو بھیجکر بچہ کو کیسے بلاتی ہوں اس پر زید نے یہ قسم کھائی اگر میں بچہ کو کسی طرح بھی قصبہ کو پانچ سال تک روانہ کردوں تو اس کی والدہ پر تین طلاق جو متواتر کا حکم رکھیں۔ بیوی کے چلے جانے کے بعد ایک سال تک اس طرف سے لڑکے کی طلبی میں اور زید کی طرف سے بیوی کی طلبی میں خط وکتابت ہوتی رہی جس میں ایک خط مولوی ڈاکٹر عبدالرزاق صاحب نقشبندی کا وصول ہوا جو خسر زید کے ملاقاتی اور زید کے مشفق ہیں اس خط میں ڈاکٹر صاحب موصوف نے خسر زید کے خاص الفاظ یوں تحریر کئے کہ "ہم آپ کو اپنی لڑکی کے روانہ کرنے میں کچھ عذر نہیں ہم کب نہیں کہتے (یعنی بھیجنے میں ہم کو انکار نہیں) وہ بچہ کو لائیں اور ان کو (بچہ کی والدہ کو) لے جائیں یہاں (قصبہ میں) جو لوگوں نے افواہ اڑائی ہے کہ اب وہ ہرگز نہ آئیں گے اور اپنا قطع تعلق کر لیا ہے۔ وہ جھوٹے ٹھہریں اور لڑکا روانہ کرنے کی اگر قسم کھائی ہے تو ساتھ لانے میں قسم بھی نہیں ٹوٹتی مخالفین کی افواہ بھی رد ہوتی ہے۔ ہم روانہ کرنے سے انکار نہیں کرتے"، چنانچہ اس خط سے جب زید نے اپنے خیال اور نیت کے موافق اپنے خسر کا بھی خیال لڑکے کے لیجانے اور قسم میں خرابی واقع نہ ہونے میں پایا تو بلحاظ سہولیت طرفین قسم کھانے کے ایک سال بعد بچہ کو اپنے ساتھ لے گیا۔ قسم میں الفاظ خاص "کسی طرح بھی روانہ کردوں" سے زید کی مراد اور نیت میں اس کا مقصد بہ استثناء خود دوسرے کے ساتھ کسی طرح بھی روانہ نہ کروں گا ہے۔ جو وجہ اور محل قسم یعنی زید کی بیوی کا غصے سے یہ کہنا کہ تم دیکھنا کہ میں اپنے باپ کو بھیجکر بچہ کو کیسے بلاتی ہوں۔ اس کے جواب میں صاف ظاہر ہیں اور لفظ روانہ کردوں کے صریح وحقیقی معنی عرف میں دوسرے کے ساتھ بھیجنے کے ہوتے ہیں۔ لہٰذا زید کا یہی مطلب تھا۔ الحاصل مذکورہ صورت میں کیا زید کی بیوی پر طلاق واقع ہو سکتی ہے؟

بینوا وتوجروا۔ المستفتی عبدالرحمٰن شاہجہان خان عفی عنہ

محلہ کالوپور، سوداگر پول احمد آباد۔

الجواب :- قال فی العالمگیریہ ولو قال لہا (اگر تو بکسے حرام کنی) فانت طالق ثلثا فابانہا فجامعہا فی العدۃ طلقت عندہما لانہما یعتبران عموم اللفظ و ابو یوسف یعتبر الغرض فعلی قیاس قولہ لا تطلق وعلیہ الفتوی اھ ص۱۰۷ ج۲

صورت مسئولہ میں جب زید کی غرض اور نیت کلام مذکور میں یہ تھی کہ کسی دوسرے کے ساتھ کبھی نہ روانہ کروں گا تو لڑکے کو اپنے ساتھ لیجانے سے اس کی زوجہ پر طلاق واقع نہ ہوگی - واللہ اعلم -

حررہ الاحقر ظفر احمد عفا اللہ عنہ از تھانہ بھون خانقاہ امدادیہ ۲۶ صفر ۴۱

اگر تو فلاں شخص سے بات کرے تو تجھ پر تین طلاق اور اپنے ذہن میں اجازت دینے کی صورت کو مستثنیٰ کرلیا

سوال - ایک شخص اپنی بیوی سے مخاطب ہوکر کہا کہ اگر تو فلاں شخص سے بات کرے گی تو تجھ کو تین طلاق مگر اس کے خیال میں یہ بات تھی کہ موقع ضرورت پر بات کرنے کی اجازت دیدوں گا مذکور خطاب میں لفظ ہمیشہ وغیرہ جو دوام پر دلالت کرے نہیں ذکر کیا پس اس صورت میں اگر اپنی بیوی کو اس شخص سے بات کرنے کی اجازت دی تو وہ عورت بات کرسکتی ہے یا بات کرنے سے طلاق واقع ہوگی -

مذکور خطاب عام ہے مقید بوقت محدود میں نہیں - خادم محمد عبد القادر - از مقام کلاں ضلع جنوبی ارکاٹ

الجواب :- قال فی الدر المختار الایمان مبنیۃ علی الالفاظ لا علی الاغراض اھ (ص ۱۱۰ ج ۳) وفیہ ایضا نیتہ تخصیص العام تصح دیانۃ اجماعا فلو قال کل امرأۃ اتزوجہا فہی طالق ثم قال نویت کذا لا یصدق قضاء وفی رد المحتار ومثلہ لا اتزوج امرأۃ وقوی حبشیۃ او عربیۃ فانہا بعض افراد العام لان الانسان انواع حبشی وعربی ورومی اھ (ص ۱۵۰ ج ۳) قلت وکذا الکلام متنوع الی ضروری وغیر ضروری فلو نوی احد النوعین یصح — صورت مسئولہ میں جبکہ زوج کی نیت اس کلام سے کہ اگر تو فلاں شخص سے بات کرے گی تو تجھکو تین طلاق، بے ضرورت و بے اجازت بات کرنا تو بوقت ضرورت شوہر کی اجازت سے اگر وہ بات کرے تو اس پر طلاق کا وقوع نہ ہوگا -

۲ شوال ۴۱ھ

حالت اکراہ میں تعلیق طلاق کا حکم

سوال :- چہ فرمایند علمائے دین متین رحمہم اللہ تعالیٰ اندریں کہ دو برادران مسمیان عبد الودود و عبد النصیر میاں جی بحضور مجمع عام کہ چند کس عالمان شریعت غرا نیز دران حاضر بودند اقرار نمودند کہ روزے بوجہ خصومت گروہے متخاصمین برایشان غلبہ کردہ ہر دو برادران را مکرہا بخانہ بردند و صاحب خانہ کہ سرگروہ متخاصمین بود ایشان را ہمی زد و میگفت کہ بگوئید کہ بجانہلے پنڈت و امید علی منشی و یوسف ماتجھی پیش نخواہد رفت چونکہ برادران مذکور بدست متغلبین عاجز آمدہ

بودند چارهٔ رہائی نمی دیدند ناچار گفتند نخواہیم رفت باز گفتند کہ بگوئیکہ در تھانہ و در کچھری بے اجازت من نخواہید رفت برادران گفتند نخواہیم رفت باز پرسید اگر روید بر زنان شما طلاق ثلث خواہد شد یا نہ برادران پاسخ دادند خواہد شد۔ باز سوال کرد کہ چہ خواہد شد گفتند طلاق خواہد شد باز پرسید کہ چہ چیز طلاق خواہد شد گفتند آیا نمی دانید کہ چہ چیز طلاق شود باز سوال نمود زنان شما طلاق خواہد شد یا نہ گفتند آرے اکنون سوال اینکہ در صورت مرقومہ بر تقدیر صحت معاملہ درحالیکہ برادران مذکورہ در خانہاے نامیدگاں کہ ایشاں بالفعل باحیات باقی نیستند و در تھانہ و کچھری بلا اجازت متغلب آمد و شد نمودند حسب حکم مذہب حنفی بر زنان مسمیاں طلاق ثلث واقع شود یا چہ واضح باشد کہ کسے از مسمیان مذکورہ و زنان ایشاں بر طلاق راضی نیست بلکہ برخلاف آن بخوف آنکہ فتوی عالمان دریں باب بر وقوع طلاق صادر یابد بسکہ غمگین ہستند و پیوستہ گریہ و زاری ہمی دارند تا آنکہ زنان ایشاں از تاریخ معاملہ خورد و نوش ترک گفتہ اند۔ بینوا توجروا۔

الجواب:۔ طلاق واقع نخواہد شد بچند وجوہ۔ اول ایں کہ از جہت ثبوت تعلق جزا بالشرط اتصال کلام باید۔ و سکوت و انفصال مانع تعلق است و فصل کلام صیرورت یمیں را نشاید۔ کما فی فتاوی قاضی خان فی باب الایمان السکوت یمنع تعلق الجزاء بالشرط والاضافة رجل اخذہ السلطان واراد ان یحلفہ فقال لہ قل بایزد فقال الرجل بایزد ثم قال السلطان کہ بروز آدینہ بیائی فقال الرجل بروز آدینہ بیایم فلم یات الرجل یوم الجمعة قالوا لم یحنث لانہ لما قال لہ قل بایزد و سکت صار فاصلا فلا یصیر یمینا بعد ذلک انتہی۔

وجہ دوم آنکہ مسمیان مذکورہ حسب شروط یمین در خانہائے نامیدگان کہ پنڈت و امید علی منشی و یوسف مانجھی اند نرفتہ اند بلکہ در خانہائے ورثہ ایشاں رفتہ اند کہ بعد موت ایشاں خانہا در ملک وارثاں انتقال یافتہ است کما فی فتاوی قاضی خان رجل حلف و قال لامراتہ طالق ان دخلت دار فلان فمات صاحب الدار فدخل ان لم یکن للمیت دین مستغرق لا یحنث لانہا انتقلت الی الورثة وان کان علیہ دین مستغرق الی قولہ قال الفقیہ ابو اللیث رحمہ اللہ لا یحنث فی یمینہ و در فتاوی سراجیہ نوشتہ حلف لا یدخل دار فلان فدخل بعد الموت لم یحنث انتہی۔

پس درحالیکہ مسمیان بلا اجازت متغلب مذکور در تھانہ و کچھری رفتہ اند بوجہ فوات

شروط اوّل کہ رفتن در خانہائے نامیدگاں بود حنث لازم نیاید۔ زیراکہ جزا بر ہر دو گونہ شرائط مترتب بود کما فی فتاوی سراجیہ۔ حلف لا یکلم فلانًا و فلانا لم یحنث بکلام احدهما انتهى۔ و فی فتاوی قاضی خان لو قال کل امراة اتزوج مادمتما حیین او قال بالفارسیة۔ ہر زنے کہ بخواہیم تا ایشاں زندہ اند تطلق کل امراةٍ یتزوج فی حیوتهما لان کلمة کل توجب تعمیم النساء وان مات احد ابویه فتزوج امراة تکلموا فیه وعن محمدؒ انها لا تطلق وتسقط الیمین بموت احدهما وبه اخذ فقیه ابو اللیثؒ لان شرط الحنث التزوج فی حیوتهما ولم یوجد انتهى و فی الحمادیة رجل حلف لا یکلم فلانا و فلانا فهذا علی ثلثة اوجه إما إن نوى أن یحنث بکلام کل واحد منهما او نوى ان لا یحنث حتى یکلمهما او لم ینو شیأ ففی الوجه الاول اذا کلم احدهما یحنث لانه نوى ما یحتمله و فی الوجه الثانی لا یحنث ما لم یکلمهما لانه نوى حقیقة ما تکلم به و فی الوجه الثالث کذالک انتهى۔

پس بہر حال بادلہ بالا مبرہن می شود کہ حنث لازم نیاید فلا تطلقان ولا احدهما هکذا حکم الکتاب واللہ اعلم بالصواب۔ الکاتب العاصی مختار احمد صدیقی

کالی پور

تنقیح الجواب من جامع امداد الاحکام

قال فی العالمگیریة ص ۵۷۰ ج ۲۔ قیل لرجل الست طلقت امراتک فقال بلىٰ تطلق کانه قال طلقت لانه جواب الاستفهام بالاثبات اھ وفیها ایضا رجل قال لغیره اطلقت امراتک فقال نعم بالهجاء او قال بلى بالهجاء ولم یتکلم به یقع الطلاق کذا فی فتاوی قاضی خان اھ وفیها ایضا قیل لرجل اطلقت امراتک ثلثًا قال نعم واحدة قال القیاس ان یقع علیها ثلث تطلیقات ولکنا نستحسن ونجعلها واحدة اھ قلت وجه الاستحسان زیادة قوله واحدة بعد قوله نعم فلو کان اکتفى بقوله نعم وقعت ثلث تطلیقات کما لا یخفى وفیها ص ۱۱۶ ج ۲۔ رجل اراد السفر فحلفه صهره وقال ان غبت بعد هذا عن امراتک

فلم ترجع اليها عند رأس الشهر فامرأتك طالق فقال الختن بالفارسية هست ولو يزد على ذلك ثم غاب اكثر من شهر طلقت امرأته لانه اجاب كلام الصهر والجواب يتضمن اعادة ما فى السوال فتطلق امرأته كذا فى فتاوى قاضى خان اھ فقول القائل فى الصورة المسئولة اگر رويد بر زنان شما طلاق ثلث خواهد شد يانه برادران پاسخ دادند خواهد شد ۔ فهو بعينه نظير هذه المسائل فصح التعليق بالشرط فاذا وجد الشرط طلقت امرأتاهما وما نقله المجيب من قاضى خان ان السكوت يمنع تعليق الجزاء بالشرط ۔ معناه ان ينطق بالشرط ويسكت ثم ينطق بالجزاء بعده مثلاً لو قال المتغلب للاخوين قولا اگر رويم وقالا اگر رويم ثم قال المتغلب قولا بر زنان ما طلاق ثلث خواهد شد و قالا بر زنان ما طلاق ثلث خواهد شد لا تطلق امرأتاهما فى هذه الصورة لان الجزاء قد انفصل عن الشرط وبقى قولهما "بر زنان ما طلاق ثلاث خواهد شد منفردا عنه ولا يقع به شى لانه بمعنى الاستقبال لا للانشاء فى الحال واما فى الصورة المسئولة فان المتغلب نطق بالشرط والجزاء معاً فلا انفصال بينهما وقالا فى الجواب "خواهد شد و باز گفتند آرے فهو نظير ما اذا قال نعم فى جواب قول القائل اطلقت امرأتك فافهم نعم لو نوى الاخوان بقولهما خواهد شد و بقولهما آرے معنى التنجيز ولم يروا معنى التعليق بالشرط لا يقع الطلاق على امرأتيهما لكونه بمعنى الاستقبال المنجز وقد عرفت عدم وقوع الطلاق بالاستقبال تنجيزا ۔ ٥ وهذا انما هو فى الديانة واما فى القضاء فلا يصح ارادتهما معنى التنجيز بهذا الكلام لكونه خلاف الظاهر قال العلامة الشامى قال فى الخانية رجل حلف رجلا فحلف ونوى غير ما يريد المستحلف ان بالطلاق والعتاق و نحوه يعتبر نية الحالف اذلم ينو الحالف خلاف الظاهر ظالماً كان الحالف او مظلوماً وان كانت اليمين بالله تعالى فلو الحالف مظلوماً فالنية فيه اليه وان كان ظالماً يريد ابطال حق الغير اعتبر نية المستحلف وهو قول ابى حنيفة ومحمد اھ قلت وتقييده بما اذا لم ينو خلاف الظاهر يدل على

ان المراد باعتبار نیۃ الحالف اعتبارها فی القضاء اذ لا اختلاف فی اعتبار نیته دیانۃ وبه علم الفرق بینه وبین مذهب الخصاف فان عنده تعتبر نیته فی القضاء ایضا ویفتی بقوله اذا کان الحالف مظلوما اھ (ص ۱۵۲ ج ۳)

وعلی هذا فلا یجاب بعدم وقوع الطلاق ما لم یستفسر الزوجان عن نیتهما بقولهما خواہد شد وبقولهما آمدے انهما هل ارادا بذلک معنی التعلیق او معنی التنجیز۔ واما قول المجیب فی الوجه الثالث پس درحالیکہ مسمیان بلا اجازت متغلب مذکور در تھانہ و کچہری رفتہ اند بوجہ شرط اول کہ رفتن در خانہائے نامیدگاں بود حنث لازم نیاید زیرا کہ جزا بہر دو شرائط مترتب بود کما فی فتاوی سراجیہ حلف لا یکلم فلانا وفلانا لم یحنث بکلام احدهما اھ ففیه نظر ایضا من وجوه: الاول لان ترتب الجزاء علی مجموع الشرطین لا یظهر ما لم یبین الحالف او المستحلف انه اراد الترتب علی المجموع کما نقله المجیب عن الحمادیه فی قول رجل حلف لا یکلم فلانا وفلانا فهذا علی ثلاثة اوجه الخ فلا یصح الجواب بعدم الوقوع قبل البیان والثانی لانه یظهر من السوال ان المستحلف حلف اولا علی عدم الدخول فی بیوت الرجال المعلومین فلما اقر الاخوان بذلک اخذ منهما العهد ثانیا علی عدم الذهاب الی دیوان الحکومة بغیر اذنه فلم یجتمع الامران فی عهد واحد لا سیما اذا جعلنا السکوت فاصلاً بین الکلامین فکیف یصح ترتب الجزاء علی مجموع العهدین بل الظاهر ترتبه علی شرط عدم ذهابهما الدیوان بغیر اذنه فقط وقد وجد ذلک فلزمه وقوع الطلاق ولو سلم ان الکلام یحتمل ترتب الجزاء علی المجموع ایضا فانما یجاب بعدم الوقوع اذا بینا انهما نویا ذلک او نویا الحنث بکل واحد منهما فلا شک فی الوقوع باحد الشرطین ولو لم یکن لهما نیة فالظاهر الوقوع ایضا لان المتغلب انما اخذ العهد علی کل واحد من الامرین علی حدۃ علی حدۃ وبعد ما اخذ العهد علی امر ثم اخذ العهد ثانیا علی امر آخر والسکوت یعد فاصلاً فالاصل فی هذا الکلام تعلق الشرط بالعهد الثانی المتصل به فقط دون الاول فافهم۔ واللہ تعالیٰ اعلم صورت مسئولہ میں یہ امر تنقیح طلب ہے کہ برادران مظلومین نے اپنے قول میں لفظ خواہد شد ولفظ آمدے سے کس معنی کا قصد کیا تھا آیا ان کا مطلب یہ تھا کہ اگر ہم نے افعال مذکورہ کئے تو ہماری بیبیوں پر طلاق ہو جائے گی یا تعلیق بالشرط کا قصد نہ تھا بلکہ تنجیز کا قصد تھا یا کچھ نیت نہ تھی اسی طرح بصورت معنی تعلیق آیا ان کا مطلب یہ تھا کہ اگر ہم نے یہ افعال مذکورہ مجموعی طور پر کئے تو طلاق ہو گئی یا علیحدہ علیحدہ ہر امر کے ارتکاب پر طلاق کو معلق کرنا مقصود تھا یا ان میں سے بھی کسی ایک شق کی نیت بھی جب تک اس تنقیح کا جواب نہ آجاوے اس وقت تک وقوع یا عدم وقوع طلاق کا فیصلہ نہیں کیا جا سکتا واللہ اعلم۔ حررہ الاحقر ظفر احمد عفا اللہ عنہ ۴ شوال ۴۱ھ

جواب تنقیح :۔ اگر تو زبان درازی کریگی تو تجھ سے تعلق نہ رکھونگا اور نیت کچھ نہیں کی تو کیا حکم ہے ۔

براستفسار از نیات ایشان ہر دو برادران صاف می گویند کہ ایشان نیت تطلیق مطلق نہ تعلیقاً نہ تنجیزاً بلکہ رہائی از دست المتغلبین منظور داشتہ چیزی گفتند ہر چہ گویا ندید ۔ علاوہ این کہ این سوالات و جوابات کہ میان ہر دو فریق رخت پیاپے و بالاتصال نبود بلکہ سائل در بیان سوالات خود گاہ گاہ بارفقایش توجہ می داشت و باہم شورک می کردند کہ در باب این دو برادران چہ کنند و چہا نہ شد

نیز ایک صاف وجہ یہ ہے کہ تھانہ اور کچہری میں حکام کی طلب پر مجبوری گئے (از خود نہیں گئے) اور اس سے حنث نہیں ہوتا ہے ۔

الجواب :۔

سوال و جواب سے معلوم ہوا کہ مسمیان نے تعلیق و تنجیز وغیرہ کا کچھ قصد نہیں کیا ان کا ارادہ صرف رہائی از دست متغلبین تھا ۔ نہ مسمیان نے طلاق خواہد شد و آمدے وغیرہ میں یہ نیت کی کہ یہ جزا مجموعہ شروط کیساتھ ہے یا صرف اول کی ساتھ ہے ۔ نہ ثانی کے یا صرف ثانی کے ساتھ ہے نہ اوّل کے ۔ پس اس صورت میں چونکہ لفظ طلاق صریح بولا گیا ہے جس سے ایقاع و وقوع بدون نیت کے بھی ہو جاتا ہے ۔ نیت پر لفظ کنایہ سے وقوع موقوف ہوتا ہے ۔ نہ صریح سے اور حنفیہ کے نزدیک طلاق مکرہ واقع ہے ۔

ووجهه ان المبتلى اذا ابتلى ببليتين يختار اهونهما فالمكره اذا نطق بلفظ الطلاق للتوقي عن الضرب وجد منه اختياره للطلاق على الضرب وهذا بعينه هو الارادة لا يوجد الرضا في تلك الحالة والطلاق لا يتوقف عليه فثبت تعليق الطلاق من الرجلين المذكورين ولما لم ينويا ارتباطه بمجموع الشروط او واحد منها معينا فالظاهر ارتباطه بالشرط الاخير ۔ لما ذكره السائل ان المستحلف قال اولاً بگوئید کہ در خانہائی پنڈت و امید علی و یوسف مانجھی پیش نخواہید رفت، برادران گفتند نخواہیم رفت ۔ باز گفت (یعنی ثم قال بعد سکوتہ لیسیر از زمان السکوت ہو زمان اجابۃ الاخوین لکلامہ ونحوہ) بگوئید کہ در تھانہ و کچہری بلا اجازت من نخواہید رفت گفتند نخواہیم رفت پرسید اگر روید (یعنی در تھانہ و کچہری لکونہ مذکوراً متصلاً وما قبلہ صار منفصلاً بالسکوت ونحوہ) بر زمان شما طلاق ثلث خواہد شد ۔ یا نہ گفتند خواہد شد ولو سلمنا السکوت فاصلا بین کل واحد من الشروط فلا یخفی ان لفظۃ روید یقتضی تقدیر المفعول فلا بد منہ ۔ ولو نوی الحالف شیئاً معیناً یرجح ارادتہ والا فالراجح الاقرب ۔ وعلی کل حال قولہ

اگر رویہ طلاق ثلث خواہ رشد یا نہ لیس بمرتبط بمجموع الشروط بدون النیۃ بل الظاہر ارتباطہ بالاخیر فحسب وقد وجد الشرط فلابد من وقوع الثلث ظاہرا بقی ان وقوع الشرط لم یکن باختیار الحالفین بل کان بطلب الحکام وہو فی حکم الاکراہ۔ قلت نعم ہذا مما یرجح الافتاء بعدم وقوع الطلقات۔ لان شرط الحنث وجودی وہو الذہاب الی الدیوان وہو فعل اختیاری فیتوقف علی الاختیار۔ وینعدم بانعدامہ کما لو حلف لا اسکن ہذہ الدار فقید او منع او لم یمکنہ الخروج لعذر لیل ونحوہ لم یحنث لانہ یعد مسکناً لاساکناً۔ فلم یتحقق شرط الحنث۔ حققہ فی رد المحتار (جلد ۳ ص ۱۱۹ و ج ۲ ص ۸۵۲ و ۸۵۴)

وایضاً تقیید الذہاب الی الدیوان بما اذا کان لمخاصمۃ المستحلفین وللادعاء علیہم لا لو کان لغرض آخر فان غرض المستحلف انما ہو الاول لا الثانی۔ والیمین تتقید بمقتضی الحال ودلالتہا۔ ہکذا ینبغی ان یفہم ہذا المقام۔ خلاصہ یہ کہ اگر مسمیان عدالت وکچہری میں ازخود بمقابلہ مستحلفین نہیں گئے بلکہ بطلب حکام گئے ہیں تو صورت موجودہ میں طلاق ان کی ازواج پر واقع نہیں ہوئی۔ اسی طرح اگر ازخود بھی عدالت و کچہری میں جائیں۔ لیکن مستحلف کے مقابلہ کیلئے نہ جائیں۔ بلکہ کسی اور غرض سے جائیں تب بھی طلاق واقع نہ ہوگی۔ ہاں اگر مستحلفین سے خصومت کرنے کے لئے ازخود کچہری میں بدون اذن مستحلف گئے ہوں یا جائیں تو طلاق واقع ہو جائے گی۔ اور اس صورت میں بھی اگر ازخود نہ گئے ہوں بلکہ بطلب حکام گئے ہوں یا آئندہ جائیں تو طلاق کا وقوع نہ ہوگا۔ کما مر واللہ اعلم، حررہ الاحقر ظفر احمد عفا اللہ عنہ۔ ۱۸ ذی الحجہ سنہ ۴۱ھ از تھانہ بھون خانقاہ امدادیہ

اگر تو زبان درازی کرے گی تو تجھ سے تعلق نہ رکھوں گا" اور نیت کچھ نہیں کی تو کیا حکم ہے؟

سوال :- کیا فرماتے ہیں علمائے دین شرع متین اس مسئلہ میں ایک شخص نے حالت غصہ میں اپنی بی بی سے کہا اگر تو زبان درازی کرے گی تو تجھ سے تعلق نہ رکھوں گا کیونکہ وہ عورت زبان کی تلخ ہے اور اس وقت ان دونوں میں باہم تکرار تھی اور میاں نے یہ لفظ بہت مرتبہ کہا کہ تو سختی کلام سے باز آ مگر اس کلام سے یعنی باہم تکرار سے وہ عورت باز نہ آئی اس کے بعد بہت مرتبہ آپس میں تکرار ہوئی اور میاں کی نصیحت اسپر اثر نہ کی ابھی تک وقتاً فوقتاً جھگڑا ہو ہی جاتا ہے اس واقعہ کو ہوئے تخمیناً چھ برس ہوا جب سے تین بچہ بھی ہوئے اب شوہر کے دل پر یہ وسوسہ غالب ہوا کہ جب میں نے بی بی سے کہا کہ اگر تو سخت کلامی سے باز نہ آئے گی تو تجھ سے تعلق نہ رکھوں گا اسی وقت یہ بھی دو ایک مرتبہ کہہ دیا کہ اگر تو زبان درازی کرے گی تو تعلق نہ رہے گا مگر شوہر کے خیال میں یہ بات تھی کہ کوئی ایسی لفظ نہ نکل جائے جس سے طلاق ہو جائے فقط عورت کو دھمکی دیتا تھا کہ شاید عورت اس بات کے کہنے سے کھٹکا کرے کہ ایسا نہ ہو میاں طلاق دیدے مگر وہ اپنی حرکت سے باز نہ آئی اسی واقعہ کے بعد بہت مرتبہ تکرار ہوئی۔ اب شوہر اس بات پر نادم ہے

کہ میں نے حالت غصہ میں یہ بھی دو ایک مرتبہ کہدیا ہے کہ اگر پھر سخت کلامی کرے گی تو تعلق نہ رہے گا کبھی تو دل کہتا ہے کہ یہ بات کہا اور کبھی دل کہتا ہے کہ نہیں یہ لفظ نہیں کہا کیونکہ اس کا خیال تھا کہ کوئی لفظ ایسا نہ نکل جائے جس سے طلاق ہوجائے اب نہ دل یکدم ہاں کہتا ہے اور نہ یکدم نہیں کہتا اور جب یہ واقعہ ہوا تھا اس وقت کوئی بات نہ تھی بعد تین یا چار برس کے دل پر خلجان اور شک غالب ہوا ایسی پس و پیش میں تھا آج چھٹے برس حضور کے پاس تحریر کیا اب حضور غور سے ملاحظہ فرمائیں طلاق ہوئی کہ نہیں اگر ہوئی تو دوسرا نکاح ہوسکتا ہے کہ نہیں کیونکہ تعلق نہ رہے گا ایک یا دو مرتبہ کہا تھا یا طلاق بائن پڑ گئی۔ حضور صاف اردو زبان میں جواب تحریر فرمائیں۔ تاکہ سمجھ میں آجائے اور جبکہ یہ کہا تھا کہ تعلق نہ رکھوں گا تو اس وقت کوئی گڑبڑ نہ تھی۔ کیونکہ اس وقت کوئی بات کا یہ خیال نہ تھا کہ میں نے ایسی بات کہدیا جس سے طلاق ہوا۔ بہت دنوں کے بعد یہ خیال ہوا کہ شاید میں نے اسی غصہ کی حالت میں یہ لفظ تعلق نہ رہے گا دو ایک مرتبہ کہدیا ہے مگر اس میں بھی شک ہے کبھی تو دل کہتا ہے ہاں کہا اور کبھی کہتا ہے نہیں کہا اور نہ اس جگہ پر کوئی دوسرا شخص تھا کہ اس سے دریافت کیا جائے۔ کہ کیا لفظ کہا۔ فقط والسلام۔

الجواب :-

قال فی العالمگیریۃ اذا قال لامرأتہ فی حالت الغضب ان فعلت کذا الی خمس سنین تصیری مطلقۃ منی واراد بذلک تخویفہا ففعلت ذلک الفعل قبل انقضاء المدۃ التی ذکرہا فانہ یسئل الزوج ھل کان حلف بطلاقہا فان کان اخبر انہ کان حلف یعمل بخبرہ ویحکم بوقوع الطلاق علیہا وان کان اخبر انہ لم یحلف بہ قبل قولہ کذا فی المحیط اھ ص ۱۰۶ ج ۲

جب صورت مسئولہ میں شوہر کی نیت عورت کو دھمکانے کی تھی خصوصاً جبکہ اس نے الفاظ کنایہ استعمال کئے ہیں صاف طلاق کا لفظ نہیں بولا اور کنایہ سے وقوع طلاق بعد نیت کے ہوتا ہے جو کہ یہاں مفقود ہے تو شوہر کے اس قول سے کہ اگر تو زبان درازی کرے گی تو تجھ سے تعلق نہ رکھوں گا یا تعلق نہ رہے گا عورت پر طلاق نہیں ہوئی۔ واللہ اعلم۔

حررہ الاحقر ظفر احمد عفا اللہ عنہ ۲ر شوال سنہ ۴۲ھ از خانقاہ امدادیہ تھانہ بھون۔

اگر تو نہ آویگی تو تین طلاق " شوہر کا یہ کہنا اور طلاق کا آخر زندگی میں واقع ہونا

سوال :- کیا فرماتے ہیں علماء دین و مفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ ایک شخص بنام بقریدی بن عبدل کی طرف سے مریم بنت رسول بخش کو لکھتا ہے کہ معلوم ہو کہ میں نے سنا ہے کہ تیرا باپ مجھ پر فریادی کرے گا تو وہ فریادی کر کے میرا کیا

اکھاڑ لے گا تو بھی آنے کو بولی مگر آئی نہیں ابھی بھی کہتا ہوں کہ تو چلی آ۔ باپ کے سکھانے پڑھانے میں مت پڑ اگر تو نہ آوے گی تو تجھ پر تین طلاق تو میری بیٹی میں تیرا باپ دیکھ پھر بھی کہتا ہوں کہ تو آئندہ بہت پچھتائے گی ورنہ چلی آ۔ میں نے تیری خطا معاف کی تجھ سے کچھ نہ کہوں گا نہیں تو تیرا پیچھا ہرگز نہ چھوڑوں گا فریادی کا خیال بھول جا یہ خط پڑھکر پھاڑ پھاڑ کر پھینک دینا۔ فقط۔ بقریدی بن عبدل نے جو ایسی صورت میں تین طلاق لکھا ہے تو تین طلاق واقع ہو گئے یا نہیں اور لکھا تو میری بیٹی میں تیرا باپ اس لفظ کے کہنے سے طلاق واقع ہوئی یا نہیں۔ اور بقریدی نے کوئی دن تاریخ وقت مقرر لکھا نہیں ہے ایسی صورت میں تین طلاق واقع ہوئی یا نہیں شرعاً حکم کیسا ہے خلاصہ تحریر فرمادیں؟

الجواب :۔

جب بقریدی بن عبدل نے صرف یہ لکھا ہے کہ اگر تو نہ آوے گی تو تجھ پر تین طلاق، اور کوئی مدت آنے نہ آنے کی متعین نہیں کی تو اگر اس کی نیت میں بھی کوئی مدت نہ تھی تو ابھی اس کی زوجہ پر طلاق نہیں پڑی بلکہ زندگی بھر نہ آوے تو آخر وقت زندگی میں طلاق پڑے گی۔

لانه طلاق معلق على العدم والعدم متحقق مستمر لكنه لما علق بالمستقبل صلح لجميع زمان الاستقبال لوجوده فلا يتعين له وقت الى ان ينتهى الى آخر جز من الحيوٰة فيتضيق فيقع اھ كذا فى الشامى (ص ٨١١ ج ٢)

اور اگر اس نے معنی فور کی نیت کی تھی اور مطلب یہ تھا کہ اگر خط دیکھتے ہی فوراً نہ آوے گی تو طلاق یا کوئی خاص مدت ذہن میں تھی مثلاً اس ماہ میں نہ آوے گی تو طلاق۔ اس صورت میں جب اس کی نیت کے خلاف عورت کی طرف سے عملدرآمد ہو اسی وقت طلاق پڑ جائیگی۔ بہرحال اس مسئلہ میں طلاق کا واقع ہونا یا نہ ہونا اس پر موقوف ہے کہ شوہر نے کسی مدت تک نہ آنے کی نیت کی تھی یا کچھ نیت نہ تھی۔ صورت اول میں اس مدت تک نہ آنے سے طلاق ہو جائیگی اور دوسری صورت میں زندگی بھر نہ آنے سے طلاق ہوگی اب شوہر اپنی نیت کا حال سوچکر عمل کرے۔ واللہ اعلم قال فی الدر نیة تخصیص العام تصح دیانۃ اتفاقاً (ص ١٥١ ج ٣)

وفيه ايضا فى "لا تخرجى الا باذنى" لو نوى الاذن مرة دين وامثالهما (ص ١٢٧ ج ٣)

حررہ الاحقر ظفر احمد عفا اللہ عنہ ١٢ رجب ٤٢ھ

اگر شرائط کی خلاف ورزی کی تو وہ خلاف ورزی بمنزلہ طلاق بائن متصور ہوگی اس صورت میں طلاق کا حکم

سوال :۔ کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ مسماۃ ہاجرہ بیگم کا نکاح اپنے تائی کے لڑکے مسمی

محمد ابراہیم کے ساتھ ۱۹۱۱ء میں ہوا۔ تقریباً پانچ سال تک مسمی محمد ابراہیم نے اپنے مسماۃ ہاجرہ بیگم سے اپنے بدچلن اور آوارگی کے باعث بے اتفاقی رکھی۔ چنانچہ مسماۃ ہاجرہ بیگم کے رشتہ داروں نے جو مسمی محمد ابراہیم کے رشتہ دار بھی تھے مورخہ ۳۱ مئی ۱۹۱۷ء کو تنگ آکر اپنی برادری کے چند معزز اشخاص کو اکٹھا کر کے مسمی محمد ابراہیم سے اس مضمون کا ایک اقرار نامہ۔ جس کی نقل استفتاء ہذا ہے۔ لیا پڑا کہ اگر مسمی ابراہیم اپنا چال چلن درست نہ کرے اور اپنی زوجہ مسماۃ ہاجرہ بیگم کو نان و نفقہ خورد و پوشش و بود و باش میں آسائش نہ دے اور حق زوجیت جو بروئے شرع شریف اس پر لازم و واجب ہے۔ کما حقہ ادا نہ کرے تو شرائط متذکرہ صدر میں سے کسی ایک شرط کی خلاف ورزی مظہر مقر سے ثابت ہونے پر وہ خلاف ورزی بمنزلہ طلاق بائن تصور ہوگی۔ اقرار نامہ دینے پر بھی مسمی محمد ابراہیم نے اپنا چال چلن درست نہیں کیا۔ عرصہ تیرہ چودہ سال میں ایک کوڑی گھر میں نہیں دی۔ اور نہ اپنی زوجہ مسماۃ ہاجرہ بیگم کو گھر میں آباد کیا۔ مسماۃ ہاجرہ بیگم اپنے چچا کی لڑکی مسماۃ سکینہ بیگم کے گھر میں گزر اوقات کرتی رہی۔ اور اپنے والد کی زمین کی جو اناج وغیرہ آتا تھا اور آتا ہے اس سے اپنا پیٹ پالتی رہی۔ اتفاقاً اس کی ہمشیرہ سکینہ بیگم کو اپنے والد کے پاس بردوان جانا پڑا۔ مسماۃ ہاجرہ بیگم بھی اس کی ہمراہ بردوان بدیں خیال چلی گئی کہ چونکہ اس کا خاوند وہاں اپنے چچا کے پاس موجود ہے۔ ممکن ہے وہ اس کے وہاں جانے سے التفات کرنے لگے۔ مسمی محمد ابراہیم کے چال چلن اور آوارگی میں فرق نہ آیا۔ لیکن چونکہ خاوند بیوی کا ملنا جلنا وہاں ہوتا تھا۔ مسمی محمد ابراہیم کے نطفہ سے مسماۃ ہاجرہ بیگم کو حمل قرار پا گیا۔ وضع کے لئے مسماۃ ہاجرہ بیگم واپس امرتسر آگئی۔ لڑکا جس کا نام محمد یٰسین ہے۔ اور جس کی عمر تقریباً پانچ سال ہے تولد ہوا۔ مسماۃ ہاجرہ بیگم کا خیال تھا کہ اس کا خاوند شاید صاحب اولاد ہو کر درست ہو جائے۔ لیکن لڑکے کی ولادت کے بعد آج تک مسمی محمد ابراہیم نے ایک حبہ تک بھی اپنی زوجہ کو نہیں بھیجا نہ خطوط کا جواب دیا۔ اور نہ خود آج تک امرتسر آیا۔ نہ ہی اس کو مسماۃ ہاجرہ بیگم کے آباد کرنے کا خیال ہے۔ چونکہ ان حالات میں مسماۃ ہاجرہ بیگم کی باقی عمر کا گذرنا محال ہے۔ اس لئے التماس ہے کہ جو شرعی حکم اس بارہ میں ہو اس سے مطلع فرما دیں کہ آیا مسماۃ ہاجرہ بیگم بروئے اقرار نامہ مطلقہ ہو چکی ہے یا نہیں تاکہ مسماۃ مذکورہ کا عقد نکاح کسی دوسرے شریف آدمی کے ہمراہ کرا دیا جاوے۔ اور وہ باقی ماندہ زندگی آرام سے گذارے۔

خادم العلماء احقر فتح محمد خواجہ عفی عنہ۔ پوسٹ ماسٹر ڈگشائی۔

کیا مسماۃ ہاجرہ بیگم بروئے اقرار نامہ لڑکے کی ولادت سے پہلے ہی مطلقہ ہو چکی ہے یا نہیں؟

(نقل اقرار نامہ جو ایک روپیہ کے کاغذ پر لکھا گیا تھا)

منکہ محمد ابراہیم ولد محمد رمضان قوم کشمیری ساکن امرتسر کٹڑہ کہریا سنگھ کوچہ سلطان پہلوان کا ہوں جو کہ مظہر کا عقد نکاح بروئے شرع محمدی ہمراہ مسماۃ ہاجرہ بیگم بنت کریم شیخ قوم کشمیری ساکن امرتسر کٹڑہ کرم سنگھ نے پڑھا ہوا ہے اور مسماۃ مذکورہ بخانہ مظہر بطریق منکوحہ عورت کے آباد ہیں۔ اب عرصہ تخمیناً پانچ سال سے باعث بے اتفاقی مظہر باہمی فریقین میں شکر رنجی ہے۔ اس لئے اب مظہر بہ ثبات عقل وبقائمی ہوش بلاترغیب تحریری اقرار کرتا ہے اور لکھ دیتا ہے کہ مظہر مقر مسماۃ ہاجرہ بیگم منکوحہ خود کو ہر طرح سے نان ونفقہ وخورد پوشتن وبود وباش میں اسائش دیا کرے گا۔ اور ہر طرح کے حقوق زوجیت جو بذمہ مظہر بروئے شرع شریف واجب ولازم ہیں۔ کا حق ادا کیا کرے گا۔ کسی طرح کی تکلیف مسماۃ ہاجرہ بیگم مذکورہ کو نہ دے گا اور اپنے چال چلن میں جو آوارگی آج سے سابق تھی ترک کرکے نیک چلن بن کر گزر اوقات کیا کرے گا۔ اگر شرائط متذکرہ صدر میں سے کسی ایک شرط کی خلاف ورزی مظہر مقر سے ثابت ہوگی تو وہ خلاف ورزی بمنزلہ طلاق بائن کے تصور ہوگی جس میں میرا کچھ عذر قابل سماعت نہ ہوگی۔ اور مسماۃ مذکورہ مطلقہ سمجھی جاویگی اس لئے یہ چند حروف اقرار نامہ تحریر کردئے کہ سند رہے اور وقت ضرورت کے کام آویں۔

تحریر بتاریخ ۳۱ مئی ۱۹۱۷ء بقلم غلام رسول، عرضی نویس کٹڑہ کرم سنگھ

العبد محمد ابراہیم مذکور داغ دنبل بر پنڈلی چپ۔ عمر ۲۳ سال۔

دستخط محمد ابراہیم۔

دستخط گواہ شدہ۔ خواجہ محمد عبد العزیز ولد خواجہ عبد الوہاب قوم کشمیری سوداگر۔

دستخط۔ میاں عبد السبحان ولد امیر الٰہی قوم کشمیری۔ دستخط۔ محمد عبد اللہ ولد محمد رمضان قوم کشمیری

الجواب:۔

بموجب عبارت اقرار نامہ مذکورہ کے جس وقت مسمی ابراہیم کی طرف سے زوجہ کے نان ونفقہ وغیرہ میں خلاف ورزی اقرار کی ظاہر ہوتی ہے۔ اسی وقت سے مسماۃ ہاجرہ بیگم مطلقہ بائنہ ہوگی (حکم طلاق بلفظ اگر شرائط کی خلاف ورزی کی تو وہ خلاف ورزی بمنزلہ طلاق بائن متصور ہوگی) اور اگر اس وقت سے اس وقت تک اس کو تین حیض آچکے ہیں تو وہ عدت سے بھی فارغ ہوگئی۔ فراغ از عدت کے بعد وہ اپنا دوسرا نکاح جس سے چاہے کرسکتی ہے۔ واللہ اعلم بالصواب۔ حررہ الاحقر ظفر احمد عفا اللہ عنہ مقیم خانقاہ امدادیہ تھانہ بھون صفر ۱۳۴۲ھ

تعلیق طلاق کی ایک صورت!

سوال:۔ اس کابین کے بارے میں منکہ ناکح سید احمد ولد بخشا علی حاجی مرحوم ساکن یوپی شمالی۔ ضلع اکیاب ہستم مسماۃ شوابی بنت منور علی مرحوم ساکن ایضاً بعوض مہر مبلغ پنجاہ سیم ورائج باصحت ذات وثبات عقل بلاجبر واکراہ بہ ہمیں یک شرط مرقوم الذیل درحبالہ عقد خود در

آوردم دآں شرط موصوف الصدر ایں کہ بامسماۃ ماجدہ خاتون بنت مولوی عبدالجلیل صاحب ساکن وغیرہ ایضاً کہ الحال منکوحۂ منست بوجہ عدم موافقت درخانہ پور بطور ناشزہ سکونت می ورزد تا زوجیت شوابی در سلک ازدواج من منسلک ماند ہرگز ہرآئنہ امر زن وشوئی بظہور نیارم واگر خلاف ایں ورزم بر ماجدہ خاتون مذکورہ سہ ۳ طلاق واقع خواہد شد این چند کلمہ بطور کابین نامہ دادم تا عندالحاجت بکار آید۔ این کابین بالا مذکورہ کو ایک مولوی صاحب نے لکھا وہ جس کے واسطے لکھا وہ بھی مولوی اور ناکح مولوی صاحب نے محض دستخط کیا اور زبان سے اقرار نہیں کیا۔ اور دستخط ہرگز نہ کرتا لیکن ان کے مربیوں نے بہت اصرار کئے۔ اور عبارت کابین میں بھی نقص معلوم ہوا وہ نقص یہ ہے کہ اگر خلاف ایں ورزم بر ماجدہ خاتون مذکورہ سہ ۳ طلاق واقع خواہد شد کہ واقع خواہد شد صیغہ استقبال ہے اور صیغۂ استقبال سے بغیر ارادہ طلاق، طلاق واقع نہیں ہوسکتی ہے کیونکہ واقع خواہد شد خبر ہے۔ والخبر یحتمل الصدق والکذب الّا والموضع للاخبار قد استعمل فی الانشاء یہ خلاف قیاس ہے اور خلاف قیاس اپنے مورد میں منحصر ہے وہ ماضی ہے نہ لفظ واقع خواہد شد اور وقوع طلاق کے واسطے انشاء ہونا چاہئے۔ خواہ تعلیق ہو یا تنجیز ہو یہ نقص خیال کرکے دستخط کی اگر یہ شبہ نہ ہوتا۔ ہرگز دستخط نہ کرتا کیونکہ طلاق کا منشأ بالکل نہیں ہے۔ اب عند وجود شرط طلاق، طلاق واقع ہوگی یا نہیں اگر ہوگی پس اس کا مطلب کیا ہے ان فعلت کذا الی خمسین سنۃ تصیری مطلقۃ بطاقہا بل قال علی وجہ التخویف لم یقع ویکون القول قول الزوج کتبہ فی الخانیۃ بینوا توجروا۔

الجواب عند وجود الشرط :۔

صورت مذکورہ میں مسماۃ ماجدہ خاتون پر تین طلاق واقع ہوگئی ہیں قضاءً لان المضارع فی القضاء بالشرطیہ غالب للانشاء فدعوی خلاف الظاہر فلا یقبلہ القاضی ولا المرأۃ لانہا کالقاضی لا تعلم الا الظاہر پس ماجدہ پر واجب ہے کہ اپنے کو مطلقۃ الثلث سمجھے اور زوج سے علیحدہ ہوکر عدت تمام کرکے وہ دوسرے سے نکاح کرسکتی ہے اور عبارت عالمگیریہ سے استدلال نہیں ہوسکتا۔ کیونکہ اس میں تعلیق طلاق علی فعل المرأۃ ہے اور عورت کی فعل پر طلاق کو معلق کرنے میں تخویف کا احتمال بعید تھی بلکہ دھمکانے کے طور پر کسی کام سے روکنے کے لئے ایسا کردیا کرتے ہیں لہذا وہاں نیت زوج کا اعتبار ہے اور یہاں تعلیق علی فعل الزوج ہے۔ اس میں تخویف وغیرہ کا احتمال نہیں لہذا نیت زوج معتبر نہیں۔ لان لفظ الطلاق صریح۔ فقط واللہ اعلم۔

حررہ الاحقر ظفر احمد عفا اللہ عنہ ۲ صفر سنہ ۴۳ھ

لفظ طلاق واقع خواہد شد سے تعلیق طلاق پر شبہ کا جواب

سوال :- عرضداشت آنکہ شخصے کہ خویشتن را از زمرہ علماء شمارد حسب ہمیں ترتیب بار اوّل بزن دوم معیت ، زن اولش در خانہ پدر خویش بزن اول یک کابین نامہ کہ صرف ازاں مانحن فیہ در قرطاس منقول بداد وجہ کابین دوم این کہ او ظلم میکند بلفظ واقع خواہد شد کہ در کابین اول جزائے شرط واقع شدہ باستقبالیت آن طلاق عند الشرط واقع نگردد ۔ چنانچہ در تنجیز نگردد ۔ و صالح تنجیز نباشد مر تعلیق را ہم صالح نباشد کہ جزائے شرط قبل تعلیق تنجیز و فعل مستقبل مر تنجیز را نشاید ۔ ہمچنیں مر تعلیق را نیز و حکم ہر دو دریں باب یکیست عبارت کابین اول و آں یک شرط موصوف الصدر ایں کہ تا زوجیت مسماۃ ثوابی در سلک ازدواج من منسلک ماند با مسماۃ ماجدہ خاتون بنت مولوی عبد الجلیل ساکنہ سیدنگ حلقہ ایضاً علاقہ مذکورہ ضلع مزبورہ کہ الحال منکوحہ ست و بعد اتفاق و موافقت در خانہ پدر خویش سکونت ورزد ہرگز امر زن ثونی بظہور نیارم و اگر خلاف ورزم بر مستورۂ ماجدہ موصوفہ سہ طلاق واقع خواہد شد ۔ فقط

تصحیح الجواب :-

قال فی تنقیح الفتاوی الحامدیۃ سئل فی رجل قال لزوجتہ تکونی طلقۃ ثلثا بصیغۃ المضارع وغلب استعمالہ فی الحال عرفاً یقع الطلاق (الجواب) نعم کما افتی بہ الخیر الرملی واطال الکلام علی ذالک فی حاشیتہ علی البحر فراجعھا

(ص ۶۴ ج ۱)

صورت مسئولہ میں زوج کا یہ قول " اگر خلاف ورزم بر مستورۂ ماجدہ سہ طلاق واقع خواہد شد " عرفاً تعلیق طلاق ہے اور خواہد شد ۔ اس موقع میں وعدہ کے لئے نہیں ہوتا بلکہ انشاء طلاق بوقت وجود شرط پر دلالت کرتا ہے اور تعلیق چونکہ امر مستقبل ہی کی ہوتی ہے اس لئے اس کے واسطے مستقبل کا صیغہ استعمال کیا جاتا ہے پس عرفاً یہ کلام وقوع طلاق ثلث بوقت شرط کو مقتضی ہے اور قضاءً وقوع ہی کا حکم کیا جائے گا والمرأۃ کالقاضی کے قاعدہ سے عورت کو بھی لازم ہے کہ اپنے کو مطلقہ ثلث سمجھے اگر شرط کا وقوع ہو گیا ہے

تنبیہ :- سائل نے جو بہشتی زیور کی عبارت سے استدلال کیا ہے وہ استدلال بالکل غلط ہے کیونکہ بہشتی زیور کی عبارت صراحۃً معنیٰ وعدہ پر دلالت کر رہی ہے وہذا ۔ کسی نے کہا یوں تجھ کو طلاق دونگا تو اس سے طلاق نہیں ہوتی اسی طرح کسی بات پر یوں کہا کہ اگر فلانہ کام کرے گی تو طلاق دیدوں گا تب بھی طلاق نہیں ہوئی (ص ۳۰ ج ۲) ان الفاظ میں معنیٰ وعدہ و تخویف مرأۃ کا احتمال ہے اس لئے طلاق نہیں ہوئی اگر سائل بھی یوں کہتا کہ :- اگر خلاف ورزم ماجدہ را سہ طلاق دادہ خواہد شد ۔ تو اس پر بھی وقوع کا حکم نہ ہوتا باقی اس

کے موجودہ الفاظ میں تو وعدہ و تخویف کا کوئی احتمال ہے ہی نہیں صاف تعلیق انشأ طلاق ہے ۔

واللہ اعلم ۔

ہمارے سوا کسی سے نکاح کریں تو اس کو طلاق ہوگی " سے تعلیق طلاق کا حیات زوجہ کے ساتھ مقید ہونا جبکہ شوہر کی نیت اخر

سوال :۔ کیا فرماتے ہیں علمأ دین اس مسئلہ میں کہ ایک نہایت اہم کام کے لئے آں قبلہ کو تکلیف دینے کو مستفید ہوا امید قوی کہ حضور احقر کی گستاخی معاف فرما کر جواب شافی سے احقر کو مطلع فرما کر مطمئن و سرفراز فرمائیں اور للہ اس ناچیز کے ہر طرح کی دینی و دنیا وی بہبودی کے لئے دعا فرمادیں احقر نے اپنی اہلیہ سے کسی بات پر اس طرح وعدہ کیا تھا کہ اگر تمہارے سوا کسی سے نکاح کروں تو اس کو طلاق ہوگی میری اہلیہ کو آج تقریباً تیرہ برس ہوئے انتقال ہوگیا جیسے میں اس خوف سے کہ شاید اور نکاح کرنا جائز نہ ہوگا اس مدت دراز تک بغیر نکاح کئے رہا اب مجھ سے رہا نہیں جاتا طبیعت بھی اکثر ناساز رہتی ۔ علاج سے کچھ فائدہ نہیں ہوتا میری کل عمر ۳۶ برس کی ہے ۔ اب حضور سے التجا ہے کہ اس کے جواز کی شرعاً کوئی صورت ہے یا نہیں اگر ہے تو کس طریقہ سے یہ جائز ہو سکتا ہے ازراہ کرم خلاصہ تحریر فرما کر اس ناچیز کو سرفراز فرمائیں ۔ اطبأ کی بھی یہی رائے ہے کہ بغیر نکاح کے صحت ٹھیک نہیں ہوگی ۔

تنقیح :۔ ان الفاظ کے کہتے ہوئے کچھ نیت بھی تھی یا نہیں یعنی یہ نیت کہ زندگی میں کروں تو طلاق یا یہ نیت تھی کہ کسی وقت بھی کروں تو طلاق یا کچھ نیت نہیں تھی یا نیت یاد نہیں نیز طلاق کا لفظ ایک دفعہ کہا تھا یا زیادہ اس کا جواب دیا جائے ۔ فقط

۱۲ ربیع الاول ۴۳ھ از تھانہ بھون

جواب تنقیح :۔

ایک بار تو یوں اپنی اہلیہ کو اعتبار دلانیکی غرض سے کہ سوائے ان کے اور نکاح نہ کروں گا اور اگر کروں گا تو طلاق ہوگی وعدہ کیا تھا پھر اسی مجلس میں ان سب باتوں کے آخر میں یہ بھی کہا تھا مگر تمہاری اجازت دینے سے ضرور ہم کر سکیں گے مطلب یہ تھا کہ تمہاری اجازت دینے سے یہ شرط باقی نہ رہے گی زندگی یا موت کی بات یاد نہیں اور طلاق کا کئی دفعہ کہنا بھی یاد نہیں چند روز بعد مرض الموت میں ہم کو نکاح کی اجازت دی تھی ۔ مجھے یہ فکر ہے کہ آخر میں یہ بات جو میں نے کہی شرعاً معتبر ہوگی یا نہیں اور اس مجلس میں سوائے ان سب باتوں کے اور کوئی ذکر نہ تھا

(سید سراج الحق)

الجواب : صورت مسئولہ میں یہ تعلق طلاق حیات زوجہ کیساتھ مقید تھا ۔ لہذا اس کی موت کے بعد سائل کو نکاح درست ہے ۔ قال الشامی تحت قول الدر حنث لا یرجع الدار ثم رجع لشئ نسیہ لا یحنث لما نصہ والحاصل ان ھذا المسئلۃ تخصصت الیمین فیہما

بدلالۃ العادۃ و العادۃ مخصصۃ کما تقرر فی کتب الاصول ونظیر ذلک مافی الخانیۃ اتہمتہ امرأتہ بجاریۃ فحلف لا یمسھا انصرف الی المس الذی تکرہ المرأۃ اھ (ص ۸۵۰ ج ۲) ونظیرہ ولو حلف الوالی لیعلمنہ بکل مفسد تقید بحال ولایتہ اھ شامی (ص ۸۲۳ ج ۲)

اور ظاہر ہے کہ شوہر نے یہ قسم عورت کو اعتبار دلانے اور راضی کرنے کے لئے کھائی تھی۔ پس حیات زوجہ کے ساتھ مقید ہوگی اور بہتر یہ ہے کہ عورت سے نکاح کیا جائے اول قلیل مہر پر جو ادنیٰ مقدار مہر ہے باذن ولی و اذن امرأۃ نکاح کیا جائے اور قبل دخول اس مہر کا نصف عورت کو ادا کیا جائے اس احتمال پر کہ شاید تعلیق میں نیت دوام کی ہو اور اس پر طلاق واقع ہوگئی ہو پھر اسی عورت کے ساتھ معاً دوسرا نکاح اس کی اجازت سے مہر کامل پر کر لیا جائے۔ واذا نسی طلق واحدۃ ام ثنتین او ثلثا یحمل علی الادنی اور ایک بار طلاق کے بعد دوبارہ طلاق واقع نہ ہوگی کیونکہ کلما وغیرہ الفاظ عموم میں سے کوئی نہیں ہے فقط واللہ اعلم

حررہ المولینا الصوفی الاستاذی مکرم ظفر احمد صاحب عفا اللہ عنہ از خانقاہ امدادیہ تھانہ بھون ۱۳۴۲ھ

تعلیق طلاق کی ایک صورت

سوال:- میں اُن تکالیف کو محسوس کرتے ہوئے جو میری زوجہ محمودہ بیگم بنت شیخ عزیز الرحمن صاحب مرحوم کو میری طرف سے اس وقت تک میری لاپرواہی اور بدسلوکی کی وجہ سے برداشت کرنی پڑیں۔ حسب ذیل تحریر اپنے ہوش حواس اور بلا کسی جبر کے اس کی تسکین کے لئے پیش کرتا ہوں کہ آج بتاریخ ۲۲ جولائی سنہ ۲۴ء سے لے کر ۶ ماہ کے اندر اندر میں اپنی بیوی موسومہ بالا پر ثابت کر دوں گا میں اس کو حسب حیثیت تمام عمر خوش رکھوں گا اور یہ کہ میرے تعلقات خوشگوار رہیں گے جس کا ثبوت میری بیوی کی تصدیق ہوگی گویا صرف میری بیوی کو حق ہوگا کہ وہ میرے تعلقات خوشگوار یا ناخوشگوار کو ظاہر کرے اگر میں مقررہ متذکرہ بالا میعاد یعنی چھ ماہ میں اس قسم کے تعلقات ثابت نہ کر سکا اور یہ کہ میری بیوی نے اس کے خلاف ظاہر کیا تو میری طرف سے اس کو تین طلاق ہوگی۔ گویا میرا اور اس کا تعلق شرعی قائم نہ رہے گا (دستخط عبد الحمید)

استفتاء:-

کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ مسمی عبد الحمید نے اپنی تحریر کے مطابق اس عرصہ میں مجھ کو خوش نہ رکھا اور نہ یہ ثابت کیا کہ وہ مجھکو آئندہ خوش رکھیں گے بلکہ اس عرصہ میں بھی برابر مجھکو تکالیف و مظالم کا شکار بنائے رکھا میرا بیان ہے کہ وہ اپنی تحریر کے مطابق مجھ کو خوش نہ رکھ سکے میعاد منقضی ہوچکی اس لئے میں فتویٰ علماء دین سے طلب کرتی ہوں کہ اس تحریر کے مطابق میرا اس سے قطع تعلق ہوگیا یا نہیں؟ بینوا توجروا۔ (نوٹ) اس چھ مہینے کے بعد سے میں اپنے والدین کے یہاں مقیم ہوں

تنقیح :-

صورت مسئولہ میں مسمیٰ عبدالحمید کیا کہتا ہے کیا وہ بھی اس کو تسلیم کرتا ہے کہ شرط طلاق متحقق ہوگئی یا وہ تحقق شرط سے انکار کرتا ہے ۔ اس کے جواب کے بعد حکم بتلایا جائے گا ۔ نیز عبدالحمید کی تحریر میں جو یہ لفظ ہے " اور یہ کہ میری بیوی نے اس کے خلاف ظاہر کیا " اس میں حرف (یہ کہ) کیا ہے یہ محض فضول لکھا ہے یا اس سے عطف مراد ہے اس کا یہ تو مطلب نہیں کہ " میں اس قسم کے تعلقات کو ثابت نہ کر سکا یا میری بیوی نے اس کے خلاف ظاہر کیا " بہرحال سائل کے ذہن میں اس عبارت سے جو مطلب آیا ہو اس کو بیان کرے اور اپنی بستی کے دو چار عقلاء سے بھی پوچھے کہ اس عبارت سے کیا مطلب مفہوم ہوتا ہے ۔ فقط

احقر ظفر احمد عفا اللہ عنہ ۱۵ ر محرم ۴۵ھ

جواب تنقیح بالا :

۱ ۔ مسمیٰ عبدالحمید کوئی جواب کسی تحریر کا نہیں دیتا بلکہ سنا ہے کہ وہ اپنے مکان پر بھی نہیں ہے اس کو نوٹس اور رجسٹری خطوط بھجوائے گئے مگر جواب نہیں دیا اس کی خاموشی بظاہر اسی پر دال ہے کہ وہ طلاق کا مقر ہے ۔

۲ ۔ (یہ کہ) سے تجدید اپنے پہلے قول کی ہے جو یہ ہے کہ میں اس کو حسب حیثیت تمام عمر خوش رکھوں گا اور یہ ہے کہ میرے تعلقات خوشگوار رہیں گے بظاہر یہ مراد ہے کہ خورد و نوش وغیرہ کی کفالت اپنی حیثیت کے موافق رکھوں گا یہ فقرہ اول کی مراد ہے اور فقرہ دوم سے یہ مراد ہے کہ میرے دوسرے تعلقات زن و شوہر کے بھی خوشگوار ہوں گے مگر دونوں باتوں میں وہ ناکام رہے نیز لفظ (یہ کہ) بطور عطف کے واقع ہوا ہے ۔

۳ ۔ مستفسر کے ذہن میں تو دونوں امور کے متعلق بھی آتا ہے جو عرض کیا گیا اور اس کے متعلق چند دوسری جگہ فتویٰ بھجوایا تھا اس کی عبارت بجنسہ یہی تھی جو اس استفتاء کی ہے وہاں سے جواب حسب ذیل آئے ہیں جو نقل ہیں

از دیوبند الجواب ۔

شوہر کے تحریر کے مطابق مسماۃ محمودہ بیگم بنت شیخ عزیز الرحمٰن پر تین طلاق واقع ہوگئی اور زوجین کا باہمی قطع تعلق ہوگیا اب علاقہ نکاح کا مابین ان کے باقی نہیں رہا ۔ مسماۃ مذکور کو اختیار ہے کہ بعد ختم ہونے عدت دوسرے شخص سے حسب قاعدہ شرعیہ نکاح کرے ۔ واللہ تعالیٰ اعلم ۔

کتبہ عزیز الرحمٰن عفی عنہ مفتی دارالعلوم دیوبند ۱۶ محرم ۴۵ھ

الجواب از مدرسہ ارشاد العلوم رامپور :- الجواب اللہ سبحانہ الموفق للصواب

جبکہ شوہر نے طلاق کو اپنی بیوی کے فعل اور اس کے بیان اور اظہار کے ساتھ معلق کیا ہے تو حسب تعلیق

زوج بموجب بیان اخبار زوجہ بلا حلف صورۃ مستفسرہ میں طلاق مذکورہ کے واقع ہو جانے میں کوئی تردد نہیں ہے درمختار میں ہے۔ • وما لا یعلم وجوده الا منها صدقت فی حق نفسها خاصۃ استحسانا بلا یمین انتہی۔

شامی میں اس قول پر تحریر فرماتے ہیں:- وجه الاستحسان ان هذا والامر لا یعرف الا من قبلها وقد ترتب علیه حکم شرعی فیجب علیها ان تخبر کیلا تقع فی الحرام اذا لاجتناب عنه واجب علیهما شرعا فیجب طریقه وهو الاخبار فتعینت له فیجب قبول قولها لتخرج عن عهدة الواجب زیلعی انتہی۔

هذا حکم الکتاب واللّٰه اعلم۔

العبد	الجواب صواب العبد	العبد
محمد غفران حسین احمد مجددی	محمد ریحان حسن احمد مجددی	محمد شجاعت علی عفی عنہ
ناظم مدرسہ ارشاد العلوم واقع ریاست رامپور محلہ چاہ پوئی	مدرسہ ارشاد العلوم رامپور	مدرس مدرسہ ارشاد العلوم رامپور
(مہر)	(مہر)	

از فرنگی محل لکھنو، ہو المصوب

صورت مسئولہ میں طلاق ہو گئی زن و شوہر کا تعلق زوجیت منقطع ہو گیا عورت کو بعد عدت اپنا دوسرا نکاح کر لینے کا اختیار ہے واللّٰہ اعلم بالصواب، کتبہ محمد شفیع حجت اللّٰہ الانصاری فرنگی محل لکھنو

امیدوار ہوں کہ بعد ملاحظہ جواب فتوی مرحمت فرمایا جاوے فقط خاکسار ظہیر الدین محمود تراہا بیرم خان محلہ مفتی صاحب چھتہ والی حویلی دہلی

۲۴، محرم الحرام سنہ ۲۵ھ

الجواب من جامع امداد الاحکام

صورت مسئولہ میں شوہر مسمیٰ عبد الحمید نے طلقات ثلث کو دو باتوں پر معلق کیا ہے ایک مدت ششماہ میں خوشگوار تعلق کو ثابت نہ کر سکنا (جو زوج کا فعل ہے) دوسرے بیوی کا اس کے خلاف ظاہر کرنا (جو بیوی کا فعل ہے) پس شرط طلاق تحقق جب ہوگا کہ دونوں باتیں پائی جائیں۔ سوال سے دوسری شرط کا تحقق تو ظاہر ہے۔ کیونکہ مسماۃ کا بیان ہے کہ عبد الحمید مذکور اپنی تحریر کے مطابق مجھ کو خوش نہ رکھ سکے۔ اور مسمیٰ عبد الحمید کے سکوت سے اور اپنی بیوی کے بیان کے خلاف بیان نہ دینے سے شرط اول کا تحقق بھی ہو گیا۔ کیونکہ وہ میعاد مقررہ میں قولاً حجۃً اپنی طرف سے خوشگوار تعلق کو ثابت نہیں کر سکا اور

عام طور پر محاورات میں ثابت کرنا اور ثابت کر سکنا اثبات قولی ہی میں مستعمل ہے اور اگر اس سے اثبات عملی ہی مراد لیا جاوے جیسا کہ "اس کا یہ قول کہ میں ۲۲ر جولائی سے چھ ماہ کے اندر اندر اپنی بیوی پر ثابت کر دوں گا کہ میں اس کو حسب حیثیت تمام عمر خوش رکھوں گا۔" اس کا قرینہ ہے کہ اس کی مراد ثابت کرنے سے قولی اثبات نہیں بلکہ عملی اثبات ہے مگر چونکہ اس کے بعد عبدالحمید مذکور نے اس عملی طریق ثبوت کو محض بی بی کی تصدیق میں منحصر کر دیا ہے اور بیوی اس کی تصدیق نہیں کرتی بلکہ اس کے خلاف ظاہر کرتی ہے اس لئے عبدالحمید مذکور کی طرف سے عملی ثبوت بھی نہیں پایا گیا اور ہر حال میں شرط دوم کی طرح شرط اول کا تحقق بھی ہو گیا اس لئے وجود شرط کے ساتھ مسماۃ محمودہ بیگم پر تین طلاق واقع ہو گئیں اگر مسمیٰ عبدالحمید کو شرط اول کے تحقق میں کچھ کلام ہو تو وہ اپنا خدشہ ظاہر کرے ہم کو صورت واقعہ سے دونوں شرطوں کا تحقق معلوم ہوتا ہے اس لئے تین طلاق واقع ہونے کا فتویٰ دیا جاتا ہے۔

واللہ اعلم حررہ الاحقر ظفر احمد عفا اللہ عنہ۔ از تھانہ بھون ۲۷ر محرم ۴۵ھ

نعم التوضیح ونعم التنقیح۔ اشرف علی ۲۷ر محرم ۴۵ھ

بیان حیلہ نکاح جب کہ یہ حلف کرے کہ فلاں کام کروں تو میں جو کام کروں اور جب کروں جس سے کروں اسے تین طلاق ہیں۔

سوال:- کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ زید نے یہ عہد کیا کہ فلاں کام جو محرمات شرعیہ سے ہے ہرگز نہیں کروں گا اور اگر اس کام کو کروں تو میں جو نکاح کروں اور جب نکاح کروں اور جس سے نکاح کروں اسے تین طلاقیں ہوں پھر ایک مدت کے بعد زید نے جس کام کے نہ کرنے کا عہد کیا تھا اسے کیا تو اب ظاہر ہے کہ علمائے احناف کے نزدیک جس عورت سے نکاح کرے گا وہ مطلقہ ثلثہ ہو جاوے گی۔ اور حیلہ جواز جیسا کہ درمختار میں مذکور ہے کہ اگر کوئی فضولی نکاح کر دے اور زید اسے قبول کر لے تو نکاح ہو جاویگا اور تین طلاقیں نہیں ہوں گی تو یہ اتفاقی صورت ہے کہ کوئی فضولی کسی کا اتفاقاً نکاح کر دے اور نیز آخر زید کب تک اس انتظار میں رہے کہ مردے از غیب برون آید و کارے بکند۔ اور نہ معلوم فضولی اس کا نکاح کس سے کرے اور کب کرے اور وہ نکاح اس کی منشاء کے موافق بھی ہو یا نہیں ہو۔ یہاں دو صورتیں زید کی نکاح کی علیحدہ علیحدہ تحریر کی جاتی ہیں۔ درخواست ہے کہ ان کے بھی جواز و عدم جواز پر فتویٰ تحریر فرمایا جاوے۔

۱:— اول یہ کہ زید کسی شخص کو اپنا وکیل بنائے اور اسے اپنے نکاح کا مختار کر دے اور وہ وکیل مجلس نکاح میں کہ جس میں خود زید بحیثیت نوشہ موجود ہے زید کا نکاح کر دے تو یہ نکاح اگرچہ زید کے امر

سے ہوگا مگر یہ صادق آئے گا کہ زید نے اپنا نکاح خود نہیں کیا اور زید کے نکاح کا انعقاد زید کے قول سے نہیں ہوا اور زید نے جو عہد کیا ہے چونکہ وہ قضیہ شرطیہ ہے اور اس میں ہے کہ میں جو نکاح کروں اور جس سے جب نکاح کروں اسے تین طلاقیں ہوں تو یہ نکاح چونکہ زید نے نہیں کیا بلکہ زید کے وکیل نے کیا ہے اس لئے افراد مقدم میں داخل نہیں ہوگا اور جب افراد مقدم سے خارج ہوا تو تالی کو بھی مستلزم نہیں ہوگا اس لئے چاہیئے کہ نکاح درست ہو اور طلاقیں واقع نہ ہوں - لہذا عرض یہ ہے کہ اس صورت میں طلاقیں ہوں گی یا نہیں (تذئیل) جب مجلس نکاح میں زید کا نکاح خود زید کے سامنے اس کے وکیل نے کر دیا تو اب قاضی کو زید سے قبول یا عدم قبول کے دریافت کی ضرورت ہے یا نہیں اور اگر قاضی نے دریافت کیا اور زید نے کہہ دیا کہ میرا نکاح جو میرے وکیل نے کر دیا ہے - وہ مجھے قبول ہے تو کچھ حرج تو نہیں ہے لہذا اس صورت میں کہ زید کسی کو اپنا وکیل بنا کر اس طرح نکاح کرائے طلاقیں ہوں گی یا نہیں ؟

۲ :———— دوسری صورت یہ ہے کہ زید نے کسی شخص کو وکیل تو نہیں بنایا بلکہ ایک سے یا ایک سے زیادہ آدمیوں سے یہ واقعہ بیان کیا اور سمجھایا کہ اگر میں خود قبول کر دوں گا تو طلاقیں ہو جاویں گی یا میں کسی کو وکیل بناؤں گا جب بھی طلاقیں ہو جائیں گی بلکہ میری نکاح کی یہ صورت ہے کہ میرے بغیر امر اور بغیر وکیل بنائے کوئی شخص قبول کرے . میری طرف سے نکاح ہو جائے گا . اور وہ ایک آدمی ———— یا ایک سے زیادہ معاملہ کو سمجھ کر چپ ہو رہیں اور نکاح کے وقت وہ ایک آدمی یا ان آدمیوں میں سے جنہیں سمجھایا گیا تھا کوئی قبول کرے تو نکاح درست ہوگا یا نہیں اور طلاقیں واقع ہوں گی یا نہیں ؟

تذنیب :- اگر اس آدمی کے قبول کرنے کے بعد لڑکی والے اصرار کریں کہ زید کو بھی قبول کرنا چاہیئے اور زید بایں الفاظ قبول کر لے کہ اس آدمی نے جو میرا نکاح کر دیا ہے وہ مجھے منظور ہے تو طلاقیں ہوں گی یا نہیں ؟ فقط ۳۰ رجب ۲۵ھ عرض ہے کہ فتوی مفصل تحریر فرملیا جاوے جو ہر شق پر مفصل روشنی ڈالے اور قابل تسکین ہو - پتہ :- سرورج مالوہ حکیم فخر احمد خان طبیب ریاست -

الجواب :-

۱ :———— صورت اولیٰ میں وکیل کے نکاح کرتے ہی طلاق پڑ جائے گی اس لئے کہ فعل وکیل فعل مؤکل ہے ظاہر ہے کہ وکیل اپنا نکاح نہیں کر رہا بلکہ بامر موکل موکل کا نکاح کر رہا ہے - اور شرعاً فعل وکیل مؤکل کی طرف سے مضاف ہوتا ہے خصوصاً نکاح و طلاق میں کہ ان میں وکیل محض معبر و سفیر ہوتا ہے اور دلیل اس کی آئندہ آتی ہے - تذییل کا جواب یہ ہے کہ جب زید نے خود کسی کو وکیل بنایا ہے - اس صورت میں چاہے زید اپنی زبان سے قبول کرے یا نہ کرے بہرحال نکاح کے ساتھ ہی طلاقیں واقع ہو جائیں گی -

۲ : ــــــ دوسری صورت میں نکاح فضولی کے بعد طلاق واقع نہ ہوں گی بشرطیکہ زید کسی سے امر کے ساتھ یہ نہ کہے کہ تو فضولی بن کر میرا نکاح کر دے بلکہ صرف قاعدہ بیان کر دے کہ اگر کوئی فضولی بن کر ایسا کر دے گا تو میرا کام ہو جائے گا نیز یہ بھی شرط ہے کہ زید فضولی کے عقد کو زبان سے قبول نہ کرے بلکہ فعلاً نافذ کر دے کہ خاموش رہ کر اسی وقت عورت کے پاس مہر کا کچھ حصہ بھیجدے اور اس کے بعد اس کے پاس چلا جاوے اور بہتر یہ ہے کہ کسی محقق عالم کے سامنے اپنا واقعہ بیان کر دے اور یہ کہدے کہ مجھے عقد فضولی کی حاجت ہے یہ نہ کہے کہ تم فضولی بن کر ایسا کر دو۔ عالم واقعہ ہی سے سمجھ جائے گا۔ کہ سائل کو ایسی حاجت ہے پھر وہ بدون اس کے کچھ کہے خود ہی عقد کر دے گا۔

قال الشامی ناقلا عن البحر عن البزازیۃ وینبغی ان یجیٔ الی عالم ویقول لہ ما حلف واحتیاجہ الی عقد الفضولی فیزوجہ العالم امرأۃ ویجیز بالفعل وکذا اذا قال لجماعۃ لی حاجۃ الی نکاح الفضولی فزوجہ واحد منہم اما اذا قال لرجل اعقد لی عقد فضولی یکون توکیلا اھ (ص ۱۱۶ ج ۲)

جواب تذنیب :-

زبان سے قبول کرنے سے پھر طلاق پڑ جائیں گی اس لئے نکاح فضولی کو زید زبان سے قبول نہ کرے بلکہ فعلاً نافذ کر دے یعنی عورت کے پاس چلا جائے یا مہر کا کچھ حصہ عورت کو پہونچا دے۔ قال الحموی فی شرح الاسناد قولہ فالحیلۃ ان یزوجہ الفضولی ویجیزہ بالفعل ہذا ہو المختار کما فی الزیلعی وعلیہ الفتوی کما فی المنح الغفار نقلاً عن الخانیۃ لکن فی جامع الفصولین فی فصل الرابع والعشرین فی تصرفات الفضولی ان الاصلح انہ لا یحنث بالقول ایضاً وقد تقدم ان الفتوی علی خلافہ وانما لم یحنث بالفعل لان المحلوف علیہ ہو التزوج وہو عبارۃ عن العقد وہو یختص بالقول والاجازۃ بالفعل کبعث المہر اوشیٔ منہ والمراد الوصول الیہا ذکرہ الصدر الشہید وقیل سوق المہر یکفی مطلقا لان المجوز الاجازۃ بالفعل وقد تحقق بالسوق وبعث الہدیۃ لا یکون اجازۃ لانہا لا تختص بالنکاح اھ (ص ۲۰۴)

ہذا واللہ تعالیٰ اعلم، حررہ الاحقر ظفر احمد عفا اللہ عنہ ۱۴ شعبان ۴۳ھ

از تھانہ بھون خانقاہ امدادیہ

استفتا بمذہب شافعیہ ضمیمہ اوّل

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ

شرع متین کہ زید نے یہ عہد کیا کہ فلاں کام نہیں کروں گا اور اگر کروں تو جو نکاح کروں اور جب نکاح اور جس عورت سے نکاح کروں اسے تین طلاقیں ہوں اور پھر ایک مدت کے بعد زید نے اس کام کو جس کے نہ کرنے کا عہد کیا تھا اسے کیا تو اب اگر زید کوئی نکاح کرے تو امام شافعی کے نزدیک طلاقیں ہوں گی یا نہیں ؟

الجواب :-

حنفی مفتی کو مذہب غیر پر فتوی دینے سے فقہاء نے منع کیا ہے لہذا ہم فتوی مذہب شافعی پر نہیں دے سکتے ۔

فی الرد ان المفتی لایفتی صاحب الحادثۃ بما یتوصل بہ الی فسخ الیمین فلا تقول لہ ارفع الامر الی شافعی او حکمہ فی ذلک او استفتہ یقول یقع علیک الطلاق لان علیہ ان یجیب بما یعتقدہ ولیس لہ ان ید لہ علی ما یھدم مذھبہ اھ (ص ۱۲ ج ۲ شامی) فقط حررہ الاحقر ظفر احمد عفا اللہ عنہ ۔ خانقاہ امدادیہ تھانہ بھون ۔ ۱۳ شعبان المعظم ۱۳۴۳ھ

طلاق معلق کے بارے میں ایک فتویٰ

سوال : کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ رجب خان نے اپنی بیوی شبراتن کو یہ تحریر لکھدی کہ اگر میں اپنے بھائی کے گھر جاؤں تو تم پر طلاق ہے اس کے بعد رجب خان اپنے بھائی کے گھر گیا تو شبراتن نے جانے کے ایک ماہ بعد رجب خان کو جو کہ پردیس میں تھا بذریعہ رجسٹری کے خط لکھا کہ تم تحریر کے بعد اپنے بھائی کے گھر گئے تھے لہذا مجھ پر طلاق پڑگئی اب تم مجھے اپنی زوجہ نہ خیال کرو مجھے اپنے نفس کا اختیار ہے اس پر رجب خان نے جاہل ملاؤں سے جن کو یہ اپنی نادانی سے عالم کامل سمجھتا ہے دریافت کر کے لکھا کہ میں نے علماء سے دریافت کیا انہوں نے بتلایا ہے کہ اس صورت میں طلاق نہیں پڑی یہ جواب رجب خان کا اپنے بھائی کے گھر جانے کے دو ماہ بعد یعنی قبل انقضاء عدت کے یا پانچ ماہ کے بعد یعنی بعد انقضاء عدت کے آیا اس کے بعد سے اب تک کہ ڈھائی برس گزر چکے رجب خان نہ تو اپنے وطن شبراتن کے پاس آیا اور نہ کوئی مراسلت و مکاتبت طرفین سے ہوئی ۔ غرض رجب خان سے کوئی فعل دال علی الرجوع نہ پایا گیا اور قولاً اس نے رجوع کرلی ہو تو اس کا اب تک شبراتن کو کوئی علم نہیں ایسی صورت میں یہ تو ظاہر ہے کہ طلاق رجعی واقع ہوگئی لیکن سوال طلب یہ امر ہے کہ اب اسے کسی دوسرے شخص سے نکاح کرنا جائز ہے یا نہ اور اگر بعد نکاح کے شوہر یہ کہے کہ میں نے قولاً زمانہ عدۃ ہی میں رجوع کرلی تھی مگر تمہیں میں نے اب تک اطلاع نہیں دی تھی اور وہ اپنے رجوع قولی پر بیّنہ بھی پیش کرے تو ایسی صورت میں نکاح ثانی قضاءً و دیانۃً باقی رہے گا یا نہ اور یہ کس کی زوجہ سمجھی جائے گی اور اس نکاح ثانی سے دنیا و آخرت میں شبراتن اور اس کا زوج ثانی کسی عقوبت کے مستحق ہوں گے یا نہ زوجہ کو ایک دشواری یہ ہے کہ رجب خان بدچلن ہے

اس لئے زوجہ رجب خان سے بذریعہ خط وغیرہ یہ استفسار نہیں کرسکتی کہ تم نے ایام عدۃ میں قولاً رجوع کیا تھا یا نہ کیونکہ اس استفسار سے وہ فوراً متنبہ ہوجائے گا کہ مجھے شرعاً قولاً بلا اعلام زوجہ حق رجوع تھا جس کی وجہ سے رجوع نہ بھی کیا ہوگا جیسا کہ بظاہر معلوم ہوتا ہے پھر بھی وہ جھوٹ موٹ اپنے رجوع کو ظاہر کرے گا اور جھوٹے گواہوں سے ثبوت بہم پہونچا لیگا ایسی حالت میں زوجہ کو مفر کی کیا صورت ہے؟ جواب ہر جز کا دیانۃ وقضاءً دونوں کے اعتبار سے مفصل ومدلل مرحمت فرمایا جائے۔ فقط بینوا توجروا۔

الجواب:۔

صورت مسئولہ میں مطلقہ مذکورہ کو کسی شخص سے اپنا نکاح کرلینا درست ہے اور اگر بعد نکاح کے زوج اول یہ دعوی کرے کہ میں نے عدت میں قولاً رجوع کرلیا تھا اور حاکم مسلم کے سامنے اس پر بیّنہ قائم کردی تو زوج ثانی میں اور عورت میں تفریق کرادی جائے گی اور مطلقہ مذکورہ پر نکاح ثانی کرنے سے کچھ گناہ نہ ہوگا۔

قال فی الدر وندب اعلامها بها لئلا تنکح غیره بعد العدة فان نکحت فرق بینهما وان دخل شمنی اھ قال الشامی قوله لئلا تنکح غیره اولی من قول الهدایة لئلا تقع فی المعصیة اذ لا معصیة فیه مع عدم علمها بالرجعة وان اجیب بان المعصیة لتقصیرها بترک السوال لما فیه من ایجاب السوال علیها ـــــــــ (ص ۸۷۴ ـ ج ۲) وقوله فرق بینهما ای اذا اثبت المراجعة بالبیّنة وقوله وان دخل ای الزوج الثانی اھ

حررہ الاحقر ظفر احمد عفا اللہ عنہ

۷ر شوال سنہ ۴۳ھ از تھانہ بھون

سوال: نکاح سے قبل کابین نامہ میں لکھدیا کہ اگر تمہارے زندہ رہنے کی حالت میں نکاح کروں تو دوسری بی بی مطلقہ ثلاثہ ہوجائے گی اور زوج اول کو طلاق دے کر علیحدہ کردیا۔ تو دوسرا نکاح کرنے سے طلاق واقع نہیں ہوگی الخ

کیا فرماتے ہیں حضور اس مسئلہ میں کہ زید نے ہندہ کو ایک کابین نامہ دیکے نکاح کیا اس میں لکھا ہوا تھا کہ اگر تمہارے زندہ رہنے کی حالت میں اگر دوسرا اور شادی کروں تو وہ دوسرا بی بی مطلقہ ثلثہ ہوجاوے گی مگر یہ شرائط نامہ عقد نکاح کے دو مہینہ قبل ہوا ہے۔ اور یہ کابین ہندہ سب رجسٹرار کے پاس رجسٹری ہوا ہے وہ سب شرائط شادی کے مجلس میں پڑھا نہیں اور سنایا بھی نہیں گیا اور ناکح

انکار کرتا ہے کہ یہ ایک شرط جو کابین میں لکھا گیا ہے وہ ہرگز مجھے معلوم نہیں اس طرف کے بے دینوں کی زیرکی اور چالاکی سے یہ شرط لکھی گئی میں نے خود کابین لکھا نہیں پڑھا بھی نہیں اگر میں جانتا کہ ایسا ناقابل شرط کابین میں لکھی گئی ہے تو میں ہرگز راضی نہ ہوتا۔ بعد شادی زید کو معلوم ہوا کہ ہندہ بے نمازی ہے موافق شریعت کے ہر قسم کا علاج کیا مگر کام میں نہ آیا۔ ایک روز بہت عذاب کیا چند ساعت کے بعد ہندہ نے کہا کہ اگر جان تن سے نکل جاوے تب بھی نماز نہ پڑھوں گی۔ یہ جواب عجیب سن کر زید نے اس ہندہ کو تین طلاق بائن دیکر دوسرا شادی کر لیا۔ اس حالت میں زید کی دوسری بی بی پر طلاق واقع ہوگی یا نہیں؟

الجواب:۔ طلاق واقع نہیں ہوئی کیونکہ کابین نامہ نکاح سے پہلے لکھا گیا ہے اور تعلیق میں طلاق ثانیہ کو نکاح اولیٰ کے ساتھ مشروط نہیں کیا گیا بلکہ امر آخر یعنی زندہ رہنے کی حالت کے ساتھ مشروط کیا گیا ہے اور اس سے طلاق واقع نہیں ہوتی۔

قال فی العالمگیریۃ قال لاجنبیۃ ما دمت فی نکاحی فکل امرأۃ اتزوجها فهی طالق ثم تزوجها فتزوج علیها امرأۃً لا یقع ولو قال ان تزوجتک فما دمت فی نکاحی فکل امرأۃ اتزوجها علیها والمسئلۃ بحالها یقع کذا فی الوجیز للکردری اھ (ص ۱۰۱ ج ۲) قال سیدی حکیم الامت والفرق بینهما ان فی الاول علق طلاق الثانیۃ علی بقاء نکاح الاولی والبقاء لا یتصور بدون الحدوث وهو منعدم فی الاجنبیۃ فلا یصح تعلیق شئ علی بقاء النکاح اذا کان الخطاب مع الاجنبیۃ فیلغو الکلام ولا یقع به شئ وفی المسئلۃ الثانیۃ علق طلاق الاخری علی النکاح بالاولی ویصح انشاء النکاح بکل اجنبیۃ فصح التعلیق واذا تزوج علیها اخری طلقت اھ قلت وقوله ان تزوجت علیک فی حیاتک معناه فی حیاتک بعد نکاحی کما لا یخفی فکان فیه تعلیق الطلاق علی بقاء نکاح الاولی۔ نیز جب عرفاً اس کلام کا کہ۔ اگر تمہاری زندہ رہنے کی حالت میں دوسری اور شادی کروں الخ مطلب یہ ہے کہ جب تک تم میرے نکاح میں زندہ رہو تو اب جبکہ اس شخص نے اولیٰ کو طلاق بائن دیکر نکاح ثانی کیا ہے تو ثانیہ پر وقوع طلاق کی کوئی وجہ نہیں۔

قال فی العالمگیریۃ ولو قال ان تزوجت علیک فالتی اتزوج طالق فطلق

امرأته طلاقاً بائناً ثم تزوج امرأةً اخرى فى عدتها لا تطلق اھ (ص ۱۰۱ ج ۲) نیز جب تعلیق زید نے خود نہیں لکھی اور نہ اس کو کابین نامہ پڑھ کر سنایا گیا بلکہ ویسے ہی دستخط کرا لئے گئے تو یہ تعلیق اس اعتبار سے بھی لغو ہے، واللہ اعلم۔

حررہٗ الاحقر ظفر احمد عفا اللہ عنہ ۲۶ ذیقعدہ ۱۳۴۲ھ

سوال: تعلیق کے بعد تنجیز طلاق کا حکم کیا فرماتے ہیں علماء دین اس مسئلہ میں کہ زید نے اول تو اپنی زوجہ کو یہ تحریر بھیجی کہ تم جو کہتی ہو کہ میں نے تم کو بارہ دن مکان میں بند رکھکر بے آب و دانہ محبوس کیا اور مارنے کو تیار تھا اگر تم اس دعوی میں صادق ہو تو تم پر طلاق واقع ہے۔ یہ شرطیہ طلاق ہے پھر جب زوجہ کے اقرباء نے کہا کہ تم نے تو طلاق کا وعدہ کیا تھا یہ مہمل الفاظ کیوں لکھے تو زید نے برجستہ جواب دیا کہ آپ لوگ کیا کرتے رہے ہیں ہم نے تو طلاق دیدیا ہے طلاق دیدیا ہے طلاق دیدیا ہے اب جھگڑا ہی کیا ہے بیسیوں بار گھر میں اور باہر یہ الفاظ کہئے اب طلاق ہوئی کہ نہیں۔

حکیم امانت اللہ ڈاکخانہ معونات بھچن محلہ ڈومن پورہ اعظم گڑھ

جواب: زید نے جو الفاظ بعد میں چار آدمیوں کے سامنے کہے ہیں ان سے تین طلاق مغلظہ واقع ہو گئیں۔ قال فی الدر ویبطل تنجیز الثلاث للحرة والثنتين للامة تعليقه الثلاث او مادونها اھ (ص ۸۱۷ ج ۲) اور اس کا قول میں نے تو طلاق دیدیا ہے طلاق منجز ہے اس میں کوئی تعلیق نہیں۔

واللہ اعلم حررہ الاحقر ظفر احمد عفا عنہ از تھانہ بھون ۔ ۱۰ محرم ۴۵ھ

سوال: تعلیق طلاق کی ایک خاص صورت کا حکم - کیا فرماتے ہیں علماء دین اس مسئلہ میں کہ عباس علی نے اپنی دختر مسماۃ فاطمہ کا نکاح شامیاں سے کر دینے کی بات طے ہو چکنے پر شامیاں سے ایک اس قسم کا اقرار نامہ کہ اگر اس نے عقد کے بعد دس دن کے اندر کابین نامہ رجسٹری کرا کے نہ دیا تو مسماۃ مذکورہ کو تین طلاق ہو جاوے گی کا مطالبہ کیا چنانچہ حسب طلب برضائے طرفین اقرار نامہ کا مسودہ ہوا اور شامیاں و دیگر حاضرین کے سامنے پڑھکر سنایا گیا مگر چونکہ رجسٹری کا خرچ عباس علی کا ذمہ تھا۔ اور وہ دس دن کے اندر خرچ کے مہیا کرنے سے عاجز تھا لہذا اس نے بطور خود مہلت کی مدت میں اور دس روز کا اضافہ کرا دیا اور اقرار نامہ کے دس کے ہندسہ کو کاتب کے ہاتھ عقد سے پہلے بیس بنوا دیا۔ مگر اس بات کی خبر دوسرے کسی کو یہاں تک شامیاں کو بھی نہیں کی اس کے بعد عقد ہوا۔ عقد ہو چکنے کے بعد نکاح خواں نے اقرار نامہ کا لپیٹا ہوا پرچہ ہاتھ لیکر بغیر پڑھے دولہا سے دریافت کیا کہ اقرار نامہ تم کو منظور ہے اس نے جی ہاں کہکر جواب دیا بعد ازاں دس دن کے بعد بیس دن سے پہلے کابین نامہ کی رجسٹری ہوئی - یہ بھی واضح رہے کہ کاتب نے جس

وقت اقرار نامہ کے دس کے ہندسہ کو بیس ۲۰ بنایا اس وقت عباس علی وہاں موجود نہیں تھا اور نہ عباس علی کو لکھنا پڑھنا آتا ہے ۔ امی محض ہے صرف کاتب کی بات پر اعتبار کر کے دعوی کرتا ہے ۔ اب عباس علی کہتا ہے کہ ہم نے یہ کارروائی عقد سے پہلے کی تھی اور منظوری کے وقت اقرار نامہ میں بیس ۲۰ تھا اور کاتب بھی معترف ہے کہ عباس علی کے کہنے سے اس نے عقد اور منظوری سے پہلے دس کو بیس بنا دیا تھا اور ان کے خلاف کوئی ایسا گواہ جو یہ بتلا سکتا ہو کہ منظوری کے وقت بیس ۲۰ نہیں تھا بلکہ دس تھا اور انہوں نے یہ کارروائی عقد اور منظوری کے بعد میں کی اب اس صورت میں شرعاً کیا حکم ہوگا عباس علی اور کاتب کی بات کی تصدیق کی جاویگی یا نہیں اور بانوے مذکورہ کو دس دن کے بعد بیس دن سے پہلے طلاق ہو جاوے گی یا نہیں ۔

تتمہ سوال :۔

جناب عالی میں نے کل گزشتہ ایک استفتاء حضرت کی خدمت میں بھیجا مگر پرچہ جو اس کے ہمراہ بھیجنے کے لئے لکھا تھا لفافہ میں استفتاء کے ہمراہ وہ پرچہ دینے کو بھول گیا اب گذارش یہ ہے کہ وہ استفتاء مذکورہ جس میں عباس علی کی بیٹی مسماۃ فاطمہ منکوحہ مسمی شنا میاں کی طلاق ہونے نہ ہونے کے متعلق دریافت کیا گیا ۔ لٰہذا جہاں تک جلد ممکن ہو جواب با دلائل و حوالہ کتب لکھکر بھیج دیں ۔ کیونکہ بعض لوگ کہتے ہیں کہ طلاق نہیں ہوئی ۔ اور بعض کہتے ہیں کہ طلاق ہو گئی ۔ اس وجہ سے لوگ بہت تردد میں ہیں اور مسماۃ مذکورہ اب تک شنا میاں کے پاس رہتی ہے اور اس سے حاملہ ہوئی لہذا جلد جواب عنایت فرما دیں ۔ تاکہ اس کے مطابق عمل کیا جاوے ۔ والسلام ۔

نذیر احمد ۔ ڈاکخانہ لال موہن چر کسبیہ ضلع بریسال (بنگال)

الجواب :۔ قال صاحب البحر الرائق وفیہا (المحیط) دعا امرأتہ الی الوقاع فابت فقال متی یکون قالت غدا فقال ان لم تفعلی ھذا المراد غدًا فانت طالق ثم نسیا حتی مضی الغد لا یحنث وھذا یستثنی من قولھم ان المحلوف علیہ ناسیا یحنث والجواب ان الحنث شرطہ ان یطلبھا غدًا وتمتنع ولم یطلب فلا استثناء (ص۲۲ ج۴) وھکذا فی الدر المختار وقال لا یقع بدل لا یحنث وقال الشامی تحت (قولہ لا یقع) لان الحنث شرطہ ان یطلب منھا غدا وتمتنع ولم یطلب بحر ونحوہ فی التتارخانیۃ عن المنتقی قلت ومقتضاہ ان النسیان لا تاثیر لہ ھنا لکن سیاتی فی الایمان تعلیلہ بان امکان البر شرط لبقاء الیمین بعد انعقادھا کما ھو شرط لانعقادھا خلافًا لابی یوسفؒ ولا یخفی ما فیہ فان امکان البر محقق بالتذکر علی انہ یلزم ان یکون النسیان عذرا

فی عدم الحنث فی غیر ھذہ الصورۃ ایضاً وھو خلاف المنصوص فافھم (ص۴۳۸ ج ۲) وفی العالمگیریۃ (ص۱۰۶ ج ۲) سکران دعا امرأتہ الی فراشہ فابت فقال لھا ان امتثلت وساعدتنی والا فانت طالق فساعدتہ بعدما دعاھا فی المستقبل بعد الیمین لایحنث وان دعاھا فی المستقبل ولم تساعدہ حنث قال مولانا وینبغی ان یحنث اذا لم تساعدہ وان لم یجدد الدعا لان الناس یریدون بھذا الامتثال للامر السابق اھ بحر الرائق وشامی کی روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ صورت مسئولہ میں طلاق واقع نہیں ہوئی کیونکہ عباس علی نے رجسٹری کا مطالبہ نہیں کیا اگر وہ مطالبہ کرتا اور پھر شنامیاں رجسٹری نہ کراتا تو طلاق واقع ہوتی لیکن اگر وہاں یہ عرف ہو کہ دوبارہ مطالبہ کئے بدون بھی ان الفاظ سے شنامیاں کے ذمہ رجسٹری کرانا لزوماً مفہوم ہوتا ہو تو صورت مسئولہ میں طلاق واقع ہوگئی جیسا کہ عالمگیریہ کی روایت میں مصرح ہے۔ واللہ اعلم۔

تفصیل اس کی یہ ہے کہ سوال میں سائل نے لکھا ہے کہ رجسٹری کا خرچ عباس علی کے ذمہ تھا اور ظاہر یہ ہے کہ شنامیاں بھی اس کو جانتا تھا کہ خرچ میرے ذمہ نہیں۔ پس اس کابین نامہ کی اس عبارت کہ "اگر اس نے عقد کے بعد دس دن کے اندر کابین نامہ رجسٹری کرا کے نہ دیا۔ تو مسماۃ پر تین طلاق ہوجائیں گی۔" کا یہ مطلب نہیں ہو سکتا کہ شنامیاں سے اگر مطالبہ نہ کیا جاوے تو وہ خود اپنے خرچ سے رجسٹری کرا کے دے بلکہ اس کا مطلب یہ ہے کہ دس دن کے اندر اگر عباس علی اس سے رجسٹری کا مطالبہ کرے تو اس کا ساتھ دے اس سے انکار نہ کرے چونکہ عباس علی نے دس دن کے اندر مطالبہ ہی نہیں کیا اس لئے شنامیاں حلف میں حانث نہیں ہوا یہ جواب تو اس معنی پر ہے جو اس عبارتِ سوال سے ہم سمجھتے ہیں باقی اگر کچھ اور مطلب ہے تو یہ جواب نہ ہوگا۔ واللہ اعلم

اور ایک امر قابل تحریر یہ ہے کہ کابین نامہ رجسٹری کرانے کے متعلق جو اقرارنامہ ان لفظوں[ـه] سے لکھا ہے

[ـه] البتہ اگر یہ الفاظ ہوتے کہ اگر فلاں عورت سے نکاح کروں اور اتنے روز تک کابین نامہ رجسٹری نہ کرادوں تو اس پر تین طلاق تو وہ تعلیق صحیح ہوجاتی کما فی العالمگیریۃ (ص۲۷ ج ۲) التعلیق بصریح الشرط وھو ان یذکر حرف الشرط یؤثر فی المرأۃ المعینۃ وغیر المعینۃ والتعلیل بمعنی الشرط یعمل فی غیر المعینۃ کما لو قال المرأۃ التی اتزوجھا فھی طالق فلا یعمل فی المعینۃ فان قال ھذہ المرأۃ التی اتزوجھا فھی طالق فتزوجھا لاتطلق کذا فی معراج الدرایۃ اھ

(کہ اگر اس نے عقد کے بعد دس دن کے اندر کابین نامہ رجسٹری کرا کے نہ دیا تو مسماۃ مذکورہ کو تین طلاق ہو جاوے گی) وہ اقرار نامہ یعنی یہ تعلیق طلاق صحیح نہیں ہوئی تھی اگر فقط اس تحریر کے بعد نکاح ہو جاتا اور کابین نامہ کی رجسٹری نہ ہوتی تو طلاق نہ ہوتی لیکن عقد کے بعد اس اقرار نامہ کو منظور کرنا انشاء تعلیق قرار دی جاوے گی اور چونکہ اس کو یعنی زوج کو دس ہی روز کی تعلیق کا علم تھا اس لئے دس روز پر معلق ہوگا۔ اگر عقد کے بعد منظوری کے وقت زوج کو اس تغیر کی اطلاع ہو جاتی تو بیس روز کی تعلیق صحیح ہو جاتی اور اب چونکہ دس روز کی تعلیق صحیح ہے اس لئے اسی شرط کے وقوع پر طلاق واقع ہو جاوے گی اور اس شرط کا وقوع ہونے یا نہ ہونے کی تفصیل اوپر معلوم ہو چکی ہے۔ والروایات هذه فی الدر، ویکفی معنی الشرط الا فی المعینة باسم او النسب او اشارة فلو قال المرأة التی اتزوجها طالق تطلق بتزوجها ولو قال هذه المرأة الخ لتعریفها بالاشارة فلغا الوصف وقال الشامی تحت (قوله باسم او النسب) الذی فی البحر وغیره ونسب بالواو وقال فلو قال فلانة بنت فلان التی اتزوجها طالق فتزوجها لم تطلق اھ ای لانه لما لغا الوصف بالتزوج بقی قوله فلانة بنت فلان طالق وهی اجنبیة ولم توجد الاضافة الی الملک فلا یقع اذا تزوجها (قوله او اشارة) التعریف بالاشارة فی الحاضرة و بالاسم والنسب فی الغائبة حتی لو کانت المرأة حاضرة عند الحلف لا یحصل التعریف بذکر اسمها ونسبها ولا تلغو الصفة ویتعلق الطلاق بالتزوج الخ (ص ۸۱۳ ج ۲) وقال الشامی ایضا وکذا کل کتاب لم یکتبه بخطه ولم یمله بنفسه لا یقع الطلاق ما لم یقر انه کتابه اھ ملخصا (ص ۷۰۳ ج ۲) وفی العالمگیریہ (ص ۱۱۶ ج ۲) رجل اراد السفر فحلفه صهره وقال ان غبت بعد هذا عن امرأتک فلم ترجع الیها عند رأس الشهر فامرأتک طالق فقال الختن بالفارسیة هست، ولم یزد علی ذلک ثم غاب اکثر من شهر طلقت امرأته لانه اجاب کلام الصهر والجواب یتضمن اعادة ما فی السوال فتطلق امرأته کذا فی فتاوی قاضی خان اھ واللہ اعلم بالصواب۔

تنبیہ: حمل کے متعلق بصورت عدم وقوع طلاق تو سوال کی ضرورت ہی نہیں اور اگر وہاں کے محاورہ میں یہ الفاظ موجب طلاق ہوں تو حمل سے سوال دوبارہ کیا جاوے۔ احقر عبدالکریم گمتھلوی عفی عنہ ۲۵ ذوالقعدہ سنہ ۴۳ھ

الجواب صحیح : ظفر احمد عفا اللہ عنہ ۲۶؍ ذیقعدہ ۴۳ھ

اس کہنے کا حکم کہ فلاں کام نہ کروں تو مجھ پر زن طلاق ہے

سوال :- بحضور حضرت مولانا واولانا عم فیوضہم معروض یہ ہے کہ ایک شخص کی مویشی چوری ہوئی ایک معزز نے چوروں کے پاس جاکر کہا کہ مویشی واپس کردو چوروں نے کہا کہ ہم واپس کردیں گے۔ چار ماہ تک یہی کہتے رہے بعد چار ماہ کے انہوں نے کہا کہ ہم نہیں دیتے تب اس معزز نے بسبب غصہ کے اپنے جی میں کہا کہ میں بھی ان چوروں کا اتنا ہی نقصان کردوں گا جتنا انہوں نے کیا ہے۔ اگر نہ کروں گا تو مجھ پر زن طلاق ہے اب معزز کو اللہ میاں سے خوف آگیا کہ چوری کا کام کیوں کروں اب ملتمس ہوں کہ ان الفاظ کا کیا حکم ہے؟ فقط

تنقیح :- اس کا کیا مطلب ہے آیا صرف دل میں خیال کیا زبان کو حرکت نہیں ہوئی یا زبان سے بھی مگر آہستہ کہا کہ اور کسی نے نہیں سنا نیز طلاق کا کوئی عدد بھی کہا یا نہیں؟

جواب تنقیح : حضور سائل سے دریافت کیا گیا سائل نے زبان کو حرکت بھی دی بلکہ ایک دو کے روبرو یہ لفظ کہا اور ایک دفعہ کہا ہے صرف۔

الجواب :-

فی العالمگیریۃ (ص ۳۳ ج ۳) وان حلف ليفعلن كذا يبرأ بالفعل مرةً واحدةً سواء كان مكرهًا فيه او ناسيًا او وكيلًا عن غيره فاذا لم يفعل لا يحكم بوقوع الحنث حتى يقع اليأس من الفعل وذلك بموت الحالف قبل الفعل فيجب عليه ان يوصى بالكفارة او بفوت محل الفعل كما لو حلف ليضربن زيدًا او لياكلن هذا الرغيف فمات زيدٌ واكل الرغيف قبل اكله يحنث الخ

اس سے معلوم ہوا کہ اگر یہ شخص ان چوروں کا نقصان نہ کرے اور ان میں سے کوئی مر جاوے تو ایک طلاق رجعی واقع ہو جاوے گی اور اگر وہ چور زندہ رہیں تو عمر بھر طلاق واقع نہ ہوگی لیکن اس معزز کی موت کے وقت طلاق واقع ہو جائے گی۔ واللہ اعلم۔ احقر عبدالکریم عفی عنہ۔

خانقاہ تھانہ بھون۔ الجواب صحیح ظفر احمد عفا اللہ عنہ۔

یکم شعبان ۴۴ھ

بیوی کے ہاتھ کے پکائے ہوئے کھانے کے ساتھ تعلیق طلاق کی ایک صورت کا حکم

(سوال) (۱) کوئی شوہر بی بی سے لڑائی کیا اور بی بی پکانے جارہی تھی اسوقت یوں بولا تم مت پکاؤ تمہاری ہاتھ کا پکایا ہوا چیز ہم کھانیسے تم طلاق ہوجاویگی۔ یا یوں بولا اگر کھائے تو تمپر طلاق ابھی یا جب یا ہمیشہ اب تو کوئی لفظ جیسے ہمیشہ یا جب کھائے تو طلاق ہوئے استعمال نہیں کیا اب سوال یہ ہے کہ (۱) جب کھائے تب طلاق ہوتا یا نہیں (۲) اگر شوہر کا لفظ یہ ہے کہ اسدن یا اسوقت کھائے تو طلاق ہوئے (۳) اگر ہمیشہ لفظ یعنی جب کھائے تب ہوئے (۴) اگر کچھ لفظ خاص نہیں تھا صرف اوپر بیان کیا گیا ویسا بولا۔ تب جب کھائے تب طلاق ہوتا یا نہیں۔

فدویم

محمد سید عتیق اللہ وکیل

الجواب :- صورت مسئولہ میں اگر شوہر کی نیت یہ ہے کہ اسدن یا اسوقت کھاؤں تو طلاق۔ تو اسدن یا اسوقت کے بعد اسکے ہاتھ کا پکایا ہوا کھانیسے طلاق نہ ہوگی اور اگر ہمیشہ کی نیت تھی تو جب کھائیگا اسیوقت طلاق ہوجاویگی لیکن ایک طلاق واقع ہونیسے یہ تعلیق ختم ہوجاویگی کیونکہ تعلیق بلفظ اگر ہے کلما کیساتھ نہیں جو عموم فعل وتکرار کو مفید ہو پس ایک طلاق واقع ہونیکے بعد دوبارہ اُسکا پکایا ہوا کھانیسے طلاق نہ پڑیگی۔ اور ایک طلاق سے نکاح میں نقصان نہیں آتا جب کہ عدت کے اندر اندر رجوع کرلیا جائے اور کچھ نیت نہ تھی تو بظاہر اس کلام سے متبادر یمین الفور ہے جو اسیوقت اور اسی حالت کے ساتھ مقید ہوتی ہے جسمیں یمین صادر ہوئی اسکے بعد کیساتھ یمین کا تعلق نہیں ہوتا وقال الشامی فی یمین الفور تهیأت للخروج فقال لا تخرجی و حلف فاذا جلست ساعة وخرجت لا یحنث لان قصده منعها من الخروج الذی تهیأت له فکأنه قال: ان خرجت الساعة و هذا اذا لمیکن له نیة فان نوی شیئا عمل به، شرنبلالیه اھ (ص۱۲۹ ج ۳) واللہ اعلم

حررہ الاحقر ظفر احمد عفا عنہ۔ ۱۱ رمضان س۴۶ھ

طلاق معلق بلفظ "اگر" میں مرۃ واحدہ سے یمین منحل ہوجاتی ہے اس لئے دوسری مرتبہ نکاح کرنے سے طلاق واقع نہیں ہوگی۔

(سوال) کیا فرماتے ہیں علماء دین و مفتیان شرع متین اندریں صورت کہ عبدالمالک تعلقدار نے اپنا نکاح مسماۃ خیرالنساء سے کیا اور اس بی بی کو کابین نامہ چند شرائط کا دیا جسمیں یہ شرط بھی تھی کہ تمہارے زمانہ نابالغی سے تا زمانہ بلوغ یعنی تمہاری زندگی میں دوسرا نکاح کوئی نہیں کرونگا اگر دوسرا کوئی نکاح بیاہ کیا تو زوجہ ثانیہ پر تین طلاق واقع ہوگی اور وہ مجھ پر حرام ہوگی۔ پھر بعد چند مدت بوجہ ضرورت اُس نے دوسرا نکاح کر لیا اولیاء زوجۂ اول نے اس عقد ثانی کی خبر سنکر اُس کابین کی شرط کو دکھلایا کہ یہ ثانی بی بی پر تو طلاق ہوگئی پھر اس کے بعد زوج مذکور الصدر نے اس شرط کی واپسی لکھوالی کہ اب بخوشی دوسرا نکاح کر لیں اسمیں مجھکو کچھ عذر نہیں بعد ازاں عبدالمالک نے عقد ثالث کیا۔ اب دریافت طلب امر یہ ہے کہ زوجہ ثالثہ پر طلاق ہوئی ہے یا نہیں اگر ہوئی ہے تو عبدالمالک کیلئے حلالی ہونیکی کیا صورت ہے؟ بینوا توجروا

الجواب:۔ صورت مسئولہ میں زوجہ ثالثہ پر طلاق واقع نہیں ہوئی کیونکہ یہ طلاق معلق بلفظ اگر ہے جو ترجمہ اِن و اِذَا کا ہے جس کا حکم یہ ہے کہ مرۃ واحدہ سے یمین منحل ہوجاتی ہے قال فی العالمگیریہ: الفاظ الشرط ان، و اذا، و اذا ما وکل، و کلما، و متی، و متی ما، ففی ہذہ الالفاظ اذا وجد الشرط انحلت الیمین و انتہت لانہا لا تقتضی العموم و التکرار فبوجود الفعل مرۃ تم الشرط و انحلت الیمین فلا یتحقق الحنث بعدہ الا فی کلما لانہا توجب عموم الافعال اھ (ج ۲ ص ۹۴) قلت و فی الصورۃ المسئولۃ لیس الطلاق بمعلق بکلما کما ہو الظاہر من الفاظ السوال، واللہ اعلم۔

حررہ الاحقر ظفر احمد عفا اللہ عنہ از تھانہ بھون خانقاہ امدایہ، رمضان ۴۶ھ

وقوع شرط میں شبہ اور تردد ہو تو طلاق نہ ہوگی

(سوال) کیا فرماتے ہیں علماء دین دریں مسئلہ کہ زید نے عمرو سے بطور حلف کے کہا اگر میں نے تمہاری کوئی شکایت تمہارے مکان والوں سے بغرض نقصان پہونچانے کے کی ہو تو میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی شفاعت سے خارج ہوں اور نکاح کرتے ہی طلاق ہو اور حلف کھاتے وقت یقین تھا کہ کوئی شکایت نہیں کی اور بعد میں کوئی لفظ شکایت کا معلوم ہوجائے یعنی یمین لغو کی صورت ہو تو کیا حکم ہے۔ اور اگر اطمینان کیلئے

احتیاطاً شافعی المذہب پر اعتقاد رکھے تو جائز ہے یا نہیں؟ بینوا توجروا۔

فقط عبد الصمد میمن سنگی۔

الجواب:۔ جب تک غلبہ ظن بالیقین شکایت کرنیکا نہ ہو اسوقت تک یہ کلام موجب وقوع طلاق بر منکوحہ نہیں۔ پس تردد سے منکوحہ پر طلاق نہ ہو گی اور اگر یمین کے وقت یقین یا غلبہ ظن تھا کہ شکایت نہیں کی اسی بنا پر قسم کھالی بعد میں معلوم ہوا کہ شکایت کی تھی تو دیانۃً یہ حلف موجب طلاق منکوحہ نہوگا ہاں قضاءً موجب طلاق ہو جائیگا۔ **فان القاضی لا یقبل الا الظاہر و المرأۃ کالقاضی۔** اور اگر حلف کیوقت غلبہ ظن یا علم شکایت کرنیکا تھا تو اب اپنی اطمینان کیلئے شافعی المذہب پر اعتقاد رکھنا اس شرط سے جائز ہے کہ نکاح بھی کسی شافعی عورت سے کیا جائے۔ حنفی عورت سے اس مسئلہ میں مذہب شافعی پر اعتقاد کرکے نکاح جائز نہیں کیونکہ منکوحہ کے مذہب میں نکاح کیساتھ ہی طلاق واقع ہو چکی ہے تو عورت کو اُسکے مذہب کے خلاف کا مرتکب بنانا اور دھوکہ میں رکھنا جائز نہیں۔ اس صورت میں اگر حنفی عورت سے نکاح کیا جائے تو فضولی کو واسطہ بنایا جائے جسکی تفصیل زبانی عالم محقق سے معلوم ہو سکتی ہے یا اولیاء زوجہ سے اس واقعہ کو بیان کرکے یہ کہا جائے کہ میں نے ایسا حلف کرلیا تھا جسکی وجہ سے منکوحہ پر نکاح کرتے ہی ایک طلاق بائن واقع ہو جائیگی اس لئے منکوحہ کو بھی اسکی اطلاع کردی جائے اور نکاح دومرتبہ کیا جائے پہلی دفعہ نکاح کرکے طلاق واقع ہوگی دوبارہ اسی عورت کی اجازت سے پھر نکاح کیا جائے گا تو اب دوبارہ طلاق کا وقوع نہوگا کیونکہ حلف میں کوئی لفظ ایسا نہیں جو کلما کی طرح موجب تکرار طلاق ہو اور نہ اُسمیں عدد ثلاث کا ذکر ہے، **واللہ اعلم۔**

حررہ الاحقر ظفر احمد عفا عنہ

۱۹؍ رمضان سنہ ۴۶ھ

حکم تعلیق طلاق بلفظ جو عورت میں نکاح میں لاؤنگا مجھ پر طلاق ہے۔

(سوال) کیا فرماتے ہیں علمائے دین شرع متین مسئلہ ذیل میں کہ زید نے تعلیق کردی ایسے طور سے کہ زید نے کہا اگر میں یہ فعل کرونگا تو جو عورت میں نکاح میں لاونگا۔ مجھ پر طلاق ہے اب اس سے وہ فعل تین چار مرتبہ صادر ہوا۔ تو آیا جو عورت طلاق ہو جاویگی وہ مطلقہ ہوگی ساتھ طلاق رجعی کے یا مغلظ ہوگی۔ اور اگر تعلیق سے پہلے اس کا منکوحہ ہو تو

وہ مطلقہ ہوتی ہے یا نہ اور اگر مطلقہ ہوتی ہے تو مطلقہ رجعی ہوتی ہے یا مغلظہ؟ **بینوا توجروا**

المعروض کمترین عبد الرزاق از مدرسہ میرٹھ صدر بازار۔

الجواب: اگر زید نے تعلیق مذکور میں یہی کہا ہے جو سوال میں مذکور ہے کہ مجھ پر طلاق ہے تو یہ کلام لغو ہے اس سے یہ تعلیق طلاق نہیں ہوئی اور اس صورت میں کسی عورت سے نکاح پر طلاق کا وقوع نہ ہوگا نہ رجعی کا نہ بائن کا فقد صرح الفقهاء بانه ان قال انا منك طالق لم يقع و ان نوى و ان قال انا منك بائن يقع به بائنة ان نوى (در ص ۷۳۲ ج ۲) اور اگر یہ کہا ہے کہ اس پر طلاق ہے تو سوال واضح کر کے دوبارہ کیا جائے۔

فقط حررہ الاحقر ظفر احمد عفا عنہ
از تھانہ بھون خانقاہ امدادیہ ۱۱ شوال ۴۶ھ

بصورت تعلیق اگر عدد طلاق میں شوہر کو شک ہو اور بیوی کہتی ہو کہ شوہر نے تین طلاق کہا تھا۔ تو طلاق رجعی واقع ہوگی یا مغلظہ جبکہ شرط پائی گئی ہو۔

(**سوال**) کیا فرماتے ہیں علماء کرام اس مسئلہ میں کہ زید کی زوجہ یہ کہتی ہے کہ تو نے تین طلاق کو کہا تھا زوج طلاق دینے کا اقراری ہے لیکن یہ کہتا ہے کہ مجھے تین طلاقیں معلق کرنے کا شک ہے میں یقین سے نہیں کہہ سکتا کہ تین طلاقیں معلق کی ہیں ہاں ایک طلاق ضرور دی ہے دریافت طلب یہ امر ہے کہ اس صورت میں تین طلاق رجعی متصور ہے یا مغلظہ؟ **بینوا توجروا**

عبد الرحیم موضع نگلہ ضلع میرٹھ

الجواب: صورت مذکورہ میں جب عورت کو تین طلاقیں معلق کرنے کا یقین ہے تو اس مرد سے علیحدگی واجب ہے اسکو اسکے ساتھ رہنا جائز نہیں بلکہ عدت کے بعد جس سے چاہے نکاح کر لے پھر اگر دوسرا شخص بعد دخول کے طلاق دیدے تو زوج اول سے نکاح کر سکتی ہے بعد عدت ثانی کے اور یہ جب ہے کہ عورت کو تین طلاق کا یقین ہو اور اگر اُسکو بھی شک ہو تو سوال دوبارہ کیا جائے۔ رہا یہ کہ مرد تین طلاق کا منکر ہے اور اسکو اس میں شک ہے تو اس اختلاف کا فیصلہ مفتی نہیں کر سکتا بلکہ قاضی اسلام کر سکتا ہے یا وہ مسلمان شخص جس کے پاس فریقین فیصلہ کیلئے مقدمہ پیش کریں اور وہ قاعدہ شرعیہ کے موافق تحقیق کرکے

فیصلہ[عہ] کرے مگر جب عورت کو تین طلاق کا یقین ہو تو اُسکو قاضی یا محکم کے پاس مرافعہ جائز نہیں جب کہ زوج سے علیحدہ ہوجانے پہ قادر ہو ہاں اگر زوج سے علیحدہ ہونے پر قادر نہ ہو تو مرافعہ کرنا چاھئے پھر اگر فیصلہ عورت کے قول پر نہ ہو تو عورت کو گناہ نہ ہوگا بلکہ زوج کو گناہ ہوگا اگر وہ کاذب ہے۔ واللہ اعلم۔

حررہ الاحقر ظفر احمد عفا عنہ
از تھانہ بھون خانقاہ امدایہ ۱۲؍ شوال ۴۶ھ

تعلیق طلاق باداء دین کی ایک صورت کا حکم

(سوال) مدیون نے وعدہ کیا کہ دائن کو مبلغ للعہ ماہ بھادون میں یکمشت ادا کردونگا بلا عذر اگر اسوقت ندوں تو میری عورت پر تین طلاق پڑجائے اھ ماہ بہادون قبل کچھ مدت کہا کہ دائن کی برادر زادی جو کہ میری بہو ہے وہ چالیس روپیہ میری مکان سے چوری کرکے لیگئی اور دائن کو دیدیا جو کہ اسکا چچا ہے مگر چوری کا ثبوت ابتک نہیں ہوا عوام نے اور نیز چند مولویوں نے مجلسیں کیں مگر شور و شغب ہوگیا اور کچھ ثابت نہ ہوا، اب عرض ہے کہ سرقہ ثابت ہوکر دائن کو روپیہ ملجانا بھی ثابت ہو جائے یا سرقہ ہی ثابت ہو تو ان دونوں صورتوں میں تعلیق طلاق کا کیا حکم ہوگا بصورت عدم ثبوت سرقہ و عدم وصول دین الی الدائن وقوع جزا تو ظاہر ہے مگر بصورت ثبوت بھی راجح وقوع جزا ہی معلوم ہوتا ہے کیونکہ مدیون کی عبارت (یکمشت ادا کردونگا) میں نسبت ایصال الی نفسہ ہے اور بصورت ثبوت سرقہ وصول دراہم الی الدائن ایصال من نفسہ نہ پایا گیا حالانکہ وہ ایصال پر قادر تھا اگرچہ وہ مال مسروقہ کے سوا دوسری دراہم دیدیتا سوال کے قیود کو ملحوظ فرماکر جواب سے مسرور الوقت فرمائیں۔

عبدالسلام ڈاکخانہ بنچے رامپور معرفت پوسٹماسٹر ضلع تیرہ[عہ] ملک بنگلہ

[عہ] اور اگر یہ حکم عورت کے خلاف فیصلہ کرے اور عورت کو تین طلاق کا یقین ہے قلت فھو کما قضی القاضی بعدم وقوع الثلث لعدم الشھادۃ وھی متیقنۃ بالثلث فان المحکم کالقاضی الا فی الحدود و القصاص قال الشامی و فی البزازیۃ عن الاوزجندی انھا ترفع الامر للقاضی فان حلف ولا بنیۃ لھا فالاثم علیہ اھ قلت ای اذا لم تقدر علی الفداء او الھرب ولا علی منعہ عنھا فلا ینافی ما قبلہ اھ (ص۹۰ ج۲) قلت قولہ اذا لم تقدر الخ قید لقولہ ترفع الامر الی القاضی ومفادہ انھا لا ترفع الامر الی القاضی اذا قدرت علی احد الامور المذکورۃ واللہ اعلم۔ ظفر ۱۲

[عہ] آجکل اس ضلع کا نام کملا ہے۔ دلاور حسین کملائی۔

الجواب: ہاں الفاظ تعلیق کے ظاہری مقتضا تو وہی ہے جو سائل نے سمجھا ہے لیکن بدلالت حال یہ تعلیق محتمل تخصیص کو ہے جسکی نظیر یہ ہے جو فقہاء نے باب الیمین میں بیان کی ہے لو حلف لیخبرن الوالی بکل داعر یدخل فی البلد ثم عزل الوالی فلا یحنث بترکه الاخبار لانه مقید بحال ولایته ایسے ہی یہاں یہ کہہ سکتے ہیں کہ حالف کا یہ کہنا کہ دائن کو بھادوں میں للعہ یکشمت ادا کردونگا اگر نہ دوں تو بیوی پر تین طلاق پڑجائے اھ اس شرط کے ساتھ مشروط ہے کہ اگر دائن کسی ذریعہ سے خود اس رقم کو میرے مال سے وصول نکرے،، کیونکہ ظاہر ہے کہ اگر دائن اسکے مال میں سے للعہ خود سرقہ کرلیتا تو اس صورت میں حالف بوجہ عدم اداء کے حانث نہوتا کیونکہ حالف نے اداء دین کی بابت حلف کیا ہے اور اس صورت میں وہ مدیون نہیں رہا اسیطرح اگر دائن نے خود سرقہ نہیں کیا بلکہ کسی دوسرے نے حالف کے مال میں سے للعہ چرائے اور دائن کو دیدئے اور دائن کو سرقہ کا حال معلوم ہے تو اس کے ذمہ اس کا اظہار واجب ہے اور بصورت کتمان وہ بھی سارق ہوا لہذا مدیون دین سے بری ہوجائے گا اور عدم اداء سے حانث نہوگا یہ اس صورت میں ہے جب کہ سرقہ کا واقعہ صحیح ہو اور اس رقم مسروقہ کا دائن کے پاس پہونچنا محقق ہوجائے گو شہادت سے ثبوت نہو مگر حالف کے نزدیک یہ امر محقق ہوچکا ہو اگر ایسا نہ ہو تو سوال دوبارہ کیا جائے، **واللہ تعالیٰ اعلم۔**

حررہ الاحقر ظفر احمد عفا اللہ عنہ
از تھانہ بھون ۲۶ رج سنہ ۴۷ھ

تعلیق طلاق کی ایک صورت

(سوال) کیا فرماتے ہیں علماء دین مسئلہ ذیل میں زید نے ہندہ سے نکاح کیا اور نکاح کے کچھ عرصہ بعد اقرارنامہ ایک روپیہ کے کاغذ پر تحریر کیا جسکی عبارت معصودہ بعینہ نقل کیجاتی ہے:

اقرار کرتا ہوں کہ زوجہ خود اور موجودہ بچہ کی پرورش کا خرچ حسب حیثیت خود ماہ بماہ ہر ایک ماہ کی پنجم تاریخ کو ان کے والدین کے نام بذریعہ منی آرڈر روانہ کرتا رہونگا کوئی ماہ ناغہ نہ کرونگا بصورت عدم ادائیگی خرچ مقررہ بالا مسلسل تین ماہ متواتر روانہ نہ کروں تو زوجہ میری اسیوقت میری جانب سے مطلقہ متصور کی جاویگی اور زوجہ میری مذکور کو اختیار ہوگا کہ وہ مجھ سے دوری علیحدگی اختیار کرے اور اسکے والدین کو اختیار ہوگا کہ وہ برائے آئندہ اسکی

تجویز ثانی بمرضی خود جائے دیگر کردے میں اوسمیں کوئی عذر اعتراض نہ کرونگا اگر کرونگا تو وہ میرا عذر روبروئے برادری واہل محلہ و حکام وقت قطعی قابل سماعت نہ ہوگا } اور ساتھ ہی پورے اصل اقرار نامہ کی نقل بھی روانہ کیجاتی ہے جسمیں سے یہ عبارت روانہ کیگئی ہے { یہ اقرار نامہ ۸ر اگست ۱۹۲۶ء کو لکھا گیا۔ زید نے اکتوبر ۱۹۲۶ء کے آخر میں جبکہ تین ماہ گزر جانے والے تھے محض مبلغ صہ ر پانچ روپیہ عورت کے والدین کے نام روانہ کئے اُس سے پہلے بالکل روانہ نہیں کیا اب یہ دوسری سہ ماہی گزر رہی ہے ابھی تک کچھ روانہ نہیں کیا ہے۔ لائق سوال یہ امر ہے کہ عبارت بالا کے اعتبار سے اس عورت پر طلاق واقع ہوئی یا نہیں اور کس صورت میں تین طلاق واقع ہو گی؟ فقط۔

حافظ محمد غوث محلہ اندر کوٹ توپچی واڑہ شہر میرٹھ

الجواب:۔ بغیر خرچ بھیجنے کے کوئی سہ ماہی گزر جائیگی تو زید کی زوجہ پر طلاق واقع ہو جائیگی اسوجہ سے کہ زوج کہہ سکتا ہے کہ سہ ماہی گزشتہ میں میری حیثیت پانچ ہی روپیہ کی تھی ہاں اگر حیثیت کی مقدار معین کر کے وقوع طلاق کو معلق کرتا اسکے نہ بھیجنے پر تو مقدار سے کم بھیجنے پر طلاق واقع ہو جاتی ہے لہذا زید کی زوجہ پر ابتک طلاق واقع نہیں ہوئی ہے۔ واللہ اعلم۔ اجابہ وکتبہ حبیب المرسلین عفی عنہ نائب مفتی مدرسہ امینیہ دہلی۔

صورت مندرجہ سوال میں زید کی زوجہ مطلقہ ہو گی کیونکہ زید کہتا ہے کہ ہر ماہ کی یکم کو ماہ بماہ خرچ بھیجا کروں گا اور مسلسل متواتر تین ماہ روانہ نہ کروں تو مطلقہ متصور ہو گی جبکہ زید نے اول ماہ کی یکم کو اور دوسرے ماہ کی یکم کو اور نہ تیسرے ماہ کی یکم کو خرچ نہیں بھیجا تسلسل تواتر جاتا رہا شرط کا تحقق ہو گیا طلاق پڑ گئی۔ ہدایہ میں ہے واذا اضافہ الی شرط وقع عقیب الشرط۔ واللہ اعلم ریاض الدین عفی عنہ

ہمارے نزدیک پہلا جواب صحیح ہے کہ زید کی زوجہ پر ابتک طلاق واقع نہیں ہوئی کیونکہ مسلسل تین ماہ خرچ روانہ نہ کرنا اسوقت صادق آسکتا ہے جبکہ پورے تین مہینے بدون خرچ بھیجے گزر جائیں اور صورت مسئولہ میں اگست کا مہینہ ناقص ہے اور اکتوبر میں خرچ آہی گیا اور عرف یہ ہے کہ جس مہینے کے اندر کوئی معاملہ ہوتا ہے تو ابتدا

اسی تاریخ سے ہوتی ہے پس لازم ہے کہ اس مہینہ کی آٹھ تاریخ سے تیسرے مہینہ کی آٹھ تاریخ تک زمانہ بدون خرچ بھیجے گزر جاتا تو طلاق واقع ہو جاتی مگر یہاں تو اس مدت کے اندر ہی خرچ آگیا ہے لہٰذا طلاق واقع نہ ہوگی اب دوسری سہ ماہی کی ابتداء ۸ر نومبر کے بعد سے ہوگی خرچ پہونچنے کی تاریخ سے نہ ہوگی کیونکہ بظاہر زید نے یہ خرچ ایک سہ ماہی کا بھیجا ہے اور چونکہ اقرار نامہ میں خرچ کی مقدار کو واضح نہیں کرایا گیا بلکہ زید نے اس کا معیار اپنی حیثیت پر رکھا ہے اسلئے اسکو یہ گنجائش ہے کہ اس خرچ کو پوری سہ ماہی کا خرچ بتلائے اگر عورت زید کی حیثیت اس سے زائد سمجھتی ہے تو حکومت سے مرافعہ کرے کہ اس اختلاف کا فیصلہ حکومت ہی کر سکتی ہے، واللہ اعلم۔

حررہ الاحقر ظفر احمد عفا عنہ

از تھانہ بھون ۵ر رمضان ۴۷ھ

شوہر کابین نامہ میں لکھدے کہ زوجۂ اولیٰ کی زندگی میں بدون اذن زوجہ واولیاء زوجہ نکاح کروں تو زوجہ ثانیہ طلاق مطلقہ ہوگی۔ پھر شوہر صرف بیوی سے اجازت لیکر نکاح کرے تو الخ۔

(سوال) السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ اما بعد معروض خدمت اقدس ہے کہ حسب تحریر جناب صورت مسئولہ کے متعلق کابین نامہ کی بنگالہ عبارت اور بعینہٖ اردو ترجمہ مع تقریر فریقین پیش خدمت ہے امید قوی کہ مع الدلائل جواب تحریر ہوویگا اور حضور پر نور کے دستخط مبارک سے مزین فرمایا جاویگا دیگر عبارت کابین نامہ کی مسئلہ مبحوث عنہا سے کوئی تعلق نہیں رکھتی وہ بالکل علیحدہ باتیں ہیں لھذا تحریر نہیں کیگئی۔

العارض احقر الناس محمد عبد الغنی غفر لہ ولوالدیہ ۲۱ر دسمبر ۲۶ء

ما قولکم رحمکم اللہ تعالیٰ: اس مسئلہ میں کہ ایک شخص نے اپنی زوجہ کی کابین نامہ میں چند شرائط لکھدے انمیں سے ایک یہ ہے کہ آپکے زندہ رہتے ہوئے میں دوسرا کوئی نکاح نہیں کرونگا اور سریہ نہیں رکھونگا اور نکاح فضولی نہیں کرونگا اگر کروں یا رکھوں ظاہر ہوتے ہی وہ عورتیں (۱) (۲) (۳) طلاق ہوئے۔ اگر اتفاقاً دوسرے نکاح کرنیکی ضرورت ہوئے تو آپ اور آپکے اولیاء سے علیحدہ علیحدہ اذن لیکر کرونگا۔

بعد مدت کے اس شخص نے بلا اذن ولی کے فقط زوجہ سے اذن لیکر دوسرا نکاح کیاہے اب اس دوسری زوجہ کی طلاق پڑنے میں علماء دو فریق ہیں۔ ایک فریق ایک طلاق بائن

کہتے ہیں۔ دوسرا فریق طلاق ثلٰثہ مغلظ فرماتے ہیں۔

(تقریر فریق اوّل یعنی قائلین واحد طلاق بائن)

یہ ہے کہ صورت مرقومہ میں ایک طلاق بائن واقع ہوگی کیونکہ جملہ (۱) (۲) (۳) طلاق ہوئے تفریق طلاق ہے اور طلاق غیر مدخول بہا کی تفریق طلاق سے ایک طلاق بائن ہوتی ہے بدلیل۔ قال لزوجته غیر المدخول بها انت ثلاثا وقعن وان فرق بوصف نحو انت طالق واحدة واحدة واحدة او خبر نحو انت طالق طالق طالق او جمل نحو انت طالق انت طالق بانت بالاولیٰ ولم تقع الثانیة والثالثة۔

(در مختار مع رد المحتار)

(تقریر فریق ثانی یعنی قائلین ثلاثہ مغلظ یہ ہے)

کہ صورت مسئولہ میں طلاق ثلٰثہ مغلظ واقع ہوگی دو وجہ سے (وجہ اول) یہ ہے کہ صورت مسئولہ کو انت طالق واحدة واحدة واحدة پر قیاس کرنا قیاس مع الفارق ہے کیونکہ اسمیں تین احاد کو جداگانہ کہا ہے اور صورت مسئولہ میں تین احاد کو جمع کرتے ہوئے کہا ہے یعنی (۱) کیساتھ اور (۱) جمع کرکے (۲) اور (۲) کیساتھ اور (۱) جمع کرکے (۳) کہا گیا۔ اور آخر کلام مغیر ہے واسطے اول کلام کے پس ۱-۲-۳- طلاق کے لفظ سے مجموع تین طلاق دفعۃً واقع ہونگی نہ متفرق طور پر کیونکہ تفریق طلاق پر محمول ہونیکے لئے یہ شرط ہے کہ آخر کلام مغیر اول کلام کا نہو جیسا کہ فتح القدیر۔ مصری ج ۳ صـ۳۹۲ میں ہے۔ قوله وان فرق الطلاق بانت بالاولیٰ ولم یقع الثانیه) وذلك كقوله انت طالق طالق طالق لانه لیس فی آخر الكلام ما یغیر اوله لیتوقف اوله فلم یقع بطالق الاول شئی فان قیل لو قال بالواو طالق وطالق وطالق او طالق واحدة وواحدة وواحدة فالحكم كذلك مع ان الواو للجمع وهو یغیر حكم التفریق اذ الحاصل به كالحاصل بطالق ثلاثا وحكمهما مختلف لان فی التفریق تبین بواحدة فینبغی ان یتوقف الصدر فیقع الثلث كما قال مالكؒ واحمدؒ قلنا الجمع الذی یباین التفریق حكمًا هو الجمع بمعنی المعیة المغیر له كلفظ ثلاثا ونحوهٗ ولیس الواو للجمع بهذا المعنی الخ اس عبارت سے صاف معلوم ہوا کہ لفظ ثلاثًا مغیر تفریق ہے پس واحدةً کے بعد اگر ثلاثًا مذکور ہو تو فقط واحدة سے ایک طلاق واقع نہوگی

بلکہ ثلاثاً پر موقوف رہنے کیوجہ سے مجموع تین طلاق واقع ہوگی جیسا کہ صورت مسئولہ میں ہے۔ سوال۔ یہ تو تنجیز طلاق میں ہے اور صورت مسئولہ تو تعلیق طلاق ہے اور شرط و جزا ایک کلام ہے اور اسمیں اخیر کلام (جزا) اول کلام (شرط) کا مغیر نہیں ہے جواب ۱۔ ۲۔ ۳۔ طلاق کا لفظ جب حکم میں تفریق کے نہیں ہے بلکہ حکم میں جمع کے ہے تو صورت تعلیق میں اسکا حکم بعینہٖ ان دخلت الدار فانت طالق ثلاثاً کے حکم میں ہوگا یعنی بعد وجود شرط کے تین طلاق واقع ہونگی کما لایخفٰی (وجہ ثانی) یہ ہے کہ قاعدۂ مسلمہ فقہیہ ہے الطلاق یقع بعدد قرن بہ لا بہ نفسہ اور ولا بد من کون العدد متصلاً بالایقاع۔ درمختار مع رد المحتار ج ۲ ص ۴۹۴ مصری، بحر الرائق مصری ج ۳ ص ۳۱۵، اور صورت مرقومہ میں ایقاع کے لفظ (یعنی طلاق ہوئے) کیساتھ ۳ کا عدد متصل ہے نہ ۱۔ اور ۲۔ پس ۳ ہی موثر ہوگا نہ ۱۔ اور ۲۔ پس طلاق ثلاثہ مغلظ واقع ہوگی۔ سوال۔ ۱۔ اور ۲ کے عدد سے ۱۔ طلاق۔ ۲ طلاق مراد ہے پس ۱۔ اور ۲ بھی متصل بالطلاق ہے جواب فقہ کا متفق قاعدہ ہے الوقوع بلفظہ لا بقصدہ درمختار۔ ۱۔ اور ۲ کیساتھ جب طلاق ملفوظ نہیں مراد اور مقصود ہونے سے وقوع طلاق میں ہرگز موثر نہیں ہوگا۔ انتہی۔ اب معروض خدمت اقدس ہے کہ کس فریق کا حکم صحیح اور نافذ ہے با دلائل تحریر فرما کر بندگان خدا کو ورطۂ ہلاکت سے نجات دیویں! جزاکم اللہ تعالیٰ خیراً۔

الجواب: فریق ثانی کا جواب صحیح ہے یعنی صورت مسئولہ میں طلاق ثلثہ کی تعلیق ہوئی تھی اور وجود شرط کیوقت ہر سہ طلاق مجموعۃً واقع ہوگئیں اور فریق اول نے جو قاعدہ نقل کیا ہے وہ صحیح تو ہے لیکن اسمیں کلام ہے کہ صورت مسئولہ میں جو الفاظ تحریر کئے گئے ہیں وہ تفریق طلاق پر دال ہیں یا نہیں اور اُردو کے الفاظ کو عربی پر قیاس کرنا صحیح نہیں ہے کیونکہ دونوں کا محاورہ عدد معدود کے استعمال میں مختلف ہے اور اُردو فارسی کا محاورہ اس باب میں متحد ہے اسلئے فارسی پر قیاس کیا جاویگا اور فارسی کے جزئیہ کا حکم خلاصۃ الفتاوی ص۸ ج ۲ میں صریح موجود ہے قال وکذا لو قال اگر فلانہ بری کنم ازمن بیک طلاق و دو طلاق و سہ طلاق فتزوجہا تطلق واحدۃ ولو قال بیکی و دوو سہ طلاق ثم تزوجہا یقع الثلاث وتمام ہذا فی خزانۃ الواقعات اھ اور جب صریح جزئیہ موجود ہے تو قواعد میں غور کرنیکی حاجت نہیں

اسلئے فریق ثانی کے ادلہ کے متعلق کچھ لکھنے کی ضرورت نہیں سمجھی[عہ] فقط

تنبیہ : سوال سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ واقعہ میں وقوع طلاق کا حکم اس بناء پر کیا گیا ہے اس شخص نے اولیاء زوجہ سے اجازت نہیں لی اس سے معلوم ہوتا ہے کہ اگر وہ اولیاء زوجہ سے اجازت لے لیتا تو طلاق واقع نہ سمجھی جاتی اور یہ صحیح نہیں اسلئے لکھا جاتا ہے کہ کابین نامہ میں طلاق کے متعلق جملہ ختم کرنیکے بعد جو کلام مستانف لکھا ہے کہ اگر اتفاقاً دوسرے نکاح کی ضرورت ہوتی تو الخ یہ جملہ طلاق کی قید نہیں بلکہ کلام مستقل ہے اور جملہ تعلیقہ میں صرف تا حیات عورت کیساتھ طلاق اُخری کو معلق کیا ہے پس اگر اولیاء سے بھی اجازت لیکر نکاح ہوتا تب بھی وقوع کا حکم کیا جاتا اور اب جب تک زوجہ اولی حیات ہے اسوقت تک کوئی نکاح کریگا تو منکوحہ جدیدہ پر تین طلاق واقع ہو جاوینگی اگرچہ وہ نکاح زوجہ اور اولیاء زوجہ کی رضامندی ہی سے ہو بلکہ اس عورت موجودہ کو جس کیلئے یہ کابین نامہ مذکورہ لکھا ہے یہ شخص اگر طلاق دیدے تب بھی عورت موجودہ کی حیات میں دوسری عورت سے نکاح کرنے پر طلاق مغلظہ ہو جاویگی البتہ جس عورت پر طلاق ہو چکی ہے اُس سے عورت مذکورہ کی حیات میں بھی بعد زوج ثانی مع شرائط معلومہ نکاح کیا جاوے تو وقوع طلاق کا حکم نہ کیا جاویگا قال فی تنویر الابصار و الفاظ الشرط (ان و اذا و اذاما وکل و کلما ومتیٰ ومتیٰ ما وفیہا) کلہا (تنحل الیمین اذا وجد الشرط مرۃً الا فی کلما الخ) (شامی صـ۸۲ ج۲)۔

اور صورت مسئولہ میں اگر کروں یا رکھوں تو وہ عورتیں الخ مشتمل ہے کلمہ ان پر لفظاً اور کلمہ کل پر تقدیراً۔ پس اس قول کی عموم انکحہ پر دلالت نہو گی فقط عموم منکوحات پر دلالت ہو گی کہ پہلی مرتبہ ہر عورت سے نکاح موجب طلاق ہو گا قال الشامی تحت (قولہ وکذا کل امرأۃ الخ) ای اذا قال کل امرأۃٍ اتزوجہا طالق والحیلۃ فیہ ما فی البحر من انہ یزوجہ[عہ] فضولی ویجیز بالفعل کسوق الواجب الیہا او یتزوجہا بعد ما وقع الطلاق علیہا لان کلمۃ کل لا تقتضی التکرار اھ (صـ۸۱۳ ج۲)

کتبہ الاحقر عبد الکریم عفی عنہ تھانہ بھون۔ الجواب صحیح ظفر احمد عفا عنہ ۲۳ ج ۲ سنہ ۵۴ھ ماشاء اللہ (از حضرت مولنا مد ظلہم)

عہ چونکہ دلائل مسطورہ میں کلام ہے جسکے واسطے بسط کی ضرورت ہے اسواسطے اس مختصر پر کفایت کی بلا ضرورت تطویل نہیں کیگئی ۱۲ منہ

عہ صورت مسئولہ میں تزویج فضولی کی بحث شامی میں دیکھی جاوے قبیل فصل المشیئۃ باب النذر ۱۲ منہ

ارتداد سے یمین باطل ہو جاتی ہے تعلیق باطل نہیں ہوتی

سوال کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین مسائل ذیل میں جوابات مشرح ارصاف ہوں صحیح حالات حسب ذیل ہیں۔

سوال اول: زید حنفی نے اپنی حالت بلوغ میں کہ ابھی اسکی شادی نکاح نہیں ہوئی تھی اس سے قبل ہی کسی صاحب کے کہنے پر اسطرح پر حلف کیا کہ اگر میں آئندہ فلاں فعل حرام شرعی کا مرتکب ہوں تو میری بیوی پر طلاق اور جب کبھی میں نکاح کروں میری بیوی پر طلاق اور انشاء اللہ وغیرہ کچھ نہیں کہا دو تین دن کے بعد اسے معلوم ہوا کہ انشاء اللہ کہنے سے یہ تعلیق طلاق کیلئے مفید نہیں رہتی لیکن انشاء اللہ حنفی مذہب کے مطابق متصل ہونا چاہیئے تاہم اگر منفصلاً یعنی اب بھی اس نیت سے انشاء اللہ کہہ لیا جائے تو امام شافعی کے مسلک کے مطابق جائز ہےعہ بہرحال زید نے انشاء اللہ کہہ لیا اور عرصہ تک اپنے حلف پر قائم رہا پھر بدقسمتی سے نکاح سے قبل ہی اس فعل حرام شرعی کا مرتکب ہو گیا جس پر حلف کیا تھا اور زید کو اپنے حانث ہونیکا یقین کامل ہو گیا کہ اب میں تمام عمر شادی نہیں کر سکتا اگرچہ شافعی کے مذہب کے مطابق وہ جواز سمجھتا تھا مگر حنفی ہونے کے ساتھ یہ گوارا نہ ہوا کہ محض نفس کے لئے مذہب راجح کو ترک کرے بہت پریشان ہوا اور بالقصد کلمۂ کفر زبان سے نکالکر بالقصد مرتد ہو گیا تاکہ عقود اسلامی سے چھوٹ جائے اور کوئی ذمہ داری نہ رہے پھر تجدید کلمہ کر کے مسلمان ہو گیا اب اس کا یہ خیال ہے کہ اس حیلۂ ارتداد کی وجہ سے وہ تعلیق مفقود ہو گئی اور میں نکاح کر سکتا ہوں جواب عنایت ہو کہ اسکو نکاح کرنا جائز ہے یا نہیں اور پھر اسکا نکاح باقی رہے گا یا نہیں؟ صاف مشرح ارشاد ہو۔

عبدالرحمٰن از حیدرآباد دکن

الجواب وهو الموفق للصواب: فی الدر المختار (وهو) ای الکفر (یبطلها) اذا عرض بعدها (فلو حلف مسلما ثم ارتد) والعیاذ باللّٰه تعالیٰ (ثم اسلم ثم حنث فلا کفارة) اصلا لما تقرر ان الاوصاف الراجعة للمحل یستوی فیها الابتداء والبقاء وقال الشامی تحت قوله (لما تقرر) علة لکون الکفر العارض مبطلا للیمین کالکفر الاصلی (ص۹۵ ج ۳) وقال ایضا (ص۶۹) تحت قوله (وشرطها الاسلام) واعلم ان اشتراط الاسلام انما یناسب

عہ کہاں لکھا ہے ۱۲ اشرف علی

الیمین باللہ تعالیٰ والیمین بالقرب نحو ان فعلت کذا فعلی صلاۃ واما الیمین بغیر تقرب نحو ان فعلت کذا فانت طالق فلا یشترط له الاسلام کما لا یخفی اھ روایت اولیٰ سے معلوم ہوا کہ ارتداد سے یمین باطل ہونیکی وجہ یہ ہے کہ کفر منافی یمین ہے اور روایت ثانیہ سے معلوم ہوا کہ کفر منافی تعلیق نہیں پس جب تعلیق کیلئے اسلام شرط نہیں ہے تو ارتداد سے تعلیق باطل نہیں ہوتی پس ارتداد سے اعمال اسلام کا بطلان وغیرہ بیحد نقصان وخسارہ حاصل ہوا اور جو نفع اپنی غلطی سے سوچکر اسقدر جرم عظیم کا ارتکاب کیا وہ حاصل بھی نہ ہوا۔

اور اب بھی وہی صورت اختیار کرنی پڑیگی جو ارتداد سے قبل ہوسکتی تھی بڑے افسوس کی بات ہے کہ اس وقت دریافت نہ کیا اور معصیت سے بچنے کے واسطے راس المعاصی کو ترجیح دی جو بعید از قیاس ہے اللہ تعالیٰ ایسی کجی اور اغوائے شیطانی ونفسانی سے پناہ میں رکھے (آمین ثم آمین)۔

اب حنفی مذہب کے مطابق حسب تصریحات فقہاء اس شخص کے واسطے نکاح کی ایک سبیل ہے وہ یہ کہ کوئی فضولی اسکا نکاح کردے اور یہ اس نکاح فضولی کو قولاً قبول نہ کرے بلکہ فعلاً قبول کرنا ظاہر کرے مثلاً کل یا بعض مہر ادا کردے اسطرح نکاح بھی صحیح ہوجائیگا اور اس عورت پر طلاق بھی واقع نہ ہوگی۔

تنبیہ : فضولی اسکو کہتے ہیں جو اپنی طرف سے بطور خود بغیر وکالت وولایت کسی دوسرے کا نکاح کردے پس اگر یہ شخص کسی کو یوں کہے کہ تم فضولی ہوکر میرا نکاح کردو تو اسکے کہنے سے وہ وکیل بن جائے گا فضولی نہ رہے گا اور مقصود حاصل نہ ہوگا اس واسطے کسی سے فضولی بننے کی درخواست نہ کرے بلکہ دو تین آدمیوں کے سامنے یوں کہے کہ مجھے اس کی ضرورت ہے کہ کوئی فضولی میرا نکاح کردے پھر اُن میں سے کوئی شخص بطور خود اسکی طرف سے ایجاب یا قبول کرلے کما فی الشامی عن البحر وینبغی ان یجئ الی عالم ویقول له ما حلف واحتیاجه الی نکاح الفضولی فیزوجه العالم امرأۃ ویجیز بالفعل فلا یحنث وکذا اذا قال لجماعة لی حاجة الی نکاح الفضولی فزوجه واحد منهم اما اذا قال لرجل اعقد لی عقد فضولی یکون توکیلا اھ (ص۸۱۶ ج۲) فقط واللہ اعلم

تعلیق طلاق کا ایک مسئلہ

(سوال) عبدالرحمٰن اور اسکی بیوی ہاجرہ میں باہمی منازعت

تھی اسیوجہ سے ہاجرہ اپنے ماموں کے گھر مقیم تھی ماموں اس کو خاوند کے سپرد کرنے سے (تا آنکہ وہ کافی اطمینان اسکے ساتھ حسن معاشرت کا نہ دلائے) مانع وحارج تھا عبدالرحمٰن ایک مرتبہ ہاجرہ کو لینے کیلئے ماموں کے گھر آیا اور اطمینان کیلئے یہ تحریر لکھدی الفاظ تحریر بعینہا یہ ہیں۔

میں کہ عبدالرحمٰن پسر حاجی عبدالکریم مرحوم قوم شیخ ساکن گڑھی پختہ ضلع مظفر نگر کا ہوں جو کہ میری زوجہ ہاجرہ خاتون اپنے حقیقی ماموں مسمی عبدالحکیم کے یہاں ہے میں اسکو اپنے یہاں اس شرط پر لیجانا چاہتا ہوں کہ جس وقت اُسکے ماموں مسمی عبدالحکیم اسکے بلانے کا نوٹس مجھکو دینگے میں اندر میعاد ایک ماہ کے اپنی زوجہ کو اسکے ماموں کے مکان پر پہونچادونگا اور انکار نہ کرونگا اور اگر اس صورت میں نہ بھیجوں اور بھیجنے سے انکار کروں تو اس انکار سے میری زوجہ کو طلاق بائن واقع ہوجائیگی۔

اس تحریر کے لکھنے پر ہاجرہ کا ماموں اُس کو عبدالرحمٰن کے ساتھ بھیجنے پر آمادہ ہوگیا مگر چونکہ زیور یہاں موجود نہ تھا بلکہ دہرہ دون کسی کے پاس رکھا ہوا تھا اسلئے زیور کے انتظار میں بتراضی طرفین اس وقت ہاجرہ کو نہیں بھیجا گیا اور خاوند بخوشی اس کو چھوڑ کر گڑھی چلا گیا چار پانچ روز کے بعد پھر آیا اس وقت بھی زیور دہرہ دون سے نہ آیا تھا۔ شوہر پھر زیور کی انتظار کیوجہ سے چھوڑ کر چلا گیا اس دفعہ ماموں کے دل میں کچھ شبہات پیدا ہوگئے پھر تیسری دفعہ شوہر آیا تو ماموں نے اس سے اپنے شبہات پیش کئے اُسپر عبدالرحمٰن نے مزید اطمینان کیلئے زبانی یہ الفاظ کہے: ”اگر میری طرف سے بدگمانی ہے کسی قسم کی مار پیٹ کروں تو زبانی الفاظ سے تم لوگوں کو اطمینان کر دیتا ہوں وہ یہ کہ اگر میں ماروں تو میری طرف سے جواب ہے۔ یہ جملے کہتے وقت فوراً ہی یہ کہا کہ میں نے ان الفاظ سے نیت طلاق کی نہیں کی“۔

ماموں نے ان الفاظ کو لکھوانا چاہا خاوند نے لکھنے سے انکار کیا اور اسپر تنازع بڑھ گیا اور عبدالرحمٰن نے کہا کہ بھیجو نہ بھیجو تم کو اختیار ہے میں لکھوں گا نہیں اور پھر یہ کہا کہ ”وہ میری تحریر ۷ر فروری ۱۹۲۹ء کی جو تمنے لکھائی تھی وہ میں نے اسی روز کیلئے لکھی تھی آج سے وہ میری تحریر کالعدم ہوگئی کیونکہ اس روز میرے ساتھ نہیں بھیجا الخ“ اس کے بعد خاوند نے بلانے کا نوٹس دیا تو بعض مصالح کی بناپر یہ تجویز کیا گیا کہ لڑکی نوٹس کا جواب خود دے اور یہ لکھے کہ میں تیار ہوں تم آکر لیجاؤ چنانچہ خود آکر لیگیا۔ اور وہاں جاکر لڑکی پر تشدد کیا۔ مار پیٹ بھی ہوئی۔ ماموں نے بلانے کا نوٹس دیا تو بھیجا نہیں

پھر خود لینے کیلئے گیا اس وقت بھی نہیں بھیجا۔ اسپر ماموں نے یہ سمجھکر کہ ایک ماہ تک نہ بھیجنے کی وجہ سے طلاق پڑ گئی ہے۔ خفیہ لڑکی کو اُس کے گھر سے نکال کر ہمراہ لے آیا اب سوال یہ ہے کہ طلاق واقع ہوئی یا نہیں؟

جواب اول از دیوبند:

بحث وتفتیش کے بعد سوال میں یہ جزو قابل غور رہ گیا ہے کہ عبد الرحمٰن کی پہلی تحریر جسمیں انکار کو طلاق قرار دیا ہے وہ کس چیز پر معلق ہے آیا ماموں کی عدم ممانعت پر یا اپنے فعل یعنی لیجانے پر کیونکہ عبارت تحریر بغیر اسکے کہ بطور اقتضاء النص کے کوئی عبارت مقدر مانی جلئے درست نہیں ہوسکتی اور تقدیر عبارت دو احتمال ہیں۔

(۱) اول یہ کہ میں اس شرط پر لیجانا چاہتا ہوں کہ اگر اسکا ماموں بھیجنے میں حارج ومانع نہو تو پھر جب وہ بلائیگا میں بھیجنے سے انکار نہ کروں گا تو یہ انکار طلاق بائن ہوگا۔

(۲) دوسرے یہ کہ میں اس شرط پر لیجانا چاہتا ہوں کہ اگر میں اس کو لے گیا تو جب ماموں بلائیگا تو بھیجنے سے انکار نہ کرونگا الخ

الغرض یہ تعلیق کسی فعل مقدر پر ہے یا ماموں کے فعل بھیجنے اور عدم ممانعت پر اور یا اپنے فعل یعنی لیجانے پر۔

پہلی صورت میں وقوع طلاق ظاہر ہے کیونکہ ماموں اسکے بھیجنے سے اسوقت حارج ومانع نہیں ہوا لہذا تحقق شرط کیوجہ سے یہ تحریری تعلیق منعقد رہی اور جب خاوند نے ماموں کے بلانے پر بھیجنے سے انکار کیا تو طلاق واقع ہوگئی۔

اور دوسری صورت میں عدم وقوع طلاق متعین ہے کیونکہ لیجانے کا تحقق اسوقت نہیں ہوا اب مدار بحث ان دونوں احتمالوں میں سے ایک کی تعیین پر ہے جسکے لئے کوئی حتمی چیز تو خیال میں نہیں آتی۔ البتہ قرائن احتمال اول کیلئے زیادہ معلوم ہوتے ہیں، واللہ اعلم۔

قرینۂ اولی یہ ہے کہ گفتگو اور بحث ابتداء سے خاوند کے فعل یعنی لیجانے میں نہ تھی بلکہ ماموں کے فعل یعنی ارسال وعدم ممانعت میں کلام تھا

قرینۂ ثانیہ تحریر لکھنے کا منشاء کوئی ابتداء کی تعلیق نہ تھی کہ اپنے فعل پر

معلق کیا جاتا بلکہ ماموں کا اطمینان دلانا مقصود تھا اسکی عدم ممانعت کے صلہ میں یہ تعلیق بطور اطمینان دلانے کے کیگئی ہے۔

قرینہ ثالثہ خاوند نے اپنی آخری گفتگو میں خود یہ الفاظ کہے ہیں کہ:

وہ میری تحریر کالعدم ہو گئی کیونکہ اس روز میرے ساتھ نہیں بھیجا اس میں تصریح ہے کہ وہ اس تحریر کو اسلئے کالعدم کہتا ہے کہ بزعم خود ماموں نے نہیں بھیجا اپنے نہ لیجانے کو حجت میں پیش نہیں کرتا بلکہ ماموں کے نہ بھیجنے کو سبب سقوط تعلیق قرار دیتا ہے

یہ قرائن احتمال اول کے موید ہیں جن سے وقوع طلاق مستفاد ہوتا ہے اور احتمال ثانی کا قرینہ صرف یہ ہے کہ اس نے اپنے الفاظ میں یہ کہا ہے۔ کہ میں اس شرط پر لیجانا چاہتا ہوں جسمیں لیجانے کا تذکرہ ھے بھیجنے کا نہیں۔

پھر احتمال اول پر تو خواہ تعلیق کو یمین موید قرار دیا جائے یا موافقت بالمرۃ الاولی بہر دو صورت طلاق واقع ہو گی کیونکہ عدم ممانعت اول مرتبہ متحقق ہو چکی۔ اور احتمال ثانی پر موبد ہونیکی صورت میں طلاق ہو گی کیونکہ بآخر لیجانا متحقق ہو گیا جو شرط تعلیق تھا ولو بعد حین۔ اور موقت بالمرۃ الاولی ہونیکی صورت میں طلاق نہ ہو گی کیونکہ مرۃ اولی میں لیجانا متحقق نہیں ہوا باقی درمیانی گفتگو جسمیں یہ لفظ کہے تھے کہ اگر میں ماروں تو میری طرف سے جواب ہے، یہ زائد سے زائد کنایہ طلاق ہو سکتا ہے مگر خاوند نیت طلاق کا انکار کرتا ہے اگر وہ اس پر حلف کرے تو ان لفظوں سے کوئی طلاق نہ پڑے گی اس لئے اس سے تعرض جواب میں نہیں کیا گیا، واللہ اعلم۔ بندہ محمد شفیع دیوبندی

جواب دوم از تھانہ بھون:

احقر کے فہم ناقص میں یہ آتا ہے کہ صورت مسؤلہ میں گو لفظاً یمین موبدہ[عہ] ہے ولیکن عرفاً قرینۂ مقالیہ کے باعث یہ یمین مقید ہے اسی سلسلہ گفتگو میں لیجانے کیساتھ یعنی اگر میں اس سلسلہ میں لیگیا اور ماموں کے بلانے پر نہ بھیجا تو طلاق واقع ہو گی اور اگر اس سلسلہ میں نہ لیگیا تو اس صورت میں تعلیق نہیں ہے ونظیرہ ما فی الھدایہ وغیرہ من انہ اذا استحلف الوالی رجلا لیعلمنہ بکل داعر

[عہ] الا طلاق ۱۲ منہ

دخل البلد فهذا علی حال و لابته خاصة اور اسیطرح زبانی تعلیق یعنی اگر ماروں تو جواب ہے وہ بھی مقید ہے اسی وقت[عه] لیجانے کیساتھ لدلالة الحال علیه عرفاً اور اس وقت[سه] لیجانا متحقق نہیں ہوا لہذا دوسرے موقع پر لیجانے سے خاوند کے ذمہ اس تعلیق کی پابندی ضروری نہ تھی اور عدم پابندی سے طلاق واقع نہ ہوگی خواہ اس نہ لیجانے کا باعث ماموں ہوا ہو یا نہ ہوا ہو بہر حال نہ لیجانے سے یمین باطل ہوگئی اور نہ مفتی صاحب نے جو تحریر فرمایا ہے کہ نہ لیجانے پر آئندہ تعلیق نہیں بلکہ نہ بھیجنے پر ہے اور ماموں نے بھیجنے سے انکار نہیں کیا اسلئے تعلیق باقی رہی اور نہ بھیجنا اقتضاءً معلوم ہوتا ہے اسمیں احقر کو یہ اشکال[له] ہے کہ اقتضاءً کوئی دوسرا لفظ نکالا جاتا ہے جبکہ اس کے بدون کلام صحیح نہ ہو اور یہاں کلام بالکل صحیح ہے کیونکہ لیجانے پر تعلیق کرنا بالکل صحیح ہے پس کسی قرینہ پر دوسرا لفظ نکالنے کی حاجت نہیں خواہ قصہ کچھ ہی تھا مگر اس نے تعلیق کو مشروط کیا ہے لیجانے کیساتھ اور جو لفظ اس نے نہیں کہے وہ بلا ضرورت اسکے ذمہ نہ لگائے جاوینگے اور اخیر میں اس نے جو کہا کہ تم نے بھیجا نہیں اس سے وہ اپنے نہ لیجانے کی وجہ بیان کر رہا ہے اسمیں یہ اقرار نہیں ہے کہ تمہارے بھیجنے پر مینے تعلیق کو معلق کیا تھا۔ واللہ اعلم بالصواب۔

کتبہ الاحقر عبد الکریم عفی عنہ
خانقاہ امدادیہ تھانہ بھون۔

جواب سوم از سہارنپور:

حامداً و مصلیاً۔ اولاً جواب لکھا جاتا ہے اسکے بعد دوسرے جوابات کے متعلق عرض کیا جائیگا تحریر طلاق نامہ کے موافق اگر عبد الرحمٰن نے نوٹس کے بعد ایک ماہ کے اندر اپنی زوجہ کو اس کے ماموں کے یہاں نہیں بھیجا اور انکار کر دیا تو اس کی زوجہ پر ایک طلاق بائن واقع ہوگئی اور اگر ایک ماہ کے اندر اُس نے اُسکے بھیجنے سے انکار نہیں کیا بلکہ

[عه] یعنی اسی سلسلہ میں ۱۲ منہ

[سه] یعنی اس سلسلہ میں جانا نہیں ہوا بلکہ اس کو ماموں نے منقطع کر دیا اور بھیجنے سے صریح انکار کر دیا ۱۲ منہ

[له] اشکال سے قطع نظر کر کے اگر بھیجنے کو معلق علیہ کہا جاوے تب ہی اس پورے سلسلہ میں حارج نہ ہونا مشروط ہوگا اور جب اخیر میں حارج ہوگیا تو شرط فوت ہوگئی ۱۲ منہ

وہ خود نہیں آئی یا اسکو کوئی لینے نہیں گیا تو طلاق واقع نہیں کیونکہ زوج نے جو طلاق نامہ میں یہ الفاظ لکھے ہیں کہ "اپنی زوجہ کو اس کے ماموں کے مکان پر پھونچا دونگا اور انکار نہ کرونگا"، یہ محض وعدہ ہے جو تعلیق سے خارج ہے تعلیق اس کلام کے بعد ہے۔

اور جو الفاظ اس نے زبانی کہے ہیں کہ "اگر میں ماروں تو میری طرف سے جواب ہے"، یہ کنایات طلاق سے ہیں اسکے متعلق اس نے یہ بیان کیا کہ اس سے میری نیت طلاق کی نہیں تھی اسمیں محض اسکا قول معتبر نہیں ہاں اگر وہ حلیفہ بیان کرے کہ اس سے میری نیت طلاق کی نہیں تھی تو اسکا قول معتبر ہے والقول لہ بیمینہ فی عدم النیۃ ویکفی تحلیفھا لہ فی منزلہ فان ابی رفعتہ للحاکم فان نکل فرق بینھما در برشامی ج ۲ ص ۶۴۷

اور مولانا محمد شفیع صاحب نے جو معلق علیہ میں تشقیق فرمائی ہے احقر کے خیال ناقص میں اسکی ضرورت نہیں اور مفتی ثانی کی رائے اس کے متعلق درست معلوم ہوتی ہے کیونکہ زوج خود اپنی تحریر میں لکھتا ہے کہ: اس شرط پر لیجانا چاہتا ہوں، لہذا اسکی تصریح کے ہوتے ہوئے احتمال آخر کی ضرورت نہیں باقی اس تعلیق کو یمین مقید قرار دینا صحیح نہیں معلوم ہوتا اسوجہ سے کہ زوج کا اس وقت نہ لیجانا اور بعد میں تین بار آنا اور تیسری مرتبہ میں یہ الفاظ کہنے کہ "آج سے وہ میری تحریر کالعدم ہوگئی" یمین مقید ہونیکے[1] صریح مخالف ہے اور مفتی ثانی نے جس قرینہ مقالیہ کیوجہ سے اسکو مقید قرار دیا ہے وہ اتنا صریح نہیں نیز اسکی مفتی صاحب نے جواب میں تعیین ہی نہیں فرمائی اسلئے یمین مقید قرار دینا قطعاً صحیح معلوم نہیں ہوتا، فقط واللہ اعلم بالصواب۔

حررہ سعید احمد مدرس مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور ۱۳ر شوال سنہ ۵۰ھ

الجواب صحیح عبد اللطیف مدرسہ مظاہر علوم ۱۰ر ذیقعدہ سنہ ۵۰ھ

احقر کے نزدیک یہ جواب اقرب (الی ظاہر الفاظ السوال) معلوم ہوتا ہے۔

بندہ عبد الرحمٰن غفرلہٗ

خلاصۂ جوابات

(۱) جواب دیوبند کا یہ حاصل ہے کہ ایک طلاق بائن واقع ہو چکی ہے کیونکہ

---

[1] یہ تو جب ہوتا جبکہ مقید کہا جاتا اول روز کیساتھ اور سلسلہ گفتگو کیساتھ مقید کیا گیا اور گفتگو کا سلسلہ ہنوز چل رہا تھا تو دوبارہ سہ بارہ آنا خلاف کیسے ہوا ۱۲ عبد الکریم عفی عنہ

گفتگو بھیجنے پر ہو رہی تھی اسواسطے تقدیر کلام کی یوں ہوگی کہ اگر اسکا ماموں بھیجنے میں (اسوقت) حارج نہ ہو تو پھر جب وہ بلاویگا میں بھیجدونگا اور اگر ایک ماہ تک نہ بھیجوں تو طلاق بائن واقع ہو جاویگا اور ماموں اسوقت بھیجنے میں حارج ہوا نہیں بلکہ زیور کی وجہ سے بتراضی طرفین بھیجنے میں تاخیر ہوئی ہے۔

(۲) اور احقر کے خیال ناقص میں خط کشیدہ تقدیر کی ضرورت نہیں بلکہ صریح لفظ جو اس نے شروع کلام میں استعمال کئے ہیں وہی مقدر مانے جائیں گے تقدیر یوں ہوگی کہ اگر میں اسوقت لیگیا یعنی اس سلسلہ میں تو پھر جب اُسکا ماموں بلادیگا الخ اور اس وقت وہ لیکر نہیں گیا بلکہ ماموں نے انکار کردیا اور انکار سے وہ سلسلہ گفتگوئے صلح کا منقطع ہوگیا اسلئے دوسرے موقع پر لیجانے کے بعد ماموں کے بلانے سے بھیجدینا لازم نہ تھا لہذا اس نہ بھیجنے سے طلاق نہیں ہوئی۔

(۳) جواب سہارنپور کا حاصل یہ ہے کہ تقدیر تو وہی صحیح ہے جو ۲ میں لکھی ہے لیکن اس وقت کیساتھ لیجانے کی قید مسلم نہیں بلکہ جب کبھی بھی لے گیا ہو بہرحال خاوند کے ذمہ لازم تھا کہ ماموں کے بلانے پر ایک ماہ کے اندر بھیجدیتا چونکہ اس نے بھیجا نہیں اس واسطے طلاق واقع ہوگئی۔

اختلاف کا منشا یہ ہے کہ جواب ۲ میں تعلیق کیلئے دو شرطیں قرار دیگئی ہیں اول لیجانا دوسرے اس وقت لیجانا مجیب اول کو اسی وقت کی قید تو تسلیم ہے مگر بجائے لیجانے کے بھیجنے میں حارج نہ ہونا قید لگاتے ہیں اور مجیب ثالث کو اسی وقت کی قید میں کلام ہے اور لیجانے کو تسلیم کرتے ہیں اور جواب ۲ میں جو ہردو قید ملحوظ رکھی ہیں اسکی وجہ یہ ہے کہ خاوند کے یہ لفظ لکھے کہ میں اسکو اپنے ہاں اس شرط پر لیجانا چاہتا ہوں الخ اس سے بوجہ صیغہ حال کے و نیز عرف کے اسی وقت یعنی اسی گفتگو کے دوران میں لیجانے کی شرط ظاہر ہے، فقط واللہ اعلم۔

یہ خلاصہ مع اصل اجوبہ حضرت مولانا مدظلہم العالی کی خدمت میں پیش کیا گیا حضرت والا نے ملاحظہ فرما کر مولوی حبیب احمد صاحب کو بھی بلایا اور احقر کو بھی اور بعد گفتگو کے یہ طے فرمایا کہ طلاق واقع نہیں ہوئی یعنی جواب دوم کو صحیح فرمایا اور جواب دوم پر حاشیہ عہ وعہ مولوی حبیب احمد صاحب نے

وضاحت کیلئے اور حاشیہ سے حضرت والا نے تائید کے واسطے لکھوایا فقط والسلام

احقر عبد الکریم گمتھلوی عفی عنہ

مورخہ ۲۳ ذیقعدہ سنہ ۵۰ھ

سسر نے داماد سے اس تحریر پر کہ تو میرے حکم اور مرضی کے بغیر گھر سے نکلیگا الخ الیٰ قولہ تو میری لڑکی کو تین طلاقیں ہوجائیگی الخ دستخط کرائے پھر شوہر اسکے مظالم سے تنگ آکر بغیر اجازت کے نکل گیا تو اسکی بیوی پر طلاق واقع ہوگی یا نہیں۔

(سوال) کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین اس ذیل کے مسئلہ میں کہ ساؤتھ افریقہ میں ایک شخص نے ایک عورت سے نکاح کیا اسکی رضا اور خوشی سے اور پھر عورت کے ساتھ عورت کے باپ کے گھر رہنے لگا اور بعد چند مدت کے عورت کے باپ کے ساتھ جھگڑا ہوا اور گھر سے نکل کر کوئی دوسری جگہ پر اکیلا رہنے لگا اور بعد چند مدت کے وہ مرد پھر عورت کے باپ کے گھر رہنے کیلئے آیا تب اُس عورت کے باپ نے اس قسم سے ایک کاغذ لکھکر اسپر اس مرد کے دستخط کروائے کہ اگر ایکے تو میرے حکم اور مرضی کے بغیر میرے گھر سے نکلیگا اور میرے حکم اور مرضی کے بغیر کوئی کام کریگا یا کسی جگہ پر نوکری کریگا تو مری لڑکی کو تین طلاقیں ہوجائینگی اور اب اس مرد پر عورت کے باپ نے بہت ظلم کیا اور تکلیف دی تو وہ مرد بدون عورت کے باپ کے حکم اور مرضی کے گھر سے نکل کر دوسری جگہ پر اکیلا رہنے لگا اور نوکری کرنے لگا تو اب ایسی صورت میں عورت اس مرد کے نکاح میں رہ سکتی ہے یا نہیں اور اگر نہیں تو اسکی کیا دلیل ہے اور اگر رہ سکتی ہو تو اب کیا کرے؟ بینوا توجروا۔

الجواب: صورت مسئولہ میں اُس عورت پر تین طلاق واقع ہوچکیں خسر نے اس شخص پر جو ظلم کیا ہے اس کا گناہ خسر کے ذمہ رہیگا مگر اس ظلم کیوجہ سے جانیکا حکم طلاق کے بارے میں وہی رہیگا جو بلا ظلم جانے سے ہوتا کما ھو مصرح فی کتب الفقہ و نقل فی الفتاوی الہندیہ عن الخلاصۃ وقوع الطلاق وفی آخرہ لان الاتیان مکرھًا او ناسیًا او عامدًا سواء فی تحقق الحنث فقط

واللہ اعلم

کتبہ الاحقر عبد الکریم عفی عنہ از خانقاہ امدادیہ تھانہ بھون

مورخہ ۳۰ ربیع الاول ۵۱ھ

نکاح سے قبل کابین نامہ میں لکھدیا کہ ہمارے تمہارے درمیان نکاح قائم رہتے ہوئے اگر ہم بلا اجازت تمہاری دوسری عورت کے ساتھ نکاح کریں تو اسکو طلاق ہے الخ پھر شوہر بلا اجازت زوجہ اولیٰ کی موجودگی میں دوسرا نکاح کرلے تو زوجۂ پر طلاق واقع ہوگی یا نہیں۔

(سوال) مخدوم ومحترم دامت برکاتکم
السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ

التماس ہے کہ ان دنوں ہمارے اطراف میں ایک مسئلہ میں علماؤں کا اختلاف ہورہا ہے واقعہ ہے کہ ملک بنگال میں گورنمنٹ کی طرف سے قاعدہ مقرر ہے کہ نکاح وطلاق دونوں کی رجسٹری ہوتی ہے یعنی زوج اپنی زوجہ کو ایک کابین نامہ لکھ کر دیتا ہے اسی کی رجسٹری ہوتی ہے اور اُسمیں یعنی کابین نامہ میں بہت سی شرطیں ہوتی ہیں جسکے آخر میں وہ لکھتا ہے کہ اگر میں ان تمام شرطوں میں سے کسی ایک شرط کے بھی خلاف کروں تو میری زوجہ کو اختیار رہے کہ وہ اپنے نفس کو طلاق دیکر آزاد ہو جائے مجھے کوئی عذر نہیں ہوگا، فی الحال ایک نکاح ہوا ہے اور محفل عقد میں قبل نکاح ہونیکے زوج نے اولیائے مخطوبہ سے زبانی اقرار کیا اور کابین نامہ بھی لکھ کر دیا اُس میں منجملہ تمام شرائطوں کے ایک شرط یہ بھی ہے کہ ہمارے تمہارے درمیان نکاح قائم رہتے ہوئے اگر ہم بلا اجازت تمہاری دوسری عورت کیساتھ نکاح کریں تو اس کو طلاق ہے۔ بعد اس اقرار کے عقد پڑھایا گیا۔ نکاح ہونے کے کچھ دن بعد اُس نے ایک دوسری عورت سے نکاح کیا اور زوجہ اولیٰ سے اجازت بھی نہ لیا۔ اب علماء میں اختلاف پیدا ہوگیا۔ بعض زوجۂ ثانیہ کے مطلقہ ہونے کے قائل ہیں اور بعض نہیں۔ احقر نے بھی اپنی استعداد کے موافق تحقیق کی مگر تشفی نہیں ہوئی بلکہ اور بھی الجھن بڑھ گئی۔ لہذا رفع شک کیلئے مکلف ہے امید کہ اس تصدیع معاف فرماوینگے اور جواب شافی عنایت فرماویں گے

فتاوی عالمگیری میں لکھتے ہیں۔ رجل قال لاجنبیۃ ما دمت فی نکاحی فکل امرأۃ اتزوجھا فھی طالق ثم تزوجھا فتزوج علیھا امرأۃ لایقع۔ اس سے معلوم ہوا کہ وقت تعلیق معلق بہ کا موجود ہونا شرط ہے اور یہاں پر نکاح معلق بہ ہے وہ وقت تعلیق موجود نہیں لہذا زوجۂ ثانیہ مطلقہ نہیں ہوگی، اور قاضی خان میں ایک جگہ پر دیکھا رجل قال ان تزوجت امرأۃ من بنات فلان فھی طالق ولیس بفلان وقت الیمین بنت ثم جاءت لہ بنت فتزوجھا الحالف قالوا لا یحنث فی یمینہ ویشترط قیام البنت وقت الیمین ولا یدخل

فی الیمین ما یحدث بعد الیمین۔ اسکے بعد نظیر میں ایک مسئلہ اور بھی لائے ہیں اُسکے بعد لکھتے ہیں۔ الاان ھذا الجواب یوافق قول محمدؒ۔ اما فی قیاس قول ابی حنیفہؒ وابی یوسفؒ یدخل فی ھٰذہ الیمین ما کانت موجودۃ وقت الیمین وما یحدث بعدہ کما لوحلف ان لایکلم ابن فلان ولیس بفلان ابن ثم ولد لہ ابن وکلمہ الحالف یحنث فی قول ابی حنیفہ وابی یوسف رحمھم اللہ ولا یحنث فی قول محمدؒ اس عبارت سے معلوم ہوتا ہے کہ امام محمد صاحبؒ کے نزدیک وقت تعلیق معلق بہ کا ہونا ضروری ہے اور شیخین کے نزدیک ضروری نہیں، اب مسئلہ مستفسرہ میں امام محمدؒ کے قول سے تو زوجہ ثانیہ مطلقہ نہ ہوگی کیونکہ قبل نکاح یہ سب شرطیں ہوئی نہیں اور شیخین کے قول کیطرف نظر کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ زوجہ ثانیہ مطلقہ ہوجائیگی اگرچہ وقت تعلیق نکاح نہیں ہوا تھا مگر نکاح ثانی کیوقت زوجۂ اولی اسکے نکاح میں موجود ہے لہذا تعلیق صحیح ہوگی اور زوجۂ ثانیہ مطلقہ ہوگی۔

قاضی خان فصل فی رسم المفتی میں لکھتے ہیں۔ وان کانت مختلفا فیھا بین اصحابنا فان کان مع ابی حنیفۃ رحمھم اللہ احد صاحبیہ یاخذ بقولھما لوفور الشرائط واستجماع ادلۃ الصواب فیھا اس سے معلوم ہوتا ہے کہ شیخین کے قول کو اس جگہ ترجیح ہوگی۔ اور زوجہ ثانیہ مطلقہ ہوجائیگی۔ لیکن عالمگیری سے جو جزئیہ نقل کیا وہ اس قدر صاف ہے کہ دوسری بات قبول کرنے میں الجھن پیدا ہوتی ہے۔ اسلئے آپکی طرف رجوع کیا تاکہ سیدھا راستہ دکھلادیں واللہ اعلم وعلمہ اتم واحکم۔ المکلف خادم العلماء فدوی ابوسعید محمد عبدالشہید ھاتیوی لواکھالوی۔

الجواب: مکرمی السلام علیکم ورحمۃ اللہ

آپنے عالمگیریہ کے جزئیہ میں غور نہیں فرمایا۔ عالمگیریہ میں عبارت مذکورہ کے بعد یہ بھی لکھا ہے۔ ولوقال ان تزوجتک فمادمت فی نکاحی فکل امرأۃ اتزوجھا علیھا والمسئلۃ بحالھا یقع کذا فی الوجیز للکردری (ص۲ج۱) اس سے معلوم ہوا کہ صورت اولی میں عدم وقوع طلاق کا سبب یہ ہے کہ اجنبیہ کے بقاء نکاح کو امرأۃ متزوج علیھا کی طلاق کا مدار بنایا گیا ہے اور جب اس سے نکاح نہیں ہوا نہ اسکے نکاح پر دوسری

عورت کے تزوج کو مرتب کیا گیا تو کلام لغو ہو گیا اور یہ بالکل ایسا ہے جیسا کوئی کسی عورت کو راستہ میں دیکھ کر یہ کہدے کہ اگر میں اس عورت کے اوپر کوئی اور نکاح کروں تو ثانیہ کو طلاق۔ یقیناً یہ کلام بالاتفاق لغو ہے کیونکہ وہ اجنبیہ نہ اسکے نکاح میں ہے نہ اُسکے نکاح پر دوسرے نکاح کو مرتب کیا گیا۔ اور صورت ثانیہ میں وقوع طلاق کا سبب یہ ہے کہ گو وہاں بھی عورت اولی ہنوز اُسکے نکاح میں نہیں مگر اسکے نکاح پر دوسرے کے نکاح کا ترتب ظاہر کر کے ثانیہ کی طلاق کو معلق کیا گیا ہے یہ تعلیق صحیح ہے کیونکہ اس صورت میں ثانیہ کو اولی کے لحاظ سے متزوج علیہا کہنا ہی صحیح نہیں۔

خلاصہ یہ کہ ثانیہ کو اس شرط سے طلاق دیگئی ہے کہ وہ متزوج علی الاولی ہو اور متزوج علی الاولی ہونا اسپر موقوف ہے کہ یا اولی نکاح میں ہو یا اولی کے نکاح پر ثانیہ کے نکاح کو مرتب کیا گیا ہو کیونکہ بغیر اسکے ثانیہ متزوج علی الاولی نہ ہو گی پس عالمگیریہ کے جزئیہ سابقہ میں عدم وقوع طلاق کا سبب کلام کا لغو ہونا ہے اور امام صاحبؒ اور محمدؒ میں جو اختلاف ہے وہ اس صورت میں ہے جبکہ کلام کے معنی صحیح ہوں کہ اجنبیہ کی طلاق کو خود اُسکے نکاح پر معلق کیا گیا ہو اس صورت میں یہ گفتگو ہے کہ اُس اجنبیہ کا وقت تعلیق کے موجود ہونا ضروری ہے یا نہیں اور صورت سوال میں اجنبیہ کے نکاح پر اُسکی طلاق کو معلق نہیں کیا بلکہ ثانیہ کی طلاق کو اس بات پر معلق کیا گیا ہے کہ وہ اولی کے اعتبار سے متزوج علیہا ہو اور جب اولی خود منکوحہ نہیں نہ کلام میں اُسکے نکاح پر ثانیہ کا نکاح مرتب ہے تو ثانیہ کو متزوج علی الاولی کہنا غلط ہے، فافہم واللہ تعالیٰ اعلم۔

ظفر احمد عفا عنہ خانقاہ امدادیہ تھانہ بھون

۲۹ر شوال ۴۸ھ

طلاق معلق سے بچنے کا حیلہ

(سوال) کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ زید نے غصہ میں اپنی منکوحہ سے یہ کہا کہ اگر تو اپنے باپ کے گھر جاویگی تو تجھے تین طلاق ہیں اور اب تک وہ اپنے باپ کے گھر نہیں گئی۔ اب دریافت کرنا ہے کہ کوئی صورت ایسی بھی ہے کہ وہ اپنے باپ کے گھر چلی بھی جایا کرے اور طلاق نہ پڑے؟ فقط والسلام

احمد حاجی موسیٰ ڈابھیلی

الجواب: صورت مسئولہ میں حیلہ یہ ہے کہ شوہر اپنی اس بیوی کو ایک طلاق

بائن دیدے اور عدت طلاق گذر جانے پر عورت اپنے باپ کے گھر چلی جاوے تو اس جانے سے طلاق واقع نہ ہوگا کیونکہ وہ اسوقت نکاح میں نہیں ہے اور اس جانے سے طلاق معلق کی تعلیق ختم ہوجائے گی کیونکہ کوئی لفظ تعلیق میں تکرار فعل پر دال نہیں نہ استمرار زمان پر اسکے بعد شوہر اس عورت سے نکاح کی تجدید کرے اب نکاح میں آنے کے بعد بھی وہ اپنے باپ کے یہاں آمد و رفت کر سکے گی لانحلال الشرط قال فی الھندیۃ اذا حلف بثلث تطلیقات ان لا یکلم فلانا فالسبیل ان یطلقھا واحدۃ بائنۃ ویدعھا حتی تنقضی عدتھا ثم یکلم فلانا ثم یتزوجھا کذا فی السراجیہ (ص ۲۶۳ ج ۲) واللہ تعالیٰ اعلم۔

ظفر احمد عفا اللہ عنہ۔

۱۰ ذیقعدہ ؁۴۹ھ تھانہ بھون خانقاہ امدادیہ۔

حکم تعلیق طلاق زوجۂ ثانیہ بحیات زوجۂ اول۔

سوال :۔ کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین صورت مسئولہ مندرجہ ذیل کے بارے میں کہ عمرو ملکی رواج کے مطابق برات لیکر زید کے پاس گیا تو زید نے کہا کہ بغیر تحریر سند طلاق اضافی کے عمرو کو نکاح دختر نہیں دونگا لھذا بعد چند قیل وقال کے عمرو نے ایک کاتب کو سند تحریر کرنیکی اجازت دی جو صرف بحرف ذیل میں درج کی جاتی ہے۔

من کہ علی افسر شاہ ولد عبداللہ شاہ قوم سید شہیدی ساکن نڑان تحصیل مظفر آباد کا ہوں، چونکہ اس وقت سانتہ قائم عقل وحواس خمسہ یہ سند بیوی جان دختر بیولا شاہ ساکن موضع بھیکڑی والا کی زیر نکاح خود لاکر تحریر کردیتا ہوں کہ اگر درحین حیات عورتم مذکورہ کوئی دیگر عورت نکاح کروں تو تین طلاق سے طلاق ہوگی وہ عورت ثانیہ بسند مذکورۃ الصدر میں زید اور عمرو کا تخالف بایں طور ہے کہ زید کا دعویٰ ہے کہ بیوی جان کی تمام زندگی میں علی افسر شاہ دوسری عورت سے نکاح نہیں کرسکتا اگرچہ بیوی جان کو طلاق ہی دیدے۔ کیونکہ الفاظ محررہ صریح ہیں۔ اور زید درمختار کی اس عبارت کو بھی بطور استدلال پیش کرتا ہے: لان الایمان مبنیۃ علی الالفاظ لا علی الاغراض، درمختار۔ وفی رد المحتار علی ھٰذا: لو قال لامرأتہ کل امراۃ اتزوجھا بغیر اذنک فھی طالق، فطلق امرأتہ طلاقاً بائناً او ثلاثاً ثم تزوج بغیر اذنہا طلقت لانہ لم یتقید یمینہ ببقاء نکاح الخ "۔ اور عمرو کا دعویٰ ہے کہ اگر بیوی جان کو علی افسر شاہ طلاق دیکر دوسری عورت سے نکاح کرلے تو جائز ہے عمرو کی حجت دو مفتی صاحبان کا فتوی ہے، ایک مفتی صاحب تحریر فرماتے ہیں کہ سند میں جو عورتم کا لفظ ہے یہ لفظ بقاء نکاح کا فائدہ دیتا ہے اور یہ جو لفظ ہے کہ تین طلاق ہوگی یہ اس کا کہنا ایسا ہے جیسے "طلقت امرأتی من ثلاث تطلیقات"، اور من تبعیضیہ ہے حین حیات والی ترکیب یہ ترکیب اضافی ہے ترکیب اضافی چنداں مفید نہیں ہوا کرتی ——— دوسرے مفتی صاحب "حین حیات" کے لفظ پر صاحب ھدایہ وغیرہ کتب فقہ کی تقریر جو لفظ حین پر ہے وہ بیان فرماتے ہیں اور کہتے ہیں کہ لفظ "حین" کی صورت میں یہ حلف چھ ماہ میں ختم ہوجائیگا والا جو نیت کریگا، اور درمختار کے ان جزئیات کو بھی بطور استشہاد پیش کرتے ہیں جیسے "لیعلمنہ بکل داعٍ"، میں حالف کے حلف مستحلف کی ولایت کے ساتھ مقید ہے اسطرح علی افسر شاہ

کی یہ حلف بھی بیوی جان کے نکاح کے ساتھ مقید ہے جس طرح حلف کفیل کے اس شہر سے بدون اذن مکفول لہ کے نہ نکلونگا بقائے دین وکفالہ کے ساتھ مقید ہے اسیطرح علی افسر شاہ کے بھی۔ بنکاح بیوی جان مقید ہے، اور مدار یمین کا عرف پر ہوتا ہے جیسے درمختار میں ہے جلد ۲ ص ۱۹۱: ومدار الیمین علی العرف۔ بینوا و توجروا۔

الجواب: جس شخص نے حین حیات میں لفظ ”حین“ کو چھ ماہ پر محمول کیا ہے اس نے بالکل غلط کہا، کیونکہ لفظ ”حین“ کا چھ ماہ کیلئے ہونا لغت عربیہ کے ساتھ مختص ہے اور وہ بھی اس وقت جبکہ لفظ ”حین“ مطلق ہو جیسے یوں کہے: ”واللہ افعل کذا الی حین“ اور جبکہ مضاف ہو تو اس صورت میں کوئی اس کا قائل نہیں کہ لفظ ”حین“ چھ ماہ کیلئے ہے جیسے لا اکلمک حین شبابک مثلاً۔ اور لغت فارسیہ وغیرہ میں اس لفظ کا چھ ماہ کیلئے ہونا مسلم نہیں، اور جس شخص نے لفظ ”حین حیات“ کی وجہ سے مطلقاً وقوع طلاق علی الزوجۃ الثانیۃ کا فتویٰ دیا ہے اس کا قول قضاءً صحیح ہے کیونکہ ظاہر اس لفظ سے یہی ہے وقوع طلاق علی الثانیہ بیوی جان کی حیات پر معلق ہے نہ کہ بقاء زوجیت پر۔

البتہ اگر علی افسر شاہ اس امر کا دعویٰ کرے کہ میں نے ”حین حیات“ سے تا وقت حین حیات اور در نکاح من کی نیت کی تھی تو وہ حلف واثق کے ساتھ اس نیت کو بیان کرے تو جواب میں دوبارہ غور کیا جائے گا۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ الاحقر ظفر احمد عفا عنہ از تھانہ بھون

٨ر جمادی الاول ۴۸ھ

شوہر نے کہا واپسی زیور کی شرط پر طلاق دوں گا بیوی اسپر رضامند ہوگئی تو شوہر نے محرر سے دو طلاق لکھوائے اگر بیوی زیورات شوہر کے حوالہ نہ کرے تو طلاق واقع ہوگی یا نہیں

(سوال) کیا فرماتے ہیں علماء دین اس مسئلہ میں کہ شخصے مسمّی عبد الرحمٰن بحضور مجلس ثبوت عقل بلا جبر و اکراہ اپنی بیوی سے خانگی معاملات میں ناراض ہوکر بلکہ بیوی کے اصرار سے مرد نے محرر کو کہا: دو طلاق دونگا بشرطیکہ زیورات مجھے دینے پر رضامند ہو، تو بیوی نے کہا کہ میں زیورات سب دیدونگی یعنی بیوی زیورات دینے پر راضی ہوگئی یعنی قبول کیا تو شخص مذکور نے محرر کو کہا، ”دو طلاق لکھو“ تو محرر نے اسکی اجازت سے دو طلاق لکھدی،

اب اس کے بعد عورت نے زیورات مرد کے حوالہ نہ کیے پس صورت مسئولہ میں شرعاً طلاق واقع ہوگی یا نہیں ؟

اب عرض یہ ہے کہ صورت مسئولہ عنہا میں اس دیار کے علماء کا اختلاف ہے: بعض کا یہ قول ہے کہ طلاق نہ ہوگی، چونکہ یہ تعلیق بالشرط ہے اور شرط معدوم ہے اسلئے مشروط بھی معدوم „اذا فات الشرط الخ“ یعنی شرط حوالہ زیور کو قرار دیتے ہیں، اور یہ بھی قول ہے کہ لکھوانے سے طلاق واقع نہ ہوگی، دلیل یہ پیش کرتے ہیں: „لو اکرہ علی ان یکتب طلاق امرأته فکتب لا تطلق لان الکتابة اقیمت مقام العبارۃ باعتبار الحاجة و لا حاجة هنا“ ــــــ اور دوسری جماعت علماء کا یہ خیال ہے کہ لکھوانے سے بھی طلاق واقع ہوتی ہے۔ „کما قال الشامی:- ولو قال للکاتب: اکتب طلاق امرأتی کان اقرارًا بالطلاق وان لم یکتب“، اور دوسری وجہ وقوع طلاق کی یہ ہے کہ مرد کا قول ”دو طلاق لکھو“ اگر زیور دینے پر رضامند ہو اسمیں صرف قبول مرأۃ پر طلاق واقع ہوگی کیونکہ شرط پائی گئی۔ مشروط بھی مرتب ہونا چاہیے کیونکہ عورت رضامند ہوگئی تھی اگرچہ حوالہ نہ کیا ہو۔ „کما فی البحر نقلا عن الخانیة:- ولو قال لامرأته: انت طالق علی ان تعطینی الف درهم فقالت: قبلت تطلق للحال وان لم تعط الفًا۔ وکذا فی الشامی: اذا قال لها: علی ان تعطینی کذا فهی تعلیق علی فعل مستقبل صالح للمعاوضة فیشترط قبولها لیلزمها المال فصار کانه علّقه علی القبول، اذ به یحصل غرضه من الطلاق بعوض وتطلق بالقبول وان لم تعطه فی الحال“ ــــــ اس سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ قبول مرأۃ کو شرط قرار دیا ہے چونکہ شرط قبول مرأۃ پائی گئی اسلئے جزاء یعنی وقوع طلاق بھی مرتب ہوگا اور حوالہ زیور شرط نہیں۔ کما یظهر من عبارۃ المرفوعة۔

اب جناب عالی کی خدمت میں عرض یہ ہے کہ کون سے فریق حق پر ہے دو قلم تحریر فرما دیں، اگر عدم وقوع والا حق پر ہے تو ان دلائل کا کیا جواب ہوگا جو فریق ثانی نے وقوع طلاق پر پیش کیا؟ فقط والسّلام

سائل عبد الکریم از سندی پرانگ اسکول۔
علاقہ بھوتھید نگ ضلع اکیاب۔

تنقیح :- وہ تحریر بجنسہ یا اسکی نقل بھیجی جائے جو محرر نے شوہر کے حکم سے لکھی ہے اس کے بعد حکم بتلایا جائیگا۔ یہ تحریر بھی واپس کی جائے فقط۔

ظفر احمد عفا عنہ از تھانہ بھون
۲۷؍ ربیع الاول ۴۸؁ھ ۔

جواب تنقیح :- حسب تحریر جنابعالی نقل طلاق نامہ روانہ خدمت ہے جو حسب ذیل ہے :-

نقل طلاق نامہ :- باعث تحریر یہ ہے کہ میں عبد الرحمٰن بن فلاں باشندہ مقام فلاں اقرار کرتا ہوں چونکہ میری بیوی ہندہ اپنے زیور وغیرہ مجھے دیدینے پر رضامند ہوگئی ہے اسلئے میں دو طلاق دیکر طلاق نامہ کا کاغذ دے رہا ہوں تاکہ عند العدالت مجھے دعویٰ کا حق نہ رہے۔

دستخط عبد الرحمٰن طالق

اب حضور والا سے درخواست ہے کہ تحریر فرمادیں کہ قائل بالوقوع کا قول صحیح ہے یا قائل عدم وقوع کا۔ والسلام۔

الجواب :- صورت مسئولہ میں عورت پر دو طلاق واقع ہوگئی ہیں۔ بالدلائل التی ذکرھا السائل واما قول من قال: ان الطلاق لم یقع بدلیل ما فی الشامیۃ وغیرہ "ولو اکرہ علی کتابۃ الطلاق الخ" فقد سہا سہوًا بینًا، فان الجزئیۃ المزکورۃ انما ھی فی الاکراہ ولا اکراہ ھنا۔ واما قولہ: ان الطلاق معلق فغلط ایضًا لفقدان حرف الشرط فی قولہ "دو طلاق لکھو" وفی طلاق نامۃ التی امر بکتابتھا وانما کان الشرط قبل ذلک ولا عبرۃ بہ حیث لم یقید ایقاعہ بہ فافہم، واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ الاحقر ظفر احمد عفا عنہ
۸؍ جمادی الاول ۴۸؁ھ

فصل

فی طلاق المریض و الصبی و السکران و المجنون

"اللوح المنقوش فی حکم طلاق المدھوش"

یعنی مدہوش کی طلاق کا حکم

(سوال) کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ (۱) زید نے اپنی منکوحہ کو غصہ کی حالت میں یہ کہا کہ میں نے تجھکو تین طلاق دی، تو مجھ سے پردہ کرے، اس صورت میں تین طلاق پڑیں گی یا ایک؟ ہندوستان میں فرقۂ غیر مقلدین کے نزدیک ان لفظوں سے صرف ایک طلاق ہوتی ہے آیا اس قول پر فتویٰ دینا یا ضرورت کے وقت اس پر عمل کرنا جائز ہے یا نہیں؟

(۲) زید نے بعد میں یہ دعویٰ کیا کہ میں نے غصہ میں مغلوب العقل ہو کر طلاق دی تھی۔ مغلوب العقل جس کی طلاق شرعاً واقع نہیں ہوتی کسے کہتے ہیں اور طلاق دیکر کوئی شخص مغلوب العقل ہونیکا دعوی کرنے لگے تو اس دعویٰ کے قبول ہونیکی کیا شرائط ہیں؟

(۳) ایسی صورت میں عورت مطلقہ کیلئے شرعاً کیا حکم ہے؟ آیا اسکو شوہر کے اس دعویٰ کا قبول کرنا اور اس کے نکاح میں رہنا جائز ہوگا یا نہیں؟ **بینوا وفقکم اللہ للامر الصواب ولکم عند اللہ جزیل ثواب۔**

الجواب:- (۱) صورت مذکورہ میں آئمہ اربعہ وجماہیر سلف وخلف کے نزدیک تین طلاق واقع ہوگئیں اور منکوحہ زید اسپر حرام ہوگئی، اب بدون تحلیل کے ہرگز اس کیلئے جائز نہیں ہوسکتی۔ اور ان لفظوں سے ایک طلاق واقع ہونیکا فتویٰ بجز گمراہ شخص کے کوئی نہیں دے سکتا فقہاء حنفیہ نے تصریح کی ہے کہ اگر قاضی اسلام تین طلاق کے ایک ہونیکا فیصلہ کردے تو اُسکی قضاءً باطل ہے حالانکہ مسائل مجتہد فیہا میں قضاء قاضی سے ایک جانب راجح ہوجاتی ہے مگر اس صورت میں خود قضاء باطل ہوجاتی ہے کیونکہ اس مسئلہ میں جن لوگوں نے جمہور اُمت کا خلاف کیا ہے فقہاء نے انکے خلاف کا اعتبار نہیں کیا کیونکہ بوجہ اجماع منعقد ہوجانے کے اس مسئلہ میں اجتہاد

کی گنجائش نہیں رہی۔

قال فی عدۃ ارباب الفتویٰ (ص ۲۳) لا ینزل قوله لها انت طالق ثلاثاً طلقۃ واحدۃ ولا یفتی بذالك إلّا من اضل اللہ تعالیٰ والواقع ثلاث طلقات وقد بانت بیونۃ کبریٰ لا تحل له الا بعد زوج آخر اھ

وفی رد المختار :- (ص ۶۸۸ ج ۲) وذهب جمهور الصحابۃ والتابعین ومن بعدهم من آئمۃ المسلمین الی انه یقع ثلاث (الی قوله) وقد ثبت النقل عن اکثرهم صریحاً بایقاع الثلاث ولم یظهر لهم مخالف فماذا بعد الحق الا الضلال، وعن هذا قلنا: لو حکم حاکم بانها واحدۃ لم ینفذ حکمه، لانه لا یسوغ الاجتهاد فیه فهو خلاف لا اختلاف اھ

وقال الامام النووی فی شرح مسلم (ص ۴۷۸- ج ۱) قد اختلف العلماء فیمن قال لامرأته "انت طالق ثلاثاً" فقال الشافعی ومالك وابو حنیفۃ واحمد وجماهیر العلماء من السلف والخلف: یقع الثلاث اھ

اور جس حدیث سے غیر مقلدین نے وقوع طلاق واحدۃ پر استدلال کیا ہے اسکو محقق ابن ھمام نے منسوخ بتلایا ہے اور امام نووی نے بعض کا ضعیف ہونا اور بعض کا مؤول ہونا ثابت کیا ہے لھذا غیر مقلدین کے فتویٰ پر اس صورت میں عمل کرنا ہرگز درست نہیں اور جو ایسا فتویٰ دے وہ تصریحات علماء حنفیہ کے موافق سراسر گمراہ ہے، فماذا بعد الحق الّا الضلال۔

(۲) مغلوب العقل جسکی طلاق واقع نہیں ہوتی وہ ہے کہ جسکی عقل غصہ یا خوف وغیرہ کی وجہ سے جاتی رہی ہو۔ اور اس سے باتیں بہکی بہکی صادر ہونے لگیں اور مجنونوں جیسے افعال ظاہر ہونے لگیں جیسا کہ بعض لوگ غصہ میں برتن توڑنے پھوڑنے اور دیوار وغیرہ میں سر مارنے لگتے ہیں۔ خلاصہ یہ کہ جو شخص غصہ وغیرہ میں ایسا حواس باختہ ہو جائے کہ اس پر جنون کے آثار پائے جانے لگیں وہ شرعاً مدہوش ہے اور ایسے مغلوب العقل کی طلاق واقع نہیں ہوتی۔

قال فی الفتاویٰ الکاملیۃ: (ص ۲۸) سئلت عن المدهوش هل یعتبر طلاقه فاجبت، بان المحقق الرملی رفع الیه سوال عن المدهوش هذا

لفظہ سئل فی طلاق المدھوش ھل ھو واقع ام لا وما تعیین المدھوش وھل القول قولہ فی الدھش، فاجاب عنہ بقولہ صرح فی التتارخانیۃ نقلاً عن شرح الطحاوی بعدم وقوع طلاق المدھوش وکذا المحقق ابن الھمام فی فتحہ وکذالک المرحوم العلامۃ الغزی فی متنہ تنویر الابصار: واعلم انھم اجمعوا علی ان غیر العاقل لا یقع طلاقہ الا اذا کان زوال عقلہ بسبب السکر مما ھو معصیۃ فانہ یقع طلاقہ زجراً لہ عندنا فدخل فی غیر العاقل کل من زال عقلہ بجنونٍ او عتہٍ او برسام او اغماء او دھش، والجنون داء معروف (الی ان قال) والدھش ذھاب العقل من ذھل او ولہ (الی ان قال) والمدھوش ھنا الذاھب العقل بسبب احدھما فاذا علمت ذالک علمت التسویۃ فی الحکم بین طلاق المجنون وبین طلاق من ذکر والمجنون اذا عرف انہ جنّ مرۃ فطلق وقال عاودنی الجنون فتکلمت بذالک وانا مجنون ان القول قولہ بیمینہ وان لم یعرف بالجنون مرۃ لم یقبل قولہ کما فی الخانیۃ و التاتارخانیۃ وغیرھما فظھر لک من ھذا: ان المدھوش ان عرف منہ الدھش مرۃً فالقول قولہ بیمینہ وان لم یعرف لم یقبل قولہ قضاءً الا ببینۃ اذ الثابت بالبینۃ کالثابت عیاناً اما دیانۃً فیقبل لانہ اخبر بنفسہ اھ قلت[ع]: ولا یفتی فی ذالک بالدیانۃ لما ثبت ان المرأۃ فی احکام الطلاق کالقاضی لا یجوز لھا ان تصدق الزوج فیما یخالف الظاھر ولا یحل لھا ان تمکنہ من نفسھا اذا علمت منہ ذالک کما سیأتی۔

اس عبارت سے مغلوب العقل میں، زوال عقل وذہاب عقل کا شرط ہونا اور اس کا

[ع] قال فی عدۃ ارباب الفتوٰی (ص ۲۸ ج ۱) وما لا یصدق فیہ المرأ عند القاضی لا یفتی فیہ کما لا یقضی فیہ وقال فی شرح نظم النقایہ وکما لا یدینہ القاضی کذالک اذا سمعتہ منہ المرأہ او شھد بہ عندھا عدول لا یسعھا ان تدینہ لانھا کالقاضی لا تعرف منہ الا الظاھر انتھی ۱۲ منہ۔

مجنون کے مشابہ ہونا صاف مصرح ہے۔

وقال فی رد المحتار: (ص ۷۰۰ ج ۲) وللحافظ ابن القیم الحنبلی رسالۃ فی طلاق الغضبان قال فیها: انہ علی ثلاثۃ اقسام احدها ان یحصل لہ مبادی الغضب بحیث لا یتغیر عقلہ ویعلم ما یقول ویقصدہ وهذا لا اشکال فیہ۔ الثانی: ان یبلغ النهایۃ فلا یعلم ما یقول ولا یریدہ فهذا لا ریب انہ لا ینفذ شئ من اقوالہ۔ الثالث: من توسط بین المرتبتین بحیث لم یصر کالمجنون فهذا محل النظر والادلۃ تدل علی عدم نفوذ اقوالہ اھ ملخصاً من شرح الغایۃ الحنبلیۃ لکن اشار فی الغایۃ الی مخالفتہ فی الثالث حیث قال ویقع طلاق من غضب خلافاً لابن القیم اھ وهذا الموافق لما عندنا کما مر فی المدهوش اھ

اس میں تصریح ہے کہ غصہ کے تین درجے ہیں:

ایک یہ کہ: غصہ کے ابتدائی آثار پیدا ہوں اور اسکی عقل متغیر نہ ہو اور جو بات وہ کہتا ہے اسکو جانتا ہے اور ارادہ سے کہتا ہے اسکی طلاق بلاشبہ واقع ہے۔

دوسرے یہ کہ: غصہ انتہا کو پہنچ جائے حتی کہ اسکو یہ بھی خبر نہ رہے کہ اسکی زبان سے کیا نکل رہا ہے اور قصد وارادہ بھی باقی نہ رہے (اور مجنون کی طرح ہو جائے) اسکی طلاق بلاشبہ واقع نہیں ہوتی۔

تیسرے یہ کہ: اسکی حالت ان دونوں درجوں کے بین بین ہو کہ مجنون کی طرح نہ ہوا ہو حنفیہ کے نزدیک اسکی طلاق بھی واقع ہو جاتی ہے، وبہ قالت الحنابلۃ ولم یعتبروا بقول ابن القیم فی ذالک، اس کے بعد علامہ شامیؒ نے اپنی ایک رائے ظاہر کی ہے جسکا حاصل یہ ہے کہ مغلوب العقل کی طلاق واقع نہ ہونے میں یہ شرط میرے نزدیک ضروری نہیں کہ اسکو اپنی بات کی خبر نہ رہے کہ میں کیا کہہ رہا ہوں اور نہ یہ ضروری ہے کہ ارادہ وقصد بھی باقی نہ رہے بلکہ صرف اتنا کافی ہے کہ اس سے غصہ میں بہکی بہکی باتیں صادر ہونے لگیں اور بے ڈھنگا پن افعال میں ظاہر ہو۔

ونصہ والذی یظهر لی ان کلا من المدهوش والغضبان لا یلزم فیہ ان یکون بحیث لا یعلم ما یقول بل یکتفی فیہ بغلبۃ الهذیان و

اختلاف الجد بالهزل کما هو المفتی به فی السکران علی ما مر ولا ینافیه تعریف الدهش بذهاب العقل فان الجنون فنون اھ (ص ۱۰۷ ج ۲)

لیکن یہ علامہ شامیؒ کی ذاتی رائے ہے فتویٰ نہیں ہے کیونکہ اوپر انکے کلام سے معلوم ہوچکا ہے کہ قسم ثالث میں حنفیہ کے نزدیک طلاق واقع ہوجاتی ہے اس سے صاف ظاہر ہے کہ مذہب حنفیہ میں مغلوب العقل کی طلاق واقع نہ ہونیکیلئے عدم شعور وعدم ارادہ بھی شرط ہے اور آگے چل کر علامہ شامیؒ نے اپنی اس رائے پر خود ہی اشکال قوی بھی وارد کیا ہے جس کا جواب بہت تکلف کرکے دیا ہے۔

ونصه نعم یشکل علیه ما سیأتی فی التعلیق عن البحر وصرح به فی الفتح والخانیة وغیرهما وهو لو طلق فشهد عنده اثنان انك استثنیت وهو غیر ذاکر ان کان بحیث اذا غضب لا یدری ما یقول یقع طلاقه والا فلا حاجة الی الاخذ بقولهما انك استثنیت وهذا اشکل جداً اھ

اس سے صاف ظاہر ہے کہ حنفیہ کے نزدیک غلبہ عقل کیلئے عدم شعور شرط ہے اور علامہ شامیؒ نے جو اسکو سکران پر قیاس کرکے محض هذیان اور خلل افعال کو کافی سمجھا ہے درحقیقت یہ قیاس مع الفارق ہے لان السکر مزیل للعقل عادةً فیحکم بادنی القرائن بزوال العقل بخلاف الغضب ونحوه فانه لیس بمزیل للعقل عادة فلا یحکم فیه بزواله الا بقرینة قویة وهو ان یکون بحیث لا یدری ما یقول ویبقی عدیم الشعور وایضاً فان طلاق السکران یقع عندنا زجراً له و طلاق المدهوش لا یقع فقیاس احدهما علی الآخر غیر صحیح فان الطلاق الصادر عن المکلف لا یحکم بعدم وقوعه الا اذا تحقق انه صار کالمجنون ـــــ اور یہ ثابت ہوچکا ہے کہ فتویٰ منقول پر ہوا کرتا ہے کسی مصنف کی رائے پر فتویٰ نہیں دیا جاسکتا۔ الا اذا ظهر تائیده بالمنقول، اور تمام کتب فتاویٰ میں مدهوش کی تعریف میں زوال عقل وذهاب عقل وغیرہ الفاظ اسپر دال ہیں کہ عدم شعور بھی اسمیں شرط ہے۔

قال فی تنقیح الفتاوی الحامدیة (ص ۳۸) الدهش هو ذهاب العقل من ذهل او وله وقد صرح فی التنویر والتتارخانیة وغیرهما بعدم وقوع

طلاق المدهوش فعلی هذا حیث حصل الرجل دهش زال به عقله وصار لاشعور له لایقع طلاق و القول قوله بیمینه ان عرف منه الدهش و ان لم یعرف منه لایقبل قوله قضاءً الا ببینة، کما صرح بذالک علماء الحنفیة اھ۔

اس میں لفظ "صار لاشعور لہ" بالکل صاف ہے اور علامہ شامیؒ نے تنقیح میں اس پر کلام نہیں کیا جس سے معلوم ہوتا ہے کہ انکے نزدیک فتویٰ اس پر ہے کہ مغلوب العقل بے شعور ہونا بھی شرط ہے کیونکہ یہ کتاب علامہ شامیؒ کی "ردالمحتار" کے بعد کی تصنیف ہے پس ردالمختار میں جو رائے مذکور ہے وہ فتویٰ نہیں۔ بلکہ محض ایک عالمانہ بحث ہے اور فقہاء نے تصریح کی ہے کہ ابحاث ابن ھمام میں فتوی نہیں دیا جاسکتا (حالانکہ وہ مثل مجتہد ہیں) پس دوسروں کی رائے اور بحث پر فتویٰ کیونکر ہوسکتا ہے! پس جب کوئی شخص طلاق کے بعد مغلوب العقل ہونیکا دعویٰ کرے اس کے قبول ہونیکے لئے سب سے اول شرط یہ ہے کہ طلاق دینے کے وقت غلبۂ عقل اور دھش کی جو علامتیں اوپر مذکور ہوئی ہیں یعنی بہکی بہکی باتیں کرنا، افعال میں بے ڈھنگاپن ظاہر ہونا وغیرہ وغیرہ پائی گئی ہوں اور وہ یہ دعویٰ کرے کہ میری زبان سے طلاق کا لفظ بے خبری میں نکل گیا تھا میں نے اس کا ارادہ وقصد نہ کیا تھا اور نہ مجھے شعور تھا کہ میں کیا کہہ رہا ہوں دوسرے یہ کہ واقعہ طلاق سے پہلے بھی اسکو ایسا واقعہ پیش آچکا ہو کہ وہ غصہ میں خارج از عقل ہوجاتا ہو اور لوگ اسکو جانتے ہوں اس صورت میں قاضی شرعی شوہر سے قسم لیکر اسکی بات کو قبول کرے اور عدم وقوع طلاق کا حکم کردے اور اگر پہلے کبھی اسکو ایسا واقعہ پیش نہیں آیا یا آیا مگر لوگ نہیں جانتے کہ غصہ میں یہ شخص خارج از عقل ہوجاتا ہے تو اس صورت میں قاضی بدون دو گواہوں کے شوہر کا یہ دعویٰ قبول نہ کرے کہ میں مغلوب العقل تھا وقدمرت دلائلہ فیما مر عن الکاملۃ والفتاویٰ الحامدیہ اس پر تنبیہ ضروری ہے کہ شوہر سے قسم یا گواہ دونوں حالتوں میں قاضی شرعی یا حکم لیگا۔ غیر قاضی حکم کے سامنے قسم کھالینے یا گواہ قائم کردینے اور اسکے فیصلہ کردینے سے کچھ نہ ہوگا نہ بیوی اسکے لئے حلال ہوگی نہ وہ شرعاً مدہوش مانا جائیگا۔

قال فی الدر :- قیدنا بتحلیف الحاکم لانهما لو اصطلحا علی ان

یحلف عند غیر قاضٍ و یکون بر ئیًا فھو باطل لان الیمین حق القاضی مع طلب الخصم ولا عبرۃ لیمین ولا نکول عند غیر القاضی اھ (ص ۶۵۲ - ج ۴)

وفی الھندیۃ :- ولو حلف بطلب المدعی یمینہ بین یدی القاضی من غیر استحلاف القاضی فھذا لیس بتحلیف فان التحلیف حق القاضی۔ کذا فی القنیۃ و ھکذا فی البحر اھ (ص ۱۰ - ج ۵) ــــــــ قلت :- واشتراط مجلس القضاء فی البینۃ لا یخفی علی احد۔ قلت : ولکن یکفی تحلیف المرأۃ ایاہ کما ذکروہ فی باب الکنایات قال فی الدر :- ویکفی تحلیفھا لہ فی منزلہ فان ابی رفعتہ للحاکم فان نکل فرق بینھما مجتبیٰ اھ قال الشامی فان نکل ای عند القاضی ان النکول عند غیرہ لا یعتبر (ص ۴۶۷ ج ۲)

(۳) عورت کیلئے اس صورت میں حکم یہ ہے کہ وہ شوہر کے اس دعویٰ کو قبول نہ کرے کیونکہ مغلوب العقل ہونا عاقل بالغ کی حالت سے خلاف ظاہر ہے اور امور مخالفہ للظاہر میں عورت بمنزلہ قاضی کے ہے کہ جسطرح قاضی کو انکی تصدیق جائز نہیں اسیطرح عورت کو بھی تصدیق جائز نہیں۔ پس وہ یہی سمجھے کہ مجھکو تین طلاق دیدی گئیں اور اب میں اسکے لئے حلال نہیں۔ اور جبتک قاضی شرعی قسم لیکر یا گواہ لیکر یہ فیصلہ کردے کہ زید مغلوب العقل تھا اور اسکی طلاق واقع نہیں ہوئی اس وقت تک عورت کو اپنے اوپر زید کو قدرت دینا قطعاً حرام ہے۔

قال فی تنقیح الفتاوی الحامدیۃ (ص ۲۷ ج ۱) وقال فی الخانیۃ لو قال انت طالق انت طالق وقال اردت بہ التکرار صدق دیانۃً وفی القضاء طلقت ثلاثًا اھ۔ ومثلہ فی الاشباہ والحدادی وزاد الزیلعی ان المرأۃ کالقاضی فلا یحل لھا ان تمکنہ اذا سمعت منہ ذالک او علمت بہ لانھا لا تعلم الا الظاہر اھ واللہ اعلم وعلمہ اتم واحکم۔

حررہ الاحقر ظفر احمد عفا اللہ عنہ ۴ ربیع الثانی سنہ ۱۳۴۰ھ

عقل زائل ہوجانیکی صورت میں طلاق واقع نہیں ہوتی

(سوال) ایک شخص کی والدہ نے انکی زوجہ کو بیحد گالی دی لھذا اس نے کہا کہ اے والدہ! آپ کیوں مفت میں گالی دیتی ہیں۔ خبردار! اچھا نہ ہوگا اس گفتگو پر اسکی والدہ نے شام کو انکے والد صاحب سے کہا تمہارا لڑکا مجھے ایسی ویسی کہتا ہے ازیں وجہ اسکے والد اور والدہ اور چچا وغیرہ سب نے ملکر انکو

مارنا شروع کیا اس حالت میں اس کے منہ سے "آرے سالہ جا تین طلاق"، نکلا تب اس سے پوچھا گیا تم نے طلاق کس کو دی؟ اس نے جواب دیا میں نے تو طلاق کسی کو نہ دی اور میرے منہ سے کیا نکلا معلوم بھی نہیں میں بسبب مار کے بے ہوش تھا ہنوز اسکی زوجہ اس صورت میں مطلقہ ہوگی یا نہ ہوگی؟

الجواب:۔ قال فی العالمگیریۃ:۔ ولو زال عقلہ بالضرب او ضرب ہو علی راسہ حتی زال عقلہ وطلق لا یقع طلاقہ کذا فی فتاویٰ قاضی خان اھ (ص ۵۵ ج ۲)

صورت مسؤلہ میں اگر شخص مذکور کی عقل ضرب سے زائل ہوگئی تھی جیسا کہ وہ دعویٰ کرتا ہے کہ میں بسبب مار کے بیہوش تھا تو اسکی طلاق زوجہ پر واقع نہیں ہوئی۔ واللہ اعلم

حررہ الاحقر ظفر احمد عفا اللہ عنہ

از تھانہ بھون خانقاہ امدادیہ ۲۶ صفر ۱۳۴۱ھ

نابالغ کی طلاق کا حکم

(سوال) ایک مسئلہ دریافت کرتا ہوں فقہ کی کتابوں میں طلاق نابالغ کے عدم جواز کو تحریر کرتے ہیں مگر سرخسیؒ کی ایک روایت جو مسلم الثبوت کے اخیر صفحات پر اور (شامی ج ۲۔ ص ۲۹۰) باب نکاح الکافر وغیرہ میں نقل کرتے ہیں جس کا حاصل یہ ہے کہ عند الحاجۃ نابالغ کی طلاق صحیح ہے اس عند الحاجۃ سے عام مراد ہے یا صرف ارتداد اور مجبوب کی صورت کی تخصیص ہے جواب سے مشرف فرمائیں گے یہ روایت سرخسیؒ کی شامی ج ۲۔ ص ۳۹۰) پر موجود ہے مسلم الثبوت مجتبائی کے اخیر میں بھی ہے۔ فقط والسلام۔

بندہ عبدالشکور مدرس مدرسہ مظاہر العلوم سہارنپور

الجواب:۔ شامی اور درمختار کی پوری عبارت میں غور نہیں کیا گیا اس سے خود معلوم ہو رہا ہے کہ ابتداءً صبی کی طلاق واقع نہیں ہوسکتی ہاں، جب ضرورت کے وقت قاضی صبی میں اور اسکی بیوی میں تفریق کردے تو اس وقت یہ تفریق طلاق شمار ہوتی ہے۔

حتی اذا تحققت الحاجۃ الی صحۃ ایقاع الطلاق من جھتہٖ لدفع الضرر کان صحیحًا فاذا اسلمت زوجتہ و ابیٰ فرق بینھما وکان طلاقًا عند ابی حنیفۃ ومحمد رحمھما اللہ واذا ارتد والعیاذ باللہ وقعت البینونۃ وکان طلاقًا عند محمدؒ الی ان قال وحاصلہ انہ کالبالغ فی وقوع الطلاق

منہ بھذہ الاسباب الا انہ لا یصح ایقاعہ منہ ابتداءً للضرر علیہ و مثلہ المجنون اھ (ص ۶۳۹ ج ۲)

اس سے صاف معلوم ہوگیا کہ یہ حکم انہی صورتوں کے ساتھ مخصوص ہے جہاں ضرورت کی وجہ سے قاضی کو تفریق بین الصبی والمجنون وبین زوجتھا کا اختیار دیا گیا ہے اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ سرخسیؒ جواز طلاق من الصبی ابتداءً کا قائل ہیں ورنہ لازم آئیگا کہ جواز طلاق مجنون کے بھی وہ قائل ہوں ولم یقل بہ احد، واللہ اعلم۔

وصرّح الشامی فی باب الطلاق (ص ۶۹۱ ج ۲) بتخصیص ھذا الوقوع بالارتداد والجب وقال محشی الدر وجوزہ احمد اھ۔

حررہ الاحقر ظفر احمد عفا عنہ

۲۹؍ جماد الثانی سنہ ۴۴ھ

نابالغ نہ خود طلاق دے سکتا ہے نہ اس کا ولی دے سکتا ہے

(سوال) زید نے اپنی بنت صغیر سن کو عمرو کے ابن صغیر کے ساتھ نکاح کر دیا مرور ایام کے بعد لڑکی بالغ ہوگئی اور لڑکا نابالغ رہا اب جانبین چاہتے ہیں کہ زید کی کسی کم سن لڑکی سے عمرو کے اس لڑکے کی شادی کرائیں پہلی لڑکی کو کون طلاق دیگا (یعنی صغیر طلاق کا مالک ہوگا یا اس کا والد) اس مسئلہ میں حوالہ کتب دینی سے جواب ارشاد فرمائیں بہت سے علماء ممنون ہونگے۔

سائل عبد الصمد مدرسہ محمدیہ نواپاڑہ ڈاک خانہ خاص ضلع جسر

الجواب:- جب شوہر نابالغ ہے تو اسکی بیوی کو کوئی طلاق نہیں دے سکتا بلکہ اس لڑکے کے بلوغ کا انتظار لازم ہے وہ بالغ ہوکر خود طلاق دے تو وقوع طلاق ہوسکتا ہے ورنہ نہیں۔

صرح بہ فی الدر والشامیہ: باب الطلاق بقولہ: والصبی ولو مراھقاً ای لا یقع طلاقہ ص ۶۹۹ ج ۲ واللہ تعالیٰ اعلم

حررہ الاحقر ظفر احمد عفا عنہ از تھانہ بھون ۱۸؍ رجب سنہ ۴۸ھ

حکم تفریق زوجۂ نابالغ

(سوال) ---- السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ

ایک جوان عورت مسماۃ ھندہ مسلمان قوم نائی ایک مسلمان مرد زید کے ساتھ اپنے شوہر محمود کے گھر سے نکل گئی مسماۃ ھندہ کے شوہر محمود کی عمر اس وقت نو سال ہے مسماۃ ھندہ پانچ چھ مہینہ

کے بعد واپس آئی۔ اسکی واپسی پر محمود نابالغ کا باپ احمد حسین نے اپنے لڑکے کا نکاح اس وقت پڑھا ہے جب محمود کی عمر ۴؍ سال کی تھی کہتا ہے کہ تو میرے لڑکے محمود کے قابل اور کام کی نہیں ہے، میرے گھر سے نکل جا، وہ نکل گئی، چونکہ مسماۃ ھندہ کے ماں باپ مرچکے ہیں اس وجہ سے وہ آوارہ پھر رہی ہے لوگوں کے کہنے سے مسماۃ آمادہ ہے کہ اگر میرا نکاح کسی مرد جوان سے کردیا جائے تو پابندی کے ساتھ رہونگی اور اسکے شوہر کا باپ احمد بھی چاہتا ہے کہ اگر کوئی صورت ایسی ہو کہ جس سے طلاق ہوجائے تو میں خود طلاق دیدوں یا اپنے لڑکے سے دلادوں لھذا یہ التماس ہے کہ جو مناسب صورت طلاق کی ہو اس سے سرفراز فرمائیں تاکہ اس مسماۃ کو فعل بد سے بچانیکی کوئی تدبیر کی جائے۔ اگر اسکی طلاق نہ ہوئی تو جن لوگوں نے اسلامی ھمدردی اور ایک مسلمان عورت کو اب سے عزت بچانے کیلئے اپنے یہاں رکھ لیا ہے انکو کیا کرنا چاھیئے؟ ان میں مسماۃ کی کفالت کرنیکی قدرت نہیں ہے اور چند روز سے مسماۃ ھندہ کے شوہر کا باپ احمد بھی غریب ہوگیا ہے خود نانِ شبینہ کا محتاج ہے محمود لڑکا کمزور ہے مزدوری کے قابل نہیں ہے اگر امداد کرکے احمد سے کہا بھی جائے کہ تو رکھلے تو وہ اس وجہ سے اور بھی رکھنے سے مجبور ہے کہ وہ اپنی برادری سے علیحدہ کردیا جائیگا۔ کمترین عبدالسلام عفی عنہ از کانپور محلہ نیچباغ ۹ر جمادی الثانی ۱۳۴۵ھ

الجواب: نابالغ بچہ کی طلاق واقع نہیں ہوسکتی اور خسر بھی طلاق کا اختیار نہیں رکھتا جب وہ لڑکا بالغ ہوجائے پھر اسکو اختیار ہے چاھے اس عورت کو رکھے یا نہ رکھے اور جب وہ عورت جوان ہے تو اس کا نان ونفقہ خاوند کے ذمہ سے بشرطیکہ وہ خود خاوند کے گھر سے نہ جائے اور اگر خود کہیں چلی جائے تو اسکو نفقہ نہ ملے گا ہاں چلی جانیکے بعد پھر واپس آجائے تو پھر نفقہ کی مستحق ہوگی۔ اور اگر وہ عورت خاوند کے گھر رھنا چاھے اور خسر نکالدے تو اس صورت میں عورت کا نفقہ واجب رہیگا اور اگر صغیر مفلس ہے تو اسکی زوجہ کا نفقہ صغیر کے باپ پر ادا کرنا لازم ہے اگر ہندوستان میں قاضی اسلام ہوتا تو اس صورت میں وہ خسر کو بہو کے نفقہ پر مجبور کرتا یعنی اس نابالغ کے باپ کو اس صغیر کی بیوی پر نفقہ خرچ کرنیکا حکم کیا جاتا اور کہدیا جاتا کہ بعد بلوغ کے لڑکے سے نفقہ کا رجوع کرے اور یہ اس صورت میں ہے جبکہ باپ نے صغیر کی بیوی کے نفقہ کی ضمانت نہ کی ہو، اور اگر وہ ضامن بنگیا ہو خواہ قولاً صریحًا یا عرفاً دلالۃً لان المعروف کالمشروط تو خود باپ ھی کے ذمہ اس صورت میں نفقہ عورت صغیر کا واجب ہوگا، اور ہندوستان کا عرف یہی ہے کہ اگر لڑکی بالغ ہوجائے اور لڑکا نابالغ ہو تو لڑکے کا باپ اپنی بہو کے نفقہ کا ضامن ہوتا ہے۔

قال فی الشامیہ عن الخانیۃ: وکانت کبیرۃ ولیس للصغیر مال لایجب علی الاب نفقتہا ویستدین الاب علیہ ثم یرجع علی الابن اذا الیسر اھ۔ وفی الحاکم فان کان صغیراً لامال لہ لم یوخذ ابوہ بنفقۃ زوجتہ الا ان یکون ضمنہا اھ ومثلہ فی الزیلعی وغیرہ، قلت: وھو مخالف لما سیذکرہ الشارح فی باب النفقۃ من الفروع حیث قال: وفی الدر المختار، والملتقی: ونفقۃ زوجۃ الابن علی ابیہ ان کان صغیراً فقیراً او زمناً اھ اللّٰھم الا ان یحمل ما سیأتی علی انہ یومر بالانفاق لیرجع بما انفقہ علی الابن اذا الیسر الخ ص ۵۸۵ و ۵۸۶ ج ۲ وفی الدر فی باب النفقۃ: ویجبر الاب علی نفقۃ امرأۃ ابنہ الغائب وولدھا وکذا الام علی نفقۃ الولد لترجع بہا علی الاب اھ وتاولہ الشامی بما قال أنفًا ان معناہ الامر بالانفاق (ص ۱۱۰۹ ج ۲)۔

اور جب قاضی اسلام نہیں تو عورت یا تو برادری اور پنچائیت کے سامنے یہ واقعہ پیش کرے یا عدالت موجودہ میں خسر پر نان ونفقہ کا دعویٰ دائر کرے یا صبر کرے باقی یہ جو سائل نے لکھا ہے کہ اگر طلاق کی کوئی صورت نہ ہوئی تو عورت آوارہ ہو جائیگی۔ اسکی ہم ذمہ دار نہیں جبکہ ان بلاد میں قاضی اسلام نہیں اگر قاضی اسلام ہوتا تو ہم اسکی تدبیر یہی بتا دیتے اور پنچائیت کا فیصلہ نہایت ظلم پر مبنی ہے کہ وہ خسر کو بہو کے نفقہ وسُکنیٰ سے روکتی ہے اسکی شرارت کی سزا بھی اور دی جائے اسکے حق نفقہ وسُکنیٰ کو کیوں باطل کیا جاتا ہے؟ خسر کو لازم ہے کہ پنچائیت کے اس فیصلہ کی پرواہ نہ کرے اور بہو کو اپنے گھر رکھکر نفقہ دے۔

فقط مولوی عبد الکریم بقلم ظفر احمد عفاعنہ

۲۵ ج ۲ سنہ ۴۵ ھ

فصل فی طلاق الثلاث واحکامہ

مطلقہ ثلاثہ کا حکم

(سوال) ایک شخص نے اپنی بیوی کو طلاق دیدی پھر اس سے نکاح کرنا چاہتا ہے جب تک عورت کا نکاح کسی دوسرے کے ساتھ نہ ہو جائے اور اس سے طلاق نہ ملی پہلے کے ساتھ نکاح جائز نہیں لیکن کیا دوسرے نکاح کے ساتھ صحبت بھی شرط ہے اگر عورت انکار کرے یا مرد خود نہ چاہے یا اسی وقت دوسرے کے ساتھ نکاح کراکر طلاق دلوادیں اور پہلے شوہر کے ساتھ اسی وقت نکاح کردیں کسی طرح صحیح جائز ہے؟

الجواب:۔ اگر تین طلاق دیدی ہیں تو جب تک دوسرا شوہر اس عورت سے صحبت نہ کرے اس وقت تک حلالہ نہیں ہیں پہلے شوہر سے نکاح جب درست ہے جبکہ دوسرا شوہر صحبت کے بعد طلاق دے اور طلاق کے بعد عدت بھی گذر جائے۔ واللہ اعلم۔

ظفر احمد عفا عنہ۔ ۲۶؍ ربیع الثانی ۶۰؁ھ

ایک وقت میں تین طلاق دینے سے تین طلاقیں واقع ہوگئیں

(سوال) کیا فرماتے ہیں علماء دین اس مسئلہ میں کہ حافظ رجب نے ۲۴؍ نومبر ۴۱؁ء کو بحالت غصہ اپنی بیوی کو بہت آدمیوں کے سامنے چار مرتبہ اسطور سے طلاق دی کہ تین مرتبہ اپنی بیوی کو مخاطب کرکے کہا کہ "تجھکو طلاق دیا"، "تجھکو طلاق دیا"، "تجھکو طلاق دیا" اور ایک مرتبہ نام لیکر کہا کہ "فلانی! تجھکو ہم نے طلاق دیا" درمیان میں لوگوں نے ہر چند سمجھایا اور منع کیا ایسا نہ کرو۔ زبان بند کرو ورنہ بعد میں افسوس کروگے مگر اس نے ایک نہ مانا اور طلاق دی ھے۔ حافظ رجب مذکور کی مطلقہ طلاق پانے کے بعد ایک روز زوج کے گھر دوسروں کی نگرانی میں رہی، دوسرے روز اپنے باپ کے گھر چلی گئی اور اب تک اپنے باپ کے گھر میں ہے ہر چند لوگوں کے اغوا سے حافظ رجب نے غیر مقلد علماء سے استفتاء کیا چنانچہ انہوں نے اپنے اعتقاد کے مطابق لکھدیا کہ ایک ہی طلاق ہوئی اور رجوع ممکن ہے اسی فتویٰ کی بہانے پر حافظ رجب نے ۱۴؍ فروری ۴۲؁ء کو چند آدمی جمع کرکے یہ کہا کہ میں نے اپنی عورت کو طلاق دی تھی تم لوگ گواہ رہو کہ میں رجعت کرتا ہوں اور مطلقہ سے اس سے ملاقات تک نہیں اسلئے کہ وہ اپنے باپ کے گھر میں ہے اور اس لفظی رجعت

کے وقت بھی اقرار طلاق بدون حالت غصہ موجود ہے کیونکہ زوجین ہمیشہ سے حنفی المذہب ہیں، اسلئے بربناء مذہب حنفیہ جو حکم شریعت ہو بحوالہ عبارت کتب جواب شافی سے ماجور عند اللہ وممنون عند الناس ہونگے۔ المستفتی۔ بچی نداف سوامہ محلہ ابوحلیم پٹی ضلع الہ آباد۔

الجواب:۔ صورت مذکورہ میں ائمہ اربعہ وجمہور سلف وخلف کے نزدیک تین طلاق واقع ہوگئیں اور منکوحہ حافظ رجب ہمیشہ کیلئے اسپر حرام ہوگئی اب بدون تحلیل کے ہرگز اس کیلئے حلال نہیں ہوسکتی اور اس صورت میں ایک طلاق واقع ہونیکا فتویٰ بجز گمراہ شخص کے کوئی نہیں دے سکتا۔

قال: فی عدۃ ارباب الفتویٰ (ص ۲۳): ولا ینزل قولہ لها: انت طالق ثلاثاً طلقۃ واحدۃ، ولا یفتی بذالک الا من اضلہ اللہ تعالیٰ۔ والمواقع ثلاث طلقات وقد بانت بینونۃ کبریٰ لا تحل لہ الا بعد زوج آخر اھ

وفی رد المحتار: (ص ۶۸۸ ج ۲): وقد ذھب جمھور الصحابۃ والتابعین ومن بعدھم من ائمۃ المسلمین الی انہ یقع ثلاث (الی ان قال) وقد ثبت النقل عن اکثرھم صریحًا بایقاع الثلث ولم یظھر لھم مخالف فماذا بعد الحق الا الضلال وعن ھذا قلنا: لو حکم حاکم بانھا واحدۃ، لم ینفذ حکمہ، لانہ لا یسوغ الاجتھاد فھو خلاف لا اختلاف اھ

پس صورت مذکورہ میں غیر مقلدین کے فتویٰ پر عمل کرنا ہرگز جائز نہیں۔ واللہ اعلم

حررہ الاحقر ظفر احمد عفا اللہ عنہ

۲۸؍ جمادی الآخر ؁۴۰ھ

طلاق کنایہ کے ساتھ طلاق صریح ملکر تین طلاق واقع ہوگئیں

(سوال) کیا حکم ہے اس معاملہ میں شریعت مطہرہ کا کہ زید اپنی بیوی ھندہ سے کسی وجہ سے ناخوش ہوگیا اور اس نے غصہ کی حالت میں ایک خط اپنی ساس اور بیوی کے نام لکھا۔ زید نے کوئی تاریخ نہیں لکھی اور نہ مضمون خط کے آخر میں اپنا دستخط کیا لیکن خط کے مضمون میں ایک مقام پر اپنا نام ظاہر کردیا ہے اور اس میں مطلق شبہ نہیں ہے کہ مذکورہ خط زید کا لکھا ہوا ہے زید اپنی ساس کو برا بھلا لکھنے کے بعد اپنی بیوی کو لکھتا ہے "اگر چلّو بھر پانی ملے تو ڈوب مرو، منہ کالا کرکے نکل جاؤ، میں تم سے عاجز تم مجھ سے بیزار ریں تم سے ہمیشہ کیلئے الگ تم سے نفرت تم اپنا انتظام کرلو، مجھ سے اب

کوئی مطلب نہیں۔ خبردار! آج کی تاریخ سے مجھکو غیر سمجھکر (جیسا کہ تم نے آجکل سمجھا ہے) کوئی خط مت لکھنا میں تمہارا خط دیکھنا گوارا نہیں کرسکتا، مجھکو آج معلوم ہوا ھے کہ تم اپنے باپ کا بدلہ لینا چاھتی ہو اگر تم بدلہ لوگی تو میں بھی باپ کا بیٹا ہوں بیٹی نہیں ہوں تم ضرور بدلہ لو۔ میں نے تم کو آزاد کردیا اپنے باپ سے لکھکر طے کرلو اور جس دن کہو میں آکر باضابطہ آزاد کردوں اور قطع تعلق کرلوں میرے لئے تو قطع تعلق ہوگیا میں تو بیزار رہوں۔ اچھا ھے کہ تم الگ ہوجاؤ اور دوسرا عقد کرلو "

دریافت طلب امر یہ ہے کہ مضمونِ مندرجہ بالا سے کیا طلاق واقع ہوگئی اور اگر ہوئی تو رجعی ھے یا بائن؟ اگر رجعی ھے تو کس شکل سے اور کس مدت کے اندر رجعت ہوسکتی ہے۔ اور اگر بائن طلاق پڑگئی تو ھندہ کیلئے اب کیا حکم شریعت ہے؟۔

السائل شیخ محمد زکریا ساکن مچھلی شہر ضلع جونپور

الجواب:۔ صورت مسئولہ میں زید نے متعدد الفاظ کنایات طلاق میں سے استعمال کئے ہیں مثلاً "منہ کالا کرکے نکل جاؤ" "میں تم سے ہمیشہ کیلئے الگ" "تم اپنا انتظام کرلو" "مجھ سے کوئی مطلب نہیں" ان سب کے بعد اس نے لکھا ہے "میں نے تم کو آزاد کردیا"، جو کہ اردو میں طلاق کیلئے صریح ہے۔ پھر لکھا ہے: "میرے لئے تو قطع تعلق ہوگیا"، یہ بھی ارادۂ طلاق کا مؤید ہے، لھذا صورت مذکورہ میں اگر زید اقرار کرے کہ یہ خط اس کا لکھا ہوا ہے تو ھندہ پر تین طلاق مغلظ پڑگئیں، اب بدون حلالہ کے زید سے نکاح درست نہیں۔

وفی العالمگیریۃ:۔ والحق ابویوسف بخلیۃ اربعۃ اخری ذکر منها فارقتك

وفی الفتاویٰ:۔ لم یبق بینی وبینك عمل، ونوی یقع ولو قال: ابعدی عنی ونوی الطلاق، یقع۔

وفی مجموع النوازل:۔ لو قال لها: اذھبی الیٰ جھنم، ونوی الطلاق، یقع، ولو قال: اعتقتك، طلقت بالنیۃ اھ (ص ۶۹ و ۷۰۔ ج ۲)

وفیہ:۔ لایقع بها ای بالکنایات الطلاق الّا بالنیۃ اوبدلالۃ حال اھ

قلت:۔ وفی الصورۃ المسئولۃ دلالۃ الحال شاھدۃ بارادۃ الطلاق۔ واللہ اعلم۔

ظفر احمد عفا اللہ عنہ

۲ رمضان ۴۰ھ

یکبارگی تین طلاق دیدینے سے تین طلاق واقع ہوجانیکا بیان اوراسکی تحقیق اوراعتراضات کا جواب

(سوال) صحیح مسلم میں ابن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ زمانۂ رسول صلی اللہ علیہ وسلم اور زمانۂ ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ اور دو برس تک حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی خلافت میں بھی جاری تھا کہ کوئی شخص یکبارگی تین طلاق دیتا تھا تو وہ ایک طلاق شمار کیا جاتا تھا تو مولانا صاحب وہ ایک طلاق شمار کرنیکی علت کیا تھی کیا سب سے ایک ہی طلاق ہوتا تھا جس وجہ سے ایک طلاق قائم کیا جاتا تھا۔ اسکی دلیل بھی تحریر فرمادیں کیونکہ غیرمقلدین اس حدیث کے اوپر دلیل پکڑتے ہوئے حنفی کو گمراہ کہتے ہیں اور کہتے ہیں کہ حنفی کی کوئی دلیل قرآن و حدیث سے ثابت نہیں ہے

۱۔ حنفی لوگوں کی ایک جلسہ میں تین طلاق کا دینا وہ طلاق تین واقع ہونا کون سی آیت اور کون کون سی حدیث شریف سے ثابت ہے وہ آیت اور حدیث شریف تحریر فرمائیں؟

۲۔ یہ حدیث جس کا اشارہ تحریر ہے یہ حدیث ناسخ ہے یا منسوخ ہے؟

۳۔ جو لوگ تین طلاق دیکر ایک قائم کرکے عورت کو رکھ لیتے ہیں انکو قیامت کے دن عذاب ہوگا یا نہیں؟ اگر ہوگا تو اسکی دلیل کیا ہے؟

۴۔ حدیث مذکورہ صحیح ہے یا غیر صحیح؟

۵۔ اگر یہ حدیث صحیح ہے تو اس حدیث کے خلاف حنفی عمل کرتے ہیں تو ان کو عذاب ہوگا یا نہیں۔؟

الجواب:۔ قال اللہ تعالیٰ: اَلطَّلَاقُ مَرَّتَانِ فَاِمْسَاكٌۢ بِمَعْرُوْفٍ اَوْ تَسْرِيْحٌۢ بِاِحْسَانٍ، الی ان قال: فَاِنْ طَلَّقَهَا فَلَا تَحِلُّ لَهٗ مِنْۢ بَعْدُ حَتّٰى تَنْكِحَ زَوْجًا غَيْرَهٗ۔ قال الحافظ فی الفتح: قال القرطبی: وحجة الجمهور فی اللزوم من حیث النظر ظاهرة جدًا وهو ان المطلقة ثلاثًا لا تحل للمطلق حتی تنکح زوجًا غیره ولا فرق بین مجموعها ومفرقها لغةً وشرعًا وما یتخیل من الفرق صوری الغاه الشرع اتفاقًا فی النکاح والعتق والاقاریر اھ (ص ۳۱۸)

قلت: وقد اخرج الطبری فی تفسیره عن انس وعن ابی هریرة وعائشة وابن عباس وابن عمر کلهم عن رسول اللہ صلی اللہ علیه وسلم فی الرجل یطلق زوجته ثلاثًا ثم تتزوج برجل آخر هل تحل للاول قال لا حتی

يذوق عسيلتها وتذوق هي من عسيلته وهو حديث مشهور ومطلق لم يفرق فيه بين المجموع والمفترق. واخرج البخاري حديث امرأة رفاعة انها قالت طلقني رفاعة (الى) ثلث تطليقا واني نكحت بعده عبد الرحمٰن —— وفيه —— قوله عليه الصلاة والسلام لا حتى يذوق عسيلتك وتذوقي عسيلته. واخرج البخاري عن عائشة: ان رجلاً طلق امرأته ثلاثاً فتزوجت فطلق فسئل النبي صلى الله عليه وسلم اتحل للاول قال لا حتى يذوق عسيلتها كما ذاق الاول. (فتح الباري ص ۳۳۱ ج ۲)

قال الحافظ: فالتمسك بظاهر قولها طلقها ثلاثاً فانه ظاهر في كونها مجموعة اھ.

وقال النووي: واحتج الجمهور بقوله تعالىٰ: ومن يتعد حدود الله فقد ظلم نفسه لا تدري لعل الله يحدث بعد ذالك اھ قالوا: معناه: ان المطلق قد يحدث له ندم فلا يمكنه تداركه لوقوع البينونة فلو كانت الثلث لم يقع طلاقه هذا الا رجعياً فلا يندم. واحتجوا ايضاً بحديث ركانة انه طلق امرأته البتة فقال له النبي النبي صلى الله عليه وسلم: آلله ما اردت الا واحدة قال آلله ما اردت الا واحدة فهذا دليل على انه لو اراد الثلاث لوقعن والا فلم يكن لتحليفه معنى اھ (ص ۴۷۸ ج ۱)

واخرج ابو داؤد بسند صحيح من طريق مجاهد قال: كنت ابن عباس فجاءه رجل فقال: انه طلق امرأته ثلاثاً، فسكت حتى ظننت انه سيرده اليه فقال ينطلق احدكم فيركب الاحموقة ثم يقول يا ابن عباس! يا ابن عباس! ان الله قال: ومن يتق الله يجعل له مخرجاً...... وانك لم تتق الله. فلا أجد لك مخرجاً عصيت ربك وبانت منك امرأتك اھ كذا في الفتح (ص ۳۱۶ ج ۸)

قلت: وزاد الطبري ثم قرأ ابن عباس قوله تعالىٰ: يا ايها النبي اذا طلقتم النساء فطلقوهن في[1] قبل عدتهن اھ واخرج الطبري

---

[1] یہ حضرت ابن عباس اور حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما کی قرأۃ ہے، اور مشہور قرأۃ "لعدتهن" ہے۔ دیکھئے تفسیر مظہری ۹: ۳۱۸ من سورۃ الطلاق۔ دلاور حسین عفی عنہ

بسند صحیح عن الزهری فی قصة فاطمة بنت قیس فقالت فاطمة: بینی
وبینکم کتاب الله، قال الله جل ثناءه: فطلقوهن لعدتهن حتی بلغ
لعل الله یحدث بعد ذالک امرا، قالت: فای امر یحدث بعد الثلاث
وانما هو فی مراجعة الرجل امرأته اهـ ملخصا ص ۸۷ ج - واخرج عن
الحسن وعکرمه بسند صحیح یقولان: المطلقة ثلاثا والمتوفی عنها
زوجها لا سکنیٰ لها ونفقة قال فقال عکرمة: لعل الله یحدث بعد ذالک
امرا، فقال: ما یحدث بعد الثلاث اهـ ص ۸۸ - ج ۲۸ - واخرج الطبری
فی تفسیر قوله تعالیٰ: الطلاق مرتان فامساک بمعروف او تسریح
باحسان[1] عن عروة بن الزبیر وقتادة وابن زید وغیرهم قالوا کان
الطلاق قبل ان یجعل الله

الطلاق ثلاثا لیس له ان یطلق الرجل امرأته مائة ثم ان اراد ان
یراجعها قبل ان تحل کان ذالک له فجعل الله الطلاق ثلاث تطلیقات
اهـ ملخصا واسانیدها صحاح - وقال السیوطی فی الدر المنثور (ص ۳۷۷
ج-۱) واخرج الترمذی وابن مردویه والحاکم وصححه والبیهقی فی
سننه عن عائشة انها قالت: کان الناس والرجل یطلق امرأته ما شاء
الله ان یطلقها وهی امرأته اذا ارتجعها حتی نزل القرآن: الطلاق
مرتان فامساک بمعروف او تسریح باحسان» — واخرج ابن مردویه
والبیهقی عن عائشة قالت: لم یکن للطلاق وقت یطلق امرأته
ثم یراجعها ما لم تنقض العدة فانزل الله فیه الطلاق مرتان فوقت
لهم الطلاق ثلاثا یراجعها فی الواحدة وفی اثنتین ولیس فی الثالثة
رجعة حتی تنکح زوجا غیره ـــــ واخرج ابو داؤد والنسائی والبیهقی
عن ابن عباس ان الرجل کان اذا طلق امرأته فهو احق برجعتها و
ان طلقها ثلاثا فنسخ ذالک فقال: الطلاق مرتان اهـ قلت:
وقواه الحافظ فی الفتح (ص ۳۱۷ - ج-۸) قال السیوطی واخرج مالک
والشافعی وابو داؤد والبیهقی عن محمد بن ایاس بن البکیر قال طلق

---

[1] من سورة البقرة ۲ : ۴۵۶ مطبع دار الفکر بیروت۔ دلاور حسین عفی عنہ

رجل امرأته ثلاثاً قبل ان يدخل بها ثم بدا له ان ينكحها فجاء يستفتی فذهبت معه اسأل له فسأل اباهريرة وعبد الله بن عباس عن ذالك فقالا: لانرٰی ان تنكحها حتی تنكح زوجاً غيرك، قال: انما كان طلاقی اياها واحدة، قال ابن عباس: انك ارسلت من يدك ما كان لك من فضل اھ (ص ۲۷۸ ج-۱) قلت:- واحاديث مالك صحاح اخرجه محمد فی موطاه (ص ۲۵۹) عن مالك عن الزهری عن محمد بن عبد الرحمٰن بن ثوبان عن محمد بن اياس بن البكير وكلهم ثقات لايسأل عن مثلهم۔

واخرج مالك انه بلغه ان رجلاً قال لابن عباس انی طلقت امرأتی مائة تطليقة فماذا ترٰی علیّ؟ فقال له ابن عباس: طلقت منك بثلاث وسبع وتسعون اتخذت بها ايات الله هزوًا مالك انه بلغه رجلاً جاء الی ابن مسعود فقال انی طلقت امرأتی بمأتی تطليقات فقال ابن مسعود فماذا قيل لك قال قيل لی انها قد بانت منی فقال ابن مسعود: صدقوا اھ (ص ۱۹۹)۔ قلت: وبلاغات مالك صحاح كما تقرر عند المحدثين۔ والجواب عن حديث طاؤس عن ابن عباس الذی اخرجه مسلم وغيره بوجوه الاول ان حديث طاؤس هذا شاذ خالف فيه العدد الكثير من اصحاب ابن عباس وهی طريقة البيهقی فانه ساق الروايات عن ابن عباس بلزوم الثلاث ثم نقل عن ابن المنذر انه لايظن بابن عباس انه يحفظ عن النبی صلی الله عليه وسلم شيئاً ويفتی بخلافه فتيعين المصير الی الترجيح والاخذ بقول الاكثر اولٰی من الاخذ بقول الواحد اذا خالفهم۔ وقال: ابن العربی هذا حديث مختلف فی صحته فكيف يقدم علی الاجماع اھ كذا قال الحافظ فی الفتح (ص ۳۱۷ ج ۸) —— وفی زاد المعاد لابن القيم قال البيهقی فهذه رواية سعيد بن جبير وعطاء بن ابی رباح ومجاهد وعكرمة وعمرو بن دينار ومالك بن الحرث ومحمد بن اياس بن البكير قال وروينا عن معاوية بن ابی عياش الانصاری كلهم عن ابن عباس انه اجاز

الثلاث وامضاهن اه (ص ٢٥٨ ج-٢)۔ الثانى: دعوى الاضطراب، قال القرطبى فى المفهم وقع فيه مع الاختلاف على بن عباس الاضطراب فى لفظه وظاهر سباقة يقتضى النقل عن جميعهم ان معظمهم كانوا يرون ذالك، والعادة فى مثل هذا ان يفشو الحكم وينتشر فكيف ينفرد به واحد عن واحد قال فهذا الوجه يقتضى التوقف عن العمل بظاهره ان لم يقتض القطع ببطلانه اه كذا قال الحافظ فى الفتح (ص ٣١٨ ج ٨) قلت:۔ ودليل الاضطراب: ان ابا داؤد اخرجه بلفظ: "اما علمت ان الرجل كان اذا طلق امرأته ثلاثا قبل ان يدخل بها جعلوها واحدة"، قال الحافظ: فتمسك بهذا السياق من اعلى الحديث اه (ص ٣١٧ ج ٨) الجواب الثالث: انه ورد فى صورة خاصة فقال ابن سريج وغيره: يشبه ان يكون ورد فى تكرير اللفظ كان يقول انت طالق انت طالق وكانوا اولا على سلامة صدورهم يقبل منهم انهم ارادوا التاكيد فلما كثر الناس فى زمن عمر رض وكثر فيهم الخداع ونحوه مما يمنع قبول من ادعى التاكيد جعل عمر اللفظ على ظاهر التكرار فامضاه عليهم۔ وهذا الجواب ارتضاه القرطبى وكذا قال النووى: هذا اصح الاجوبة (فتح ٣١٨ ج-٨) الجواب الرابع:۔ حمل قوله ثلاثاً على المراد بها لفظ "البتة" كما فى حديث رُكانة سواء وهو من رواية ابن عباس ايضًا فكان بعض رواته حمل لفظ "البتة" على الثلاث لاشتهار التسوية بينهما فرواها بلفظ ثلاث، وانما المراد لفظ البتة وكانوا فى العصر الاول يقبلون ممن قال اردت بالبتة الواحدة فلما كان عهد عمر امضى الثلاث فى ظاهر الحكم اه كذا قال الحافظ فى الفتح (ص ٣١٨- ج ٨) وحاصل هذا الجواب عندنا: ان لفظ "البتة" كان فى العصر الاول من الكنايات لم يكن صريحًا فى ارادة التحريم المغلظ فيقبل ممن قال اردت به واحدة فلما كان عهد عمر تتابع الناس فى استعمال هذا اللفظ وصار كالصريح فى

معنى الحرمة المغلظة وامضى عمر به الطلقات الثلاث والحقه بقول القائل انت طالق ثلاثاً لعرف اهل زمانه، يؤيده ما اخرجه مالك عن يحيى بن سعيد عن ابى بكر بن حزم: ان عمر بن عبد العزيز قال: "البتة" ما يقول الناس فيها؟ قال ابو بكر فقلت له كان ابان بن عثمان يجعلها واحدة فقال عمر بن عبد العزيز لو كان الطلاق الفا ما ابقت البتة منه شيئاً، من قال البتة فقد رمى الغاية القصوى، و مالك عن ابن شهاب: ان مروان بن الحكم كان يقضى فى الذى يطلق امرأته البتة انها ثلاث تطليقات و مالك عن ابن شهاب يقول فى الرجل يقول لامرأته برأتُ منى و برأتُ منكِ انها ثلاث تطليقات بمنزلة البتة اھ (ص ۲۰۰ مؤطا مالك)۔

فهذه كلها تدل على ان لفظ "البتة" كان عندهم بمنزلة الطلقات الثلاث عرفاً ـــــ فان قلت: فلما انعقد الاجماع على كون البتة ثلاثاً فلم خالف الحنفية فيه؟ ـــــ قلنا:- كان سبب الاجماع عرف اهل زمانهم والّا فهذا اللفظ فى الاصل من الكنايات فلما تغير العرف فى زمن ابى حنيفةؒ تغير الحكم ايضاً وعاد الى اصله وعلى هذا فمعنى قول ابى الصهباء لابن عباس اتعلم انها كانت الثلاث تجعل واحدة على عهد رسول الله صلى الله عليه وسلم وابى بكر و ثلاثاً من امارة عمر؟ قال ابن عباس نعم: يعنى اتعلم ان لفظ البتة الذى يراد به الآن الطلقات الثلاث كانت تجعل واحدة فى عهده صلى الله عليه وسلم وابى بكر وصدراً من خلافة عمر؟ قال ابن عباس: فلما كان فى عهد عمر تتابع الناس فى الطلاق فاجازه عليهم يعنى تتابع الناس فى الطلاق فى الثلاث هذا، والله تعالى اعلم۔

تین طلاق دینے سے تین طلاق واقع ہونیکی دلیل حق تعالیٰ کا یہ قول ہے، اَلطَّلَاقُ مَرَّتَانِ فَاِمْسَاكٌ بِمَعْرُوْفٍ اَوْ تَسْرِيْحٌ بِاِحْسَانٍ۔ الیٰ قولہ۔ فَاِنْ طَلَّقَهَا فَلَا تَحِلُّ لَهٗ مِنْ بَعْدُ حَتّٰى تَنْكِحَ زَوْجًا غَيْرَهٗ۔ یعنی طلاق رجعی دو طلاق ہیں اسکے بعد یا تو قاعدہ کے موافق بیوی کو روک لے یا خوبی سے علیحدہ کردے، آگے ارشاد ھے کہ "دو کے بعد اگر دوسری طلاق دی تو وہ عورت اب شوہر کیلئے حلال نہ رہیگی جب تک وہ کسی دوسرے

سے نکاح نہ کرے ،، اس سے معلوم ہوا کہ تین طلاق کے بعد حرمتِ مغلظہ ثابت ہو جاتی ھے خواہ ایک مجلس میں دی یا الگ الگ دو مجلسوں میں کیونکہ الفاظ آیت کے مطلق ہیں اور احادیث سے بھی معلوم ہوتا ہے کہ یہ حکم مطلق ھی ہے جیسا کہ آئندہ آئیگا۔ دوسری دلیل حق تعالیٰ کا یہ ارشاد ھے ،، ومن یتعد حدود اللہ فقد ظلم نفسہ لا تدری لعل اللہ یحدث بعد ذالک امراً ،، جو کوئی خداوندی حدود سے تجاوز کرے اس نے اپنے نفس پر ظلم کیا۔ اے (طلاق دینے والے) شخص تجھکو کیا معلوم ھے شاید حق تعالےٰ اسکے بعد کوئی نئی بات پیدا کر دیں (یعنی شاید طلاق کے بعد تجھکو ندامت ہو اور تو بیوی کو رکھنا چاھے اسلئے حد سے آگے نہ بڑھ) اور طلاق رجعی کی حد پہلی آیت میں معلوم ہو چکی ھے کہ دو تک ہے) پس اگر تین طلاق دینے سے ایک ہی واقع ہوا کرے تو لازم آتا ہے کہ حد سے تجاوز کرنے میں اسکو کچھ بھی ندامت نہ ہو حالانکہ آیت سے معلوم ہو رہا ہے کہ حد سے تجاوز کرنے والا اپنے اوپر ظلم کرتا ہے۔ اور شاید بعد میں اسکو ندامت ہو۔ اس سے معلوم ہوا کہ تین طلاق دینے سے تین ہی پڑتی ہیں اور جو تفسیر ھم نے ان آیات کی بیان کی ھے احادیث سے اسکی تائید ہوتی ہے چنانچہ ملاحظہ ہو:

(۱) طبری نے اپنی تفسیر میں حضرت انس وابوھریرۃ وحضرت عائشہ وابن عباس رضی اللہ عنہم سے روایت کی ہے وہ سب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں اس شخص کے بارے میں جس نے اپنی زوجہ کو تین طلاق دی ہوں پھر اس نے دوسرے شخص سے نکاح کیا ہو اور اس نے بھی طلاق دیدی ہو تو وہ پہلے کیلئے حلال ہو گئی یا نہیں؟ آپ نے فرمایا کہ نہیں۔ جب تک وہ اس کا مزہ نہ چکھے اور عورت اس کا مزہ نہ چکھے یہ حدیث مشہور ہے جس میں حضورؐ نے تین طلاق کا حکم عام بیان فرمایا ھے خواہ تینوں ایک مجلس میں دی گئی ہوں یا الگ الگ۔

(۲) بخاری نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت کی ہے کہ ایک شخص نے اپنی زوجہ کو تین طلاق دیں پھر اس نے نکاح کیا پھر اس (دوسرے) نے بھی طلاق دی تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے دریافت کیا گیا کہ وہ پہلے شوہر کیلئے حلال ہو گئی یا نہیں؟ آپ نے فرمایا نہیں جب تک وہ دوسرا بھی اس کا مزہ نہ چکھے جیسا کہ پہلے نے مزہ چکھا ہے۔ حافظ ابن حجر فرماتے ہیں کہ اس میں لفظ طلقہا ثلاثاً سے ظاہری طور پر یہ معلوم ہوتا ہے کہ یہ تینوں

طلاق ایکدم سے دی گئی ہیں (ص ۳۲۱ ج ۸)۔

(۳) رُکانہؓ سے روایت ہے کہ انہوں نے اپنی بیوی کو لفظ البتہ سے طلاق دی تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اُن سے فرمایا کہ کیا تم قسم کھا کر کہہ سکتے ہو کہ تم نے صرف ایک طلاق کی نیت کی تھی رکانہ نے قسم کھا کر کہا کہ میں نے صرف ایک طلاق کی نیت کی تھی۔ امام نووی فرماتے ہیں کہ یہ حدیث بتلا رہی ہے کہ اگر رکانہ نے تین طلاق کی نیت کی ہوتی تو تینوں واقع ہو جاتیں اگر تین کی نیت سے بھی ایک ھی واقع ہوتی تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا رکانہ سے قسم لینا بیکار ہو جاتا ھے۔ یہ حدیث صحیح ہے ملاحظہ ہو نووی شرح مسلم ص ۴۷۸ ج ۱)

(۴) ابوداؤد نے بسند صحیح مجاھد سے روایت کی ہے وہ کہتے ہیں کہ میں ابن عباس رضی اللہ عنہ کے پاس بیٹھا ہوا تھا کہ اتنے میں ایک شخص آیا اس نے کہا کہ میں نے اپنی زوجہ کو تین طلاق دی ہیں ابن عباس نے (کچھ دیر) سکوت کیا جس سے مجھے گمان ہوا کہ شاید وہ اسکی بیوی کو اسی کی طرف واپس کر دینگے مگر ابن عباس نے فرمایا کہ بعض لوگ جا کر حماقت کرتے ہیں پھر آ کر (مجھے) پکارتے ہیں۔ اے ابن عباس! اے ابن عباس! حالانکہ حق تعالےٰ فرماتے ہیں " ومن یتق اللہ یجعل لہ مخرجا "۔ جو شخص خدا سے ڈرے گا حق تعالیٰ اس کے لئے راستہ نکالدینگے اور تو نے خدا سے خوف نہیں کیا اسلئے میں تیرے واسطے کوئی راستہ نہیں پاتا تو نے اپنے رب کی نافرمانی کی اور تیری بیوی تجھ سے جدا ہوگئی (فتح ص ۳۱۶ ج ۸) اور طبری کی روایت میں اتنی اور زیادتی ہے کہ ابن عباس نے یہ آیت پڑھی " یا ایھا النبی اذا طلقتم النساء فطلقوھن فی قبل عدتھن اھ ۔ اس سے صاف معلوم ہو رہا ہے کہ اس شخص نے تین طلاق ایک مجلس میں دی تھیں کیونکہ متفرقاً تین طلاق دینا معصیت نہیں ہے اور ابن عباس رضی اللہ عنہ بایں وجہ یہ فرمایا کہ تیری بیوی تجھ پر حرام ہوگئی۔ اس سے معلوم ہوا کہ تین طلاق ایک مجلس میں ایکدم سے دی جائیں تو وہ واقع اور لازم ہو جاتی ہیں۔

(۵) طبری نے سند صحیح کے ساتھ زہری سے قصہ فاطمہ بنت قیس کو روایت کیا ہے جس کے آخر میں فاطمہ بنت قیس کا یہ قول ھے کہ حق تعالیٰ فرماتے ہیں " لا تدری لعل اللہ یحدث بعد ذالک امراً "۔ اے مخاطب! تو نہیں جانتا شاید حق تعالیٰ اسکے بعد کوئی نئی بات پیدا کر دیں، فاطمہ بنت قیس نے کہا کہ بتلاؤ تین طلاق کے بعد کونسی نئی بات پیدا ہونیکی اُمید ھے پس یہ حکم جو اس آیت میں مذکور ہے طلاق رجعی کا ھے اھ (ص ۸۸ ج ۲۸)۔

اس سے صاف معلوم ہوا کہ تین طلاق کے بعد پھر رجعت وغیرہ کی کچھ گنجائش نہیں رہتی۔

(۶) طبری نے آیت، الطلاق مرتان فامساک بمعروف او تسریح باحسان کی تفسیر میں عروۃ بن الزبیر اور قتادہ وابن زید وغیرہم سے روایت کی ہے وہ سب کہتے ہیں کہ پہلے طلاق کیلئے کچھ حد نہیں تھی آدمی اپنی بیوی کو سو طلاق دیدیتا پھر اگر عدت تمام ہونے سے پہلے وہ رجوع کر لیتا تو اسکو یہ حق حاصل تھا پھر حق تعالیٰ نے طلاق کی حد تین تک مقرر کردی (کہ اب تین طلاق کے بعد رجوع کا حق بالکل نہیں رہتا) اھ (ص ۲۷۷-ج-۱) انکی اسناد صحیح ہے ـــــ اس سے صاف معلوم ہوا کہ تین طلاق زبان سے نکالتے ہی عورت بالکل حرام ہو جاتی ہے۔

(۷) علامہ سیوطیؒ درمنثور میں فرماتے ہیں کہ ترمذی اور ابن مردویہ اور حاکم نے روایت کی ہے اور حاکم نے اسکو صحیح کہا ہے نیز بیہقی نے بھی اپنی سنن میں بیان کیا ھے سب کے سب حضرت عائشہؓ سے روایت کرتے ہیں کہ انہوں نے فرمایا کہ پہلے لوگ اس حالت میں تھے کہ ایک آدمی اپنی بیوی کو جتنی چاھے طلاق دیدیتا اور جب وہ رجوع کر لیتا تو وہ اسکی بیوی ھی رہتی تھی یہاں تک کہ آیت "الطلاق مرتان فامساک بمعروف او تسریح باحسان" نازل ہوئی، دوسری روایت میں ھے کہ حضرت عائشہؓ نے فرمایا کہ اس آیت میں حق تعالیٰ نے طلاق کی حد مقرر کردی، پس ایک اور دو میں رجوع کر سکتا ہے اور تین میں رجعت کا حق نہیں جب تک وہ دوسرے شوہر سے نکاح نہ کرے۔

(۸) ابوداؤد اور نسائی نے اور بیہقی نے ابن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت کی ھے کہ پہلے جب آدمی اپنی بیوی کو طلاق دیدیتا تو اسکو رجعت کا حق حاصل رہتا تھا اگرچہ اس نے تین ھی طلاق دیدی ہوں پھر یہ حکم منسوخ ہوگیا (اب تین کے بعد حق رجوع حاصل نہیں)۔ اس حدیث کو حافظ ابن حجر نے قوی کہا ہے۔

(۹) علامہ سیوطیؒ فرماتے ہیں کہ مالک اور شافعی اور ابوداؤد اور بیہقی محمد بن ایاس بن بکیر سے روایت کرتے ہیں کہ ایک شخص نے اپنی بیوی کو تین طلاق دیں قبل دخول کے پھر وہ استفتاء کرتا ہوا آیا تو میں بھی اس کے ساتھ مسئلہ دریافت کرنے کیلئے ہو لیا تو اس نے حضرت ابوہریرہ وابن عباس رضی اللہ عنہما سے سوال کیا دونوں نے فرمایا کہ ہم تیرے واسطے اس عورت سے نکاح جائز نہیں سمجھتے جب تک وہ تیرے سوا کسی دوسرے سے نکاح نہ کرے، اس نے

کہا کہ میں نے تو اسکو ایکدم سے طلاق دی تھی، ابن عباس نے فرمایا کہ تو نے اپنے ہاتھ سے وہ فضیلت خود نکالدی جو تجھے حاصل تھی۔ میں کہتا ہوں کہ اس حدیث کو امام محمدؒ نے اپنے مؤطا میں مالک سے بسند صحیح روایت کیا ہے ـــــــ اس حدیث سے صاف معلوم ہوا کہ تینوں طلاق ایکدم دینے میں بھی تینوں واقع اور لازم ہو جاتی ہیں۔

(۱۰) امام مالک مؤطا میں فرماتے ہیں کہ انکو یہ حدیث پہنچی ھے کہ ایک شخص نے ابن عباسؓ سے کہا کہ میں نے اپنی بیوی کو ۱۰۰ سو طلاق دیدیں تو آپ میرے لئے کیا فرماتے ہیں؟ ابن عباس نے فرمایا کہ وہ عورت تین طلاق سے تجھ پر حرام ہوگئی اور ۹۷ طلاقوں سے تو نے خدا کی آیات سے استہزاء کیا۔ امام مالکؒ فرماتے ہیں کہ مجھے یہ حدیث بھی پہنچی ھے کہ ایک شخص ابن مسعود کے پاس آیا اور کہا کہ میں نے اپنی بیوی کو ۲۰۰ دوسو طلاق دیدیں۔ ابن مسعود نے کہا پھر تجھ سے لوگوں نے کیا کہا؟ کہنے لگا کہ مجھ سے یہ کہا گیا ہے کہ وہ عورت مجھ پر حرام ہوگئی۔ ابن مسعود نے فرمایا کہ لوگوں نے سچ کہا اھ (ص ۱۹۹) ـــــــ میں کہتا ہوں کہ بلاغات امام مالکؒ محدثین کے نزدیک صحیح ہیں اور اس سے بھی معلوم ہوا کہ اگر کوئی شخص سو طلاق یا دوسو طلاق ایک دم سے دیدے تو تین طلاق پڑ جاتی ہیں۔ گو ایک ھی لفظ سے طلاق دی۔ اور ایک ھی مجلس میں دے یہ دلائل تو جمہور کی طرف سے ہیں اب اس حدیث کا جواب سنئے جو غیر مقلد اپنی دلیل میں بیان کرتے ہیں اسکے چند جواب ہیں:

(۱) یہ کہ اس حدیث کو ابن عباس سے صرف طاؤس نے روایت کیا ھے اور ابن عباس کے دوسرے شاگرد یعنی سعید بن جبیر و عطاء بن ابی رباح و مجاہد و عکرمہ و عمرو بن دینار و مالک بن حرث و محمد بن ایاس بن بکیر و معاویہ بن ابی عیاش انصاری اسکے خلاف ابن عباس سے روایت کرتے ہیں کہ انہوں نے تین طلاق کو (ایک مجلس میں ایک لفظ سے) نافذ اور واقع کیا ہے چنانچہ بیہقی نے ان سب روایتوں کو نقل کرکے ابن منذر کا قول بیان کیا ہے کہ ابن عباس پر یہ گمان نہیں ہو سکتا کہ وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ایک بات یاد رکھتے ہوئے اسکے خلاف فتویٰ دیں پس لامحالہ ان میں سے ایک کو ترجیح دینی لازم ہے اور ظاہر ھے کہ جو بات جماعت کثیر نے ابن عباس سے بیان کی ہے اسکو اخذ کرنا ایک شخص کی روایت کو اخذ کرنے سے زیادہ بہتر ھے جبکہ وہ ایک شخص سب کے خلاف روایت کرتا ھے (فتح الباری ص ۳۱۷۔ ج ۸) ـــــــ حاصل یہ ہوا کہ طاؤس کی روایت شاذ

ھے اور روایت شاذ مردود ہوتی ہے۔

(۲) طاؤس کی یہ روایت مضطرب ہے قرطبی نے مفہم شرح مسلم میں کہا ہے کہ اس حدیث میں باوجود اصحاب ابن عباس کے مخالفت کے الفاظ میں بھی اضطراب واقع ہے اور نیز طاؤس کی اس حدیث سے بظاہر معلوم یہ ہوتا ہے کہ اکثر صحابہ کو یہ بات معلوم تھی کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں تین طلاق کو ایک سمجھا کرتے تھے اور ایسی بات عادۃً شائع اور منتشر ہونی چاہئے تھی پھر اسکی کیا وجہ ہے کہ اسکو نقل کرنے والا ایک ھی شخص ہے (یعنی طاؤس) اور وہ بھی ایک ھی شخص سے روایت کرتا ہے (یعنی ابن عباس سے) اگر یہ مسئلہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں ہوتا اور اکثر صحابہ اسکو جانتے تو بہت سے تابعین بہت سے صحابہ سے اسکو روایت کرتے اسلئے اگر اسکو قطعی طور پر باطل نہ کہا جائے تب بھی طاؤس کی حدیث پر عمل کرنے سے توقف کرنا لازم ہے۔

(۳) تیسرا جواب یہ ہے کہ اگر طاؤس کی روایت کو صحیح مان لیا جائے تو اس کا مطلب یہ ہے کہ وہ ایک خاص صورت کے متعلق ھے وہ یہ کہ اگر کوئی شخص الفاظ طلاق کو تین بار مکرر کہے کہ تجھکو طلاق تجھکو طلاق تجھکو طلاق اور پھر یہ دعویٰ کرے کہ میری نیت صرف ایک طلاق دینے کی تھی اور میں نے تین بار محض تاکید کیلئے کہا تھا تو اس صورت میں زمانۂ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وابوبکر اور تین سال خلافتِ عمر میں شوہر کا قول مان لیا جاتا تھا کیونکہ اس زمانہ میں لوگ جھوٹ نہ بولتے تھے صلاحیت اور تقویٰ کا اس زمانہ میں غلبہ تھا، حضرت عمر کے زمانہ میں جب کذب وخداع لوگوں میں زیادہ ہوگیا تو حضرت عمر نے حکم دیدیا کہ اب جو شخص تین بار لفظ طلاق مکرر کہکر ایک طلاق کی نیت کا دعویٰ کرے گا قضاءً یہ دعویٰ قبول نہ ہوگا۔ قرطبی اور نووی نے اس مطلب کو صحیح کہا ہے — اور اگر صاف یہ کہدے کہ تجھکو تین طلاق تو اسکو کسی وقت میں ایک شمار نہیں کیا گیا اور نہ حدیث اس پر دال ہے۔

(۴) چوتھا جواب یہ ہے کہ اس حدیث میں راوی نے لفظ "البتۃ" کی جگہ لفظ "ثلاثا" کہدیا ہے کیونکہ اس وقت لفظ البتۃ اور تین طلاق کا یکساں ہونا مشہور تھا چنانچہ رُکانہ کی حدیث میں بھی بعض راویوں نے لفظ "البتۃ" کی جگہ لفظ "ثلاثا" کہدیا ہے، پس مطلب حدیث کا یہ ہے کہ ابوالصہباء نے ابن عباس سے دریافت کیا کہ کیا آپکو یہ بات

معلوم ہے کہ زمانہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور ابوبکرؓ وشروع خلافت عمرؓ میں "طلاق" "البتۃ" کو (جو آجکل تین طلاق شمار ہوتے ہیں) ایک طلاق شمار کیا جاتا تھا۔ ابن عباس نے کہا ہاں اھ سو بات یہ ہے کہ لفظ "البتۃ" اصل میں کنایہ ہے اور کنایات کا قاعدہ یہ ہے کہ اس سے ایک طلاق واقع ہوتی ہے اور اگر تین طلاق کی نیت کرے تو تین طلاق واقع ہوجاتی ہیں پس ابتداءِ زمانۂ اسلام میں یہ لفظ تین طلاق کیلئے صریح نہ تھا ایک طلاق کی نیت قبول کی جاتی تھی، پھر حضرت عمرؓ کے زمانہ میں اسکا استعمال تین کے معنیٰ میں بہت شائع ہوگیا حتیٰ کہ وہ اس معنی میں صریح ہوگیا کنایہ باقی نہ رہا اسلئے حضرت عمرؓ نے حکم دیدیا کہ اب اس لفظ سے طلاق واحد کی نیت قبول نہ ہوگی کیونکہ اب کثرت استعمال سے یہ تین طلاق کے معنیٰ میں صریح ہوگیا ہے باقی یہ مطلب اس کا ہرگز نہیں کہ صاف صاف تین طلاق دینے کے بعد بھی بوجہ اتحاد مجلس کے یا بوجہ اتحاد کلمہ کے انکو ایک شمار کیا جائیگا جو کوئی یہ دعویٰ کرے وہ دلیل بیان کرے اور جو دلیل غیر مقلد بیان کرتے ہیں اسمیں علاوہ شذوذ واضطراب کے یہ دو احتمال قوی موجود ہیں۔ جو ہم نے بیان کیئے ہیں "اذا جاء الاحتمال بطل الاستدلال"، یعنی احتمال کے ہوتے ہوئے استدلال باطل ہوجاتا ہے، علاوہ ازیں یہ کہ جماہیر اُمت کا اسپر اجماع ہوچکا ہے کہ تین طلاق ایک مجلس میں ایک ہی لفظ سے دی جائیں تو وہ ضرور واقع ہوجاتی ہیں۔ خواہ مدخول بھا ہو یا نہ ہو اور ایک مجلس میں تین لفظ سے دی جائیں تو اس میں مدخول بھا وغیر مدخول بھا کی حالت سے فرق ہوجاتا ہے، مدخول بھا پر بالاجماع تینوں پڑجاتی ہیں۔ اور غیر مدخول بھا میں اختلاف ھے اور اجماع کی مخالفت حرام ہے، لھذا جو لوگ یہ کہیں کہ ایک مجلس میں تین طلاق دینے سے ایک واقع ہوتی ہے وہ مرتکب معصیت اور سخت گمراہ و گناہ گار ہیں۔

قال الحافظ فی الفتح : وفی الجملۃ: فالذی وقع فی هذه المسئلۃ نظیر ما وقع فی مسئلۃ المتعۃ سواء اعنی قول جابر انها کانت تفعل فی عهد النبی صلی اللہ علیہ وسلم وابی بکر وصدر من خلافۃ عمر ثم نهانا عمر عنها فانتهینا فالراجح فی الموضعین تحریم المتعۃ وایقاع الثلاث للاجماع الذی انعقد فی عهد عمر علی ذالک ولا یحفظ ان احدا فی عهد عمر خالفه فی واحدة منهما وقد دل اجماعهم علی وجود ناسخ

وان کان خفی عن بعضھم قبل ذالک حتی ظھر لجمیعھم فی عھد عمر فالمخالف بعد ھذا الاجماع منابذ لہ والجمھور علی عدم اعتبار من احدث الاختلاف بعد الاتفاق (ص۳۱۹ ج۸) واللہ اعلم۔

لفظ طلاق کو تین بار کہنے سے مطلقہ مغلظہ ہوجانے کا حکم

(سوال) شخصے جاہل نزد عالمی برای طلاق دادن بزن خود آمد ہمان عالم صاحب بہ طالب علمے خود فرمود کہ این را تلقین طلاق نمودہ ایقاع طلاق کنان اوبروئے خود طالب علم بآں شخص گفت کہ طلاق بائن بدہ آں گفت «طلاق دادم» بعدہ طالب علم ہمیں خیال نمودہ کہ برائے دفع مناقشہ زوجین طلاق رجعی کافی نیست بآں شخص گفت کہ بگو طلاق بائن دادم بعدہ گفت طلاق بائن دادم و آن دم ہماں عالم صاحب فرمود کہ لفظ بائن را مردم بے علم نمی فہمند برای اطمینان طرفین گفتہ آید کہ جواب دادم باز آں شخص بزن خود گفت کہ جواب دادم (و جواب دادن د رعرف این ملک بائن می شود) دریں صورت بر مستفتی عنہا طلاق رجعی واقع شد یا بائن یا مغلظہ آں شخص بے علم بود مرادش طلاق مطلق دادن بود بغیر لحاظ وصفے وعددے مگر حسب گفتن طالب علم وعالم تفسیرًا باز طلاق بائن بعدہ جواب دادم گفتہ۔ از تکرار چنیں الفاظ (جواب دادم و بائن) مراد ملقنان طلاق طلاق دھم مراد مرد مطلق تقریر طلاق نبود صرف تعیین نوع طلاق (بائن) بود، بینوا توجروا بالبرھان۔

سائل بندہ دین محمد فیروزشاھی معلم مدرسہ مقام پاٹ اسٹیشن بیارہ گوٹھ ضلع لاڑکانہ (سندھ)

الجواب[عہ]:- صورت مسئولہ میں تین طلاق مغلظہ واقع ہوگئیں اب بدون حلالہ کے عورت اس مرد کیلئے حلال نہیں ہوسکتی۔

قال فی العالمگیریۃ: متی کرر لفظ الطلاق بحرف الواو بغیر حرف الواو یتعدد الطلاق وان عنی بالثانیۃ الاولیٰ لم یصدق فی القضاء اھ (ص۵۶ ج۲)

قلت: وفی الصورۃ المسئولۃ لا یصدق دیانۃً ایضًا لان الزوج جاھل تکلم بما لقّنہ المُلَقِّنْ واما التفسیر بالبائن ونحوہ فھذا انما ھو فی ذھن الملقن فحسب لا فی ذھن المطلق کما یظھر من السوال، واللہ اعلم۔

۲ر شوال سنہ ۴۱ھ

[عہ] اس سوال کے جواب سے بعد میں رجوع کیا گیا۔

«جاتجھکو طلاق دی میں نے» پھر کہا «تجھکو دو طلاق دی» تو عورت اگر مدخول بہا ہے تو تین واقع ہوگئیں

(**سوال**) زید نے اپنی بیوی سے کہا «جا تجھکو طلاق دی میں» تھوڑی دیر کے بعد کہا «جا تجھکو دو طلاق دی میں» اب زید کے پاس ۵ شخص موجود تھے دو شخص کہتے ہیں کہ زید نے صرف «جا تجھکو دو طلاق دی میں» کہا اور «جا تجھکو طلاق دی میں» نہیں کہا اور باقی تین ہی شخص کہتے ہیں کہ زید نے پہلے «جا تجھکو طلاق دی میں» کہا تھوڑی دیر کے بعد کہا «جا تجھکو دو طلاق دی میں» اور زید ان تین شخصوں کی گواہی کو انکار کرتا ہے حالانکہ پانچوں شخص ایک ہی جگہ پر بیٹھے تھے اور زید پہلے دو شخص کی شہادت کا اقرار کرتا ہے، اب صورت مذکورہ میں کتنی طلاق پڑیگی؟ اور صورت اولیٰ میں آیا ایک ہی طلاق پڑیگی یا تین؟ اور صورت ثانیہ میں دو طلاق پڑیگی یا نہیں؟ جواب مدلل بحوالہ کتب مرحمت فرمائیں؟ بینوا توجروا۔

الجواب:- قال فی العالمگیریة: ولو قال للمدخولة انت طالق واحدة لا بل ثنتین یقع الثلاث اھ (ص ٦١ - ج - ٢)۔

اس سے معلوم ہوا کہ دوسری صورت میں اگر شوہر نے پہلے «جا تجھکو طلاق دی میں» کہکر پھر «جا تجھکو دو طلاق دی میں» کہا ہے تو عورت پر اگر وہ مدخولہ ہے تین طلاق واقع ہوگئیں اور پہلے «جا تجھکو طلاق دی میں» نہیں کہا تھا تو صرف دو طلاق واقع ہوئیں اور غیر مدخولہ کا حکم دوسرا ہے۔ واللہ اعلم۔ حررہ الاحقر ظفر احمد عفا اللہ عنہ

٦ر شوال ٤١ھ از تھانہ بھون خانقاہ امدادیہ

«حکم طلاق ثلاث بدونِ اضافت»

(**سوال**) کیا فرماتے ہیں علماء دین ان مسائل میں کہ:

(۱) ایک شخص اپنی بیوی کو کسی وجہ سے زدوکوب کیا پھر وہاں سے اندازاً پچاس قدم ہٹ کر کہنے لگا کہ «ایک طلاق، دو طلاق» «سات طلاق» بس اس سے اسکی بیوی مطلقہ ہوگئی یا نہیں؟ اور ایک طلاق دو طلاق جو الفاظ مذکور ہے اس سے مراد اضافتِ معنویہ لے سکتے ہیں یا نہیں؟

الجواب:- قال فی الشامیة:- ولا یلزم کون الاضافة صریحة فی کلامه لما فی البحر، لو قال: "طالق" فقیل له: من عنیت؟ فقال: امرأتی طلقت امرأته اھ۔

وفی البحر :- لو قال : امرأة طالق او قال طلقت امرأة ثلاثاً و قال لم اعن امرأتی یصدق اھ ویفھم منہ انہ لو لم یقل ذالک تطلق امرأتہ لان العادة ان من لہ امرأة انما یحلف بطلاقھا لا بطلاق غیرھا فقولہ انی حلفت بالطلاق ینصرف الیھا ما لم یرد غیرھا لانہ یحتملہ کلامہ اھ (ص ۵۰۷ ج ۲)-

صورتِ مذکورہ میں جب اس شخص نے ایک طلاق دو طلاق سات طلاق کہنے کے بعد یہ نہیں کہا کہ میری مراد بیوی کو طلاق دینا نہیں بلکہ کسی اور کو طلاق دینا ہے تو اب اسکی بیوی پر تین طلاق مغلظ واقع ہو گئیں کیونکہ بظاہر اسکی نیت اسی عورت کو طلاق دینے کی ہے جس کو زدوکوب کیا تھا پس بدون تحلیل کے وہ عورت اپنے شوہر کیلئے حلال نہیں ہوسکتی۔ واللہ اعلم۔

”تجھکو آزاد کی، اور طلاق دی، تو چلی جا،، کہنے سے وقوع طلاق کا حکم.

(**سوال**) کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین دریں مسئلہ کہ زید اپنی زوجہ کے ساتھ ہمیشہ تکرار اور جھگڑا کرتا ہے، جب وہ زیادہ تنگ کرتا ہے اسکی زوجہ اپنے باپ کے یہاں چلی آتی ہے، دو چار مہینہ کے بعد پھر زید آتا ہے معافی چاھتا ہے پھر لے جاتا ہے چند روز وہاں رہتی ہے پھر اپنی زوجہ کے باپ کو زید تحریر کرتا ہے اسکو لیجاؤ اسیطرح چند مرتبہ ایسا واقعہ ہوچکا ہے، اب آخر میں جو تکرار ہوا اسکے بعد زید نے اپنا لڑکا بیوی سے چھین لیا اور یہ کہا: ”جا تجھکو آزاد کیا، اور طلاق دی، توچلی جا،، اس نے باپ کو بلا کر اسکے ہمراہ چلی آئی۔ جسکو عرصہ آٹھ ماہ کا ہوچکا ہے۔ زید نہ لینے آیا اور نہ خرچہ دیا۔ اس صورت میں زید کی بیوی کو طلاق ہو گئی یا نہیں. اور اس کا نکاح دوسری جگہ کر سکتے ہیں یا نہیں ؟۔ مولوی محمد یعقوب۔

الجواب :- صورت مسئولہ میں عورت پر تین طلاق واقع ہوچکی ہیں۔ اگر لفظ ”چلی جا،، سے نیت طلاق کی، کی ہو۔ ایک اس لفظ سے ”جا تجھکو آزاد کیا،، دوسری اس لفظ ”اور طلاق دی،، تیسری اس لفظ سے ”توچلی جا،،— لانّ اذھبی واخرجی کنایة والبائن یلحق الصریح — البتہ اگر شوہر نے ”توچلی جا،، سے تیسری طلاق کا قصد نہ کیا ہو بلکہ تاکیداً پہلے کلام کا اثر ونتیجہ بیان کرنیکا قصد کیا ہو تو تین طلاق واقع نہ ہونگی صرف دو طلاق واقع ہونگی۔ لان نحو اذھبی واخرجی لا یقع بہ الطلاق الا بالنیة

مطلقاً سواء کان حالۃ الرضی او الغضب او المذاکرۃ، صرح بہ الشامی۔

(ص ۷۶۵ ج-۲)

پس اگر شوہر نے "تو چلی جا" سے بھی طلاق کا قصد کیا ہو تب تو یہ اسکے لئے بالکل حرام ہو چکی کہ بدون حلالہ کے دوسرا نکاح بھی اس سے نہیں ہو سکتا اور اگر اس لفظ سے طلاق کا ارادہ نہ تھا تو اسمیں یہ تفصیل ہے کہ اگر اس آٹھ ماہ کے عرصہ میں عورت کو تین حیض آچکے جب تو وہ زید کے نکاح سے نکل چکی اور دوسرے شخص سے نکاح کر سکتی ہے، اور اگر اس عرصہ میں تین حیض نہیں آئے تو ابھی عدت پوری نہیں ہوئی، دوسرے سے نکاح نہیں کر سکتی۔ بلکہ اگر زید رجوع کرنا چاہے تو تین حیض گذرنے سے پہلے رجوع کر سکتا ہے، تجدیدِ نکاح کی ضرورت نہیں اور اگر تین حیض آچکے تو اس صورت میں جبکہ دو ہی طلاق واقع ہوئیں زید سے دوسرا نکاح ہو سکتا ہے، حلالہ کی ضرورت نہ ہوگی اور تین حیض کے آنے یا نہ آنے کے باب میں عورت ہی کا قول معتبر ہوگا اور اگر اختلاف ہو تو عورت کا قول مع قسم کے معتبر ہوگا۔

قالت: مضت عدتی، و انکر الزوج فالقول لہا لانہا امینۃ،

(در مختار ص ۸۷۶ ج-۲) واللہ اعلم۔

حررہ الاحقر ظفر احمد عفا عنہ از تھانہ بھون خانقاہ امدادیہ

مورخہ ۲۵ صفر ۴۵ھ۔

"تجھکو قطعاً چھوڑ دیا، تو میری بیوی گری سے نکل گئی تجھکو بائیکاٹ کر دیا"، سے وقوع طلاق کی ایک صورت کا حکم۔

(سوال) کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ زید نے اپنی زوجہ ہندہ کو بارہا اس قسم کے الفاظ تحریر کئے ہیں جیسا کہ نقل ایک تحریر کی منسلک استفتاء ہذا ہے الفاظ یہ ہیں:

"اب آج کی تاریخ سے ہم سے اور تم سے کوئی تعلق نہیں ہے اور ہم نے تم کو قطعاً چھوڑ دیا ہے جو تمہارا دل چاہے سو کرو، تم میری بیوی گری سے بخدا قطعاً نکل گئی ہو میں تم سے مستثنٰی ہوں اور تم کو قطعاً بائیکاٹ کر دیا ہے"۔

جناب والا! یہ الفاظ مکرر سہ کرر خطوط میں لکھا ہے مگر باوجود اس تحریر کے نشست و برخاست بات چیت بند نہیں ہوئی پس اس صورت میں کیا ہندہ پر طلاق بائن ہوئی یا مغلظ؟ امیدوار ہوں کہ جواب باصواب مع حوالۂ کتاب تحریر فرما دیں،

بینوا توجروا۔ کمترین محمود عالم از فیض آباد۔

معرفت حکیم عادل حسین عفا عنہ ۳؍ جمادی الاولیٰ ؁۴۵ھ

(نقل تحریر منجانب زید بنام ھندہ)

ہندہ کو معلوم ہو کہ اب آج کی تاریخ سے ہم سے اور تم سے کچھ تعلق نہیں ھے اور میں نے تمکو قطعاً چھوڑ دیا ہے اور نہ اب میں تمہاری زندگی بھر صورت دیکھونگا۔ اگر میں اپنے ایک باپ کا پیدا ہوں تو ضرور یہ ھی بات کر کے دکھاؤنگا اطلاعاً لکھا گیا ہے لھذا تاکیداً لکھا جاتا ہے کہ تم اسکو مثل نوٹ کے سمجھو اور مذاق نہ سمجھو ورنہ تم بہت بہت پچھتاؤ گی اور سخت رُو وگی آئندہ تم کو اختیار ہے اور اب تم اپنی تمام عمر بھر کیلئے مجھ سے ہاتھ دھوکے۔ ہائے! میں جدا ہوں جو تمہارا دل چاہے سو اب تم کرو تم اب میری بیوی گمری سے بخدا قطعاً نکل گئی ہو میں تم سے مستثنیٰ ہوں اور اب حلف کی رو سے میں دس آدمیوں کے سامنے کہدونگا کہ یعنی خالد کی لڑکی مجھ سے ۲۵؍ شب برات سے ترک ہو گئی ہے ایک مہینہ بھر تک مجھ سے ہندہ سے تعلق رہا اور پھر بعد اسکے ہندہ نے میرے خلاف از حد یہ نالائق حرکتیں کیں اسلئے میں نے اسکو ترک کر دیا اور جو اب تمہارا دل چاھے شوق سے کرو اور نہ اب تمہاری صورت دیکھونگا اگرچہ تم ایک اپنے باپ سے پیدا ہو گی تو اسکو جھوٹ نہ سمجھو گی، اور تم کو قطعاً بائیکاٹ کر دیا ہے حلف کی رُو سے میری بیوی ہندہ نہیں ہے زندگی بھر تک اسکی اب صورت نہ دیکھونگا اور اب یہاں سے بھی کہیں دور جاتا ہوں جب تک تم لکھنؤ رہو گی تب تک میں یہاں سے الگ رہونگا اور جب تم الہ آباد چلی جاؤ گی جب میں یہاں رہونگا اب تک میں نے کوئی طرح کی بات چیت نہیں کی ہے مگر اب ایسا کرونگا پھر چاھے لفٹننٹ گورنر چلے آئینگے تب بھی میں تمہارے قریب نہ آؤنگا اور بھی میں نے اپنا انتظام الگ کر لیا ہے زیادہ کیا لکھوں۔

مؤرخہ ۲۲؍ جولائی ؁۲۶ بقلم خود اندازیخانی ٹولہ ضلع گونڈہ - ۱۲

واضح رہے کہ شوہر نے خط میں انہی جملوں کو "ہندہ میری بیوی نہیں، خالد کی دختر میری کوئی نہیں، میری کوئی نہیں، میری کوئی نہیں" وغیرہ، تین تین مرتبہ لکھا ہے۔ برائے کرم اس کی روشنی میں جواب عنایت فرماویں کہ زید کی بیوی مطلقہ ہو گئی یا نہیں؟ -

الجواب:- صورت مسئولہ میں مسماۃ ھندہ پر تین طلاق مغلظہ واقع ہو چکیں، ایک اس لفظ سے "میں نے تم کو قطعاً چھوڑ دیا ھے"، جو طلاق میں صریح ہے۔ دوسری اس لفظ سے "تم میری بیوی گری سے قطعاً نکل گئی ہو"، جسکے معنیٰ زوجیت سے نکلنا ہے، تیسری اس لفظ سے "تم کو قطعاً بائیکاٹ کر دیا ہے تم میری بیوی نہیں ہو" اھ۔ ان کے علاوہ اور الفاظ بھی اس خط میں موجب طلاق ہیں جو قرینہ سابقہ سے ملکر طلاق کو موجب ہیں لیکن یہ الفاظ تو بہت صاف ہیں۔ وقد صرح الفقھاء بلحوق البائن بالصریح ـــ پس ھندہ کو اس شوہر سے یعنی زید سے قطعاً علیحدگی اختیار کر لینا چاھئے اور اس تحریر کے بعد سے تین حیض عدت کے پوری کر کے وہ جس سے چاھے نکاح کر لے اور زید سے ہی نکاح کرنا چاھے تو جب تک دوسرے شخص سے نکاح اور دخول اور طلاق یا موتِ زوجِ ثانی اور اتمام عدت نہ ہو اس وقت تک وہ زید سے نکاح نہیں کر سکتی ھے کہ تین طلاق کا یہی حکم ہے، واللہ اعلم۔

حررہ الاحقر ظفر احمد عفا عنہ از تھانہ بھون
خانقاہ امدادیہ۔ ۶ رجمادی الاولیٰ ۴۵ھ

"اگر مجھے مارنے کا اختیار نہیں، تو میں نے طلاق دی"، تین مرتبہ یہ جملہ کہنے سے طلاق مغلظہ واقع ہو گی۔

(سوال) کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین اس مسئلہ میں کہ مسمیٰ عمرو اپنی بیوی پر کچھ کار خانگی نقصان کر دینے پر غصہ ہوا اور دو ایک طمانچہ بھی مارے اسپر عمرو کا بھائی آکر مانع ہوا اور ڈانتے ہوئے کہا تجھے کیا اختیار ہے مارنے کا۔ عمرو نے جھنجھلا کے کہا کہ "اگر مجھے مارنے کا اختیار نہیں ہے تو میں نے طلاق دی" اور تین مرتبہ یہی کہا۔ اب عند الشرع انکے لئے کیا حکم ہے،

پتہ:- نیازمند قاضی ابو الحسن تجارہ راجپوتانہ محلہ قاضیان۔

الجواب: قال فی الدر[1]:- وأن لا یقصد بہ المجازاۃ، فلو قالت: یا سفلہ! فقال: ان کنت کما قلت فانت کذا تنجیز کان کذا لك اولا اھ۔

---

[1] فی أول باب التعلیق من کتاب الطلاق۔ دلاور حسین بنگلہ دیشی

وفی الشامیۃ: والمختار والفتوٰی انہ ان کان فی حالۃ الغضب فھو علی المجازاۃ والا فعلی الشرط اھ (ص ۸۱۲ - ج-۲)

قلت: والظاہر من صورۃ السوال کونہ تنجیزًا والتعلیق للمجازاۃ دون الشرط۔

ہمارے نزدیک صورت مسئولہ میں تین طلاق واقع ہوچکی ہیں اس شخص کی بیوی کو اس صورت میں اسکے پاس رہنا جائز نہیں اور نہ اب بدون حلالہ کے اسکو اس شخص سے نکاح درست ہے عدت کے بعد وہ کسی دوسرے سے نکاح کرسکتی ہے۔ باقی اور علماء سے بھی دریافت کرلیا جائے۔

فقط حررہ الاحقر ظفر احمد عفا اللہ عنہ

ازخانقاہ امدادیہ تھانہ بھون ۳۰ رجمادالاخرٰی ۳۴۳ھ

طلاق بائن کے بعد تین طلاق دی تو بینونہ غلیظہ ہوجائیگی یا نہیں

(سوال) زید نے اپنی منکوحہ کو کہا "تو میرے اوپر حرام ہے" پھر اسی وقت کہا کہ "تین طلاق سے طلاق ہے" چونکہ تین طلاقیں صریح لفظ سے بائن غلیظ کہلاتی ہیں اور بائن کے ساتھ بائن ملحق نہیں ہوتی اس قاعدہ کے مطابق یہاں اس صورت میں بائن خفیفہ ہوگی یا بائن غلیظ اگر ملحق ہوکر بائن غلیظ ہوگئی تو "عینی شرح کنز" کی اس عبارت کا کیا مطلب ہوگا؟ والبائن لا یلحق البائن الا اذا کان معلقًا صورتہ اذا قال لامرأتہ: ان دخلت الدار فانت طالق ثلاثا ثم ابانھا فدخلت الدار وھی فی العدۃ طلقت ای وقع علیھا الثلاث المعلق — جس سے معلوم ہوتا ہے کہ اگر بصورت تنجیز اسی وقت طلقات ثلاث واقع کرے تو ملحق نہ ہونگی اور صرف لفظ حرام سے بائن خفیفہ ہوجائیگی۔ بندہ محمد عرفان۔

الجواب: صورتِ مسئولہ میں منکوحہ زید مطلقہ ثلاثہ ہوگئی ہے بدون تزوج بزوج آخر وحصول طلاق ازاں وگذشتن عدت زید کیلئے حلال نہیں ہوسکتی۔ اور سائل نے جو شبہ کیا ہے کہ تین طلاقیں صریح لفظ سے بائن غلیظ کہلاتی ہیں اور بائن کو بائن ملحق نہیں ہوتی یہ شبہ غلط ہے کیونکہ "البائن لا یلحق البائن" میں بائن سے وہ مراد ہے جو بلفظ کنایہ ہو اور بائن بلفظ صریحہ ہو وہ بائن وصریح دونوں

کو ملحق ہوتا ہے۔

قال فی الدر :۔ الصریح یلحق الصریح والبائن۔ والبائن یلحق الصریح مالا یحتاج الی نیة بائنًا کان الواقع به او رجعیًا "فتح" فمنه الطلاق الثلاث فیلحقهما (ای البائن والصریح) وکذا الطلاق علی مال فیلحق الرجعی لا یلحق البائن اھ۔

قال الشامی : ای اذا عرفت ان قوله الصریح یلحق الصریح والبائن المراد بالصریح فیه ما ذکر ظهر ان منه الطلاق الثلاث فیلحقهما ای یلحق الصریح والبائن، فاذا ابان امرأته ثم طلقها ثلاثًا فی العدة وقع وهی واقعة حلب ـــ قال فی الفتح القدیر: الحق انه یلحقها لما سمعت من ان الصریح وان کان بائنًا یلحق البائن ومن ان المراد بالبائن الذی لا یلحق هو ما کان کنایة اھ۔ وتبعه تلمیذه ابن الشحنة فی عقد الفرائد، وکذا صاحب البحر والنهر والمنح والمقدسی والشرنبلالی وغیرهم، وهو صریح فانقلناه آنفًا عن الخلاصة وایّده صاحب الدرر والغرر کما نذکره قریبًا خلافًا لمن رجح عدم وقوع الثلاث فانه خلاف المشهور کما یاتی اھ (ص۷۷۱ ج۔۲)۔

وفیه ایضًا :۔ قوله لا یلحق البائن البائن المراد بالبائن الذی لا یلحق هو ما کان بلفظ الکنایة اھ (ص۷۷۲ ج۔۲)۔ وما نقله الزاهدی عازیًا الی الاسرار لنجم الدین قال : لها: انت بائن ثم قال فی العدة انت طالق ثلاثًا لا یقع الثلاث عند ابی حنیفةؒ لکون الثلاث بینونة غلیظة فی المعنی، وعندهما یقع لکونها صریحًا فی اللفظ نقدرده الشامیؒ بابلغ رد واحسنه وقال: قد تقرر ان الزاهدی ینقل الروایات الضعیفة فلا یتابع فیما ینفرد به وقد وجدا لنقل عن الخلاصة والبزازیة وغیرهما بما یخالفه کما قدمناه اھ (ص مذکوره) والمآل

فیہ فاجاد۔ واللہ اعلم۔

حررہ الاحقر ظفر احمد عفا عنہ

۴ محرم ۴۵ھ از تھانہ بھون خانقاہ امدادیہ۔

حکم طلاق ثلاث نابالغہ غیر مدخولہ

(**سوال**) کیا فرماتے ہیں حضرات علماء دین اس مسئلہ میں کہ مسمیٰ زید نے بموجودگی چند اشخاص کے جن میں اس کا بالغ لڑکا مسمیٰ عمرو بھی موجود تھا بدون اسکے استخراج واستیذان کے ایک طلاق نامہ اسکی طرف سے لکھوایا جس کا عنوان اور رسم یہ تھا "میں مسمیٰ عمرو ولد زید نے اپنی نابالغہ غیر مدخولہ بیوی مسماۃ فلانہ بنت فلاں کو تین طلاق دی" بعد تکمیل کے باپ نے بیٹا کو حکم دیا کہ اس پر بائیں ہاتھ کے انگوٹھا سے نشان کردے۔ چونکہ لڑکا امی تھا دستخط کر نہیں سکتا تھا اسلئے اس نے آجکل کے گورنمنٹی دستور کے موافق اس پر نشان انگوٹھا کا کردیا اور نشان کرنیکا اسکو اقرار ہے اور اسکو طلاق نامہ کے مضمون سے بھی پوری واقفیت ہے اس حالت میں اسکی زوجہ پر تینوں طلاقیں واقع ہونگیں یا نہیں؟ اور اب اگر عمرو اس عورت سے نکاح کرنا چاہے تو بلا حلالہ نکاح صحیح ہے یا نہیں؟ ایک مولوی صاحب فرماتے ہیں کہ طلاق واقع نہیں ہوئی اسلئے کہ دستخط یا ختم نہیں ہے (اور انگوٹھے کی نشان مستحدث ہے) اور نکاح بلا تحلیل جائز ہے اور دوسرے ایک شخص کا خیال ہے کہ انگوٹھے کا نشان بجائے ختم کے ہے لہذا نکاح بلا تحلیل درست نہیں۔ بینوا توجروا۔

الجواب:۔ فی الشامیۃ: (ص ۷۰۴ ج ۲) ولو استکتب کتابا بطلاقھا وقرأہ علی الزوج فاخذہ الزوج وختمہ وعنونہ وبعث بہ الیھا فاتاھا وقع وان اقر الزوج انہ کتابہ او قال للرجل ابعث بہ الیھا او قال لہ اکتب نسخۃ وابعث بھا الیھا وان لم یقرأ ولم یقم بینۃ لکنہ وصف الامر علی وجھہ لا تطلق قضاءً ولا دیانۃ وکذا کل کتاب لم یکتبہ ولم یملہ بنفسہ لا یقع الطلاق مالم یقر انہ کتابہ اھ ملخصاً۔

جب زوج کو مضمون طلاق نامہ سے خبردار ہوتے ہوئے اس کا اقرار ہے کہ وہ

نشان انگشت اس کا ہے اور نشان انگشت ہمارے عرف میں دستخط سے بھی زیادہ مستند ہے تو صورت مسئولہ میں تین طلاقیں واقع ہوگئیں ختم سے ہر وہ نشان مراد ہے جو کہ نسبت کرنے کیلئے کافی ہو یہ نہیں کہ ختم کے علاوہ دوسرے نشانات معتبر نہوں شریعت نے ختم کی کوئی خاص صورت متعین نہیں کی چنانچہ بعض مہر کرتے ہیں بعض دستخط صاف کرتے ہیں بعض دستخط اپنی خاص روش پر بخط طغرا کرتے ہیں تو جو شخص نشان انگشت کو ختم نہیں کہتا وہ دستخط کی قسم ثانی کو کیا کہے گا اور ختم کو ان تین صورتوں میں سے کسی ایک صورت کے ساتھ کس دلیل سے مقید کریگا ہمارے نزدیک ختم کا مدار عرف پر ہے جس طریقہ کو عرفاً ختم سمجھتے ہوں اس سے تحریر خاتم کی طرف منسوب ہو جائیگی اور آجکل نشان انگشت سب سے زیادہ ہے فلا شک فی کونہ ختماً۔ پس عمرو کو بدون حلالہ اس عورت سے نکاح جائز نہیں۔ واللہ اعلم۔

احقر عبدالکریم گمتھلوی عفی عنہ
۲۶ر شوال سنہ ۴۳ھ

الجواب صحیح
ظفر احمد عفا اللہ عنہ
۲۶ر شوال سنہ ۴۳ھ

”ایک دو تین طلاق“ کہنے سے طلاق مغلظہ واقع ہوگی۔

(**سوال**) کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ ایک شخص کی بیوی بدکام کرتے ہوئے دوسرے پر دوسرے نے دیکھا اور اس وجہ سے ان کے اقارب میں سے کسی نے انکو سخت مارا اور لعن طعن کیا کہ تو کیوں اسکو کچھ نہیں کہتا اب شوہر غصہ ہوکر عام مجلس میں یہ الفاظ کہنے پر اقرار کرتا ہے اور انکے ساتھ چار آدمی یہی کہتے ہیں وہ الفاظ یہ ہیں ”ایک دو تین طلاق بائن“ اب اس میں طلاق ہوگی یا نہیں ؟ کیونکہ لفظ ”دی“ رہگیا مگر ایک آدمی ”دی“ لفظ کہنے پر بھی گواہی دیتا ہے اب چار گواہ کے مقابل میں ایک کا معتبر سمجھا جاویگا یا نہیں اور ”دی“ لفظ کہنے کی صورت پر بھی طلاق ہوگی یا نہیں کیونکہ نہ بیوی کو مخاطب بنایا نہ جس سے طلاق لفظ کا مبتدا ہو جاتا اور نہ ”دی“ لفظ کہا جس سے طلاق کی خبر ہو بظاہر مبتدا نہ ہونے پر مہمل کلام معلوم ہوتا ہے اسلئے لوگ اختلاف کرتے ہیں کہ طلاق نہیں ہوئی۔ اب کتب معتبرہ سے جواب روانہ فرماکر سرفراز کریں اور اگر ایک کا قول معتبر مانا جائے تو کچھ شبہ ہی نہیں

کیونکہ اس میں "دی" لفظ موجود ہے۔

فدوی کفیل الدین عفی عنہ ۱۰ ذی الحجہ ۱۳۴۳ھ

الجواب: صورت مسئولہ میں تین طلاق واقع ہوگئیں کیونکہ تعیین عورت اور اسیطرح لفظ "دی" کے مقدر ہونے پر قرینہ موجود ہے جیسا کہ ذیل کے جزئیات میں واقع ہوجاتی ہے۔

رجل شاجر امرأته فقال لها بالفارسية "ہزار طلاق ترا" ولم یزد علیٰ هذا وقع علیها ثلاث تطلیقات۔ (عالمگیری ص۳۲ ج-۲)

سکران هربت منه امرأته فتبعها ولم یظفر بها فقال بالفارسية "بسہ طلاق" ان قال عنیت امرأتی یقع وان لم یقل شیئًا لا یقع کذا فی الخلاصة ایضًا ص۳۲

البتہ اگر وہ شخص یہ کہے کہ میں نے نیت اپنی عورت کو طلاق دینے کی نہ کی تھی تو طلاق واقع نہ ہوگی ———— للرواية الثانية ولا یقاس علی الروایة الاولیٰ لوجود الاضافة فیه دون هٰذه الواقعة۔ اور ایک کی شہادت اول تو اس معاملہ میں کافی نہیں۔

فی العالمگیریة: (ج-۴- ص ۲۳۵) بشرط فیها شهادة رجلین او وامرأتین سواء کان الحق مالاً او غیر مال کالنکاح والطلاق الخ —

اور دوسرے وہ شاہد بھی اضافۃ طلاق الی المرأۃ کی گواہی نہیں دیتا لهذا حکم مذکور میں اسکی شہادت کی وجہ سے کوئی فرق نہ ہوگا۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔ احقر عبد الکریم عفی عنہ۔ ۲۹ ذی الحجہ ۱۳۴۳ھ

وفی قول الشامی تحت قول الدرر: لترکه الاضافة وما ذکر الشارح من التعلیل اصله لصاحب البحر اخذاً من قول البزازية فی الایمان۔ قال لها لا تخرجی من الدار الا باذنی فانی حلفت بالطلاق فخرجت لا یقع لعدم ذکره بطلاقها ویحتمل الحلف بالطلاق غیرها فالقول له اھ ومثله فی الخانیة وفی هذا الاخذ نظر فان مفهوم کلام البزازية انه لو اراد الحلف بطلاقها یقع لانه جعل القول له فی صرفه الی طلاق غیرها والمفهوم من تعلیل الشارح تبعًا للبحر عدم الوقوع اصلاً لفقد شرطه۔

الاضافۃ مع انہ لواراد طلاقہا تکون الاضافۃ موجودۃً ویکون المعنیٰ فانی حلفت بالطلاق منک او بطلاقک ولایلزم کون الاضافۃ صریحۃ کلامہ لما فی البحر لو قال طالق فقیل لہ من عنیت فقال امرأتی طلقت امرأتہ اھ (ص ۷۰۵ - ج ۲)

اس سے معلوم ہوا کہ قرینہ ہوتے ہوئے بھی قول زوج کی طرف رجوع کیا جائیگا۔ کیونکہ «لا تخرجی من الدار الخ» کے بعد «فانی حلفت بالطلاق» کہنے پر بھی بدون قول زوج اس مخاطبہ پر طلاق واقع نہیں ہوئی اور سکران کے جزئیہ مذکورہ میں اس کا دوڑنا اور کامیاب نہ ہونے پر یہ کہنا قرینہ ہو سکتا ہے۔ واللہ اعلم۔

احقر عبدالکریم عفی عنہ۔ ۲ر محرم ۱۳۴۶ھ

دو بیویوں کو کہا «دونوں کو ایک دو تین طلاق دی ہوں»، تو دونوں پر طلاق مغلظہ واقع ہو جائیگی۔

(**سوال**) زید کی دو بیوی ہیں آمنہ وفاطمہ خانگی خصومت کی جہت سے ایک دن وہ اپنی چھوٹی بیوی فاطمہ کو تہدیدًا وتشدیدًا کہا کہ «تم دونوں کو طلاق دونگا»، اس وقت بڑی بیوی تیس چالیس ہاتھ فاصلہ پر بڑے گھر میں بیمار پڑی تھی۔ دو ایک لحظہ بعد بنگلہ زبان میں کہا کہ «ایک دو طلاق دیتا ہوں»، ترجمہ اس کا بزبان بنگلہ یہ ہے (ایک دوئی طلاق دیتے سی) وہ جملہ بزبان بنگلہ اس نے کہی تھی یعنی۔ [ع۱] کوئی مربی عورت اس سے روکی اور کہی کہ کیا کرتے ہو بابا اسپر وہ زید نے کہا کہ «دونوں کو ایک دو تین طلاق دی ہوں»، مگر بنگلہ میں اس چنیں کہا (عبارت بنگلہ) «دونوں زن کے ایک دوئی تین طلاق دیسی تماکے دیاسی»، لیکن نفس الامر میں زید نے اس سے آگے یا پیچھے کوئی بیوی کو طلاق کبھی نہیں دی ہے اب اس حالت میں زید کے دونوں کلام آخیر سے انشاء طلاق ہوتی ہے یا اخبار کذب عن الطلاق؟ از روئے ہدایت پروری کے لوجہ اللہ خلاصہ جواب شافی وکافی تحریر فرما کر سرفراز فرمائیں اور اللہ تعالےٰ سے اجر اس کا لیویں۔ اور صاف طور سے یہ بھی تحریر فرماویں کہ زید نے دونوں بیویاں یا کہ دونوں بیوی سے کوئی ایک بیوی مطلقہ ہوئی یا نہیں؟ اگر طلاق واقع نہیں ہوئی ہے تو کونسی طلاق زیادہ چہ تصدیعہ دون — عرضگذار بندہ محمد حسن الزمان مختار غفرلہ الستار بڑتلی چاٹگام۔

[ع۱] یہاں عبارت بنگلہ تھی ۱۲

الجواب:- اگر جملہ مذکورہ فی السوال سے زید خبر عن الماضی کذباً مراد لینے کا دعویٰ کرتا ہے تب بھی قضاءً مقبول نہیں بلکہ دونوں بیویوں پر تین تین طلاق ہو گئیں۔

کما فی الشامی (ص ۶۹۴ ج-۲) و اما ما فی اکراہ الخانیۃ لو اکرہ علی ان یقر بالطلاق فاقر لا یقع کما لو اقر بالطلاق هازلاً او کاذباً فقال فی البحر ان مرادہ بعدم الوقوع فی المشبہ بہ عدمہ دیانۃً ثم نقل عن البزازیۃ و القنیۃ لو اراد بہ الخبر عن الماضی کذباً لا یقع دیانۃً الخ

اور اس امر میں عورت چونکہ بمنزلہ قاضی کے ہے اسلئے اگر عورت نے خود سن لیا یا شہادت معتبرہ سے اسکو زوج کا کہنا ثابت ہو گیا تو اس کو اس مرد کے پاس رہنا جائز نہیں۔ فقط واللہ اعلم۔

الجواب صحیح	احقر عبدالکریم عفی عنہ خانقاہ امدادیہ
ظفر احمد عفا اللہ عنہ	تھانہ بھون-۱۵ر جمادی الاول ۴۲ھ
۱۶ر جمادی الاول ۴۲ھ	

طلاق مغلظہ کی ایک صورت

(سوال) ایک شخص نے حالت غضب میں اپنی بیوی سے جھگڑتے ہوئے درآنحالیکہ وہ بیوی وہاں موجود تھی یہ کہا "ایک طلاق دو طلاق دی"، نیت یہ تھی کہ دو طلاق واقع ہوتی۔ اور پیچھے لیا جائے اسمیں زجر ہو جائیگی۔ اس کے بعد وہ عورت دوسری جگہ رہی اب اس میں اس عورت پر دو طلاق واقع ہوئی یا تین طلاق یعنی دو طلاق واقع ہو کر رجعت کر سکتا ھے؟ یا تین طلاق واقع ہو کر حرام ہو گئی؟

(۲) بعینہٖ سوال اول ہے فرق یہ ھے کہ "ایک طلاق دو طلاق دی میں"، لفظاً خطاب کر کے کہا یعنی "تجھکو ایک طلاق دو طلاق دی"، اس سوال سے غرض یہ ھے کہ واقعہ مندرجہ بالا میں لفظاً خطاب اور عدم خطاب میں حکماً کچھ فرق ھے یا نہیں؟ حالانکہ بیوی وہاں موجود تھی۔ راقم بندہ محمد عبدالرحمٰن عفی عنہ- بنگال۔

الجواب:- فی الشامی (ص۵۴ ج-۲) ولا یلزم کون الاضافۃ صریحۃ فی کلامہ لما فی البحر لو قال طالق فقیل لہ من عنیت فقال إمرأتی طلقت امرأته اھ۔

وفی العالمگیریۃ: (ص ۷۵-ج ۲) ولو قال: "ترا یک طلاق" وسکت

ثم قال: «ودو» یقع الثلاث ولو قال: «دو» بغیر الواو، وان نوی العطف یقع الثلاث وان لم ینو یقع واحدۃ کذا فی الخلاصۃ۔

ان روایتوں سے معلوم ہوا کہ «ایک طلاق دو طلاق دی»، اور «تجھکو ایک طلاق دو طلاق دی»، میں کوئی فرق نہیں دونوں صورتوں میں طلاق واقع ہوجائے گی، اور ایک طلاق دو طلاق، میں جب عطف کی نیت نہیں کی تو تین طلاق واقع نہیں ہوئی بلکہ دو واقع ہوئیں۔ واللہ اعلم۔

اس تحریر کے بعد شبہ ہوا اور عالمگیریہ (ص۲۱ ج-۲) میں یہ جزئیہ ملا۔

لو قال: للمدخولۃ انت طالق واحدۃ لا بل ثنتین یقع الثلاث ولو قال: ذالک لغیر المدخولۃ یقع واحدۃ ——— اس بناء پر صورت مسئولہ میں تین طلاق واقع ہوگئیں اور عالمگیریہ کا پہلا جزئیہ اس واقعہ کے مطابق نہیں کیونکہ وہاں سکوت کی وجہ سے «دو» کا لفظ مہمل رہا جبکہ اسکے ساتھ لفظاً حرف عطف نہ ہو یا عطف کی نیت نہ کی ہو ——— کتبہ احقر عبدالکریم عفی عنہ۔

الجواب صحیح: ظفر احمد عفا اللہ عنہ۔ ۲۹؍ رجب سنہ ۴۲ھ

«یک دو سہ طلاق ہستی» سے ایک طلاق واقع ہوگی یا تین؟

(**سوال**) مولانا صاحب! السلام علیکم الخ از جانب رسول شاہ عرض آنست کہ یک مسئلہ واقع شدہ کہ در حل آن اکثر عالمان این وطن حیران ومتفکر اند جناب اگر حل آن بعبارت کتاب کنند منت واحسان باشد عنداللہ ماجور وعندالناس مشکور خواہید شد۔ آن مسئلہ این است کہ شخصے زنِ خود را گفت کہ «یک دو سہ طلاق ہستی»، باین لفظ یک طلاق واقع شود یا سہ طلاق واقع شود بعض عالمان این وطن میگویند کہ یک طلاق واقع شود وبعض عالمان میگویند کہ سہ طلاق واقع شود بینوا توجروا ——— عالمان این وطن قائلین یک طلاق وقائلین سہ طلاق دلیل ندارند ہر کسے قیاساً میگوید وہرچہ میگوید اگر دلائل فریقین بودے نوشتہ ارسال کردمی بر شما امید است کہ تسلی دہندہ ارسال کنید کہ تسلیہ ہمہ ملامان شود۔

المرسل رسول شاہ موضع ڈھوڈہ مسجد کلاں ضلع کوہاٹ ڈاکخانہ خاص۔

الجواب:۔ صورت مسئولہ میں تین طلاق واقع ہوچکیں۔

کما قال فی خلاصۃ الفتاوٰی: (ص ۸۰ ج ۲) ولو قال: "اگر فلانہ بزنی کنم از من بیک طلاق ودو طلاق وسہ طلاق"، فتزوجھا نطلق واحدۃ ولو قال: "بیکے ودو وسہ"، ثم تزوجھا یقع الثلاث وتمام ھذا فی خزانۃ الواقعات اھ۔

اس سے معلوم ہوا کہ جب لفظ طلاق کو "یک ودو وسہ" کے بعد ذکر کیا جائے تو غیر مدخولہ پر بھی تین طلاق واقع ہوتی ہیں۔ والمدخولۃ بھا بالاولٰی اور اگر ہر عدد کے بعد لفظ طلاق مذکور ہو جیسا کہ جزئیہ اولٰی میں ہے تو غیر مدخولہ پر ایک طلاق واقع ہوتی ہے اور مدخولہ پر اس صورت میں بھی تین طلاق واقع ہونگی چونکہ صورت مسئولہ میں لفظ طلاق کو مجموعہ اعداد کے بعد ذکر کیا گیا ھے لھذا بہر حال تین طلاق واقع ہوگئیں خواہ وہ عورت مدخولہ بھا ہو یا غیر مدخول بھا۔ واللہ اعلم۔

حقررہ الاحقر ظفر احمد عفا عنہ

از تھانہ بھون خانقاہ امدادیہ۔ ۱۷؍شعبان ۴۵ھ

طلاق مغلظہ کی ایک صورت کا حکم

(سوال) علماء دین اس مسئلہ میں کیا فرماتے ہیں۔ نقل طلاق نامہ منسلکہ استفتاء ارسال حضور ہے جسکو مرد نے اپنی سوتیلی ماں کے کہنے سے رجسٹری کے ذریعہ اپنی عورت کو مورخہ ۱۴؍مارچ ۲۷ء کو بھیجا جسکے ملنے کا اس نے انکار کیا۔ بعد ازاں خاوند کو معلوم ہونے پر اسی طلاق نامہ کی نقل بذریعہ پوسٹ کارڈ رجسٹری شدہ شوہر نے بھیجا اس کو بھی عورت نے لینے سے انکار کیا اور واپس کر دیا عورت بدستور باعصمت اپنی والدہ کے ساتھ اپنے میکہ میں بیٹھی ھے اور طلاق سے انکار ہے خواہش شوہر کے پاس جانیکی ظاہر کرتی ہے آیا طلاق پڑی یا نہیں پڑی تو رجوع کیسے کیا جائے وصلح کیسے ہو۔ از لکھنؤ ۱۴؍اکتوبر ۱۹۲۷ء۔

نقل طلاق نامہ:۔ مسماۃ فلانہ بنت فلاں صاحبہ! تم عرصہ سے اپنے طریقہ کو تبدیل کر کے بد اخلاقی وبد زبانی ونا فرمانبرداری سے پیش آتی رہیں۔ بلکہ شور وغل وبدتہذیبی کی گفتگو رہی محلہ کے مجمع عام میں بے حجابانہ کر کے طلاق مانگی آخر کار مع کل زیورات و پارچہ جات اپنی پھوپھی کی بیماری کا موقع حاصل کر کے اپنی والدہ اور نانی کے ہمراہ اپنے میکے چلی گئیں اور پھر واپس نہیں آئیں۔ ابھی تک حیلہ وحوالہ کرتی رہیں تمہارے والد بزرگوار کو بھی

خط لکھا تھا انہوں نے بھی سمجھانے نیکی کوئی کاروائی نہیں کی معلوم ہوتا ہے کہ تم نے انکو بھی اپنا ہم خیال بنالیا چونکہ اس سے پیشتر بھی تم مجھ سے خواہش طلاق کرچکی ہو لھذا تمہاری مرضی کے موافق بحالت صحت وثبات عقل تمکو اپنی زوجیت سے علیحدہ کرتا ہوں۔ اور طلاق دیتا ہوں۔ اور طلاق دیتا ہوں اور طلاق نامہ ھذا بذریعہ رجسٹری روانہ کرتا ہوں۔

مسماۃ فلانہ بنت فلاں تمکو مجھ.... نے طلاق بائن دی

مسماۃ فلانہ بنت فلاں تمکو مجھ.... نے طلاق بائن دی

مسماۃ فلانہ بنت فلاں تمکو مجھ.... نے طلاق بائن دی

واضح ہو کہ جو زیور طلائی ونقرئی تم میرا لیگئی ہو اور جسکی فہرست تمہاری دستخطی موجود ہے وہ واپس کردو۔ تاکید جانو۔

العبد شوہر
مورخہ ۱۴ مارچ ۱۹۲۷ء

گواہ ۱ زید
گواہ ۲ بکر

الجواب:- صورت مسئولہ میں مسماۃ پر طلاق بائن مغلظہ پڑگئی اور نکاح فسخ ہوگیا بعد عدت کے وہ دوسرے شخص سے نکاح کرسکتی ہے اور اس شوہر سے بدون تحلیل کے نکاح جائز نہیں کیونکہ طلاق نامہ میں بعد مذاکرہ طلاق کے اول یہ لفظ یہ لفظ لکھا ہے "کہ تمکو اپنی زوجیت سے علیحدہ کرتا ہوں" اس ایک طلاق بائن واقع ہوگئی اسکے بعد لکھا ہے "اور طلاق دیتا ہوں" یہ گو صریح ہے مگر اس سے دوسری طلاق واقع نہ ہوگی بلکہ بظاہر یہ پہلے جملہ کی تفسیر ہے مگر یہ کہ اس سے زوج نے تکریر طلاق کا قصد کیا ہو تو دوسری اس سے بھی واقع ہوجائیگی اس کے بعد زوج نے مسماۃ کو مخاطب کرکے تین دفعہ یہ جملہ لکھا ہے "مسماۃ فلانہ بنت فلاں تمکو مجھ نے طلاق بائن دی" یہ گو طلاق بائن ہے مگر بالفاظ صریح ہے اس لئے بائن کو لاحق ہوگا اور چونکہ تین بار تکرار کیا ہے اسلئے تین طلاق واقع ہوکر ایک زائد ہوجائیگی۔

قال فی الطحاوی وفی حاشیة الدر: والمراد بالبائن الذی لایلحق البائن، البائن بلفظ الکنایات فلو کان بائنا بغیرها یقع۔ الی قال — ولو خلعها ثم قال: انت طالق بائن وقع الثانی وان کان بائنا لان وقوعه

بانت طالق وھو صریح ویلغو قولہ بائن لعدم الحاجۃ الیہ لان الصریح بعد البائن بائن اھ (ص ۲۱۸۔ ج ۲) واللہ اعلم۔

حررہ الاحقر ظفر احمد عفا عنہ از تھانہ بھون

خانقاہ امدادیہ۔ ۳۰ ربیع الاول ۴۶ھ

دو بیویوں کو مخاطب کر کے کہا "شمارا یک طلاق، دو طلاق، سہ طلاق دادم" تو دونوں پر طلاق مغلظہ قضاءً واقع ہو جائیگی۔

(سوال) چہ می فرمایند علماء دین وفضلاء شرع متین اندریں مسئلہ کہ شخصے مسمّٰی علی اعظم دو زن دارد روزے بمعاملۂ خانگی درمیان ہر دو زن منازعت افتادہ بود دریں اثناء علی اعظم درخشم وطیش آمدہ گفت شمارا یک طلاق دادم کسے گفت این چہ طلاق دادی طلاق نشد بمجرد شنیدن این کلام قدمے چند پیش وپس رفتہ باز گفت "شمارا یک طلاق۔ دو طلاق۔ سہ طلاق دادم"، پس درصورتِ مذکورۂ بالا زنان علی اعظم مطلقہ سہ طلاق شدند یا ہر طلاق بر ہر دو زن منقسم شدہ جداگانہ واقع شود یا نہ؟ ــــ مخفی مباد کہ مطلق را پرسیدہ شد کہ نیت تو چہ بود گفت نیت من تقسیم نہ بُود۔ بینوا توجروا عنداللہ اجرًا عظیمًا۔

عرضگذار۔ خاکسار عبدالرؤف مدرس مدرسہ مداری پور ضلع فرید پور۔

الجواب:۔ قال فی الھندیۃ نقلاً عن فتح القدیر، ولو قال: لاربع انتن طوالق ثلاثاً ینوی ان الثلث بینھن فھو یدین فیما بینہ و اللہ فتطلق کل واحدۃ واحدۃ اھ

وفیہ ایضاً:۔ عن المحیط للسرخسی:۔ ولو قال، لاربع نوۃ انتن طالقات ثلاثاً یقع علی کل واحدۃ ثلاثاً اھ (ص ۶۰۔ ج ۲)۔

پس درصورتِ مسئولہ قضاءً سہ طلاق بر ہر زن واقع شدہ واگر زوج نیت تقسیم کردی دیانۃً نیت او قبول گشتے وچون نیت تقسیم ھم نکرد پس دیانۃً نیز ہر دو زوجہ اش مطلقہ ثلاثہ مغلظہ گشتہ۔ فلا یجوز لہ النکاح باحدھما الا بعد ان تتزوجھا بزوج آخر وتنقضی عدتھما منہ بعد طلاقہ۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔ حررہ الاحقر ظفر احمد عفا عنہ

از تھانہ بھون خانقاہ اشرفیہ ۱۳ شعبان ۴۶ھ

مذاکرۂ طلاق میں شوہر نے کہا "ایک دو تین" تو طلاق مغلظہ واقع ہوجائیگی۔

(**سوال**) ایک شخص نے حالت تنازع میں اپنی بیوی سے کہا کہ "میں تجھکو کل کو طلاق تکیہ ملن کھڑے کرکے دونگا" اس نے جواب میں سب وشتم کرکے کہا کہ "تو ابھی طلاق دیدے" شوہر نے پھر جواب میں کہا کہ "ایک دو تین" اور بعد اسکے کہا کہ "جا گھر سے چلی جا" اور بعد میں لوگوں نے شوہر کو ملامت وغیرہ کی کہ تم نے کیوں طلاق دی تو اس نے کہا کہ میں نے دل سے طلاقیں نہیں کہیں بلکہ خوف اور ڈرانیکے واسطے کہی ہیں۔ آیا ایسی صورت میں طلاقیں واقع ہوگئیں یا نہیں؟ حوالۂ کتب مع عبارت ارسال فرمائیں عنایت ہوگی بینوا جزاکم اللہ رب الجلیل۔

الجواب:۔ صورت مسئولہ میں اس شخص کی بیوی پر تین طلاقیں واقع ہوگئیں۔ قال فی الخلاصۃ: وفی الفتاوٰی: قال لامرأتہ: "ترا یکے وترا سہ" اوقال: "تو یکے تو سہ" قال ابو القاسم الصغار لا یقع شئ وقال الصدر الشہید: یقع اذا نوٰی وبہ یفتیٰ قال القاضی: و ینبغی ان یکون الجواب علی التفصیل ان کان ذالک فی حال مذاکرۃ الطلاق او فی حال الغضب یقع الطلاق وان لم یکن لا یقع الا بالنیۃ کما قال فی العربیۃ انت واحدۃ اھ (ص۹۸ ج ۲) ۔ قلت: وقد وجدت المذاکرۃ فی الصورۃ المسئول عنہا واللہ اعلم۔

حررہ الاحقر ظفر احمد عفا عنہ از تھانہ بھون
خانقاہ امدادیہ۔ ۱۹؍صفر ۴۷ھ

دو بیویوں کو مخاطب کرکے کہا "اللہ کا حکم۔ شمارا سہ طلاق دادم" تو ہر ایک تین طلاق واقع ہوگی یا ایک ایک طلاق۔

(**سوال**) چہ می فرمایند علماء دین ومفتیان شرع متین اندریں مسئلہ کہ مسمّٰی غنو میاں دو زن می داشت روزے ہر دو زنش در امرے تنازع می کردند وگفتگو ہای بسیار وقال وقیل بیشمار می نمودند مسمّٰی مذکور از مسجد آمدہ چوں ایشاں را در مشاجرت ومنازعت دید گفت "اللہ کا حکم شمارا سہ طلاق دادم" پس استفسار از علماء کرام این است آیا ہر دو زوجہ مسمّٰی مذکور سہ سہ طلاق مطلقہ خواہد شد یا نہ؟ بینوا توجروا۔

الجواب:۔ اقول وباللہ التوفیق ——— درصورت مرقومہ ہر دو زوجۂ

غنو میاں سہ سہ طلاق مطلقہ خواہد شد چہ لفظ "اللہ کا حکم" درعرف این دیار بمعنی سوگند بخدا مستعمل می شود پس حسب قاعدہ مسلمہ۔ بناء الیمین علی العرف۔ معناش این شد کہ سوگند بخدا شمارا سہ طلاق دادم پس چونکہ در قول مطلق ہر یکے از منکوحہ اش مخاطبہ مستقلہ اش ہر یکے از انیان بسہ طلاق مطلقہ خواہد گردید۔

کما فی الهندیہ:۔ ولوقال لاربع نسوة له انتن طالقات ثلاثاً یقع علی کل واحدة ثلاث ولا یخفی علی من له البصارة ان وقوع الطلاق فی هذه الصورة مبنی علی ان کل واحدة منهن مخاطبة مستقلةً هکذا ههنا والله اعلم وعلمه اعم واتم۔

حررہ الاحقر ولایت حسین عفاعنہ

المدرس فی المدرسۃ الاسلامیۃ النواکھالیۃ - ۱۲؍ شوال ۴۶ھ

(نوٹ) اس جواب پر اور بھی چند علماء بنگال کی تصویب اور دستخط تھے۔

تنقیح از جامع امداد الاحکام

درصورت مسئولہ از نیت زوج سوال باید کرد اگر ایقاع طلقات ثلاث بر ہر زوجہ قصد کردہ بود بر ہر زوجہ سہ طلاق واقع شد چنانچہ مفتی نوشتہ واگر ہر دو را در سہ طلاق شریک کردہ نیت تقسیم کردہ بود سوال بار دیگر باید فرستاد۔

فقد قال: فی الهندیة: بعد العبارة التی ذکرها المفتی ولوقال لاربع: انتن طوالق ثلاثاً ینوی ان الثلاث بینهن فهو یدین فیما بینه وبین الله تعالیٰ فتطلق کل واحدة واحدة کذا فی الفتح اھ (ص ۶۰ - ج ۲)

والله اعلم وعلمه اتم واحکم۔

حررہ الاحقر ظفر احمد عفا عنہ از تھانہ بھون ۱۵؍ محرم ۴۸ھ

"تم دونوں کو تین طلاق دیدی" کہنے سے ہر ایک بیوی پر تین طلاق واقع ہوگی یا کیسے۔

(**سوال**) کیا فرماتے ہیں علماء دین اس مسئلہ میں کہ ایک شخص کی دو بیوی آپس میں جھگڑ رہی تھیں مرد نے طیش میں آکر کہا کہ "تم دونوں کو تین طلاق دیدی"، جب مرد سے چند روز کے بعد پوچھا گیا کہ آیا ہر ایک بیوی کو تین طلاق دینا مقصود تھا یا ڈیڑھ ڈیڑھ اس نے جواب میں کہا مجھے یاد نہیں آتی کہ میری کیا نیت تھی اب سوال یہ ہے کہ ان دونوں پر

کتنی طلاق واقع ہونگی؟ ہماری ملکی اصطلاح میں جب کوئی کہے کہ تم دونوں کو تین روپیہ دیا۔ مراد اس سے نصفاً نصفی ہوتی ہے کیا طلاق میں اصطلاح ملکی ملحوظ نہ ہوگی؟ فتاوئ ہندیہ میں ہے۔

لو قال لثلاث نسوۃ لہ انتن طوالق ثلاثاً او طلقتکن ثلاثاً یقع علی کل واحدۃ ثلاث ولا ینقسم بخلاف لو قال: اوقعت بینکن ثلاثاً فانہا تقسم بینہن فتقع علی کل واحدۃ طلقۃ۔ مراد ایراد سے یہ ہے کہ اس مرد کے قول کی تعریب حسب اصطلاح ملک ہند ” طلقتکما ثلاثاً “ ہوگی یا اوقعت بینکما ثلاث تطلیقات ہوگی؟ بینوا توجروا۔ سائل محمد فیض الرحمٰن میمن سنگی۔

تنقیح:۔ ہمارے محاورہ میں صورت مسئولہ میں دونوں بیویوں پر تین تین طلاق واقع کرنا مفہوم ہوتا ہے اگر سائل کا عرف تقسیم ہکو موجب ھے تو علماء بنگال سے رجوع مناسب ھے وافضلھم عندی مولٰنا محمد اسحاق البردوانی استاد الدینیات بکلیہ ڈھاکہ یا پنج بھائی گھاٹ لین: واللہ تعالیٰ اعلم۔

ظفر احمد عفا عنہ ۱۱ ربیع الثانی ۳۸ھ

مطلقہ ثلاث اگر مرتد ہوکر پھر مسلمان ہوجائے تو طلاق ثلاثہ کا حکم باطل ہوجائیگا یا نہیں۔

(سوال) اگر مطلقہ بطلاق مغلظہ معاذ اللہ مرتدہ ہوجائے اور پھر وہ اسلام قبول کرے تو اس ارتداد کی وجہ سے حکم طلاق ثلاثہ کا بھی باطل ہوگا یا نہیں؟ اور ایسی صورت میں زوج اول بلا حلالہ اپنی مطلقہ سے نکاح کرسکتا ہے یا نہیں؟ والسلام

نیاز مند۔ محمد مسئول عفی عنہ ۱۱ ربیع الاول ۴۵ھ

الجواب:۔ فی العالمگیریہ:۔ (ص ۱۲۹ ج-۲) ولو ارتدت المطلقۃ ثلاثاً ولحقت بدار الحرب ثم استرقہا او طلق زوجتہ الامۃ ثنتین ثم ملکہا ففی ہاتین لا یحل لہ الوطی الا بعد زوج آخر۔ کذا فی النہر الفائق۔

وفی الدر:۔ لاشتراط الزوج بالنص فلا یحلہا وطء المولیٰ ولا ملک امۃ بعد طلقتین او حرۃ بعد ثلاث وردۃ وسبی اھ۔

وقال الشامی:۔ ای لو طلقہا ثنتین وھی امۃ ثم ملکہا او ثلاثاً وھی

حرة فارتدت ولحقت بدار الحرب ثم سبیت وملکها لا یحل له الوطی بملك الیمین حتی یزوجها فیدخل بها الزوج ثم یطلقها کما فی الفتح (ص ۸۸۷ ج ۲)

ان روایات فقہیہ سے صراحۃً معلوم ہوا کہ ارتداد سے مطلقہ ثلاث کا حکم نہیں بدلتا پس جو عورت مطلقہ ثلاث مرتد ہو کر مسلمان ہو جائے اس کا نکاح بدون حلالہ کے زوج اوّل سے حرام ہے۔

کتبہ الاحقر عبد الکریم عفی عنہ۔ ۱۴؍ ربیع الاول ؁۴۰ھ

از خانقاہ امدادیہ تھانہ بھون۔

ماں کو مخاطب کر کے کہا "ماں تیری بہو کو تین طلاق"، تو بیوی پر تین طلاق واقع ہو جائیگی۔

(   ) کیا فرماتے ہیں علماء دین و مفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ زید کو اس کی بیوی اور بھاوج نے کھانا لا کر دیا۔ کھانے میں کچھ خرابی دیکھکر غصہ میں زید نے اپنی والدہ کو آواز دیکر کہا "ماں تیری بہو کو تین طلاق"، اس صورت میں زید کی بیوی پہ طلاق واقع ہو گی یا نہیں؟ زید واقعہ کے بعد سال بھر تک اپنی بیوی کے ساتھ کھاتا پیتا رہا اس خیال میں کہ بیوی پہ طلاق واقع نہیں ہوئی۔ مہربانی فرما کر مع دلیل جواب سے مشرف فرمایا جائے اور اگر طلاق واقع ہو گئی تو زید کو کیا کرنا چاہئے؟ بینوا توجروا جزاکم اللہ تعالیٰ فی الدارین خیراً۔

الجواب:۔ اس صورت میں طلاق مغلظہ واقع ہو چکی ہے اس عورت کو اب تک جو رکھا سخت گناہ کا مرتکب ہوا اب فوراً الگ کر دینا واجب ہے بڑی حیرت ہے کہ اسطرح صاف صاف الفاظ کہکر بھی یوں سمجھ لیا کہ طلاق واقع نہیں ہوئی۔

ونظیرہ ما فی العالمگیریۃ: (ص ۶۱ - ج ۲) ولو ضم الی امرأته امرأة اجنبیة وقال: احدا کما طالق الی ان قال۔ ولو قال فی هذه الصورة طلقت احداکما طلقت إمرأته من غیر نیة ذکره فی طلاق الاصل۔ واللہ اعلم۔

احقر عبد الکریم عفی عنہ۔ از خانقاہ امدادیہ تھانہ بھون۔

الجواب صحیح

ظفر احمد عفا عنہ ۲۸؍ ربیع الاول ؁۴۸ھ

"میں اسکو چھوڑ چکا، وہ میری بیوی نہیں ہے، مجھے اس سے کوئی تعلق نہیں، وہ میری طرف سے آزاد ہے"، کا حکم۔

مولائی و آقائی حضرت حکیم الامت دامت برکاتہم۔ السلام علیکم۔

حضرت! اس معاملہ میں ہر ایک فریق

بحث کر رہا ہے اور حضرت استاذ مولانا محمد حسن صاحب (قاضی بھوپال) دام فیوضہم نے مکرر سرکرر۔ شامی۔ عالمگیری وغیرہ ملاحظہ فرمایا لیکن فریق مخالف اپنے خلاف فیصلہ کو تسلیم نہیں کرتا ہے۔ حضرت سے عرض ہے کہ لوجہ اللہ تعالیٰ مفصل و مدلل امر حق واضح فرمادیں۔ ہر ایک فریق حضرت سے نیک عقیدت رکھتے ہیں اُمید ھے کہ حضرت کے فتویٰ سے ان میں اصلاح ہوجائیگی شبہات حسب ذیل لکھے جارھے ہیں۔

فریق اوّل:۔ زید کا کہنا ان الفاظ کا کسی شہادت وغیرہ سے ثابت نہیں بلکہ صرف دھوکہ سے اقرار کرالیا گیا ھے زید کو نیت نہ تھی غایت فی الباب پہلے لفظ سے طلاق رجعی ہوئی ہے اور بقیہ سے تاکید ھے اور زید نے معافی چاہ لی ہے لھذا رجعت ہوچکی۔

فریق ثانی:۔ ہر ایک لفظ سے ایک ایک طلاق واقع ہوچکی ھے اور اقرار کے بعد دھوکہ اور عدم نیت وغیرہ کا حیلہ کرنا باب الطلاق میں کچھ مفید نہیں کیونکہ عاقل بالغ کا اقرار ھے اور اس اقرار کے بعد شہادت کی کوئی ضرورت نہیں پہلے لفظ سے رجعی اور بقیہ سے تاکید کہنا لغو ھے حضرت عمرؓ نے تین طلاق کو تین ھی رکھا ہے اور اسی پر عمل ھے لھذا مغلظہ ہوچکی۔ اب بلا حلالہ کے نکاح زید سے ہندہ کا نہیں ہوسکتا۔

ہر ایک فریق اپنی اپنی کہتا ہے اور حضرت قاضی صاحب کے فیصلہ سے بھی آگے جا رہا ہے حضرت کے فتویٰ سے انشاء اللہ تعالیٰ اصلاح کی اُمید ھے۔ خادم عبد الصمد۔

الاستفتاء: زید نے اپنی اہلیہ کے متعلق محکمہ قضاء بھوپال میں ۱۸ر نومبر ۳۱ء کو درخواست پیش کی اور اپنا بیان لکھوایا۔

درخواست کا مضمون میری اہلیہ مسماۃ ھندہ اور میرے درمیان کئی سال سے باہمی نزاع تھا اور اس زمانہ میں مصلحین و مفسدین کے ذریعہ سے جانبین کو اور انکے اعزہ کو مختلف اقسام کی باتیں پہنچتی رہیں جیسے کہ باھمی نزاع کی صورت میں ہوتا ہے اور معاملہ اسقدر طول پکڑ گیا تھا کہ ہر ایک فریق نے دوسرے سے بالکل ہی رشتہ داری توڑ کر قطع تعلق کر لیا تھا حتیٰ کہ اسی غصہ کی حالت میں، میں نے اپنی اہلیہ مذکورہ کے متعلق یہ بھی کہدیا تھا کہ ”میں اسکو چھوڑ چکا، وہ میری بیوی نہیں ھے، مجھے اس سے کوئی تعلق نہیں، وہ میری طرف سے آزاد ہے“ بالآخر میں نے اپنے خسر صاحب کے پاس جاکر معافی چاھی اور آئندہ کیلئے پھر تعلقات قائم کرنیکی استدعا کی اسپر صاحب موصوف نے مجھ سے فرمایا کہ معاملہ بہت

طویل ہو چکا ہے اور میرا دل اب تم سے رشتہ کرنیکو نہیں چاہتا خیر میں نے انکو راضی کرلیا خارجًا سنا ھے کہ خسر صاحب نے شکایت کی کوئی درخواست عالی خدمت میں آئی ہے اس لئے عرض ھے کہ چونکہ باھمی ھمارا فیصلہ طے ہوچکا ہے اور آئندہ بھی باہمی مصالحت رہیگی اور یہ درخواست نہ میں نے دی ہے نہ میرے کسی عزیز نے لھذا عرض ھے کہ اس درخواست پر کوئی کاروائی نہ فرمائی جائے بلکہ عرضی ھذا پر شرعی حکم صادر فرمادیا جائے تاکہ ھم اسپر دلی وجان سے عمل کرسکیں۔

بیان کا مضمون : یہ درخواست میں نے لکھوائی ھے اسپر میرے قلمی دستخط ہیں میں نے اس وقت درخواست کو سن لیا اس میں وہ باتیں لکھی ہیں جو میں نے لکھوائی ہیں جو مثل میرے معاملہ کی تیار ہوئی تھی اسپر کوئی کاروائی نہ کی جائے اسیقدر روئداد پر فیصلہ شرعی فرمادیا جائے۔

جناب قاضی صاحب کے فیصلہ کا خلاصہ :- شرعًا ان الفاظ سے کہ جو الفاظ زید نے اپنی اہلیہ مسماۃ ھندہ کی نسبت کہے ہیں۔ مسماۃ پر ایک طلاق بائن واقع ہوگئی اسلئے بدون نکاح جدید وہ مسماۃ زید کے حق میں حلال نہیں ہوسکتی۔ ۱۲ر نومبر ۳۱ء پھر ــــ ۱۴ر نومبر ۳۱ء کو زید نے دوسری درخواست اس مضمون کی پیش کی کہ وہ ۸ر نومبر والی درخواست نہ میں نے لکھی اور نہ کسی سے لکھوائی بلکہ خسر صاحب نے کسی سے لکھوائی اور مجھے دھوکہ دیکر مجھ سے دستخط کرالئے اور مجھے یہ اطمینان دلایا کہ ھم تفریق نہیں چاھتے ہیں۔ بلکہ رخصت کردینگے انکے اعتماد اور خوف بزرگی کی وجہ سے میں نے دستخط کئے اور پیش کردی لھذا ان حالات پر غور فرماکر فیصلہ پر نظرِ ثانی فرمادیجئے ــــ اس ثانی درخواست کے ساتھ زید نے اس مضمون کا بیان لکھوایا۔ سابق درخواست میں نے جو ۸ر نومبر ۳۱ء کو پیش کی تھی درخواست مذکورہ پر میرے قلمی دستخط ہیں محکمہ قضا میں پیش کرنے پر مجھے درخواست مذکورہ پڑھ کر سنائی گئی تھی۔ میں نے درخواست مذکورہ کو سنکر یہ بیان کیا تھا کہ یہ درخواست میں لکھوائی ھے حقیقت یہ ھے کہ یہ درخواست میں نے نہیں لکھوائی تھی بلکہ یہ درخواست میرے خسر نے کسی سے لکھوا کر مجھ سے دستخط کرالئے تھے اور کہا تھا کہ محکمہ قضاء میں جو معاملہ پیش ہوگیا ہے اسکے واپس کرنے کیلئے یہ درخواست دی جاتی ھے۔

بعد نظر ثانی جناب قاضی صاحب کے فیصلہ کا خلاصہ :-

زید کی پہلی درخواست پر جبکہ فریقین کو فیصلہ سنا دیا گیا تو زید پھر درخواست پیش کی زید اس ثانی درخواست میں لکھتا ہے کہ میرے خسر نے مجھکو دھوکہ دیکر تحریر پر دستخط کرالئے وہ کلمات نسبت چھوڑنے اور بے تعلق ہوجانے زوجہ کے نہیں کہے لیکن زید ثانی درخواست پیش کرکے اپنے بیان میں خود تسلیم کر رہا ہے کہ پہلی درخواست میں نے محکمہ قضاء میں پیش کی تھی درخواست مذکورہ پر میرے قلمی دستخط ہیں محکمہ قضاء میں پیش کرنے پر مجھے درخواست مذکورہ پڑھ کر سنائی گئی تھی میں نے درخواست مذکورہ سن کر بیان کیا تھا کہ یہ درخواست میں نے لکھوائی ہے۔ الیٰ آخرہ۔ یہ بیان اسکی ثانی درخواست کے مضمون کے خلاف ھے بہر حال مجموعہ روئداد سے یہ تو ثابت ھے کہ الفاظ متعلق ”چھوڑ دینے زوجہ و بے تعلق و آزادی“ کے کہدینے اور لکھوا دینے کو زید تسلیم کرتا ہے خواہ برضا و رغبت ہو یا بدون رضا خسر کے بہکانے اور دھوکہ دینے سے چونکہ شریعت میں بصورت جدّ وہزل ومذاق واکراہ ہر طور پر الفاظ طلاق کہدینے یا تحریر کردینے سے طلاق واقع ہوجاتی ھے لھذا ایک طلاق بائن مسماۃ ھندہ پر ضرور واقع ہوگئی اسلئے بعد نظر ثانی فیصلہ سابق میں ترمیم یا تنسیخ کی حاجت نہیں ھے وھی فیصلہ نافذ ھے۔ اسکے بعد ۱۰ر دسمبر ۳۱ء کو زید نے عدالت میں رخصتی زوجہ کا دعویٰ دائر کیا کہ میری اہلیہ اپنے باپ کے گھر سے آتی نہیں۔ رخصت کرادی جائے۔ ھندہ کی طرف سے جواب دعویٰ پیش ہوا کہ بفیصلہ شرعی ھندہ زید پر حرام ہوچکی ہے لھذا اب رخصت کیسی؟۔ اور زید کی ۸ر نومبر والی درخواست اور اسکے ساتھ کے اول بیان کی نقل اور جناب قاضی صاحب کے فیصلہ کی نقل بھی پیش کی تو زید نے اس درخواست کو مع اس بیان کے تسلیم کی لیکن قاضی صاحب فیصلہ کو تسلیم نہیں کیا پس دریافت طلب یہ ھے کہ

(۱) صورت مسئولہ میں طلاق رجعی ہوئی یا بائن یا مغلظ۔ کیا اگر زید کہے کہ میری ان الفاظ سے طلاق کی نیت ھی نہ تھی تو بھی طلاق واقع ہوجائیگی؟

(۲) دھوکہ وغیرہ کے عذرات مذکورہ شرعاً مسموع کیوں نہیں ہیں اور محض بیانات وغیرہ مذکورہ کی بناء پر طلاق کا حکم کیوں لگایا جاتا ھے۔ شہادت سے اس کا ثبوت کیوں نہ لیا جائے کہ یہ الفاظ زید کے ہیں یا نہیں۔

(۳) برتقدیر طلاق رجعی زید کا اپنے خسر کے پاس جاکر معافی چاھنا اور پھر تعلقات کی استدعا کرنا یہ رجعت ھے یا نہیں؟ جواب مدلل ومشرح مع حوالہ کتب صادر فرمایا جائے کہ فریقین کی تسلی کرکے انکی صلح کرادی جائے۔

خادم عبدالصمد ساکن اسلام پورہ بھوپال۔

الجواب: - اس سوال سے معلوم ہوا کہ خاوند نے چار جملے بحالت غصہ استعمال کرنیکا اقرار کیا ہے اسلئے اوّلاً ان چاروں جملوں کا الگ الگ حکم لکھا جاتا ھے اسکے بعد سب کو ملانے سے جو نتیجہ ہوا اسکو تحریر کیا جائیگا۔

پہلا جملہ یہ ہے کہ "میں اسکو چھوڑ چکا" اسکے متعلق عالمگیریہ میں ہے:

اذا قال الرجل لامرأته "بہشتم ترا" ولم یقل "از زنے" فان کان فی حالة غضب ومذاکرہ الطلاق فواحدة یملك الرجعة وان نوی باثنًا اوثلاثًا فهو کما نویٰ وقول محمد فی هذا کقول ابی یوسف کذا فی المحیط:-

اس سے معلوم ہوا کہ اگر غصہ اور مذاکرۂ طلاق کی صورت میں یہ جملہ استعمال کیا جائے تو بدون نیت بھی رجعی طلاق واقع ہو جاتی ھے۔

دوسرا جملہ یہ کہ:- "وہ میری بیوی نہیں ہے" اس کا حکم یہ ہے کہ اگر خاوند نے نیت کی ہو تو رجعی طلاق واقع ہو جاتی ہے اور اگر نیت نہیں کی تو اس جملہ سے طلاق واقع نہیں ہوتی خواہ یہ جملہ غصہ اور مذاکرۂ طلاق کی حالت میں کہا ہو خواہ بدون غصّہ وتذکرۂ طلاق کہا ہو ہر حالت میں نیت شرط ہے۔

کما هو مصرح فی الفتاویٰ الشامیة: ص۲۴۴ تحت قول الدر: لست لی بامرأة (الیٰ ان قال) طلاق ان نواہ:- لان الجملة تصلح لانشاء الطلاق کما تصلح لانکارہ فیتعین الاول بالنیة وقید بالنیة لانه لایقع بدونها اتفاقًا لکونه من الکنایات واشار الیٰ انه لا یقوم مقامها دلالة الحال لان ذالك فیما یصلح جوابًا فقط وهو الفاظ لیس هذا منها واشار بقوله طلاق الیٰ ان الواقع بهذہ الکنایة رجعی کذا فی البحر من باب الکنایات اھ

تیسرا جملہ یہ ھے کہ "مجھے اس سے کوئی تعلق نہیں" سو اس کا حکم کہیں مصرح تو ملا

نہیں مگر قواعد سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ غضب ومذاکرہ کی حالت میں بلا نیت بھی اس فقرہ سے ایک طلاق رجعی واقع ہو جاتی ہے۔ دلیل وقوع کی یہ ہے کہ یہ کنایہ ملحقہ ہے "اعتدی" وغیرہ کے ساتھ کیونکہ وہ متحمل سبّ ورد نہیں بلکہ جواب محض کے واسطے ہے اور "اعتدی" وغیرہ کا یہ حکم ہے کہ غضب ومذاکرہ میں بدون نیت وقوع ہو جاتی ہے۔ کما ھو مصرح فی الدر وغیرہ من کتب الفقہ۔ اور رجعی ہونیکی یہ وجہ ہے کہ اس جملہ میں لفظ طلاق نکالنا پڑتا ہے یعنی پورا کلام یوں سمجھا جائیگا کہ "مجھے اس سے کوئی تعلق نہیں کیونکہ میں اسکو طلاق دے چکا" اور جو کنایہ ایسا ہو اس سے طلاق رجعی واقع ہوتی ہے۔

کما قال صاحب البحر (ص۲۹۹ ج ۳): ولما کانت العلۃ فی وقوع الرجعی بھذہ الالفاظ الثلاثۃ (ای اعتدی واستبرئی رحمک وانت واحدۃ) وجود الطلاق مقتضی او مضمرا علم ان لاحصر فی کلامہ بل کل کنایۃ کان فیھا ذکر الطلاق کانت داخلۃ فی کلامہ ویقع بھا الرجعی بالاولیٰ الخ ـــــ وایضاً یعلم ذالک من کلام الشامی صراحۃ ولکن کلام البحر اصرح منہ فلذالک اخترتہ۔

اور چوتھا جملہ یہ ہے کہ "وہ میری طرف سے آزاد ہے"، اس کنایہ کا حکم درمختار میں صریح موجود ہے کہ غضب ومذاکرہ میں بدون نیت بھی طلاق بائن واقع ہو جاتی ہے ـــــ ونصہ ھذا ویقع بباقیھا ای باقی الفاظ الکنایات المذکورۃ البائن ص۴۶۶ ـــــ وایضاً قال ویقع بالاخیرین وان لم ینو لان مع الدلالۃ لا یصدق قضاءً فی نفی النیۃ لانھا اقوی لکونھا ظاھرۃ والنیۃ باطنۃ اھ (ص۴۶۵) ـــــ تمام جملوں کا جداگانہ حکم معلوم ہونے کے بعد اب اسکی ضرورت ہے کہ طلاق کے چند جملے جمع ہو جائیں تو کیا حکم ہوگا سو اس کا یہ قاعدہ ہے کہ۔ الصریح یلحق الصریح والبائن، والبائن یلحق الصریح لا البائن۔ متون کی یہی عبارت ہے مگر اس کا حل کسیقدر دقت سے خالی نہیں اس واسطے بدائع کی عبارت نقل کرتا ہوں جو بالکل واضح ہے۔

وهی هذه المرأة لا تخلو اما ان کانت معتدة من طلاق رجعی او بائن او خلع فان کانت معتدة من طلاق رجعی یقع الطلاق علیها سواء کان صریحًا او کنایة لقیام الملك من کل وجه وان کانت معتدة من طلاق بائن او خلع وهی المبانة او المختلعة فیلحقها صریح الطلاق عند اصحابنا و اما الکنایة فهل یلحقها یُنظر ان کانت رجعیةً وهی الفاظ اعتدی واستبرئی رحمك وانت واحدة یلحقها فی ظاهر الروایة۔ وجه ظاهر الروایة ان الواقع بهذا النوع من الکنایة رجعی فکان فی معنی الصریح فیلحق الخلع والإبانة فی العدة کالصریح وان کانت بائنة کقوله انت بائن ونحوه ونوی الطلاق لا یلحقها بلا خلاف لان الإبانة قطع الوصلة والوصلة منقطعة فلا یتصور قطعها ثانیاً بخلاف الطلاق لانه ازالة القید وازالة حل المحلیة وکل ذالك قائم اھ ملخصًا (ص ۱۳۴ - ج ۳)

اس کا خلاصہ یہ ہے کہ طلاق بائن کے بعد کنایات بوائن سے تو طلاق واقع نہیں ہوتی۔ باقی سب صورتوں میں طلاق کے بعد طلاق واقع ہو جاتی ھے یعنی رجعی کے بعد تو صریح کنایہ رجعی بائن سب طرح کی طلاق واقع ہوتی ھے اور طلاق بائن کے بعد صریح طلاق کی دونوں قسم واقع ہوتی ہیں۔ خواہ رجعی ہو یا بائن اور کنایہ کی فقط ایک قسم یعنی رجعی واقع ہوتی ھے۔

اب صورتِ سوال میں غور کیا جائے تو واضح ہو جائیگا کہ جملہ اولیٰ سے ایک طلاق رجعی واقع ہو گئی تھی اور جملہ ثانیہ میں نیت شرط تھی جس کا خاوند کو اقرار نہیں ھے اس واسطے وہ بے اثر رہا اور جملہ ثالثہ سے دوسری طلاق رجعی واقع ہو گئی اور جملہ رابعہ سے تیسری طلاق ہو چکی جو فی نفسہٖ بائن تھی مگر بوجہ ثالثہ ہونیکے مغلظہ ہو گئی۔ واللہ اعلم بالصواب والیہ المرجع والمآب۔

تتمۃ الجواب: یہ بات تو جواب ہی سے معلوم ہو گئی کہ زید ان تمام جملوں میں نیت نہ ہونیکا جو عذر کر رہا ہے وہ شرعًا مسموع نہیں اب دو عذر اور باقی رہے ایک یہ کہ: یہ اقرار خلاف واقع تھا۔ زید نے مصلحۃً جھوٹ بولا تھا ــــــ دوسرا یہ کہ پہلے جملے سے طلاق رجعی واقع مانی جائے اور بقیہ سے تاکید اور معافی مانگنے کو رجعت قرار دیا جائے سو عذر

اول کا جواب اس جزئیہ سے ہو جاتا ہے۔

ولو اقر بالطلاق کاذبًا او ہازلًا وقع قضاءً لا دیانۃً اھ شامی عن البحر وقال الشامی و یأتی تمامہ۔ ثم بین تحت قول الدر (اوہازلًا) مستوفی۔

اور دوسرے عذر کا جواب یہ ہے۔

فی الدر المختار: لو کرر لفظ الطلاق وقع الکل وان نوی التاکید دین وقال العلامۃ الشامی رحمہ اللہ تحتہ ای وقع الکل قضاءً وکذا اذا اطلق اشباہ۔

اور خسر سے معافی مانگنا اول تو رجعت نہیں دوسرے مغلظہ کے بعد رجعت سے کیا کام چل سکتا ہے۔ غرض یہ کہ زید جو اقرار پہلی درخواست میں کر چکا ہے اسکی رُو سے تین طلاق ہو چکیں اور اس کے عذر سب باطل ہیں۔ فقط والسلام۔

تنبیہ: جو حکم شرعی اس سوال کی بناء پر ہمیں معلوم ہوا وہ مع دلائل تحریر کر دیا گیا ہے باقی جناب قاضی صاحب نے جو فیصلہ کیا ہے اس کے متعلق بدون پورا فیصلہ اور اسکی وجہ دیکھے کچھ لکھنا ممکن نہیں ہے اگر قاضی صاحب کی روئداد میں اس سوال سے زائد کوئی بات ہو تب تو اختلاف جواب کا اختلاف واقعہ کی بناء پر ہوگا ورنہ اگر باوجود اتحاد سوال وجواب اختلاف ہو تو یہ بہتر ہے کہ یہ جواب قاضی صاحب کے ملاحظہ سے گذار دیا جائے اور ان کا جواب یہاں روانہ کر دیا جائے تاکہ جانبین کو غور کا موقع ملے۔ واللہ اعلم وعلمہ اتم واحکم۔

کتبہ الاحقر عبد الکریم عفی عنہ از خانقاہ امدادیہ
تھانہ بھون۔ مورخہ ۳ ؍ جمادی الاولیٰ ۵۱ھ

الجواب مع التنبیہ صحیح
اشرف علی۔ ۴ ؍ جمادی الاول ۵۱ھ

"طلاق دی، طلاق دی، طلاق دی" کہا تو باتفاق آئمہ اربعہ طلاق مغلظہ ہو جائیگی۔

(**سوال**) ما قولکم رحمکم اللہ تعالیٰ اس مسئلہ میں کہ زید نے حالتِ غضب میں اپنی عورت کو کہا کہ "میں نے طلاق دی، میں نے طلاق دی، میں نے طلاق دی" اور تخمیناً تین چار سال سے اس عورت کا حیض بند ہے اور نہ حال میں وہ سن ایاس کی حد تک پہنچی ہے پس اس تین بار کہنے سے تین طلاق ہونگی یا نہیں؟ اور اگر حنفی مذہب میں واقع ہوئی اور شافعی مذہب میں مثلاً واقع نہ ہوئی تو حنفی کو شافعی مذہب پر اس صورتِ خاص میں عمل کرنیکی رخصت دی جائیگی یا نہیں؟ بینوا توجروا۔

جواب آمده مع السوال :-

هوالمصوب :- ہاں! حضرت مولانا عبدالحئ صاحب مرحوم اپنی کتاب مجموعہ فتاویٰ میں ارشاد فرماتے ہیں کہ اس صورت میں حنفیہ کے نزدیک تین طلاق واقع ہونگی اور بغیر تحلیل کے نکاح درست نہ ہوگا مگر بوقت ضرورت کہ اس عورت کا علیحدہ ہونا دشوار ہو اور احتمال مفاسد زائدہ کا ہو تقلید کسی امام کی کریگا تو کچھ مضائقہ نہ ہوگا نظیر اسکی مسئلہ نکاح زوجہ مفقود وعدت ممتدہ الطہر موجود ھے کہ حنفیہ عندالضرورت قول امام مالک پر عمل کرنیکو درست رکھتے ہیں چنانچہ رد المحتار میں مفصلاً مذکور ھے لیکن اولیٰ یہ ہے کہ وہ کسی عالم شافعی سے استفسار کرکے اسکے فتویٰ پر عمل کرے ۔ واللہ اعلم ۔ حررہ عبدالحئ عفاعنہ

اور تائید اس فتویٰ کا قول صاحب درالمختار علیہ رحمۃ اللہ الغفار ھے فی ص ۶۱۸

لو قضیٰ مالکی بذالك نفذ کما فی البحر والنهر وقد نظمه شیخنا الخیر الرملی الخ ۔

وفی رد المحتار : لانه مجتهد فیه وهذا کله موافق لما فی البزازیة، قال العلامة : والفتویٰ فی زماننا علی قول مالك ۔

وفی موضع آخر :۔ اما فی بلاد لا یوجد فیها مالکی یحکم به فالضرورة متحققة ۔

پس مولانا عبدالحئ صاحب مرحوم کی رائے اور درمختار وشامی صاحب کی رائے سے مستفاد ہوتا ہے کہ ضرورۃً اگر مطلقِ ثلاثہ امام شافعی صاحب کے فتویٰ پر عمل کرے تو اسکی بیوی از سر نو پھر حلال ہو جائیگی ۔ واللہ اعلم وعلمہ اتم وحکمہ احکم ۔

بر ضمیر مہر نظیر مخفی مباد کہ مسمّیٰ سمن میاں ولد عبدالکریم مرحوم ساکن بالنگا زنِ خود را درحالت شدت غضب سہ طلاق دادہ بود وبعدہ خواست کہ بارِ دیگر آن زن مطلقہ را بعد تحلیلش اورا در نکاح خود آرد لیکن آن زن مذکورہ در ممتدۃ الطہر مبتلا ست وہنوز در منزلِ سن ایاس نرسیدہ وعلیحدگی آن زن مطلقہ یا مرد مطلق بوجہ کثرت اولاد از بطن آن زنِ مطلقہ بسیار دشوار ۔ لهذا ایں ہمہ ضرورتہا پیش نظر داشتہ دریں صورتِ خاص بر مذہب شافعی رحمۃ اللہ علیہ حکم دادہ شد یعنی بعد تجدید نکاح فیما بینهما باز سر نو زندگانی نماید زیراچہ "الضرورات تبیح المحظورات" کہ در اصول حضرات احناف رحمہم اللہ

تعالیٰ مشہور ومعروف واظہر من الشمس است پس از ماہرین فقہ واصول شریعت غراء مرجوست کہ درین مسئلہ خاص از نظر تحقیق وتدقیق کاروائی فرمایند کہ واقعیست فہم طلب تا از دائرہ عدل وانصاف تجاوز نفرمایند باقی عند التلاقی وانا اللہ الباقی۔

راقم الحروف ابو الحسن محمد فرقان غفرلہ ولوالدیہ المنان
ساکن سری دھرا پرگنہ پنچھکھنڈ کلاں سلہٹ۔

قد علمت حقیقۃ الواقعۃ حیث کان عن ضرورۃ مُسوّغۃ واذا ثبتت الضرورۃ واشتدت الحاجۃ الی ذالک صح النقل الی ای مذہب من المذاہب الاربعۃ کما افتی بہ قاری الہدایۃ وغیرہ ولیس للحنفی ولا غیرہ ابطالہ ھذا ھو المفتی بہ عند المحققین من علمائنا۔ واللہ اعلم۔

وانا العبد الملام محمد اکرام غفرلہ ولوالدیہ اسلام من مضافات کریم گنج الموطن سری دھرا

الجواب کما حررہ المجیب صحیح　　لا مریۃ فیہ
معین الدین احمد عفی عنہ　　محمد محفوظ الرحمٰن عفا عنہ
لاریب فیہ　　الجواب الصواب
محمد طاہر عفا عنہ　　محمد شرافت علی عفی عنہ۔

جواب از خانقاہ امدادیہ

مولانا لکھنوی سے اس مقام پر سخت لغزش ہوئی ہے انکے کلام میں دو جزو ہیں۔

اول یہ کہ: زوجہ مفقود کی طرح یہاں بھی ضرورت ہے اور یہ دونوں مخدوش ہیں امام شافعیؒ کی طرف اس قول کی نسبت بالکل غلط ہے۔ ائمہ اربعہ اور جمہور خلف وسلف کا صورت مذکورہ میں وقوع ثلاث پر اتفاق ہے جیسا کہ شرح مسلم للنووی اور فتح الباری سے واضح ہے اور توحد طلاق کا قول اجماع صحابہ کے خلاف ہے ہرگز قابل عمل نہیں دلائل دیکھنے کا شوق ہو تو فتح الباری اور عمدۃ القاری ملاحظہ فرمائیں۔ ونیز حضرت حکیم الامت مدظلہم العالی کا رسالہ "رد التوحد" (جو رسالہ النور ماہ شوال وذی قعدہ ۵۱ھ میں شائع ہو چکا ہے) قابل ملاحظہ ہے اور زوجہ مفقود پر اسکو قیاس کرنا بھی ہرگز صحیح نہیں کیونکہ وہاں مذہب مالک اختیار نہ کریں تو اسکے واسطے کوئی سبیل ہی نہیں اور یہاں ایسا نہیں بلکہ اس خاوند کے علاوہ دوسرے اشخاص سے نکاح کر سکتی ہے اسی شخص پر کوئی ضرورت موقوف نہیں اگر یہ مرجائے تو کیا کرے؟

اگر ایسی ضرورتوں کا لحاظ کیا جائے تو ہر شخص اس کا دعویٰ کر سکتا ہے غرض یہ کہ یہ فتویٰ بالکل غلط ہے اسپر عمل کرنا بالکل جائز نہیں۔ فقط واللہ اعلم۔

کتبہ الاحقر عبدالکریم عفی عنہ

از خانقاہ امدادیہ تھانہ بھون۔ مؤرخہ ۲۱ محرم الحرام ۵۲ھ

حکم الدیانۃ للاناث اذا سمعن من الازواج الطلقات الثلاث

(تنبیہ) اس جواب کا مبنی اس تشریح پر ہے جو علماء ثلاثہ نے اپنی تحریری فیصلہ میں محمد یوسف کے قول "میں تو کے طلاق دیہیوں" کے معنی کی ہے کہ اس کا مطلب یہ ہے کہ "میں نے تجھکو طلاق دی" اگر ان کی یہ تشریح صحیح ہے اور اسی بناء پر عورت کو یقین کلی ہے کہ محمد یوسف نے اسکو دسوں مرتبہ طلاق دی۔ تو جواب وہی ہے جو اوپر مذکور ہوا اور اگر یہ تشریح صحیح نہیں بلکہ اس لفظ میں اہل محاورہ کے نزدیک معنی ماضی کے ساتھ معنی مستقبل کا بھی احتمال ہے جیساکہ علماء ثلاثہ میں سے بعض نے یہ احتمال اپنی ایک تحریر میں ظاہر کیا ہے جس کا حاصل یہ ہے کہ "میں نے تو کے طلاق دیہیوں" کے معنیٰ "میں تجھکو طلاق دیدوں" بھی ہو سکتے ہیں تو اس کا فیصلہ وہاں کے اہل محاورات ہی کر سکتے ہیں کہ میں وہاں کے محاورات سے واقف نہیں اور اگر اس کلام میں یہ احتمال تھا تو علماء ثلاثہ کو اپنی تحریری فیصلہ میں اس احتمال سے تعرض لازم تھا اس احتمال کے ہوتے ہوئے جزم کے ساتھ یہ لکھنا کہ اس کا مطلب یہ ہے کہ "میں تجھکو طلاق دی" بہت سخت مسامحت ہے جو اہل علم و اہل افتاء سے نہایت بعید ہے۔

واللہ تعالیٰ اعلم بالصواب۔ ظفر احمد عفا عنہ از تھانہ بھون۔ ۱۴ ج ۲ ۵۸ھ

(نوٹ:۔) اس فتویٰ پر بعض علماء نے کلام کیا ہے جو درج کیا جاتا ہے۔ ۱۲ ظفر

قسط اول باسمہ سبحانہ

خلاصہ مسماۃ صغریٰ نے دعویٰ کیا کہ میرے شوہر محمد یوسف نے مجھے دسوں مرتبہ کہا کہ "میں تو کے طلاق دیہیوں" تین قبول کری تھی۔ (یعنی میں نے تجھکو طلاق دیدی کیا تو قبول کرتی ہے) پھر میرے ساتھ جماع کیا۔ مدعی علیہ نے ایقاع طلاق کا انکار کیا۔ مدعیہ سے شہادت طلب کی گئی مگر وہ شہادت پیش کرنے سے قاصر رہی "مدعی علیہ" کو حلف دیا گیا اور اسکے حلف کے بعد حکم نے فیصلہ صادر کیا کہ طلاق ثابت نہیں ہوئی مگر کسی نے عورت مذکورہ کو فتویٰ دیدیا کہ تم عدت گذارنے کے بعد دوسرے آدمی کے ساتھ نکاح کر سکتی ہو چنانچہ مسماۃ مذکورہ نکاح پر

آمادہ ہوئی اور اس کا شوہر فوجداری مقدمہ دائر کرنیکی تیاری کرنے لگا اس لئے ذیل میں اس حادثۃ الفتویٰ پر بقدر ضرورت بحث کی گئی ہے۔

(**تنبیہ**) "میں تو کے طلاق دیہیوں الخ" ایک ایسا لفظ ھے جو لب ولہجہ کے ادنیٰ تغیر سے کبھی ماضی کا صیغہ اور کبھی مستقبل کا صیغہ بن سکتا ھے جیساکہ مقامی زبان دان حضرات کا بیان ھے۔

بیان ۱ مدعیہ "میں تو کے طلاق دیہیوں تین قبول کری تھی" (یعنی میں نے تجھکو طلاق دی کیا تو قبول کرتی ھے) دسوں مرتبہ کہا اسکے بعد جماع کیا اور یہ کہاکہ آج آخری ھے اسکے بعد یہ کہاکہ ھم صبح مہر دیکر مبارک پور جائینگے کام کرنے نہیں جائینگے دوکان پر۔ گواہ کوئی نہیں۔

علامت نشان انگوٹھا صغریٰ بنت ولی جان بقلم محمد ادریس

بیان ۲ محمد ادریس میرے سامنے لڑکی نے بار بار وھی الفاظ کہا جو وہ بیان کرتی ھے محمد یوسف نے ایک مرتبہ انکار کیا اسکے والد کے مارنے کیلئے اُٹھنے پر اسکے علاوہ کچھ نہیں کہا۔

نشان انگوٹھا محمد ادریس پسر فتح محمد

بیان ۳ مدعی علیہ میں نے جماع کے بعد کہا کہ یہ آخری ھے۔ جماع سے پہلے میں نے طلاق کا کوئی لفظ نہیں کہا بعد میں کہاکہ میں مبارک پور صبح کو جاؤنگا وہاں ایک میرے دوست ان سے روپیہ لادونگا اگر وہ روپیہ دیں گے تو طلاق دیدونگا اور اگر نہیں دینگے تو اسکے علاوہ میں کچھ نہیں جانتا۔ یہ میرا بیان ہے۔ محمد یوسف بقلم خود۔ تاریخ ۱۴؍ جون سنہ

فیصلۂ حکم حکم نے زبانی فیصلہ صادر کیا کہ طلاق ثابت نہیں ہوئی اور مولوی اسلام الحق صاحب نے فریقین کو ذیل کی تحریر لکھکر دیدی۔

مولوی اسلام الحق کی لکھی ہوئی تحریر ھم دستخط کنندگان کے سامنے ایک عورت مسماۃ صغریٰ بنت ولی جان نے آکر یہ بیان کیا کہ میرے شوہر مسمّٰی محمد یوسف نے رات کے وقت دسوں مرتبہ یہ لفظ کہاکہ "میں تو کے طلاق دیہیوں" (اس کا مطلب یہ ھے کہ میں نے تجھکو طلاق دی" اگر واقعی محمد یوسف نے یہ لفظ کہا ہو تو اسکی عورت مطلقہ مغلظہ ہوگئی اسکو چاھئے کہ اپنی بیوی سے دیانۃً علیحدہ رھے مگر چونکہ محمد یوسف بار بار دریافت کرنے پر اس لفظ کے کہنے سے بالکل انکار کرتا ھے بلکہ حلفیہ دریافت کرنے پر بھی انکار ہی کرتا ہے اور عورت مذکورہ شرعی بینہ سے اپنے دعویٰ کو ثابت نہیں کرسکی اس لئے طلاق ثابت نہیں ہوئی۔ والعلم عند اللہ۔ محمد اسلام الحق عفی عنہ مدرس مدرسہ دار العلوم مئو۔

محمد صابر۔ میرک شاہ عفا اللہ عنہ

استفتاء جو عورت مذکورہ نے مکرر کیا کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ بیان مذکورہ بالا سے طلاق ثابت نہیں ہوئی لیکن مجھے یقین کلیہ ہے کہ محمد یوسف نے مجھے دسوں مرتبہ طلاق دی اور میں پھر حلفیہ بیان کرتی ہوں کہ مجھے ذرا بھی شبہ نہیں ہے کہ محمد یوسف نے مجھے طلاق نہ دی ہو لھذا یہ امر دریافت طلب ہے اب مجھے محمد یوسف کے ساتھ رہنے میں کوئی گناہ تو نہ ہوگا؟

سائلہ مسماۃ صغریٰ بنت ولی جان۔

الجواب:۔ (تمہید) فریقین نے جن کا بیان ع۱ ع۳ میں درج ہے میرے پاس دعویٰ طلاق کا مرافعہ کیا۔ زبان سے ناواقفیت کی وجہ سے میں نے مولانا مولوی محمد اسلام الحق صاحب اور مولانا محمد صابر صاحب کو اثناء تحقیقات میں اپنے ساتھ شامل رکھا۔ اور جو الفاظ مقامی زبان میں کہے گئے انکے ترجمہ میں بھی ان ہی دونوں حضرات کے کہنے پر اعتماد کیا۔ مدعیہ مسماۃ صغریٰ بنت ولی جان نے دعوی کیا کہ میرے شوہر نے مجھے دسوں مرتبہ کہدیا کہ میں نے تجھکو طلاق دیدی کیا تو قبول کرتی ہے؟ محمد یوسف شوہر مسماۃ مذکورہ نے ایقاع طلاق کا انکار کیا اور صرف اس کا اقرار کیا کہ جماع کے بعد طلاق کا وعدہ کیا بشرطیکہ مبارکپور کے دوست سے مہر ادا کرنے کیلئے روپیہ مل جائے مدعیہ کے پاس بینہ (شہادت) نہیں شوہر کو قسم کیلئے کہا گیا جو اس نے کھائی اس لئے عدم ثبوت طلاق کا حکم شرعی فریقین کو سنایا گیا اور تحریر طلب کرنے پر مولانا اسلام الحق صاحب نے فریقین کو تحریر بھی دیدی جسمیں انفرادی طور پر شوہر کو نصیحت بھی کی گئی ہے اور جانبین کو بالاشتراک عدم ثبوت طلاق کا حکم بتایا گیا اس تحریر پر میرے اور مولوی محمد صابر صاحب کے بھی دستخط کرائے گئے تحریر مذکور وصول کرنے کے بعد مسماۃ مذکورہ کی طرف سے استفتاء مندرجہ بالا ع۲ میرے سامنے ونیز بعض دوسرے علماء کے سامنے پیش کیا گیا جس میں وہ دیانت کا حکم اپنے متعلق دریافت کرتی ہے چونکہ اس مسئلہ میں دیانت کے پہلو متعدد ہیں اس لئے ذیل میں انکو درج کیا جاتا ہے اور اوپر کا حکم ع۱ بسلسلۂ تحکیم فریقین کو دیا گیا ہے جو اس مسئلہ میں قضاء کا پہلو ہے اور اب جو کچھ لکھا جائیگا وہ محض ان احکام شرعیہ کا اظہار ہوگا جو اس مسئلہ میں انفرادی احکام کی حیثیت سے کتب فقہ میں منقول ہیں جیسے اس مسئلہ میں دیانت کا پہلو سمجھنا چاہئے جیسا کہ آگے آتا ہے۔

رجوع باصل مقصد۔

تمہید مذکور کے بعد سائلہ مذکورہ کو بالخصوص اور ناظرین کو علی العموم اطلاع دی جاتی ہے کہ اس مسئلہ میں اختلاف واقع ہوا ہے اس لئے جس قدر مسائل واقوال ہم کو اس باب میں

معلوم ہو سکے انکو ذیل میں درج کر کے آخر میں بتایا جائیگا کہ اقوال مذکورہ میں سے سائلہ کو کونسا قول اختیار کرنا چاھئے ونیز یہ کہ سائلہ کے بیان کے متعلق کتب فقہ میں دیانۃً کیا احکام ہیں جن پر انکو دیانۃً عمل کرنا ضروری ہے مسائل واقوال یہ ہیں :۔

(قول اول) جس عورت نے اپنے شوہر سے یہ سنا کہ اس نے اسے طلاق دیدی ہے اور عورت مذکورہ شوہر کو اپنے سے دور کرنے اور روکنے پر بجز اس کے کہ اسکو قتل کرے قادر نہیں تو اسکو شوہر کے قتل کے ارتکاب کی اجازت ہے مگر خودکشی جائز نہیں۔

(در) سمعن من زوجھا الخ

(ب[۲]) اوزجندی فرماتے ہیں کہ عورت مذکورہ کو قاضی کے پاس مرافعہ کرنا چاھئے اگر وہاں شوہر نے طلاق کا انکار حلفاً کرلیا اور عورت شہادت پیش نہ کرسکی تو گناہ مرد پر ھے اور اگر ارتکاب کریگی تو وہ بھی مباح[عہ] ھے۔

(در) وقال الاوزجندی

(ج[۳]) عورت مذکورہ کو کسی حال میں شوہر مذکور کے قتل کا ارتکاب حلال نہیں بلکہ گناہ کا ذمہ دار شوہر ہوگا۔

(در) وقیل لا تقتلہ

(د[۴]، ھ[۵]) اوپر کے تینوں اقوال میں سے قول ثالث کو صاحب درمختار نے مفتی بہ قرار دیا ھے اور پہلے قول کے ذیل میں شامی نے محیط سے نقل کیا ھے کہ عورت مذکورہ کو سزاوار ھے کہ اپنا مال ومتاع دیکر شوہر سے اپنے آپ کو خلاص کرے یا یہ کہ اس سے بھاگ جائے اور اگر اسکی قدرت نہیں رکھتی ہے تو اس وقت قتل کریگی جبکہ یہ یقین ہو جائے کہ وہ وطی کریگا۔ مگر دواء کے ساتھ ورنہ تیز آلہ کے ساتھ قتل کے ارتکاب کی صورت میں قصاص واجب ہوگا۔

(رد) وینبغی لھا ان تفتدی بمالھا او تھرب۔

یہ پانچ اقوال درمختار اور شامی کی عبارات ذیل سے اخذ کئے گئے۔

سمعت من زوجھا انہ طلقھا ولا تقدر علی منعھا

عہ خط کشیدہ الفاظ ص۱۰۸ غور طلب یہ ہے کہ اقرار بالطلاق اور تلفظ بالطلاق میں فرق ھے ونیز یہ کہ زیر بحث مسئلہ ثانی ھے نہ کہ اول۔

من نفسها الا بقتله لها قتله بدواء ولا تقتل نفسها، وقال الاوزجندی ترفع الامر للقاضی فإن حلف ولا بینة فالاثم علیه وان قتلته فلا شئ علیها و قیل لا تقتله وبه یفتی کما فی التتارخانیه وشرح الوهبانیه عن الملتقط ای والاثم علیه کما مر (در)

(قوله لها قتله) قال فی المحیط وینبغی لها ان تفتدی بمالها او تهرب منه وان لم تقدر قتله متی علمت انه یقربها الخ (شامی ص۴۲۸ ج۲)

قوله وان قتلته الخ افاد اباحة الامرین (شامی ص۴۲۹ ج۲)

(و) اگر عورت کو شوہر نے تین طلاق دیدیں پھر منکر ہوا تو عورت مذکورہ کو اس وقت جبکہ شوہر مذکور سفر میں ہوگا اعتداد[عه] کے بعد دیانۃً[عه] جائز ہے کہ کسی دوسرے کے ساتھ مخفی طور پر نکاح کرکے حلالہ کرے اور شوہر مذکور کی واپسی پر اس سے یہ بہانہ کرکے کہ میرے قلب میں شک پیدا ہو رہا ہے تجدید ایجاب وقبول کراکے اسی کے پاس رہنے لگے لیکن قنیہ میں اس مسئلہ کو مختلف فیہا قرار دیدیا گیا ہے کہ بھاگ جانے پر قادر ہونیکی صورت میں عورت مذکورہ کو دیانۃً تزویج مذکور کی اجازت نہیں کیونکہ جب[عه] اسکی تفریق کے ساتھ قضاء قاضی صادر نہ ہوے اس وقت تک وہ شوہر اول کی زوجیت کے حکم میں برابر جکڑی ہوئی رہیگی۔

(بحر) لو طلقها ثلاثًا وانكر لها ان تتزوج بآخر وتحلل نفسها سرا منه اذ غاب فی سفر فاذا رجع التمست منه تجدید النکاح لشك اھ۔ وقد ذکر فی القنیة خلافًا فرقم للاصل بانها ان قدرت علی الهرب لم یسعها ان تعتد[عه] وتتزوج بآخر لانها[عه] فی حکم زوجته الخ۔ والحاصل انه علی جواب شمس الاسلام.... یحل لها ان تتزوج فیما بینها[عه] وبین الله وعلی جواب الباقین لا یحل۔ (اقول ای دیانۃً لانه نفی لما اثبت قبله عبد) ..... وقد نقل فی القنیة عن شرح السرخسی... طلق امرأته ثلاثًا و غاب عنها فلها ان تتزوج .... بعد العدة دیانۃً و نقل آخر انه لا یجوز فی المذهب الصحیح۔

(ز) عورت نے شوہر سے طلاق کے الفاظ سُن لئے مگر شوہر نے حلفًا انکار کیا اور قاضی نے

(بحر) وکذلك سمعته طلقها ثم جحد وحلف الخ

عورت کو شوہر کے سپرد کر دیا تو عورت مذکورہ کو نہ تو اس کے ساتھ رہنا جائز ہے اور نہ ہی کسی دوسرے کے ساتھ نکاح کر سکتی ہے۔

ان دونوں قولوں علمائے کا خلاصہ بقول علامہ بدیع کے یہ ہے کہ اوزجندی نسفی وغیرہما کے نزدیک دیانۃً نکاح ثانی حلال ھے اور باقی فقہاء کے نزدیک دیانۃً بھی نکاح ثانی حلال نہیں۔

(ح) شوہر نے عورت کو تین طلاقیں دیدیں پھر سفر میں چلا گیا اسکی عورت عدت کے بعد دوسرا نکاح دیانۃً ایک قول کے مطابق کر سکتی ھے مگر دوسری نقل کے مطابق مذہب صحیح یہ ہے کہ دیانۃً بھی نکاحِ ثانی ناجائز ھے اور دیانۃً بھی نکاح ثانی کے عدمِ جواز اور حرمت کو مذہب صحیح قرار دینے والے علماء ترجمان ہیں۔

(ط) مرد نے تعلیق طلاق کر لی اور شرط بھی پائی گئی جس کا علم و یقین عورت کو ہو گیا مگر مرد کو یہ گمان ھے کہ شرط نہیں پائی گئی اور ساتھ ہی ساتھ عورت کو اس کا بھی ظن غالب ھے کہ اگر وہ مرد کو خبر دے گی تو وہ تعلیق ھی کا انکار کریگا۔ تو اس صورت میں جب کبھی مرد غائب ہو جائے یعنی کسی سبب سے عورت مذکورہ کو اعتداد کے بعد حلالہ کی اجازت دیانۃً ہوگی مگر قضاءً نہ ہوگی یہ قول تو عمر نسفی کا ھے لیکن وہ اس کے ساتھ فتویٰ دینے کی اجازت اس عورت کے ساتھ

(بحر) قال یعنی البدیع والحاصل انه علی جواب شمس الاسلام الاوزجندی ونجم الدین نسفی والسید ابی شجاع و ابی حامد السرخسی یحل لها ان تتزوج بزوج آخر فیما بینها وبین الله وعلی جواب الباقین لایحل اھ (ای ان تتزوج بزوج آخر فی ما بینها الخ عبد)

(بحر) وقد نقل فی القنیة ... ما صورته طلق امرأة ثلاثاً وغاب عنها فلها ان تتزوج بزوج آخر دیانةً ونقل آخر انه لایجوز فی المذهب الصحیح۔

قال حلف بثلاثه

مخصوص کرتے ہیں جو قابل وثوق واعتبار ہو ناقابل اعتبار عورت کو وہ اس حکم کے ساتھ فتویٰ نہیں دیتے ہیں کیونکہ عورت مذکورہ کو نکاح دوم کرنے کی اجازت دینے کے بارے میں ممدوح نے سید ابو شجاع سے دو مرتبہ دریافت کیا آپ نے ایک مرتبہ جواز کا حکم لکھدیا دوسری مرتبہ فرمایا کہ جائز نہیں اور تطبیق کی صورت بقول عمر نسفی یہ ہے کہ جواز کا حکم صرف اس عورت کیلئے آپنے دیدیا جو قابل اعتبار اور قابل وثوق ہو۔

(۱۰) دو شاہدوں نے شہادت دیدی کہ عورت کو اس کے شوہر نے تین طلاقیں دیدیں تو اگر اس کا شوہر سفر میں ہونیکی وجہ سے اس سے غائب ہے تو اس کو نکاح دوم کی گنجائش ہے اور اگر شوہر سفر میں نہیں تو عورت مذکورہ دوسرا نکاح نہیں کرسکتی ہے۔

مسئلہ کی یہ صورتیں (۶ سے ۱۰ تک) بحر الرائق کی عبارت ذیل سے اخذ کی گئیں

قالوا: لو طلقها وانكرها ان تتزوج بآخر وتحلل نفسها سرا منه اذا غاب فی سفر فاذا رجع التمسك منه بتجدید النكاح لشك خالج قلبها لا لانكار الزوج النكاح وقد ذكر فی القنية خلافا فرقم للاصل بانها ان قدرت على الهروب منه لم يسعها ان تعتد وتتزوج بآخر لانها فی حكم زوجية الاول قبل القضاء بالفرقة ثم رمز لشمس الاسلام الاوزجندی وقال: قالوا هذا فی القضاء ولها ذالك ديانة وكذالك ان سمعته طلقها ثلاثا ثم جحد وحلف انه لم يفعل وردها القاضی عليه لم يسعها المقام معه ولم يسعها ان تتزوج بغيره ايضا قال يعنی البديع والحاصل انه على جواب شمس الاسلام الاوزجندی و

نجم الدین النسفی والسید ابی شجاع وابی حامد والسرخسی یحل لها ان تتزوج بزوج آخر فیما بینها وبین اللّٰه تعالیٰ وعلیٰ جواب الباقین لا یحل اهـ ـــــ قال المصنف رح وقد نقل فی القنیة قبل ذالک عن شرح السرخسی ماصورته طلق امرأته ثلاثًا وغابت عنها فلها ان تتزوج بزوج آخر بعد العدة دیانةً ونقل آخر انه لایجوز فی المذهب الصحیح: اهـ. قلت: انما رقم لشمس الائمة الاوزجندی وهو الموافق لما تقدم عنه والقائل بانه المذهب الصحیح العلاء الترجمانی ثم رقم بعده لعمر النسفی وقال: حلف بثلاثة فظن انه لم یحنث وعلمت الحنث وظنت انها لو اخبرته بنکر الیمین فاذا غابت انها بسبب من الاسباب فلها التحلل دیانةً لا قضاءً قال عمر النسفی سألتُ عنها السید ابا شجاع فکتب انه یجوز ثم سألته بعد مدة فقال انه لایجوز والظاهر انه انما اجاب فی امرأة یوثق بها اهـ کذا فی شرح المنظومة وفی البزازیة شهد ان زوجها طلقها ثلاثًا ان کان غائبًا ساغ لها ان تتزوج بآخر وان کان حاضرًا لا لان الزوج ان انکر احتیج الی القضاء بالفرقة ولایجوز القضاء بها الا بحضرة الزوج اهـ وفیها سمعت بطلاق زوجها ایاها ثلاثًا ولا تقدر علی منعه الا بقتله ان علمت انه یقربها تقتله بالدواء ولا تقتل نفسها وذکر الاوزجندی انها ترفع الامر الی القاضی فان لم یکن لها بینة تحلّفه فان حلف فالاثم علیه وان قتلته فلا شئ علیها. والبائن کالثلاث اهـ. وفی التتارخانیة: وسئل الشیخ ابو القاسم عن امرأة سمعت من زوجها انه طلقها ثلاثًا ولا تقدر ان تمنعه نفسها هل یسعها ان تقتله فی الوقت الذی یرید ان یقربها ولا تقدر علی منعه الا بالقتل فقال لها ان تقتله وهکذا کان فتوی الامام شیخ الاسلام عطاء بن حمزة ابی شجاع وکان القاضی الامام الاسبیجابی یقول لها ان تقتله وفی الملتقط وعلیها الفتویٰ.

وفی فتاوی الشیخ الامام محمد بن الولید السمرقندی فی مناقب ابی حنیفة عن عبد اللّٰه بن المبارک عن ابی حنیفة ان لها ان تقتله.

وفی المحیط فی مسئلة النظم: و ینبغی لها ان تفتدی بمالها او تهرب منه فان لم تقدر قتلته متی علمت ان یقربها ولکن ینبغی ان تقتله بالدواء و لیس لها ان تقتل نفسها، قلت: قال فی المنتقی وان قتلته بالآلة یجب القصاص اھ (بحر۔ ص٦٢-٦٣ ج ٢)

(ع۱۱) جب عورت کے پاس دو شاہد شہادت دیدیں کہ اس کے شوہر نے اسکو تین طلاقیں دیدی ہیں اور شوہر انکار کرتا ہے پھر دونوں شاہد مر گئے یا پردیس چلے گئے اور قاضی کے سامنے ان سے شہادت دلانے کا موقع نہیں ملا تو عورت مذکورہ کو نہ تو یہ جائز ہے کہ شوہر مذکور کے پاس رہے اور نہ یہ جائز ہے کہ اسکو جماع کرنے کا موقع دیدے پھر اگر قاضی کے سامنے مرافعہ ہوا اور زوج منکر نے حلف اٹھائی۔ شاہد بھی مر چکے ہیں اور قاضی نے عورت مذکورہ کو شوہر مذکور کے سپرد کر دیا تو اسکو جائز نہیں کہ شوہر مذکور کے پاس رہے بلکہ مال دیکر اپنے آپ کو خلاص کرے یا بھاگ جائے اور جب بھاگ جائیگی تو دیانۃً عدت گذار کر دوسرے نکاح کی گنجائش ہے جیساکہ محیط میں مذکور ہے۔

(نوٹ) اس صورت ع۱۱ میں وضع مسئلہ یوں ہے کہ عورت کے سامنے دو شاہد عدل (یعنی دو معتبر اور دیندار مرد) اداء شہادت کریں کہ اُسے زوج نے تین طلاقیں دیدیں اور ما نحن فیہ میں عورت نے خود اپنے شوہر سے سنا ہے کہ میں نے تجھکو طلاق دیدی کیا تو قبول کرتی ہے؟ اسلئے یہ مسئلہ (ع۱۱) زیر بحث حادثہ سے متفاوت ہے لیکن فی الجملۃ تشابہ کی بنا پر اس کا اندراج یہاں مناسب معلوم ہوا تاکہ مسئلہ کے دوسرا پہلو بھی سامنے آجائیں۔

یہ مسئلہ (ع۱۱) عالمگیری کی عبارت ذیل سے اخذ کیا گیا:

واذا شهد عند المرأة شاهدان عدلان ان زوجها طلقها ثلاثاً وهو یجحد ذالك ثم ماتا او غابا قبل ان یشهدا عند القاضی لم یسعها ان تقیم معه وان تدعه یقربها فان حلف الزوج علی ذالك والشهود قد ماتوا فردها القاضی علیه۔ لا یسعها المقام معه وینبغی لها ان تفتدی بمالها او تهرب منه فان لم تقدر علی ذالك قتلته متی علمت انه یقربها لکن ینبغی ان تقتله بالدواء و لیس لها ان تقتل نفسها واذا

هربت منه لم یسعها ان تعتد وتتزوج بزوج آخر قال الشیخ شمس الائمة الحلوائی فی کتاب الاستحسان هذا جواب الحکم واما فیما بینها وبین الله تعالیٰ اذا هربت فلها ان تعتد وتتزوج بزوج آخر کذا فی المحیط (عالمگیری ص۵۰۳ ج۲)

تبصرہ :- اقوال مذکورہ میں سے قول اول ونیز قول دوم کی شق ثانی یعنی قتل کی اجازت کا قول بوجوہ ذیل ناقابل عمل ہے اول اسلئے کہ اجازت قتل کے مقابلہ میں حرمت وعدم جواز کے قول کو مفتی بہ قرار دیدیا گیا ہے۔ وقیل لا تقتله ۔۔۔۔ وبه یفتیٰ، درمختار باب الرجعة۔ لا یسعها قتله وبه یفتیٰ۔ درمختار کتاب الرضاع ـــــــ دوسرے اسلئے کہ اگر یہی صورت بجائے عورت کے مرد کو پیش آجائے تو اسکو عورت کے قتل کی اجازت کسی قول میں نہیں دی گئی ہے جیسا کہ درمختار میں ہے۔ لولم یقدر هو ان یتخلص عنها ولو غاب سحرته وردته الیها لا یحل له قتلها ویبعد عنها جهده اھ ـــــــ لھذا عورت کو بھی قتل کی اجازت نہیں ہونی چاہئے۔

تیسرے یہ اسلئے کہ عورت کو اس مسئلہ میں خودکشی سے منع کیا گیا ہے اور زہر کھلانے کی صورت میں حکومت وقت قتل کی سزا دے سکتی ہے۔ (جہاں تک مجھے معلوم ہے) لھذا قتل کی اجازت کسی حال میں نہیں ہونی چاہئے پس عورت کو کسی طرح بھی یہ جائز نہیں کہ شوہر کو قتل کرنیکا ارادہ کرے اور قول مذکور کو صاحب شامی کا قول معتمد قرار دینے کا مطلب یہ ہے کہ اسکی نقل درایت صحیح ہے نہ یہ مفتیٰ بہ ہونے کے لحاظ سے اسپر عمل کرنا جائز ہے، واللہ اعلم۔

قول ششم ونیز دہ تمام صورتیں جن میں عورت کو دیانۃً اختیار دیا گیا ہے کہ حلالہ کی غرض سے کسی شخص کے ساتھ شوہر کو بے خبر رکھکر نکاح کریگی یہ سب اقوال صاحبِ درمختار کے نزدیک غیر صحیح ہیں جیسا کہ باب الایلاء سے پہلے درمختار میں مذکور ہے، وفیها شهدا انه طلقها ثلاثاً لها التزوج بآخر للتحلیل لو غائباً انتهیٰ قلت: یعنی دیانةً، والصحیح عدم الجواز فتیة یعنی جب دو شاہد طلاق کی شہادت دیدینگے اور شوہر غائب ہو تو عورت حلالہ کی غرض سے دوسرا نکاح کر سکتی ہے۔ صاحب دُر اس مسئلہ کو بزازیہ سے نقل کرکے فرماتے ہیں کہ میں کہتا ہوں کہ یہ جواز نکاح

دیانت کا حکم ہے اور صحیح یہ ہے کہ عورت مذکورہ کو دوسرا نکاح کرنا جائز نہیں، جیساکہ قنیہ میں مذکور ہے۔ اور صاحب دُرمختار کے اس قول پر علامہ ابن عابدین نے اشکال وارد کیا ھے مگر وہ محض بحث ھے اسلئے اسکے ساتھ فتویٰ دینا ہرگز جائز نہیں جیساکہ اہل فن اور اصحاب مناسبت پر واضح ھے۔ علاوہ برآن یہ بھی زیر بحث حادثہ میں ملحوظ رکھنا ضروری ہے کہ جس مسئلہ پر بحث مذکور کیگئی ہے اسکی صورت یہ ہے کہ عورت کو دومرد وزن کی شہادت عادلہ سے طلاق کا علم ہوجائے. اور زیر بحث مسئلہ میں عورت کو اس کے سوا کوئی علم نہیں کہ اسکے زعم کے مطابق اسکے شوہر نے اس سے دسوں مرتبہ یہ کہدیا کہ میں نے تجھکو طلاق دیدی الخ جیساکہ آگے آئیگا۔ مذکورہ بالا مقام کے علاوہ باب الرضاع کے آخر میں بھی صاحب درمختار نے نکاح ثانی کو ناجائز قرار دیا ہے چنانچہ احباب سے استفسار کرنے پر معلوم ہوسکا ہے اس قسم کے فتوے دینے والے اور اس پر عمل کرنے والے سب کے سب فوجداری دفعات کی زد میں آتے ہیں اور وہ دفعات عموماً اس مسئلہ کے حکم اور قضاء کے پہلو کے اعتبار سے شریعت کے خلاف بھی نہیں لھذا ایسے فتاوے کا نتیجہ اگر ایک طرف زناکاری اور اغواء کے عموم وفشو کی صورت میں نمودار ہوگا۔ تو دوسری طرف مقدمہ بازی اور گرفتاریوں کی بھرمار قانونی گرفت۔ شیوع فتن وفساد کی شکل میں سامنے آکر اسلام اور اہل اسلام ونیز علماء اسلام کے لئے نہایت ناشائستہ اثرات کا مثمر ہوگا۔ نعوذ باللہ من شرور انفسنا ومن سیئات اعمالنا۔ ارباب فتویٰ کو ایسے مواقع پر فتح القدیر کے اس مسئلہ کا خصوصیت کے ساتھ لحاظ رکھنا چاھئے — والحق ان علی المفتی ان ینظر فی خصوص الوقائع —— اور اگر یہ دعویٰ کیا جائے کہ اس قول کے مطابق فتویٰ دینے میں اخذ بالاحوط کا تحقق ہوتا ہے تو یہ بھی صحیح نہیں کیونکہ اقوال مندرجہ بالا میں سے بہت سے ایسے اقوال ہیں جو اس قول سے کہیں زیادہ احوط ہیں۔ علاوہ برآن زیر بحث حادثہ میں اخذ بالاحوط کا تحقق بھی محل تامل ھے کیونکہ اگر عورت قول ثالث کے مطابق عمل کرکے شوہر منکر کے ساتھ زوجیت کے تعلقات کو بھی قائم رکھیگی تب بھی ایسا واقعہ بہت ہی شاذونادر پیش آتا ہے کہ مرد اس طرح طلاق دیدے کہ وہاں کوئی شاہد نہ ہو اور پھر طلاق دینے کا انکار بھی کرے برعکس آں جب یہ فتویٰ عام ہوگا کہ جو عورت یہ کہیگی کہ مجھے علم ویقین ہے کہ میرے شوہر نے مجھے طلاق دیدی ہے ایسی

عورت کو دوسرے شخص کے ساتھ نکاح کرنیکی اجازت دیدی جاتی ھے تو زمانہ کے بدمعاش اور بردہ فروش ایسے فتاویٰ کو اپنے پیشہ کا خاص ذریعہ بنائینگے کیونکہ تجربہ سے معلوم ہو چکا ہے کہ بردہ فروشوں کے گروہ اس قسم کی جعلی سرگرمیوں کو عموماً اپنے کام کا ذریعہ بناتے ہیں لیکن تمام پہلو ٹھیک کرنے میں انکو صعوبتیں برداشت کرنی پڑتی ہیں اسلئے ایسے سھل الوصول ہتھیار کو کیوں وہ ہاتھ سے جانے دینگے۔ لھذا ایسے فتاویٰ کے اصدار سے اجتناب اولی والزم ہے۔

عالمگیری میں ہے۔ ویحرم التساھل فی الفتاویٰ واتباع الحیل ان فسدت الاغراض وسوال من عرف بذالک الخ (ص ۳۷۹ ج ۳)

یعنی فتویٰ دینے میں تساھل برتنا اور اغراض فاسدہ کا ہوتے ہوئے حیلے قائم کرنے حرام ہیں اسیطرح جو لوگ ایسے فتویٰ تیار کرتے ہیں ان سے مسئلہ پوچھنا بھی حرام ہے۔

بوجوہ مندرجہ بالا مسماۃ صغریٰ کو اس قول پر عمل کرنا جائز نہیں مگر سنا گیا ہے کہ مسماۃ مذکورہ کو کسی صاحب نے ذیل کا فتویٰ دیدیا ہے جسکی نقل بعینہ ذیل میں درج کی جاتی ھے۔

"صورت مسئولہ میں جب عورت کو یقین ھے کہ اسکے شوہر نے اسکو طلاق مغلظہ دیدی تو اسکو جائز نہیں کہ اس شوہر کو اپنے اوپر قابو دے بلکہ اس سے علیحدہ ہو جائے اور عدت کے بعد کسی اور سے نکاح کرے دوسرا شوہر ہمبستری کے بعد اگر اسکو طلاق دیدے اور عدت گذر جائے تو وہ پھر محمد یوسف سے نکاح کر سکتی ہے اگر اس سے نکاح کرنا چاھے اور اگر اس سے نکاح کی طلب نہ ہو تو جس سے نکاح کرے اس کے پاس رہے"

اس فتویٰ میں صاحب فتویٰ کا یہ فرمانا کہ جب عورت کو یقین ھے کہ اس کے شوہر نے اسکو طلاق مغلظہ دیدی ہے الخ مسئلہ مذکورہ بالا یعنی والحق ان علی المفتی ان ینظر فی خصوص الوقائع الخ کی رُو سے قابل اعتراض ھے اسلئے کہ صاحب فتویٰ کے سامنے صغریٰ نے وہ بیان رکھا جسمیں اسکے دعویٰ کے الفاظ کا ترجمہ[ع] یہ کیا گیا ھے کہ "میں نے تجھکو طلاق دی" پھر وہ استفتاء میں حلفیہ کہتی ھے کہ "مجھے ذرا بھی شبہ نہیں کہ محمد یوسف نے مجھے طلاق نہ دی ہو" اسلئے صاحب فتویٰ کو مستفتیہ کے پیش کردہ الفاظ میں غور کرنیکی ضرورت تھی کہ ایسے الفاظ کا فقہاء کے نزدیک کیا حکم ھے نہ کہ یہ لکھنا کہ جب عورت کو یقین ھے الخ کیونکہ "جب" اذا کا ترجمہ ھے اور

[ع] یہ ترجمہ خود علماء ثلاثہ نے کیا ھے وھی اسکی صحت کے ذمہ دار ہیں۔

اذا[1] کا لفظ جزم کے موقع پر استعمال کیا جاتا ہے گویا صاحب فتویٰ نے بھی مستفتیہ کے بیان سے اس حکم کا یقین کیا جسکا زعم بظاہر مستفتیہ نے کیا ہے حالانکہ مستفتیہ نے الفاظ پیش کرکے حکم دریافت کیا تھا چنانچہ اس سے مستفتیہ کے حواریین نے وقوع طلاق بالیقین کا حکم قطعی سمجھ لیا بہرکیف جب مسماۃ صغریٰ کو دیانت کا حکم بتلانا ھے اور اسمیں بعض احباب کو اتنا اصرار ھے کہ ہندوستان میں علماء بجز احکام دیانت کے کوئی فتویٰ ہی صادر نہیں کرسکتے ہیں تو الفاظ مذکورہ میں بھی دیانت کا پہلو ملحوظ رکھنا ضروری ہے اسلئے ”میں نے تجھکو طلاق دی“ کا ترجمہ فارسی میں یہ ہے کہ ”من ترا طلاق دادم“ اور قاضی خان میں مذکور ہے کہ اگر ان الفاظ سے ایقاع طلاق کی نیت کرلی تو طلاق واقع ہوگی اور اگر تفویض[2] طلاق کی نیت ہوگی تو طلاق نہیں پڑیگی اور اگر تفویض کی نیت نہ ہو تو طلاق پڑیگی۔

وان قال لھا ”من ترا طلاق دادم“ ان نوی الایقاع یقع وان نوی التفویض لایقع وان لم ینو التفویض یکون ایقاعًا ولو قال لھا، لک الطلاق قال ابوحنیفۃ رح ان عنی بہ التفویض یدیّن واذا قامت من مجلسھا بطل (خانیۃ بر ھامش عالمگیری ص ۲۱۹ و ۲۲۰ ج-۲)

خلاصہ یہ کہ ”میں نے تجھکو طلاق دی“ کے معنیٰ یہ بھی ہوسکتے ہیں کہ میں تمہارے سپرد[3] طلاق کو کردی ہے۔ پس اگر تم اپنے آپ کو مطلقہ بنانا چاھتی ہو تو ایقاع طلاق اپنے اوپر کرسکتی ہو اور اس صورت میں مجلس میں صغریٰ اپنے آپ کو مطلقہ نہ بنانا تفویض مذکور کو سلب کرتا ہے۔ راقم الحروف کہتا ہے کہ جو بیان مسماۃ صغریٰ کا ھمارے پاس[4] اسکے عکس انگوٹھا کے ساتھ محفوظ ہے اس سے یہی شق معلوم ہوتی ہے کیونکہ مسماۃ صغریٰ کہتی ہے کہ مجھ سے محمد یوسف نے یہ بھی دریافت کیا کہ کیا تم طلاق قبول کرتی ہو؟ اور اپنا کوئی جواب تولاً بیان نہیں کرتی ھے بلکہ اسکے جماع اور اپنی تمکین کا[5] ذکر کرتی ہے لھذا دیانت کا فتویٰ دینے والا مفتی شرعًا اس کا مکلف ہے کہ اس احتمال کو نظر انداز نہ کرے

---

[1] عربی میں نہ کہ اردو میں۔ [2] اردو میں یہ لفظ محتمل تفویض نہیں۔ [3] اردو میں یہ معنیٰ غلط ہیں۔

[4] قضاءً وقانونًا ایسا شخص مردود الشہادت ہے جو اولاً بیان میں قید بیان نہ کرے بعد میں اضافہ کرے۔

[5] یہ بھی علماء ثلاثہ کے اول بیان میں نہیں ھے لھذا یہ اضافہ بھی قضاءً رد ہے۔

خصوصاً جبکہ محمد یوسف کہتا ہے کہ میں نے جماع کے بعد اس سے طلاق دینے کا وعدہ اس صورت میں کیا تھا کہ مبارکپور جاکر اداءِ مہر کیلئے رقم اپنے دوست سے وصول کرسکوں۔ بالفرض اگر الفاظ مذکورہ کو ایقاع طلاق پر ہی محمول کیا جائے تب بھی حکم دیانت اسمیں صرف وہی نہیں جو صاحب فتویٰ نے تحریر فرمایا ہے بلکہ ایک احتمال یہ ہے کہ محمد یوسف نے پہلی مرتبہ ایقاع طلاق اور دوسری وتیسری وچوتھی سے لیکر جتنے مرتبہ تکرار کیا اس سے افہام[1] کا ارادہ کیا ہو چنانچہ اگر وہ اس بیان کی تصدیق کرتا اور پھر یہی دعویٰ کرتا تو دیانۃً اسکی تصدیق کی جاتی خصوصاً اس صورت میں کہ " ما نحن فیہ " میں اس کا قرینہ موجود ھے جسکا اعتبار کرنا شرعاً ضروری ہے کیونکہ اگر ھم فرض کرلیں کہ پہلی مرتبہ کہنے سے محمد یوسف نے ایقاع طلاق مراد لی ہوگی اور باقی مرات سے افہام تو اس صورت میں جو جماع بعد میں واقع ہوا وہ حلال ہوگا اور مانا جائیگا کہ اس نے جماع کے ساتھ رجعت بالفعل کرلی۔ اور اگر ایسا نہ ہوا ہو تو صغریٰ کے بیان کے مطابق جماع مذکور اس صورت میں حرام واقع[2] ہوا ہوگا کہ الفاظ مذکورہ سے تین طلاق واقع ہوچکی ہوں۔ قاضی خان میں ھے:

رجل قال لامرأتہ انت طالق انت طالق انت طالق وقال عنیت بالاولی الطلاق وبالثانیۃ والثالثۃ افہامہا صدق دیانۃً (ص۲۲۴ ج ۲ بہامش عالمگیری) راقم الحروف کہتاہے کہ دسوں مرتبہ کہنا افہام[3] کا قرینہ ھے کیونکہ طلاق واقع کرنے کیلئے تین مرتبہ کہنا یا ایک ہی مرتبہ طلاق واقع کرنا کافی ہوسکتا ہے لھذا لامحالہ تین سے زائد مرات کو افہام[4] وتاکید پر حمل کرنا ضروری ھے اسلئے اس جماع کو جو مسماۃ صغریٰ کے بیان کے مطابق بعد میں واقع ہوا فعل حلال پر محمول کرنیکی غرض سے پہلی مرتبہ کے علاوہ تمام مرات کو افہام پر حمل کرنا قواعد شرعیہ کے ساتھ اوفق ہے کیونکہ مسلمانوں کے افعال کو جہانتک ممکن ہو فعل مشروع پر محمول کرنا شرعاً معمول بہ ہے ان احتمالات کے ہوتے ہوئے مسماۃ صغریٰ کو حرمتِ مغلظہ کا یقین کرنا یا اسکو ایسا یقین رکھنے پر کسی کی تصویب کرنا بلا دلیل بلکہ خلاف دلیل معلوم ہوتا ھے۔

---

[1] تکرار طلاق سے عورت کو تکرار ہی سمجھنا لازم ہے المرأۃ کالقاضی لا تقبل الا الظاھر۔

[2] جماع کا ذکر قضاءً قبول نہیں کیونکہ بعد میں اضافہ کیا گیا ہے اور عورت منکر ھے۔

[3] سبحان اللہ کیسا عمدہ قرینہ ھے کیا یہ نہیں کہہ سکتے کہ غصہ میں حد سے تجاوز کرگیا۔

[4] قاضی کو اور عورت کو ایسا کرنا جائز نہیں اور فتویٰ عدت کو دیا جارہا ہے۔

و اللہ اعلم وعلمہ اتم ـــــــ بلکہ اگر صغریٰ اپنے بیان میں صادقہ ہو تو اسکو صرف یہ یقین رکھنا جائز ہے کہ الفاظ مذکورہ میں نے اپنے کان سے سن لئے ہیں نہ یہ کہ ان الفاظ سے دیانت کی تاثیر حرمتِ مغلظہ پر بھی یقین کرلے کیونکہ الصریح یلحق الصریح قضاءً کا حکم ہے لھذا اگر وہ قضاء کی تابع رہنا چاھتی ہے تو اس کا دعویٰ بسبب عدم بینۃ کے ساقط الاعتبار ہوچکا ہے اور اگر وہ دیانت پر عمل کرنا چاہتی ہے تو ظنوا بالمؤمنین خیراً کے مطابق اسکو اپنے شوہر کے اقوال وافعال کو سب سے پہلے اُن محامل پر محمول کرنا چاھئے جو شریعت کے مطابق ہوں ونیز جب احتمالات مذکورہ کی بناء پر وقوع طلاق مشکوک ہوا تو اسکو زوال نکاح کا یقین کرنا شرعاً ممکن نہیں کیونکہ شک سے یقین زائل نہیں ہوتا ہے۔ قال فی الاشباہ: "الیقین لا یزول بالشک" اسلئے اصول شرعیہ کے خلاف زوال نکاح کا ظن رکھنا اس کو جائز نہیں، قال تعالیٰ: ان بعض الظن اثم۔

یہاں تک فتویٰ مذکورہ کے حصہ اول پر بحث کیگئی۔ اب رہا اس کا حصہ دوم جس میں صاحب فتویٰ نے مسماۃ صغریٰ کو عدت گذار کر دوسرے نکاح کا حکم دیدیا ہے سو اسکے متعلق اوپر بتفصیل بحث ہوچکی ہے اسلئے اعادہ کی ضرورت نہیں بلکہ صرف اسقدر کہنا کافی ہے کہ یہ قول صاحب درمختار کے نزدیک غیر صحیح اور علامہ ترجمانی کے نزدیک مذہب صحیح کا خلاف ھے اور اس کا مذہب صحیح کا خلاف ہونا قنیہ اور شرح وھبانیہ اور درمختار ونیز شامی میں مذکور و منقول ھے اور صاحب درمختار نے اسکے غیر صحیح ہونے پر جزم کیا اور صاحب شامی کے نزدیک غیر ہونیکو قضاء کے ساتھ مخصوص کرنا درمختار کی صریح وصاف عبارات کو ملحوظ رکھکر خلاف ظاہر کا ارتکاب ھے (ص ۴۹۷ ج ۲) علاوہ برآں اس سے مفاسد عدیدہ پیدا ہوسکتے ہیں، چنانچہ جس مقام میں زیر بحث حادثہ پیش آیا ھے وہاں کے متعلق سنا گیا ہے کہ اس مسئلہ پر کسی مولوی صاحب نے بیشتر ایک عورت کو جس کے پاس دعویٰ طلاق پر شہادت نہ تھی محض اس بناء پر شوہر مدعیٰ علیہ سے جدا ہونیکا حکم دیدیا کہ وہ کہتی ھے کہ مجھے طلاق کا یقین ھے چنانچہ عورت مذکورہ نے دوسری جگہ شادی بھی کی ھے اور ابتک وہ اس دوسرے شوہر کے ساتھ بود و باش کرتی ہے پھر کچھ عرصہ بعد دوسری عورت نے بھی یہی فتویٰ حاصل کیا مگر وہ مرگئی ورنہ وہ بھی اس وقت دوسرے مرد کے پاس ہوتی اور زیر بحث حادثہ تیسرا واقعہ ہے جس میں عورت دوسرے نکاح کی تیاری کرنے لگی تھی مگر راقم کے خلاف کرنیکی وجہ سے

اُسے قدرے جھجک پیدا ہو گئی ھے اور اسکے مآل کا کوئی فیصلہ ابھی کرنا ممکن نہیں۔ پس مفاسد عدیدہ کا وقوع بھی ہو چکا ہے تو میرے نزدیک اس جیسے حوادث میں اقوال و مسائل مذکورہ میں سے کسی ایسے قول کے ساتھ فتویٰ دینا چاھئے جو مفاسد سے خالی ہو۔ مثلاً زیر بحث مسئلہ میں صغریٰ کو اولاً یہ فتویٰ دینا[1] چاھئے کہ وہ اپنے شوہر کے پاس چلی جائے اور نشوز کا ارتکاب چھوڑ دے کیونکہ اسکے وقوع طلاق پر کوئی دلیل معتبر شرعی موجود نہیں، اور اگر بالفرض وہ اس سے جدا ہونے پر ھی تل گئی ھے تو قول چہارم کے مطابق وہ صرف مال ادا کرکے اپنے آپ کو جدا کرنیکی کوشش کرے خصوصاً جبکہ زیر بحث حادثہ میں بتایا بھی جاتا ہے کہ مسماۃ صغریٰ کل کے کل زیورات لیکر شوہر سے بھاگ گئی ہے بہرکیف اسکو بحالت موجودہ کسی دوسرے کے ساتھ نکاح کرنیکی اجازت دینا شرعاً کسی طرح بھی صحیح نہیں اور اسے قضاءً یا دیانۃً یہ جائز نہیں کہ محمد یوسف سے طلاق حاصل کئے بدون کسی دوسرے کے ساتھ نکاح کرے اور اگر ایسا کریگی تو وہ نکاح قواعد شرعیہ کے مطابق باطل ہوگا کیونکہ محمد یوسف کے ساتھ اس کا نکاح متحقق ہونا ایک امر متیقن ھے جسکے زوال پر مسائل دیانت[2] اور قواعد قضاء دونوں کے لحاظ سے بجز شکوک و اوہام کے اور کوئی دلیل شرعی قائم نہیں لھذا دوسرے نکاح نکاح علی النکاح صادق آئیگا۔

ایضاً ایک اور وجہ بھی مسماۃ صغریٰ کو سہ طلاق کے وقوع کے دعویٰ میں کاذب ٹہرائی ھے کیونکہ اگر صغریٰ کو تین طلاق کے وقوع کا جزم ویقین ہوتا تو وہ شوہر کو وطی کرنے نہیں دیتی پس اس کا یہ اقدام (علی التمکین) اسکی تکذیب کرتا ہے، بدائع میں ایک اور مسئلہ کے ضمن میں مذکور ھے "انما یجعل القول قولها اذا لم یسبق منها ما یکذبها وقد سبق منها ما یکذبها قولها وھو اقدامها علی النکاح من الزوج لان شیئاً من ذالك لا یجوز الا بعد التزوج بزوج آخر والدخول بها فکان علمها مناقضاً لقولها فلا یقبل (بدائع ص۱۸۹ ج۔ ۲)

راقم الحروف کہتا ہے کہ صغریٰ کا دسوں مرتبہ یہ لفظ سننا کہ "میں نے تجھکو طلاق دیدی الخ"، پھر اسکے بعد محمد یوسف کو وطی کرنے دینا اس امر کیلئے کافی ھے کہ صغری کو سہ طلاق

---

[1] یہ فتویٰ بالکل غلط ہوگا جبکہ عورت کو طلاق ثلاثہ کا یقین ھے اس پر کسی نے بھی فتویٰ نہیں دیا۔ ظفر [2] جب عورت خود ثلاث سن چکی ھے تو یقین زائل بہ یقین ہو گیا ہے الیقین لا یزول بالشك کا یہاں موقع نہیں ہے۔ ظفر۔

کے وقوع کا علم ویقین نہیں تھا اور اگر وہ اس یقین وعلم کا دعویٰ کرتی ہے تو تمکین وطی اسکی تکذیب کرتی ہے کیونکہ وقوع ثلاث کے بعد حلالہ کے بدون یہ فعل جائز نہیں ہوسکتا ہے[عہ]۔

ایضًا زبان دان اور متدین علماء کے کہنے کے مطابق مسماۃ صغریٰ کا بیان کردہ لفظ (میں تو کے طلاق دیہیوں الخ) میں دیہیوں ایک ایسا لفظ ہے جو لب ولہجہ کے ادنیٰ تغیر سے کبھی ماضی اور کبھی مستقبل کا صیغہ بن سکتا ہے لھذا محمد یوسف کا بیان کہ ”میں نے وعدۂ طلاق کیا“ نظر انداز نہیں کیا جا سکتا ھے بلکہ اس احتمال کو ناشی عن الدلیل ماننا بھی صحیح ھے کہ مسماۃ صغریٰ نے صیغہ (لب ولہجہ کی تفاوت کی وجہ سے) صیغہ ماضی سمجھ لیا ہو۔ اور اسمیں محمد یوسف کی تصدیق کرنا شرعًا و دیانۃً بھی صحیح ھے ـــــ قال النبی صلی اللہ علیہ وسلم ھن ناقصات العقل والدین۔ واللہ اعلم وعلمہ اتم اجاب بہ الملتجی الی اللہ مختار اللہ۔ (المدعو)

میرک شاہ عفا اللہ عنہ وعافاہ
خادم الطلبہ بدار العلوم مئو
ضلع اعظم گڑھ ۵-۶-۵۸ھ یوم الاحد

(نوٹ) اس کلام پر یہاں سے یہ جواب لکھا گیا۔ ظفر

الجواب

خانقاہ امدادیہ تھانہ بھون سے جو فتویٰ دیا گیا ھے اس کا اولاً وہ تحریر ھے جو علماء ثلاثہ کے دستخط سے مزین ھے (جن میں سے ایک صاحب کے یعنی آپ کے دستخط کو ھم بخوبی پہچانتے ہیں) جو انہوں نے واقعہ مذکورہ میں بطور فیصلہ کے دی ہے اس تحریر میں ھم دسوں مرتبہ یہ لفظ کہا کہ ”میں تو کے طلاق دیہیوں“ کی تشریح یوں کی گئی ھے کہ ”میں نے تجھکو طلاق دی“ اسکے بعد تین قبول کرے تھی کا اضافہ نہیں ہے جو طویل

[عہ] حفظت شیئًا وغابت اشیاء قال فی العالمگیریۃ عن النھایہ ولو قالت للاول حلت فتزوجھا ثم قالت الثانی لم یکن دخل بی فان کانت عالمۃ بشرائط الحل للاول لم تصدق والا تصدق ص۱۲۹ ج-۲ ـ بدائع کی عبارت میں یہ قید رہ گئی ہے جس پر نہایہ نے تنبیہ کی ہے پس یہاں بھی عورت کو بوجہ جہل کے صادق کہا جائے گی۔ ظفر

تحریر میں بڑھایا گیا ھے اور اس سے تفویض کا احتمال[1] پیدا کیا گیا ہے اگر یہ احتمال تھا تو فیصلہ کی تحریر میں اس کا لحاظ واجب تھا اور یہ زیادت حذف کرنا جائز نہ تھی فیصلہ کی تحریر میں علماء ثلاثہ نے اس لفظ کے تکرار کو موجب طلاق مغلظ تسلیم کیا ہے اور لکھا ہے کہ اگر واقعی محمد یوسف نے یہ لفظ کہا ہو تو اسکی عورت مطلقہ مغلظہ ہو گئی اسکو چاھئے کہ اپنی بیوی مذکورہ سے دیانۃً علیحدہ رہے یہ بھی اسکی دلیل ھے کہ ’میں تو کے طلاق دیہیوں، کے بعد اصل بیان میں „تین قبول کرے تھی،، نہیں ھے ورنہ دیانۃً بھی وقوع طلاق ثلاث کا جزم نہیں ہو سکتا کیونکہ اس زیادت سے کلام محتمل تفویض ہو جاتا ہے حالانکہ علماء ثلاثہ بر تقدیر صحتِ قول وقوع طلاق مغلظ کا دیانۃً جزم کر رہے ہیں۔ پھر یہ امر موجب حیرت ھے کہ شوہر کے واقعی ایسا کہنے کی صورت میں بھی اسکو محض دیانۃً علیحدگی کا مشورہ دینے اور قضاءً اس پر علیحدگی واجب نہ کرنے کا کیا مطلب ھے؟ کیا یہ مطلب ھے کہ عورت کو باوجود طلاق مغلظ دینے کے اپنے سے جدا کرنا مرد کے ذمہ اس وقت تک واجب نہیں جب تک قاضی تفریق نہ کر دے اور اسکو یہ جائز ھے کہ دیانۃً اس سے علیحدہ رہے اور صورۃً اپنے نکاح میں باقی رکھے اگر یہ مطلب ھے تو بداھۃً باطل ھے اور اگر یہ مراد نہیں تو دیانۃً علیحدہ رہنے کا اس صورت میں کیا مطلب ھے جبکہ شوہر واقعی اسکو طلاق مغلظ دے چکا ھے۔

اسکے بعد علماء ثلاثہ نے حکم قضا بیان کیا ھے چونکہ شوہر اس لفظ کے کہنے سے انکار کرتا ھے اور عورت بینہ قائم نہیں کر سکی اسلئے طلاق ثابت نہیں ہوئی قضاءً ان کا یہ حکم صحیح ھے اس سے کسی کو انکار نہیں اسکے بعد عورت نے اپنے متعلق استفتاء کیا ھے کہ بیان مذکورہ بالا سے طلاق ثابت نہیں ہوئی۔ لیکن مجھے یقین کلیۃ[2] ہے کہ محمد یوسف نے مجھے دسوں مرتبہ طلاق دی اور میں پھر حلفیہ بیان کرتی ہوں کہ مجھے ذرا بھی شبہ نہیں کہ محمد یوسف نے مجھے طلاق نہ دی ہو، چونکہ علماء ثلاثہ کی فیصلہ کن تحریر میں مسماۃ کے الفاظ مذکور تھے اسکی تشریح بھی علماء ثلاثہ نے کر دی تھی اب مستفتیہ سے الفاظ طلاق دریافت کرنیکی ضرورت باقی نہ تھی کہ اس کا سوال اس بیان پر مبنی تھا اور وہ صاف کہتی

---

[1] یہاں یہ بتلا دینا ضروری ھے کہ ہمارے محاورہ میں „میں تجھکو طلاق دی،، طلقتک کا ترجمہ ھے جس میں تفویض کا احتمال اصلاً نہیں۔ فارسی میں „ترا طلاق دادم،، اگر محتمل تفویض ہو تو اس سے اُردو میں یہ احتمال نہیں چل سکتا۔ ظفر۔

[2] یقین کلی مراد ھے۔

ہے کہ مجھے یقین کلی ہے کہ محمد یوسف نے مجھے دسوں مرتبہ طلاق دی۔ اس پر مجیب کا یہ قول مبنی ھے کہ صورتِ مسئولہ میں جب عورت کو یقین ہے کہ اسکے شوہر نے اسکو طلاق مغلظ دیدی ھے الخ یہاں "جب" کے معنی "جس حالت میں" کے ہیں اسکو "اذا" کا ترجمہ قرار دیکر جزم پر محمول کرنا طرز افتاء سے نکل جانا ھے دوسرے "ان و اذا" کا جو فرق لغت عربیہ میں ھے وہ اردو میں جاری نہیں یہاں بکثرت "اگر" کی جگہ "جب" اور جب کی جگہ "اگر" مستعمل ہوتا ہے بہرحال مستفتیہ کو خود اسکی ذات کیلئے فتویٰ دیانت کا یہاں سے یہ دیا گیا (اگرچہ وہ اپنے دعویٰ کو بینہ سے ثابت نہ کرسکی مگر) جب اسکو یقین ھے کہ شوہر نے طلاق مغلظ اسکو دیدی ھے تو اسکو جائز نہیں کہ اس شوہر کو اپنے اوپر قابو دے (یہ حکم ان تمام روایات میں جو جناب نے نقل کی ہیں متفق علیہ ہیں) بلکہ اس سے علیحدہ ہوجائے (یہ بھی تمام روایات میں متفق علیہ ھے) اور عدت کے بعد کسی اور سے نکاح کرے (اس میں آپ نے مختلف روایات نقل کی ہیں مگر ہمارے نزدیک محض اختلاف روایات نقل کرنا کافی نہیں درایت سے ان میں تامل لازم ہے ہم اس اختلاف کو قضاء و دیانت کا اختلاف سمجھتے ہیں یعنی قضاءً اسکو نکاح جائز نہیں کیونکہ ثبوت طلاق نہیں ہوا اور دیانۃً جائز ھے کیونکہ دیانۃً عورت کے نزدیک فیما بینھا و بین اللہ طلاق مغلظ ثابت ھے۔ والشئ اذا ثبت ثبت بلوازمہ ومن لوازم الطلاق المغلظ ارتفاع النکاح وحل التزوج بزوج آخر۔ اس کے کچھ معنی نہیں کہ اس صورت میں عورت کو تمکین زوج سے منع کیا جائے اور اس سے علیحدگی واجب کی جائے اور نکاح کی اجازت نہ دی جائے پس یقیناً جن لوگوں نے اسکو نکاح بزوج آخر سے منع کیا ھے ان کا قول قضاء پر مبنی ھے اور اگر کسی نے دیانۃً بھی اسکو تزوج بزوج آخر سے اس صورت میں منع کیا ھے تو اس کا قول نص کے خلاف ھے۔ قال اللہ تعالیٰ: فان طلقھا فلا تحل لہ من بعد حتی تنکح زوجاً غیرہ، نص میں طلاق مغلظ کے بعد عورت کو زوج اول پر حرام کرکے اسکو زوج آخر سے نکاح کا حق دیا گیا ھے جس میں تنکح کی اضافت عورت ہی کی طرف کی گئی ھے۔

اب رہی وہ مصالح و مضار جن پر اخیر میں روشنی ڈالی گئی ھے تو ان کے متعلق عرض ہے کہ جس طرح اس صورت میں عورتوں کو دیانۃً اجازت نکاح دینے میں ایک مفسدہ نظر آتا ہے اسیطرح دیانۃً اجازت نکاح نہ دینے میں دوسرا مفسدہ ھے کہ

جب شوہروں کو یہ معلوم ہوگا کہ جب تک شوہر طلاق کا اقرار نہ کرے اس وقت تک عورت اس سے علیحدہ نہ ہو سکے گی وہ طلاق کو کھیل بنا لیں گے اور طلاق مغلظ کے بعد زنا کاری میں مبتلا رہیں گے اور عورتیں ان کے ظلم سے عاجز ہو کر ارتداد پر مجبور ہونگی جسکی نظائر بکثرت موجود ہیں۔ رہا یہ کہ بعض علماء نے دیانت کے اس فتوی کو عورت موثوق بھا کے ساتھ مخصوص کیا ہے تو یہ رائے قابل تسلیم ھے مگر موثوق بھا کا معیار کیا ہوگا؟ کیا مفتی اسکی تحقیق کر سکتا ہے۔ ظاہر ھے کہ دشوار ھے اسلئے ھمارے نزدیک آجکل معیار یہی ہے کہ جو عورتیں ان معاملات میں علماء سے رجوع کرتی ہیں وہ موثوق بھا ہیں فاسق عورتوں کو نہ طلاق مغلظ کی پروا ھے نہ بدون طلاق حاصل کئے کسی سے تعلق پیدا کر لینے میں حجاب نہ فتویٰ شرعی پر عمل کرنیکی ضرورت پھر جب فتویٰ کو عورت کے یقین کے ساتھ مشروط کیا گیا ہے کہ جبکہ اسکو طلاق مغلظ کا یقین ہے تو حکم یہ ھے اگر وہ اس میں غلط بیانی کرے گی عند اللہ خود ذمہ دار ہوگی۔ واللہ تعالیٰ اعلم بالصواب

ظفر احمد عفا اللہ عنہ از تھانہ بھون

۱۲ر جمادی الثانی ۵۸ھ

(نوٹ) اسکے بعد جواب الجواب مولوی میرک شاہ صاحب کے پاس سے موصول ہوا جو درج ذیل ھے۔

جواب الجواب مع الجواب المجمل

باسمہ تعالیٰ

قسط دوم

(تمہید) ایک عورت مسماۃ صغریٰ اور اسکے زوج نے دعویٰ طلاق میں مجھے حَکَمْ بنایا مگر زبان نہ جاننے کی وجہ سے میں نے مولانا محمد صابر صاحب اور مولانا اسلام الحق صاحب کو اثناء تحقیقات میں شامل کیا مدعیہ نے طلاق کا دعویٰ کیا مگر شہادت پیش نہ کر سکی مدعی علیہ کو منکر ہونیکی وجہ سے حلف دیکر میں نے زبانی فیصلہ عدم ثبوت طلاق کا دیدیا۔

(ب) ہر فریق نے تحریر مانگی تو میں نے مولانا اسلام الحق صاحب سے کہدیا کہ آپ حکم شرعی سے انکو مطلع کریں اس پر موصوف نے وہ

دستخط تمام تحریر سے متعلق

تحریر لکھدی جسے علماء ثلاثہ کی تحریر سے تعبیر کیا جا رہا ہے لکھنے کے بعد فریقین کے اطمینان کیلئے میرے دستخط بھی اسپر کرائے لیکن میرے دستخط کا تعلق درحقیقت صرف عدم ثبوت طلاق کے حکم کے ساتھ تھا۔ جو میں نے بہ حیثیت حَکَم کے دیا تھا مگر مخالف کو حق پہونچتا ہے کہ وہ میرا حکم نامہ اسکو قرار دیکر مجھ پر اعتراض کرے لیکن اسکے باوجود میں نے اصلی واقعہ کو اظہار کیا تاکہ جس کو میری دیانت پر اعتبار ہو وہ اعتبار کرے اور جو اسکی پوری ذمہ داری میرے اوپر ڈالنا چاھے اسکو بھی میں کچھ کہنا نہیں چاہتا۔ البتہ اظہار واقعہ کرنا میرے نزدیک ضروری تھا جو کیا ۔

(ج) اصلی واقعہ یہ ھے کہ فریقین نے مرافعہ اس طرح کیا تھا کہ گویا ھم پر دونوں کو اعتماد ھے اسلئے تحریر مذکور کے متعلق میں نے یہ خیال نہ کیا کہ یہی تحریر محل مناظرہ ہوگی اسلئے اگر اس میں کوئی کوتاہی تھی تو اس کا خیال میں نے نہیں کیا (مثل اسکے کہ "کیا تو قبول کرتی ھے" کہ یہ عورت کے بیان میں موجود تھا مگر مولانا اسلام الحق صاحب نے اسکو حذف کیا اور میں نے اس کا کوئی خیال نہ کیا کیونکہ خیال تھا کہ فریقین کو ھماری دیانت اور تحقیق پر اعتماد ھے اسلئے وہ تحریر انکے عمل کیلئے دیدی گئی تھی ۔ مگر ان میں سے جس فریق نے اسکو اپنے جذبات کا خلاف سمجھا اس نے اسکو موضوع مناظرہ بنایا۔

(د) چونکہ اسمیں گفتگو کی طوالت کا احتمال ھے اسلئے حصہ گذشتہ کو قسط اول اور اس حصہ کو قسط دوم سے موسوم کرتا ہوں۔

(ہ) مدعیہ کا بیان قلم بند کرا کے اسپر انگوٹھا اس کا ثبت ھے اسیطرح مدعیٰ علیہ اور محمد ادریس کا بیان بھی انکے دستخطوں کے ساتھ موجود ھے صرف حکم شرعی کا اصدار میں نے اتالی کیا تھا۔ اسلئے میری گذارش ھے کہ بہ حیثیت تحکیم میرا حکم صرف عدم

ہوتی ھے اگر تخصیص جزو مراد ہو تو اس کا اظہار لازم ہے خصوصًا تحریر فیصلہ میں اس کا لحاظ بہت ضروری ھے ۔

مگر ہر حال میں تحریر ناقص نہ ہونا چاھیئے ، صاحب اعتماد کو بھی ناقص تحریر دینے کا یہ نتیجہ ہوتا ھے کہ دوسروں کو اُسے شک میں ڈالنے کا موقع ملتا ھے ۔

ثبوت طلاق کو مان لیا جائے (مگر اسکی پابندی صرف ان پر واجب ہے جو میرے اظہار کو صادق وصحیح تسلیم کرنے پر آمادہ ہوں۔ انتھی التمہید۔

جواب الاجوبۃ

میری طویل تحریر کے جواب میں یہ فرمانا کہ "کیا تو قبول کرتی ہے؟" اضافہ ہے اسلئے میرے اوپر موجب اعتراض نہیں ہونا چاہئے کہ میرے قلم سے طویل تحریر سے پہلے کوئی تحریر نہیں نکلی ہاں مولانا اسلام الحق صاحب کی تحریر پر میرے دستخط ضرور ہوتے جسکی کیفیت تمہید میں لکھ دی گئی۔ اسلئے آپ (یعنی مولانا ظفر صاحب) کے پہلے فتویٰ میں اگر اس فقرہ کا اعتبار نہیں کیا گیا ہے تو اسپر کوئی اعتراض نہیں ہوسکتا بلکہ اسپر ہے جس نے سوال کیا اس کو چاہئے تھا کہ عورت کا وہ بیان جو اس کے نشان انگوٹھا کے ساتھ ہمارے پاس موجود ہے وہ سارا انکی خدمت میں بھیجدیتا۔

وہ بھی حکماً آپ ہی کی تحریر ہے کما مر۔

مگر وہ جاہل ہے اسکو آپ کے حذف سے یہ گمان ہوسکتا ہے کہ حصہ محذوفہ کو حکم میں دخل نہیں ہے۔

اسیطرح الضافاً میرے اوپر بھی اعتراض نہ ہونا چاہئے کیونکہ میں نے جو تحریر اپنے قلم سے لکھی اسمیں میں نے فقرہ کو دکھایا۔

مگر جس پر دستخط کئے اس میں نہ دکھلایا حالانکہ وہ فیصلہ کن تحریر تھی اسلئے آئندہ ایسی ناقص تحریر پر صہ صہ دستخط کرنے سے ہمیشہ اجتناب کرنا چاہئے

واقعہ یہ ہے کہ میں نے آپ کے دستخط دیکھکر ہی محمد یوسف کے الفاظ پر تنقیح کی ضرورت نہ سمجھی کیونکہ میں آپ سے واقف ہوں کہ ماشاء اللہ فہیم وسلیم ہیں بدون کافی تحقیق کے کسی تحریر پر دستخط نہ کریں گے جب آپ کی دستخطی تحریر میں الفاظ زوج کی تشریح اور اس کا بوجہ تکرار موجب طلاق مغلظ ہونا دیکھ لیا اس وقت دیانت کا فتویٰ دیا اور اسکو آپکے فتویٰ کا معارض نہ سمجھا کیونکہ آپ بطور حکم کے عدم وقوع طلاق کے فیصلہ پر مجبور تھے کیونکہ جب مسماۃ صغریٰ کے بیان پر فتویٰ دینا ہے تو یہ فقرہ نہایت اہم ہے بہرحال جس تحریر کو علماء ثلاثہ کی تحریر فرمایا گیا ہے اصل

واقعہ پر مطلع ہونے کے بعد اسکی حیثیت محسوس کرکے مسماۃ صغریٰ کے بیان پر متوجہ ہونیکی ضرورت ہے لھذا موضوع بحث میری طویل تحریر کو بنانیکی درخواست کرتا ہوں۔ کیونکہ میرا مقصود مناظرہ نہیں بلکہ مسئلہ کی اصلیت واقعہ میں حکم صواب کا معلوم کرنا اور اسکو مسلمانوں تک پہونچانا ہے۔ فاقول و باللہ التوفیق۔

مسماۃ صغریٰ کا یہ بیان ہے کہ میں نے اپنے شوہر سے دسوں دفعہ سنا کہ ”میں نے تو کے طلاق دیہیوں کیا تو قبول کرے تھی“؟ پھر اس نے جماع کیا اور کہا کہ یہ آخری ہے الخ اور شوہر کا بیان یہ ہے کہ میں نے جماع سے پہلے طلاق کا کوئی لفظ نہیں کہا بلکہ جماع کے بعد عورت سے وعدہ کیا کہ طلاق دونگا الخ۔ عورت کے پاس شہادت نہیں شوہر نے ایقاع طلاق کا انکار کرکے حلف اٹھائی۔ حَکَم کو بحیثیت حَکَم بجز اسکے کہ وہ عدم ثبوت طلاق کا فیصلہ دیدے اور کوئی حکم صادر کرنا واجب نہیں تھا اور نہیں اس وجوب کو مولانا (ظفر صاحب) نے ظاہر کیا ہے کیونکہ حَکَم بمنزلۂ قاضی ہوتا ہے (تفسیرہ ای التحکیم) تصییر غیرہ حاکماً فیکون فیما بین الخصمین کالقاضی فی حق کافۃ الناس۔ عالمگیری ص٤٢٦ ج۔٣) —— مگر اس وجوب کو ہمارے حاسدوں نے مولانا ظفر احمد صاحب کے فتویٰ کی تصدیق کے سلسلہ میں اسلئے لکھدیا کہ ہم پر اعتراض کریں اور جن عوام پر اس قسم کی حرکات سے انہوں نے تسلط پایا ہے انکے سامنے ہمارے فیصلۂ شرعی کو غلط ثابت کریں چنانچہ انکی تصدیق کی عبارت کا ابتدائی حصہ یہ ہے ”جوبات مولانا ظفر احمد صاحب نے لکھی ہے صحیح ہے اور پہلے مفتیوں پر بھی اس کا اظہار واجب تھا الخ

انہوں نے مفتیوں پر وجوب کو ظاہر کیا ہے و لا نزاع فیہ حکم پر واجب نہیں کہا پس ممکن ہے کہ انہوں نے علماء ثلاثہ کو مفتی سمجھا ہو قاضی نہ سمجھا ہو۔

چونکہ یہ فقرہ تعریضاً لکھا گیا اور اسکے بعد عوام کو سمجھایا گیا جس سے علماء ثلاثہ کو عوام نے و نیز مسماۃ صغریٰ کے حمایتیوں نے مورد سب و شتم بنایا۔

عوام کا یہ فعل معصیت ہے۔

بلکہ ان میں سے بعض پر حملے کی سازشیں ہو رہی ہیں اسلئے یہ امر بالصراحت محتاج بیان ھے کہ کیا حَکَمْ پر اس کا اظہار بھی واجب تھا یا یہ کہ حسّاد کا ایسا لکھنا صحیح نہیں ہے درآں حالیکہ قاضی شُریح کا یہ مقولہ بھی السنۂ علماء پر دائر و سائر ہے کہ مسند قضاء پر متمکن ہونیکی حالت میں جب کسی نے ان سے فتویٰ دریافت کیا تو یہ جواب دیا "انی اقضی و لست افتی"۔ اس بارے میں اپنی صریح رائے تحریر فرما کر ایک نزاع بے معنیٰ کو ختم کرا دیجئے۔ کیونکہ اس پیوند کو اب آپ کے فتویٰ کو جزء بنا کر کام میں لایا جاتا ھے۔

حَکَمْ پر قضاء کا اظہار واجب ھے فتویٰ دیانت بوقت قضا ظاہر کرنا واجب نہیں۔ بلکہ خلاف حکم قضاء ھے۔

دیانت و قضا کا تزاحم

مسائل دیانت فقہ کی اصطلاح میں ان مسائل کو کہتے ہیں جن میں انفرادی حکم بتایا جائے اور قضاء میں نحن نحکم بالظاہر کے قاعدہ کے مطابق فریقین کو اجتماعی حیثیت سے حکم شرعی کا پابند کیا جاتا ھے ان دونوں حکموں میں کبھی تزاحم نہیں ہوتا ھے اور کبھی ہوتا ھے مثلاً کسی نے رویت ھلال کرلی اور قاضی نے اسکی شہادت رد کردی تو اسکو دیانۃً روزے رکھنے ہونگے اگرچہ تمام لوگ مفطر ہی رہیں اس میں کوئی تزاحم نہیں اور تزاحم کی صورتوں میں سے زیر بحث حادثہ بھی ھے جس میں شوہر حلفاً ایقاع طلاق کا انکار کرتا ھے اور زوجہ حلفاً بیان کرتی ھے کہ میں نے الفاظ طلاق اس سے سن لئے اس لئے قاضی اور حَکَمْ کا حکم یہ ہوگا کہ طلاق ثابت نہ ہوئی اور عورت کو شوہر کے پاس جانے کا حکم قاضی کو قضاء کے سلسلہ میں دینا پڑیگا۔ کیونکہ اس کے پاس دعویٰ ثابت نہ ہوا اور یہی منصب حَکَمْ کا بھی ھے —— (قولہ عند قاض ھل المحکم مثلہ؟ ـ قلت : الظاہر نعم لا نہما انما فرقوا بینہما فی انہ لا یحکم بقصاص وحدٍ ودیۃ علی عاقلۃ الخ (شامی ص۴۰۳ ج-۲) لیکن اسی حادثہ میں چار آدمی دیانت کے سلسلے میں استفتاء کر سکتے ہیں ایک وہ عورت جس نے الفاظ طلاق خود سن لئے کہ وہ اب کیا کرے جبکہ اس کا دعویٰ عدم شہادت کی وجہ سے ثابت نہ ہوا اور اگر اسکو وقوع طلاق کا فتویٰ دیا جائے تو دوسرے کے ساتھ نکاح کر سکتی ھے یا نہیں؟

دوم۲ اس کا شوہر جس نے طلاق کا ایقاع ہرگز نہیں کیا ھے کہ وہ اس عورت کو اپنے پاس

پکڑ لیگا اور جبرًا اس کو اپنی زوجہ بنائے رکھیگا یا یہ کہ جو فتویٰ اسکی عورت کو دیانۃً دیا گیا ھے وہ اسپر بھی حاوی ھے۔ تیسرا وہ مرد جس کے ساتھ عورت مذکورہ دوسری شادی کرنا چاھیگی کہ کیا اسکو شرعًا جائز ہے کہ عورت مذکورہ کو مطلقہ سمجھے (بناءً علی اقرارھا) یا اس پر یہ واجب ھے کہ اس کو منکوحۃ الغیر جان لے (بناءً علیٰ بیانہ وانکارہ مع الیمین) چوتھے وہ تمام لوگ جو مدعیہ اور مدعی علیہ کے علاوہ ہیں کہ آیا انکو وقوع طلاق کا عقیدہ رکھنا چاھئے یا عدم وقوع کا و نیز اگر عورت نے اس فتویٰ پر عمل کرنے کا ارادہ کیا جو اسکو دیا جائے (کہ وہ شوہر مذکورہ سے جدا ھے یا جدا ھی رھے اور نکاح دوم بھی کر سکتی ھے) تو کیا عورت مذکورہ کے علاوہ دوسرے لوگوں کو یہ جائز ھے کہ عورت کی حمایت کریں اور شوہر سے جدا رھنے میں اسکی اعانت کریں درآں حالیکہ شوہر کو اس کے بیان کے مطابق دیانت کے سلسلہ میں یہ فتویٰ دیا گیا ہوگا کہ اسکی عورت ناشزہ ہے تو اعانت کرنے والے اگر عورت کے فتویٰ کے مطابق معین علی الطاعۃ ہیں تو مرد کو جو فتویٰ دیا گیا ھے اسکے مطابق معین علی المعصیت والنشوز ہونگے اسیطرح جس مفتی نے مرد کو اسکے بیان حلفی کی بناء پر یہ فتویٰ دیا ہو کہ عورت تمہاری منکوحہ ھے اور اسکی جدائی نشوز ھے تم اسکو جبرًا اپنے پاس رکھ سکتے ہو یا جس حکم نے عدم ثبوت طلاق کا حکم دیا ہو تو کیا عورت کے علاوہ کسی مسلمان کو یہ جائز ھے کہ مفتی مذکور یا حَکَمْ مذکور کو گالیاں دلائے یا دیدے اور انکے خلاف مظاہرے کرے اور انکو بدنام کرکے بازار میں انکو بدنام کرنیکیلئے آڑے بنائے اور لٹھ بند غنڈوں کو اپنے حمایتیوں کی معیت میں مذکورہ بالا مفتی یا حکم کی آبرو لینے کیلئے بالواسطہ یا بلاواسطہ کوشش کرے۔

یہ عمل معصیت ھے اسکی کسی حال میں اجازت نہیں۔

اسیطرح اگر مرد نے عورت مذکورہ کو اپنی منکوحہ غیر مطلقہ سمجھکر اسکو جبرًا اپنے پاس رکھنے کا ارادہ کیا تو دوسرے لوگوں کو اسکی اعانت کرنی جائز ھے یا موجب معصیت ھے؟

میرے نزدیک واللہ اعلم بالصواب ان سوالات کا جواب یہ ھے کہ علیك بخویصّۃ نفسك کے مطابق مرد کو جائز ھے کہ عورت کو فیما بینہ وبین

اللہ اپنی منکوحہ غیر مطلقہ سمجھے اور بشرط اقتدار اسکے ساتھ منکوحہ غیر مطلقہ کے معاملات برت لے اور عورت کو ضروری ھے کہ وہ فیما بینھا وبین اللہ اپنے آپ کو مرد سے جُدا سمجھے اور حتی المقدور جدا رکھے بشرطیکہ اسکو کسی نے ایسا فتوٰی دیدیا ہو اور ان دونوں کے علاوہ کسی مسلمان کو حلال نہیں کہ واقعہ سے باخبر ہونیکی صورت میں عورت مذکورہ کے ساتھ نکاح کرے کیونکہ عورت مذکورہ کا بذریعہ نکاح کے مرد مذکور کی منکوحہ ہونا بالیقین معلوم ہے اور یہ معلوم ہونیکے بعد عورت کا حلفیہ بیان بلا شہادت کے زوال نکاح کیلئے دلیل یقینی نہیں لھذا تیسرے آدمی کو نکاح و زوال نکاح مذکورین کے متعلق الیقین لایزول بالشک کی پابندی ضروری ھے اسلئے کسی مسلمان کو اسکے ساتھ نکاح کرنا حلال نہیں ہونا چاھئے چنانچہ تحقق وتیقن زوجیت کے بعد بتّصل زوال زوجیت کے عدم تحقق کی صورت میں بقاء زوجیت کا حکم شامی کی عبارت ذیل سے تقریبًا بالتصریح معلوم ہوتا ھے جو ایک اور مسئلہ کے ذیل میں کتاب مذکور میں مذکور ھے۔

قلت: و اما الجواب بان وقوع الطلاق للاحتیاط فی الفروج فھو مشترک الالزام علی انه لا احتیاط فی التفریق بعد تحقق الزوجیة بمجرد التلفظ بلفظ مھمل او مصحف بل الاحتیاط بقاء الزوجیة حتی یتحقق المزیل (شامی ص۳۲ ج۔ ۲)

یہی حکم مدعیہ اور مدعی علیہ کے علاوہ دیگر تمام مسلمانوں کا بھی ہونا چاھئے کہ وہ نکاح کو متحقق سمجھیں جسکی دلیل انکے لئے استصحاب حال اور الیقین لایزول بالشک ونیز الاحتیاط بقاء الزوجیۃ حتی یتحقق المزیل وغیرہ ھے اور عورت کو وقوع طلاق کی مدعیہ سمجھ لیں لیکن اسکی کسی قسم کی حمایت کرنا خلافِ شرع سمجھ لیں کیونکہ مدعی کو محض اسکے دعوٰی کی بنا پر کچھ دینا شرعًا جائز نہیں۔

اس سے مسئلہ زیر بحث میں استدلال نہیں ہوسکتا مسماۃ نے جو الفاظ بیان کئے ہیں وہ مہمل یا مصحف ہنیں وہ ایسے الفاظ ہیں جنکے تکرار کو خود علماء ثلاثہ نے موجب طلاق مغلظ دیانۃً تسلیم کیا ھے۔

حدیث کا تعلق دیانات سے نہیں بلکہ قضاء سے ھے لفظ لو یعطی الناس اس کا قرینہ ھے دیانۃً صاحب دعوٰی اگر حق پر ھے اسکو اپنا حق جس طرح ہوسکے وصول کرنا جائز ھے مسئلۃ الظفر بجنس

قال النبی صلی اللہ علیہ وسلم لو یعطی الناس بدعواھم لادعی ناس دماء رجال و اموالھم ولکن الیمین علی المدعی علیہ (مسلم)

اس حدیث سے ما نحن فیہ کے متعلق یہ بھی معلوم ہوا کہ عورت کا قسم کھا کر بیان کرنا بے اثر ھے کیونکہ اسپر حلف عائد نہیں ہوتا ہے بلکہ اس کا قسم کھا کر بیان کرنا اسکے لئے مضر ہوسکتا ھے۔ ویحلفون ولا یستحلفون اسیطرح یہ بھی معلوم ہوا کہ محض دعویٰ کرنے سے مدعی کو کچھ نہیں دیا جاسکتا ھے۔

اور "یہ کچھ نہ دینا" جسطرح بالاتفاق قاضی کیلئے تنفیذ کی حیثیت سے معمول بہ ھے اسیطرح غیر قاضی یعنی عام مسلمین کیلئے اعتقاد واعانت کی حیثیت سے واجب العمل ہونا چاھئے کیونکہ الفاظ میں کوئی خصوص موجود نہیں۔ اسیطرح دوسری احادیث بھی ہیں جن میں بے سوچے سمجھے اصل واقعہ سے بے خبر ہو کر کسی کی جانب داری کی مذمت وارد ہوئی ہے۔

حقہ ملاحظہ ہو دیانۃً جن لوگوں کے نزدیک قاضی کا فیصلہ اور شوہر کا بیان صحیح ھے وہ اس پر اعتقاد وعمل کے مکلف ہیں اور جن کے نزدیک عورت کا بیان صحیح ھے لکونھا ثقۃ عندھم وہ اسکے بیان پر اعتقاد وعمل کرسکتے ہیں کما سیأتی اور دیانات میں خبر واحد پر عمل جائز ھے۔

یعنی قضاءً

لیکن اگر کسی کو عورت کے بیان پر بوجہ اسکے صدق کے وثوق ہو وہ اسکے قول پر اپنے قلب کی شہادت سے عمل کرسکتا ھے قال فی الدر: قالت امرأۃ طلقنی زوجی وانقضت عدتی لاباس ان ینکحھا اھ قال الشامی عن الخانیۃ: ان کانت ثقۃ اولم تکن ووقع فی قلبہ صدقھا فلاباس بان یتزوجھا اھ

ما نحن فیہ میں مسماۃ صغریٰ کو دیانۃً کیا فتویٰ دینا چاھئے یہ مخصوص توجہ اور غور کا محتاج ھے کیونکہ اس کا شوہر ایقاع کا منکر ھے اسلئے صرف ان الفاظ پر فتویٰ کا ترتب ضروری ھے جو اسکی نے

منکوحۃ الغیر دعوی طلاق کرتی ھے اور اسکو قبول کیا جاتا ھے حالانکہ ثبوت نکاح متیقن ھے اور طلاق کا دعویٰ صرف عورت کی طرف سے ھے آپ کے قاعدہ پر یہ دعویٰ قابل قبول نہ ہونا چاھئے تھا مگر شہادت قلب سے قبول جائز ھے پھر یہ

کہدئے ہیں۔ اور میرے نزدیک اسکو بوجوہ ذیل دیانۃً بھی وقوع طلاق کا فتویٰ نہیں دینا چاھئے، اول اسلئے کہ اگر اسکے پیش کردہ الفاظ کے معنیٰ یہ لئے جائیں کہ میں نے تجھکو طلاق دی اور اس سے طلاق کا مفہوم لیا جائے یا اعطاء وتفویض کا تو یہ طلقتک کا مرادف ھے جو صریح طلاق کے الفاظ میں سے ھے اور صریح کے ساتھ وقوع طلاق کا حکم الصریح یلحق الصریح کے مطابق دینا قضاءً صحیح ھے دیانۃً نیت تاکید اسمیں مسموع ومقبول ھے کما فی الشامی وغیرہ۔

یہاں دسوں مرتبہ کہنا اور پھر بقول مدعیہ کے وطی کرنا (جسکی تمکین مدعیہ نے بھی کرلی) شرعی طور پر مجبور کرتے ہیں کہ ایک مرتبہ کو ایقاع پر اور باقی مرات کو اخبار و تاکید پر (جیسا کہ غصّہ کی حالت میں ایسا ہوا ہی کرتا ھے) محمول کرنا چاھئے جس سے ایک طلاق رجعی واقع ہوگی پھر اس وقت جماع کرنا رجعت بالفعل پر محمول کرنے سے دو مسلمانوں کو مرتکب فعل حرام قرار دینے سے بھی بچنا ھے اور ایک فتنہ عظیمہ سے بھی نجات حاصل ہوسکتی ھے

قال فی الھندیۃ: رجل قال لامرأتہ: انت طالق انت طالق انت طالق وقال عنیت بالاولی الطلاق وبالثانیۃ والثالثۃ افھامھا صُدق دیانۃً صـ۴۴۴ ج-۲)

کیسے ہوسکتا ھے کہ عورت کو تو تزوج بزوج آخر جائز ہو اور مسلمانوں کو اس سے نکاح جائز نہ ہو تو عورت کو اجازت دینا بھی لغو ہے۔

شوہر نیت تاکید کا مدعی نہیں ھے۔

گو شوہر مدعی تاکید نہ ہو

تاکید کا دعویٰ خود اختراع نہیں ہوسکتا جب تک شوہر دعویٰ نہ کرے اور جہاں تکرار کو تاکید پر حمل کرنا دیانۃً صحیح مانا گیا ھے وہاں یہ بھی تصریح ھے کہ المرأۃ کا القاضی عورت کو جائز نہیں ھے کہ تکرار کو تاکید پر حمل کرے عورت جب طلاق مکرر سنے اسکو طلاق متعدد پر حمل کرنا واجب ھے۔ (شامی صـ۶۹ ج-۲ باب الکنایات)۔

وفی البدائع :- الامین انما یصدق فیما لایخالفه الظاهر فامافیما یخالفه الظاهر فلا یقبل ص۹۹ -

زیر بحث مسئلہ میں مدعیہ کا یہ دعویٰ نہیں کہ مجھے تین طلاق کے وقوع کا علم ھے بلکہ دسوں مرتبہ وہ الفاظ سننے کا دعویٰ کرتی ھے جن میں چند احتمالات ہیں منجملہ آں ایک احتمال کے مطابق وہ طلاق صریح کے الفاظ ہو سکتے ہیں پھر ان کا دسوں مرتبہ مکرر ہوجانا اور پھر فوراً ہی وطی کا متحقق ہو جانا اس امر کو ظاہر ٹھہراتا ھے کہ ایقاع بالواحدۃ کے بعد تکرار للافہام والتاکید ہوئی جس کے بعد رجعت کا تحقق ہوا -

دوم ، ,, دیہوں ،، کا لفظ یہاں کے اہل زبان کے کہنے کے مطابق لب و لہجے کے ادنیٰ تغیر کے ساتھ ماضی سے مضارع اور مضارع سے ماضی بن سکتا ھے اور مدعیٰ علیہ کا یہ بیان کہ میں نے جماع کے بعد طلاق دینے کا وعدہ کیا ارادۂ مضارع کے احتمال کو تقویت دیتا ھے جس کے بعد صرف تقدم و تأخر جماع میں مدعیہ اور مدعیٰ علیہ کے درمیان اختلاف باقی رہتا ھے اس لئے اس شخص کو جس سے عورت اس لفظ کی بنا پر حکم طلب کرتی ھے اور ساتھ ہی ساتھ یہ بھی کہتی ہے کہ میں نے اس کے بعد جماع بھی کیا یہ امر ضروری ھے کہ وہ ایسے لفظ کی بناء پر عورت کو وقوع طلاق کے تیقن کا فتویٰ نہ دے جس کا تیقن اس نے اہل زبان ہونے کے باوجود اس وقت خود بھی نہ کیا جیسا کہ تمکین وطی سے معلوم ہوتا ھے اور اس قدر متقارب بیان (مدعی اور مدعیٰ

بدائع کی عبارت میں ایک قید رہ گئی ہے جسکو عالمگیریہ میں نہایہ سے نقل کیا ھے

قال : فان کانت عالمۃ بشرائط الحل للاول لم تصدق والا فتصدق اھ ص۱۲۹ ج - ۲

پس یہاں عورت کو بوجہ جہل کے صادق مانا جائیگا - لا سیمًا فی دار الحرب .

میرے سامنے جو تحریر علماء ثلاثہ کے دستخط سے آئی تھی اور اس میں نہ جماع کا ذکر تھا نہ اس احتمال استقبال کا بلکہ جزم کے ساتھ اسکی تشریح صیغۂ

علیہ کا) سامنے آنیکے بعد اگر ثالث اس احتمال کو قوی قرار دیدے کہ " دیہیوں " کا تلفظ فی الواقع وہی رہا ہوگا جو مستقبل پر دلالت کرتا ھے اور جماع کے تقدم و تاخر میں اسی پر نسیان کا گمان غالب رکھنا شریعت کے مطابق سمجھے تو یہ بھی اصول شرعیہ سے مستعبد نہیں لھذا تیقن کی گنجائش یہاں بھی نہیں اور ان تضل احدٰھما فتذکر احدٰھما الاخرٰی ونیز ھن ناقصات العقل الخ جیسے مویدات سے اس احتمال کی تائید ہوتی ھے اور چونکہ وہ صرف ایک لفظ پیش کرتی ھے ماضی یا مضارع کا لفظ ہونیکا کوئی دعویٰ اس سے صادر نہیں ہوا پھر اس سے وطی کا اقرار بھی کرلیا اسلئے اس احتمال کو رد کرنیکی کوئی وجہ نہیں

اور اگر وہ صیغہ ماضی کا ہی (بالفرض) دعویٰ کریگی (کیونکہ ابتک اس نے یہ دعوی نہیں کیا) تب ھی اسکی تمکین وطی اسکی تکذیب کیلئے کافی ہونی چاھئے جیسا کہ بدائع سے ابھی منقول ہوا، انما یصدق فیما لا یخالفہ الظاھر الخ

پھر مدعیہ ہی کا یہ لفظ کہ کیا تو قبول کرتی ھے؟ بتاتا ھے کہ اسکی رائے میں بھی زوج نے ایسا لفظ کہدیا ھے جس میں عورت کی رائے کو دخل ہوسکتا ھے اور یہ ظاہر ھے کہ ایقاع طلاق میں مرد مستبد علی سبیل الانشاء و مستقبل ھے اسلئے عورت کے الفاظ کے مطابق بھی " دیہوں " کو ایقاع کے علاوہ کسی اور مفہوم پر محمول کرنا ضروری معلوم

ماضی سے کی گئ تھی اسلئے یہ علماء ثلاثہ کی کوتاھی ھے کہ محتمل کی تشریح بالجزم ماضی سے کردی چونکہ میں اس محاورہ سے واقف نہیں اسلئے میں کچھ نہیں کہہ سکتا کہ یہ احتمال قریب ھے یا بعید قابل اعتبار ھے یا غیر مسموع

تمکین وطی عدم علم بحکم التکرار پر بھی محمول ہوسکتا ھے عورت کو معلوم نہ تھا کہ اس لفظ کے تکرار سے طلاق مغلظ ہوگئی یہ کیسے کہا جائے کہ وہ اسکو مضارع پر محمول کرتی تھی۔

ہوتا ہے۔

سوم۔ طلاق دیدی۔ یہ اردو کا ایک محاورہ ھے اور اردو فی الحقیقت کوئی مستقل زبان نہیں بلکہ ہندوستان کی قدیم زبان اور عربی و فارسی کے الفاظ سے ایک زبان بن گئی تھی جسے کہتے ہیں۔ اہل ذوق اور علماء ادب اسکی تائید کرینگے کہ طلاق دینا اردو میں طلاق دادن سے آیا ہے جو فارسی کا محاورہ ھے اور طلاق دادن فارسی میں اسیطرح ایقاع طلاق کیلئے مستعمل ھے جسطرح طلاق دینا اردو میں تطلیق کے معنیٰ میں مستعمل ھے۔ صراح میں تطلیق کے معانی میں مذکور ھے طلاق دادن زن را۔ یعنی تطلیق کا ترجمہ یہ ھے کہ طلاق دادن زن را۔ لیکن اگر غور کیا جائے تو طلاق دادن کے اصلی معنیٰ تفویض طلاق کے ہی ہیں۔

ہاں اس کا استعمال ایقاع طلاق میں کثیر ومتعارف ہوگیا ھے یہانتک کہ بلا قرینہ اس سے ایقاع ھی مراد لیا جاتا ھے جیسا کہ معانی متعارفہ کا قاعدہ ھے لیکن چونکہ اس سے تفویض طلاق مراد لینا اصل لغت سے مستلزم خروج نہیں ھے اسلئے اگر کوئی شخص طلاق دادم کہکر یہ دعویٰ کرے کہ میری نیت تفویض طلاق کی تھی تو فقہاء کی تصریح کے مطابق اسکی تصدیق کی جاسکتی ھے۔

وان قال لها: «من طلاق ترا دادم» ان نوى الايقاع يقع وان نوى التفويض لا يقع وان لم ينوى التفويض يكون

یہ مسلم نہیں بلکہ اصلی معنیٰ طلاق واقع کردن ہیں اس لفظ میں تفویض کے معنیٰ اردو والے جانتے بھی نہیں پھر وہ اصل معنیٰ کیسے ہوئے۔

بل هو خروج عن اللغة كما مر

ایقاعًا الخ (قاضی خان بر ہامش عالمگیری صـ ۲۱۹ و ۲۲۰ ج-۲)

اسیطرح طلاق دینے کی اصلی معنیٰ تفویض کے ہونے چاھئے تھے جو متروک الاستعمال ہیں لیکن چونکہ اصل وضع کے لحاظ سے انکومراد لے سکتے ہیں اسلئے اگر نیت تفویض کا دعویٰ کرے تو یہ دعویٰ بھی مسموع ہونا چاھئے خصوصًا اس صورت میں کہ "تجھے طلاق ھے" کے مضمون کو ادا کرنے والے الفاظ میں بھی ابوحنیفہؒ کے نزدیک نیت تفویض کا دعویٰ دیانۃً قابل تصدیق ھے جیساکہ مسئلہ مندرجہ بالا کے ساتھ ھی قاضی خان میں مذکور ھے ولو قال لہا لک الطلاق قال ابو حنیفۃ ان عنی بہ التفویض یُدیّن و اذا قامت من مجلسہا بطل الخ صفحہ مذکورہ۔

بہرکیف قاضی خان کے مسئلہ مذکورہ بالا کو فارسی سے مخصوص کرنا اور اردو میں تفویض کی نیت سے بھی رو کردینا اور وہ بھی دیانۃً اسلئے صحیح نہیں معلوم ہوتا ھے کہ الفاظ کی اصل وضع اس سے اباء نہیں کرتی۔

صرف استعمال متعارف مانع ھے جس کا نتیجہ مسئلہ بالا میں پہلے ہی موجود ھے یعنی یہ کہ تصدیق کو دیانت کے ساتھ مخصوص کیا گیا ھے۔ بہرکیف میں نے تجھکو طلاق دیدی الفاظ کی اصل وضع کے لحاظ سے تفویض پر محمول ہوسکتا ھے۔

پھر ان الفاظ کے بعد حسب بیان مدعیہ زوج کا وطی کرنا اور خود مدعیہ کا تمکین کرنا ایک

یہ بھی فارسی میں ہوسکتا ھے اردو میں تجھے طلاق میں تفویض کی نیت مسموع نہ ہوگی کیونکہ یہاں یہ لفظ تفویض میں اصلاً مستعمل نہیں

بل ھی آپ عنہ لعدم معرفۃ اھل اللسان ھذا المعنی بھذا اللفظ۔

اگر شوہر نے دعویٰ تفویض بھی نہ کیا ہو؟ انصاف کیا جائے جہاں دیانۃً نیت تفویض معتبر ھے وہاں یہ بھی تو شرط ہے کہ شوہر تفویض کا مدعی ہو۔

اگرچہ شوہر نے تفویض کا دعویٰ بھی نہ کیا ہو خواہ مخواہ اسکے سر

قوی قرینہ ھے کہ الفاظ مذکورہ کو اسلئے قاضی خان کے مسئلہ محولہ بالا پر محمول کرنا چاھئے ۔

کہ اس صورت میں زوجین مذکورین کا یہ فعل حلال ہوگا ورنہ انکے فعل کو فعلِ حرام پر محمول کرنا پڑیگا جسکی کوئی وجہ شرعی موجود نہیں۔ یہاں تک کہ خود زوجہ بھی اس کا دعوٰی نہیں کرتی ھے کہ زوج مذکور نے ایقاع طلاق کیا تھا بلکہ وہ اس کے الفاظ کو پیش کرکے ارباب فتوٰی سے حکم شرعی طلب کرتی ھے اور ساتھ ہی یہ اقرار کرتی ھے کہ ان الفاظ کے بعد شوہر نے وطی کرلی اور میں نے تمکین کی ۔ اسکے علاوہ مدعیہ کے بیان میں یہ بھی ھے "کہ کیا تو قبول کرتی ھے؟" جو تفویض کا ایک اور قرینہ ہوسکتا ھے اسلئے احتیاط اسی میں ھے کہ فقرۂ مذکورہ کو تفویض پر محمول کیا اور قاضی خان کا مسئلہ مذکورہ بالا جو عالمگیری وغیرہ میں بھی لیا گیا ھے معمول بھا بنایا جائے خصوصًا اس لحاظ سے کہ جن عبارات سے عورت کے جواز نکاح ثانی پر استدلال کیا جاتا ھے جیسا کہ بعض مقامی لوگ کہتے ہیں وہ عمومًا صورتِ زیر بحث سے متفاوت ہیں۔ مثلاً سمعت من زوجها انه طلقها و لا تقدر علی منعها من نفسها الا بقتله قتله الخ اس مسئلہ میں زوج کو عورت کے سامنے مقر بالطلاق قرار دیدیا گیا ھے جس میں عورت پر واجب ہوجاتا ھے کہ وہ مرد کو اسکے اقرار کی بناء پر ایقاع طلاق کا فاعل جان لے کیونکہ اقرار الانسان حجۃ علیہ ایک قاعدہ مسلمہ ھے مگر

تفویض کو لگادیا جائے ۔

تمکین کا اس نے اقرار نہیں کیا اور وطی کو عدم علم بالحکم پر حمل کرنا ظاہر ھے جہلاء ایسا ہی کرتے ہیں۔

ہاں یہ قرینہ ہوسکتا ھے مگر افسوس کہ علماء ثلاثہ نے اپنی دستخطی تحریر میں اسکو حذف کردیا جس کی وجہ سے مفتی کو اس احتمال سے تعارض کی ضرورت محسوس نہ ہوئی ۔

نکتہ یہ الفاظ طلاق خود اقرار ایقاعِ طلاق ھے جیسا آگے آتا ھے ۔

مانحن فیہ میں زوج نے عورت کے سامنے چند الفاظ کہدئے ہیں نہ کہ اقرار بالطلاق کیا ھے اسلئے عورت کے پاس کونسا شرعی ثبوت ھے کہ وہ زوج کو ایقاع طلاق کا فاعل سمجھے خصوصًا جب زوج ایقاع کا منکر ھے اور عورت نے جو الفاظ سن لئے ہیں ان میں احتمالات موجود ہیں۔ لوطلقها و انکر لها ان تتزوج ویحلل نفسها سرًا۔ اسمیں اوّلاً نکاح کی علی الاطلاق اجازت نہیں بلکہ مخفی طور پر محض حلالہ کی غرض سے جس پر زوج کو ہرگز اطلاع نہ ہونی چاھئے۔

ثانیاً طلقہا صیغہ جزم ھے جس کا مفہوم یہ ھے کہ مرد نے ایقاع طلاق بالیقین کرلیا اور مانحن فیہ میں جو الفاظ عورت نے سن لئے ان کی کیفیت اوپر گذر چکی ھے۔

شہد ان زوجها طلقها الخ اسمیں دو شاہد کا عورت کے پاس شہادت دیدینا مذکور ھے جو حجت شرعی ھے مگر مانحن فیہ میں یہ مفقود ھے اسیطرح عالمگیر کے مسئلہ میں بھی۔ واذا شهد عند المرأة شاهدان عدلان الخ مذکور ھے اسلئے صورتِ زیربحث پر وہ مسئلہ بھی صادق نہیں آسکتا ھے غرضیکہ مذکورہ بالا چاروں عبارات میں سے تین عبارتوں کو زیربحث صورت سے کوئی تعلق نہیں البتہ ۲ کو فی الجملہ انطباق ھے لیکن پھر بھی وہ مشکوک ھے۔

علاوہ برآں اس کا حکم کسی دوسرے کے ساتھ علی التابید نکاح کرنیکا نہیں۔ واللہ اعلم

سرًا کی قید اسلئے ھے کہ علانیہ نکاح میں شوہر دعوی کردے گا۔ نہ اسلئے کہ علانیہ نکاح جائز نہیں جو نکاح سرًا جائز ھے وہ علنًا بھی جائز ھے سرًا کی قید محض بطور مشورہ ہے تاکہ ضرر سے محفوظ رہے۔

مگر عورت کو ایقاع طلاق کا یقین ھے جیسا کہ اس نے استفتاء میں ظاہر کیا ھے

وجہ شک کچھ نہیں۔ کما مر

علی التابید کی قید کس لئے؟ کیا نکاح

تحلیل مؤبد نہیں ہوتا۔ موقت ہوتا ہے؟

وعلمه اتم۔

علی التسلیم

اگر تسلیم کیا جائے کہ مسماۃ صغریٰ نے جو الفاظ اپنے شوہر محمد یوسف سے سن لئے ہیں وہ ایقاع طلاق ثلاث کیلئے کافی ہیں تو سوال یہ ہے کہ عدم ثبوت کی وجہ سے جب اس کا دعوی ثابت نہ ہوا تو اس کو اقوال و مسائل منقولہ میں سے کس قول کے ساتھ فتویٰ دیا جا سکتا ہے؟

یہ علی التسلیم نہیں بلکہ آپکی دستخطی تحریر میں آپ کا اور آپکے اہل زبان رفقاء کا مصرح بہ ہے اس کے سوا کوئی دوسرا احتمال اس تحریر میں نہیں بیان کیا گیا کیا اہل زبان علماء کو یہ جائز تھا کہ جس کلام میں بعد کو اسقدر احتمالات نکالے جاتے ہیں اپنی فیصلہ کن تحریر میں بالجزم اسکو موجب طلاق مغلظ ظاہر کر دیں اور آپ بھی اس پر دستخط کر دیں اور آئندہ کیلئے مفتیوں کو غلطی میں ڈالیں تو پھر ان پر اعتراض کریں اور اپنی کوتاہی کو تسلیم نہ کریں۔

طوالت سے بچنے کی غرض سے ہم اس قول کو زیر بحث لاتے ہیں جس میں اسکو کسی دوسرے کے ساتھ عدت کے بعد نکاح کرنیکی اجازت دیدی گئی ہے اس قول کو کسی نے مفتیٰ بہ نہیں کہدیا ہے (علی ما اعلمه بعد التتبع)۔ صاحب دُرمختار نے اس کو بالتصریح غیر صحیح قرار دیدیا ہے۔ کما قال قبیل باب الایلاء وفیها شهدا انه طلقها ثلاثاً لها التزوج بآخر للتحلیل لو غائباً اھ قلت یعنی دیانةً والصحیح عدم الجواز۔ تنبیه۔ اس پر شامی نے بحثاً اشکال وارد کیا ہے لیکن اوّلاً وہ بحث ہے نقل نہیں۔ ثانیاً اس کا تعلق عدم تصحیح کے ساتھ ہے جس سے وجود تصحیح یا نقل تصحیح لازم نہیں آتی پھر باب الرضاع کے آخر میں اس قول کو

هو مقتضی اطلاق المتون کما صرح به فی البحر وهو مقتضی اطلاق نص الکتاب کما مر لو سلمنا عدم صحته فانما هو فیما اذا شهد عندها اثنان لما فیه من القضاء علی الغائب لا فیما اذا سمعت المرأة منه الطلاق هذا هو الذی نبه علیه الشامی فی باب الرجعة فلیتنبه له

بصیغۂ تمریض نقل کرکے اسکے ضعف کی طرف اشارہ کرتے ہیں۔ وقیل: لها التزوج دیانة شرح وهبانیة۔ شامی اس کا ضعیف عند المصنف ہونا تسلیم کرتے ہیں۔ قوله: وقیل: لها التزوج الخ اشارة الیٰ ضعفه کما فی شرح الوهبانیة الخ۔

پھر اسکو قضاء کے ساتھ مخصوص کرنیکی تاویل کو خلاف ظاہر قرار دیتے ہیں لھذا کوئی وجہ نہیں معلوم ہوتی ھے کہ اس غیر مصحح قول کے ساتھ فتویٰ دیا جائے خصوصًا اس لحاظ سے کہ اس پر فتویٰ دینے سے کوئی نفع بھی نہیں ہوسکتا ھے کیونکہ عورت کے علاوہ۔ جس جس مسلمان کو معلوم ہوگا کہ مرد ایقاع طلاق کا منکر ھے کسی حال میں بھی اسکو عورت مذکورہ کے ساتھ نکاح کرنا جائز نہیں کیونکہ نکاح متحقق ہوچکا ھے اور زوال نکاح پر کوئی شرعی بینہ اور حجت موجود نہیں جسکی پابندی عورت کے علاوہ دوسروں پر ضروری ہو۔ جیساکہ الیقین لا یزول بالشك ودیگر اس قسم کے نصوص سے معلوم ہوتا ہے جنکو گذشتہ سطور میں نقل کیا گیا ھے اسکے علاوہ بحر الرائق کی عبارتِ ذیل سے بھی اسمیں مدد ملتی ھے جو اختلاف ثنتین وثلاث کے متعلق کتاب مذکور میں مذکور ھے وفیها سمع رجل من امرأة انها مطلقة الثلاث (بزازیۃ) ۔ والزوج یقول لا بل مطلقة الثنتین لا یسع لمن سمع منها ان یحضر نکاحها ویمنعها ما استطاع۔ بحر۔ (ص٦٥٥ ج۔٤)

محمول علی انه لا یسعه ان یحضر نکاحها بهذا الرجل وهو الظاهر ولیس معناه لا یسعه ان یحضر نکاحها بغیره بدلیل ما بعده اراد ان یتزوج امرأة فشهد عنده

یعنی جس مرد نے عورت سے یہ سنا کہ وہ مطلقۃ الثلاث ہے مگر اس کا شوہر کہتا ہے کہ وہ مطلقۂ ثلاث نہیں بلکہ اس کو صرف دو طلاقوں سے حرام کیا گیا ھے تو جس شخص نے عورت سے قول مذکور سنا ھے اسکو حلال نہیں کہ اگر عورت دوسرا نکاح کریگی تو اسکو کرنے دے یا اس مجلس میں شامل ہو جائے۔

اسیطرح قنیہ کے یہ الفاظ بھی قابل غور ہیں وعلی جواب الباقین لایحل (ای النکاح)۔۔۔۔ ونقل آخر انہ لایجوز (ای النکاح) فی المذهب الصحیح والقائل بانہ المذهب (ای عدم حل النکاح) الصحیح العلاء الترجانی الخ کما فی البحر۔

خلاصہ یہ کہ عورت مذکورہ کو نکاح کی اجازت جس قول میں دیدی گئی ھے اسکی تضعیف میں نقول عدیدہ موجود و منقول ہیں اور اسکی تصحیح کیلئے کسی کا ایک حرف بھی نہیں ملتا اور نہ ہی کہیں اسکو وبہ یفتی وغیرہ کے ساتھ مقید کیا گیا ھے محض چند علماء کا قول اسکو قرار دیکر قنیہ میں وعلی جواب الباقین لایحل سے ظاہر کیا گیا ھے کہ باقی علماء عدم حل نکاح کے قائل ہیں۔

لھذا عالمگیری کی وہ عبارت جو کتاب الطلاق میں ھے مذھب صحیح پر مبنی نہیں اگرچہ عالمگیری کے کتاب القضاء میں نکاح کا ذکر اس مسئلہ میں نہیں کیا گیا ھے۔ واذا ادعت المرأۃ علی زوجها انہ ابانها بثلاث اوبواحدة فجحد الزوج فحلفہ القاضی فحلف فان

اوعند القاضی ان لها زوجًا فتزوجها لایفرق اھ وبدلیل ما ذکرہ عن البزازیۃ ایضًا قالت طلقنی ثلاثًا ثم ارادت تزویج نفسها منہ لیس لها ذالك اصرت علیہ ام کذبت نفسها اھ

وقدمر مافیہ فتذکر

علمت ان الامر کما قالت لا تسعها الاقامة معه و لا ان تأخذ میراثها کذا فی النهایة (ص۴۲۳ ج۔۳)

ایضًا :۔ اور اگر نکاح دوم کے قول کی تصحیح وعدم تصحیح سے قطع نظر کیا جائے تب بھی مسماۃ صغریٰ کے حق میں مسئلہ کی ترتیب یہ ہونی چاھیئے کہ وہ مال دیکر خلع حاصل کرے (جیسا کہ مولانا ظفر احمد صاحب کے دوسرے فتویٰ میں بھی مصرّح ھے) اسلئے کہ محیط میں سب سے پہلے عورت مذکورہ کو افتداء بالمال کا ھی حکم دیدیا گیا ھے اور راقم الحروف بھی اول روز سے یہی کہہ رہا ہے کہ اگر مسماۃ صغریٰ کو محمد یوسف سے جدا ہونے پر اصرار ہے تو کچھ دے دلا کر اس سے اپنے آپکو خلاص کرے۔ لیکن چونکہ اس صورت میں قضاء میں سکون پیدا ہو سکتا ھے اسلئے جو لوگ فتنہ اور شور و شغب بالخصوص مخالفت کے دلدادہ وہ اسطر اسطرف آنے نہیں دینے.

لا یخفٰی علی الفطن ان او للتخییر فلا یجب علیها الافتداء لو قدرت علی الهرب

وفی المحیط :۔ وینبغی لها ان تفتدی بمالها او تهرب منه فان لم تقدر قتلته الخ اس ترتیب کو صاحب شامیؒ نے بھی اختیار کیا ھے.

الحاصل (الف) جو الفاظ صغریٰ نے اول والا ھمارے سامنے بیان کیا اور ھمارے دار الافتاء کے رجسٹر میں وہ مع نشانہائے انگوٹھا موجود ہیں انکو سامنے رکھکر فتویٰ دینا مطلوب ھے

کیونکہ ہمارے بغیر کسی کے پاس فریقین کے اصلی بیانات نہیں بلکہ دوسرے لوگ محض ہوائی گھوڑوں پر دوڑ رہے ہیں حالانکہ انکو ہمارے یہاں سے وہ بیانات مل بھی سکتے تھے لیکن جب تحقیقِ حق مقصود ہی نہ ہو تو ایسے راستے کیوں اختیار کیئے جائیں جس سے فتنہ فرو ہو۔

(ب) میرا فیصلہ شرعیہ جو بسلسلہ تحکیم زبانی بتایا تھا صرف یہ ہے کہ طلاق ثابت نہ ہوئی اس سے زیادہ یہ حکم بتانا کہ صغریٰ کی طلاق چونکہ ثابت نہ ہوئی اسلئے اسکو دوسرے کے ساتھ نکاح کرنا جائز ہے ہرگز میرے لئے جائز نہ تھا جس نے اس چیز کو ہمارے اوپر واجب سمجھا ہے وہ غلط کہہ رہا ہے۔

(ج) دیانۃً صغریٰ کو اسلئے وقوع طلاق کا یقین رکھنا جائز نہیں کہ اس نے جو الفاظ سن لئے ہیں وہ وقوع طلاق کی قطعی دلیل حادثہ کے تمام پہلوؤں اور الفاظ کی تمام کیفیات و احتمالات کو ملحوظ رکھکر نہیں ہوسکتے ہیں اسلئے زوالِ نکاح مشکوک ہے۔

(د) جس عورت کو وقوع طلاق اور زوال نکاح کا یقین حاصل ہو اسکو سب سے پہلے یہ حکم ہے کہ مال دیکر شوہر منکر سے اپنے آپ کو

نعم لم یکن ذالک واجبًا علی الحکم فی مجلس الحکم و لکن کان ذالک واجباً لو استفتتہ المرأۃ فی غیر مجلس الحکم عن حکم الدیانۃ لھا ان کانت الواقعۃ کما فی کتاب الحکم و الا فکان الواجب الرجوع عن کتاب الحکم و الافتاء بما کان عندکم من الواقعۃ التی اودعتموھا فی الخریطۃ و لم تبینوھا فی الحکم۔

مگر افسوس ہے کہ علماءِ ثلاثہ کی دستخطی تحریر میں ان الفاظ کو موجبِ طلاق مغلظ کہا گیا ہے اور کوئی احتمال ظاہر نہیں کیا گیا محض عدم بینہ کی وجہ سے عدم ثبوت طلاق کا حکم قضاءً بیان کیا گیا۔ مستفتی جاہل ہے جب علماء نے اسکے پورے بیان میں سے کچھ الفاظ حذف کردئے تو وہ یہ سمجھنے پر مجبور ہے کہ الفاظِ محذوفہ کو حکم طلاق میں کوئی دخل نہیں ہے اس لئے تو علماء نے انکو حذف کیا اگر بقیہ الفاظ سے حکم مسئلہ پر اثر پڑتا تھا تو ان کے

خلاص کرے اگر وہ ایسا نہیں کر سکتی ہے تو پھر فقہاء کے دوسرے اقوال کی طرف منتقل ہو سکتی ہے۔

حذف کی کوئی وجہ نہ تھی فیصلہ کرنے والے کا فرض ہے کہ مدعی اور مدعیٰ علیہ دونوں کا پورا بیان لکھ کر فیصلہ دے۔

اسکے اولاً واجب ہونیکی کوئی دلیل نہیں۔ ففی المحیط: ینبغی لها ان تفتدی بمالها او تهرب ای تفعل ای ذالک ان شاءت و قدرت علیه ولذا افتیتها بالمفارقة عنه مرة و بالافتداء اخریٰ۔

(ہ) دوسرے اقوال میں سے یہ قول کہ اسکو ہروب کے بعد کسی دوسرے کے ساتھ نکاح کرنا جائز ہے قول مصحح نہیں۔

اسلئے دوسرے اقوال پر اسکی ترجیح کی کوئی گنجائش نہیں اور نہ ہی کسی نے اسکو راجح قرار دیا ہے۔

(و) جس عورت کو طلاق کا یقین ہے مگر شہادت سے اسکو ثابت نہ کر سکے اسکو دیانۃً اپنے آپ کو مطلقہ سمجھنا چاہئے لیکن اسکے علاوہ کسی مسلمان کو یہ جائز نہیں کہ اسکی کسی قسم کی حمایت کرے کیونکہ نکاح سابق ایک امر یقینی ہے جسکے زوال کیلئے عورت کا یقین یا دعویٰ کافی نہیں بلکہ مسلمانوں کو صرف یہ جائز ہے کہ وہ عورت مذکورہ کے متعلق یہ عقیدہ رکھیں کہ وہ وقوع طلاق کا دعویٰ کرتی ہے جس کا صدق و کذب اسکے علاوہ اللہ تعالیٰ کو معلوم ہے۔ ہم کو اسمیں کوئی رائے زنی کا حق نہیں اسیطرح کسی مسلمان کو یہ علم رکھتے ہوئے کہ یہ عورت فلاں آدمی کی منکوحہ تھی جو طلاق کا منکر ہے ہرگز حلال نہیں کہ اس کے ساتھ نکاح کرے بلکہ اگر یہ عورت نکاح کرنے لگ جائے تو جس کو واقعہ معلوم ہے اور مرد سے اس نے ایقاع طلاق کا انکار سنا ہے اسکو لازم ہے کہ عورت کو نکاح ثانی کرنے

قلت هو مقتضی اطلاق المتون و نص الکتاب

سے روکے اور اگر وہ نہیں رکتی ھے تو مجلس نکاح میں ہرگز شرکت نہ کرے جیسا کہ بحر کے مسئلہ مندرجہ بالا میں مصرح ہے۔

وتقدم مافیه فتذکر

الجواب المفصل و انه لقول فصل

مکرمی المحترم مولانا محمد میرک شاہ صاحب دام فضلہم

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ۔ گرامی نامہ موصول ہوا۔ حضرت والا کو نہ فرصت ھے نہ اتنی قوت ہے کہ ایسی طویل تحریریں باریک قلم کی لکھی ہوئی ملاحظہ فرمائیں اسلئے حضرت کو آئندہ تکلیف دینا نہ چاھئے۔ جواباً معروض ہے کہ مجھے جناب کے متعلق یہ یقین ھے آپ کو حضرت والا سے تعلق ھے اور اس واسطہ سے اس ناچیز کے ساتھ بھی تعلق ہے اور یہ تعلق مانع اظہار حق نہ ہونا چاھئے بلکہ زیادہ موجبِ اظہار حق ہونا چاھئے کہ اس کا مبنیٰ محض حُب فی اللہ و حُب لِلّٰہ ھے اگر میرے اظہار حق سے کسی مخالف جماعت کو خوشی کا موقع ملا ھے مجھے اسکی پرواہ نہ کرنا چاھئے کہ میرے ذمہ بہرحال اظہار حق واجب ہے خواہ اس سے کسی کو خوشی ہو یا کسی کو رنج ہو ——

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا كُونُوا قَوَّامِينَ بِالْقِسْطِ شُهَدَاءَ لِلّٰهِ وَلَوْ عَلَىٰ أَنْفُسِكُمْ الآية : اور دراصل یہی تعلق جو آپ کے ساتھ ھے سبب ہوا میرے اس فتوٰی پر جواب لکھنے کا ورنہ میں چونکہ مئو۔ اعظم گڑھ کے محاورت دیہات سے ناواقف ہوں ضرور اس فتوٰی پر تنقیح کرتا اور مستفتی سے سوال کرتا کہ اس لفظ کے معنیٰ اہل محاورہ سے معلوم کرکے لکھو مگر جب استفتاء کے ساتھ آپکی دستخطی تحریر دیکھی جس میں محمد یوسف کے لفظ "میں تو کے طلاق دیہیوں" کی تشریح جزم کے ساتھ "میں نے تجھکو طلاق دی" سے کی گئی تھی اور اس کے بعد صاف لکھا تھا کہ اگر واقعی محمد یوسف نے یہ لفظ کہا تھا تو اسکی عورت مطلقہ مغلظہ ہوگئی تو مجھے سائل سے طلب تشریح کی یا تنقیح کی ضرورت محسوس نہ ہوئی۔ میرے وھم میں بھی یہ بات نہ تھی کہ مدعیہ نے محمد یوسف کے الفاظ کچھ اور بھی بیان کئے تھے جو آپ کی دستخطی تحریر میں حذف کئے گئے اور دفتر میں محفوظ رکھے گئے ہیں کیونکہ اہل علم کا فرض ہے کہ فیصلہ کی تحریر میں مدعی و مدعیٰ علیہ کا پورا بیان لکھکر فیصلہ کریں تاکہ خود فریقین کو بھی یہ مغالطہ نہ ہو کہ عبارتِ محذوفہ کو حکم واقعہ میں کچھ دخل نہیں اور کسی

ذی علم کے سامنے اس تحریر کو پیش کریں تو اسکو بھی مغالطہ نہ ہو وہ کیسے سمجھ سکتا ھے کہ جس عبارت کو یہاں جزم کے ساتھ ایک معنیٰ سے مشروح کیا گیا ھے وہ دفتر کی عبارت سے مل کر دوسرے معنی کو بھی متحمل ہو سکتی ہے اور جن الفاظ کے تکرار کو یہاں جزماً موجب طلاق مغلظہ کہا گیا ہے وہ عبارت محفوظہ سے لیکر جزماً موجب طلاقِ مغلظہ نہیں رہی ہے چونکہ میرے جواب کا مبنیٰ آپکی دستخطی تحریر اور اسکی تشریح تھی اسلئے میں نے مستفتی کو لکھدیا ہے کہ میرے جواب کا مبنی وہ تشریح ہے جو علماء ثلاثہ نے اپنے تحریری فیصلہ میں کی ہے اگر انکی یہ تشریح صحیح ہے اور اس بناء پر عورت کو یقین کلی ھے کہ محمد یوسف نے اس کو دسوں مرتبہ طلاق دی تو جواب وہی ہے جو اوپر مذکور ہوا اور اگر یہ تشریح صحیح نہیں بلکہ ان الفاظ میں اہل محاورہ کے نزدیک معنی ماضی کے ساتھ مستقبل کا بھی احتمال ہے جیسا کہ علماء ثلاثہ میں سے بعض نے یہ احتمال ظاہر کیا ہے تو اس کا فیصلہ وہاں کے اہل محاورات ہی کر سکتے ہیں کہ میں وہاں کے محاورات سے واقف نہیں۔

اور یہ تنبیہ میں نے اپنے اسی فتویٰ پر لکھدی ہے جو اولاً یہاں سے دیا گیا تھا اور مستفتی نے ثانیاً اسکو حضرت اقدس کے دستخط کیلئے واپس کیا تھا امید ھے کہ میری اس تنبیہ سے شور وشر کم ہو جائیگا کیونکہ میں نے اپنے فتویٰ کو آپکی تشریح پر مبنی کیا ہے اب آپ کہہ سکتے ہیں کہ اس تشریح میں ھم سے کوتاہی ہوئی کہ مدعیہ اور مدعیٰ علیہ کا پورا بیان نہ لکھا گیا اور جزم کے ساتھ صرف ایک معنیٰ کو ظاہر کر دیا۔ دوسرے احتمالات سے تعرض نہ کیا گیا اور چونکہ ظفر نے ھماری تشریح پر مدار رکھا ھے تو اب ھم مدعیہ کے پورے الفاظ پر دوسری تشریح کرتے ہیں اور تشریح اول سے رجوع کرتے ہیں آپ اس تشریح اول سے رجوع کا اعلان کر دیں گے تو یقیناً شور وشر جاتا رہے گا۔ اور آپ پر یہ اعلان واجب ھے۔ فان التوبة بقدر الحوبة السِر بالسر والعلانية بالعلانية اور آپ کے اس اعلان کے بعد میں بھی اپنے فتویٰ سے رجوع کر لونگا کیونکہ وہ تو آپکی اس دستخطی تحریر ہی پر مبنی ھے اور اگر آپ کو اس فیصلہ کن تحریر سے رجوع کا اعلان دشوار ہو تو پھر مدعیہ کے اُن الفاظ کی بناء پر جو آپ کے دفتر میں محفوظ ہیں یہ عرض ہے کہ اگر واقعہ یہی ہے کہ محمد یوسف نے دسوں مرتبہ یوں کہا ہے کہ "میں تو کے طلاق دیہوں تین قبول کرے بھی" اور اہل محاورہ کے نزدیک اسکے یہ معنیٰ ہیں کہ "میں تجھکو طلاق دیدوں تو قبول کرتی ھے" تو اس صورت میں ان الفاظ سے طلاق واقع نہیں ہو گی آپ اپنے

لوگوں میں سے کسی کو فرما دیجئے کہ وہی الفاظ لکھکر استفتاء کرے میں اس کو یہی جواب دیدونگا جو اس وقت لکھ رہا ہوں جس سے میرے دونوں فتوے متعارض ہوجائیں گے۔ و اذا تعارضا تساقط۔

باقی آپ نے بہ سبیل تنزل اُن الفاظ کو تسلیم کرتے ہوئے جو فیصلہ کی تحریر میں درج کئے ھیں اس تشریح کو مانتے ہوئے جو اس میں کی گئی ھے جس قدر بحث کی ہے وہ میرے نزدیک صحیح نہیں۔

سب سے پہلے آپ نے "طلاق دی" میں احتمال تفویض نکالا ھے یہ اصلاً صحیح نہیں ھماری زبان میں لفظ "تجھکو طلاق دی" بالکل صریح ھے ان الفاظ سے ھمارے یہاں تفویض نہیں کی جاتی پھر احتمال تفویض کیلئے متکلم کا دعویٰ شرط ہے متکلم تفویض کا مدعی نہیں پھر آپ نے تکرار طلاق میں دیانۃً احتمال تاکید نکالا ھے مگر قضاءً یہ احتمال رد ھے۔ و المرأة کالقاضی کما صرحوا به۔ پس عورت کے حق میں یہ احتمال ہرگز مفید نہیں بالخصوص جبکہ شوہر مدعی تاکید بھی نہیں۔ پھر آپ نے دعویٰ کیا ھے کہ طلاق مغلظ کے بعد عورت کو بدون تفریق قاضی کے نکاح ثانی کا اختیار ہونا جبکہ شوہر منکر ہو مفتیٰ بہ نہیں ھے۔ یہ بھی صحیح نہیں ھے۔

قال فی البحر: و اطلق فشمل ما اذا کان الزوج الاول معترفاً بالطلاق الثلاث او منکراً بعد ان کان الواقع الطلاق الثلاث ولهذا قالوا لو طلقها ثلاثاً و انکر لها ان تتزوج بآخر و تحلل نفسها سرًا منه الخ۔

بحر نے انکار زوج کی صورت میں بھی عورت کو نکاح ثانی کا اختیار دیا ھے اور اسکو اطلاق متون کا مدلول قرار دیا ھے مفتیٰ بہ ہونے کیلئے اور کیا چاھئے؟ جبکہ اطلاق متون سے ایک مسئلہ ثابت ھے وہ متون سے ہی ثابت ھے اور متون کا مفتیٰ بھا ہونا معلوم، اس میں قید سراً سے آپ کا یہ کہنا کہ نکاح علی جائز نہیں یا تحلیل سے یہ مفہوم نکالنا کہ نکاح مؤبد جائز نہیں انصاف اور فقہ سے بہت بعید ھے قید سراً کا بطور مشورہ ہونا واضح ھے کیونکہ جب شوہر منکر ھے وہ علانیہ نکاح کو بذریعہ قاضی کے روکدیگا اگلی عبارت اسکی خود دلیل ھے، فلیراجع۔ ورنہ خود غور فرمالیا جائے کہ جو

چیز سرًّا جائز ہے اسکو اعلانًا کرنا شرعًا کیوں حرام ہوگا ؟ اور نکاح تحلیل یقینًا مؤبد ہوتا ہے کیونکہ نکاح موقت باطل ہے۔ پھر میں لکھ چکا ہوں کہ نص قرآن کا مقتضی یہی ہے فَلَا تَحِلُّ لَهٗ مِنْ بَعْدُ حَتّٰى تَنْكِحَ زَوْجًا غَيْرَهٗ۔ اضاف النكاح الى المرأة واطلق فلها ان تتزوج بزوج آخر اعترف الاول بالطلاق او انكر اذا كان الواقع الطلاق الثلاث ـــــــ اور صورتِ مسئولہ میں آپکی تشریح ہے کہ زوج نے ”میں نے تجھکو طلاق دی“ کہا اور تصریح ہے کہ اس کا تکرار موجب طلاق مغلظ ہے اور عورت اپنا یقین کلی بیان کرتی ہے کہ زوج نے مجھکو دسوں مرتبہ طلاق دی تو اب شرط ”بعد ان کان الواقع الطلاق الثلاث“ کے تحقق میں کیا کلام رہا ؟

اسکے بعد آپکو ”لو شهد عندها عدلان على الرضاع بينهما او طلاقها ثلاثًا وهو يجحد الى قوله ولا التزوج بآخر وقيل لها التزوج ديانة اشار الى ضعفه كما في القنية عن العلاء الترجماني انه لا يجوز في المذهب الصحيح وجزم به الشارح في آخر باب الرجعة“ سے مسئلہ مبحوث عنہا میں شبہ ہوا ہے کہ سماع مرأۃ کی صورت بھی اسکو دیانۃً نکاح ثانی جائز نہیں حالانکہ یہ قیاس مع الفارق ہے کیونکہ شہادت کی صورت میں عورت اپنے کو مطلقۃ الثلاث سمجھنے میں بظاہر قضاء علی الغائب کرتی ہے لانها كالقاضي في هذا الباب۔ اور قضاء علی الغائب میں اختلاف ہوسکتا ہے اسلئے اس صورت میں اقوال مشائخ مختلف ہوگئے۔ لیکن سماع کی صورت میں اس قسم کا کوئی احتمال نہیں اسلئے وہاں یہ کہنا کہ دیانۃً عورت کو نکاح بآخر جائز نہیں صحیح نہیں۔ شامی نے صاحب در کی اس مسامحت پر تنبیہ کی ہے کہ انہوں نے صورتِ شہادت کے اختلاف کو صورت سماع میں بھی جاری کردیا حالانکہ قیاس مع الفارق ہے چنانچہ ”سمعت من زوجها[عہ] انه طلقها (ای ثلاثًا) ولا تقدر على منعه من نفسها الخ“ کے تحت لکھا ہے۔

وفی الفتاویٰ السراجية :- اذا اخبرها ثقة ان الزوج طلقها وهو غائب وسعها ان تعتد وتتزوج ولم يقيده بالديانة اھ۔ كذا في شرح

[عہ] وحمله على انها سمعت من زوجها الاقرار بطلاقها كما فعله الفاضل بعيد وانما معناه انها سمعت منه الطلاق سواء اعترف به بعد ذالك او انكر فافهم۔ ظفر۔

الوهبانیة ـــــــ قلت :۔ هذا تائید لقول الائمة المذکورین (شمس الائمة الاوزجندی ونجم الدین النسفی والسید ابی شجاع والسرخسی والقائلین بانه یحل لها التزوج بزوج آخر فیما بینها وبین الله فیما اذا شهدا انه طلقها ثلاثا) فانه اذا حل لها التزوج باخبار ثقة فیحل لها التحلیل هنا بالاولیٰ اذا سمعت الطلاق او شهد به عدلان عندها بل صرحوا بان لها التزوج اذا اتاها کتاب منه بطلاقها ولو علی ید غیر ثقة ان غلب علی ظنها انه حق و ظاهر الاطلاق جوازه فی القضاء حتی لو علم بها القاضی یترکها فتصحیح عدم الجواز هٰهنا مشکل الا ان یحمل علی القضاء (قلت: وای تصحیح اصرح من هذا حیث صرحوا بذالك فی مسئلة الکتاب ونحوها ١٢۔ ظفر) نعم لو طلقها وهو مقیم معها یعاشرها معاشرة الازواج لیس لها التزوج لعدم انقضاء عدتها منه کما سیأتی بیانه فی العدة (صـ ٨٩٦ ج-٢) لان العدة منه لا تنقضی الا بالمفارقة لا بالمجامعة فافهم۔

بہرحال شهادة عدلین کی صورت میں بھی صحیح یہی ہے کہ عورت کو تزوج بآخر جائز ہے جبکہ وہ زوج اول سے الگ ہوکر عدت گذاردی اور قضاء علی الغائب کا جو شبہ ہے وہ اسلئے باطل ہے کہ اس صورت میں عورت قضاء نہیں کررہی ہے کیونکہ بحث دیانت میں ھے کہ فیما بینها وبین الله نکاح کو جائز کہا جارہا ہے شوہر پر قضاء نہیں کررہی ہے اس لئے قاضی کو بھی علم کے بعد اس میں دخل دینے کا حق نہیں (الا اذا رافع الیه الزوج فله ان یقضی بما ثبت عنده) قال الشامیؒ عن الولوالجیة عن الفصولین: اخبرها عدل او غیر عدل فاتاها بکتاب من زوجها بطلاق ولا تدری انه کتابه اولا ان اکبر رأیها انه حق فلا باس بالتزوج اه۔ وتقدم قبیل الایلاء ان هذا فی الدیانة ثم رأیت بخط السائحانی عن جامع الفتاویٰ شهد اثنان ان الغائب طلق زوجته لا تقبل فی الحکم بطلاق الغائب وتقبل فی حق سکوت الحاکم فی انها تعتد وتتزوج بآخر اه وحاصله انه یسوغ للحاکم السکوت لانه امر دینی لا اثبات الطلاق لانه حکم علی الغائب فلا یصح الخ صـ ١٠٢ ج-٢ قبیل فصل الحداد۔

جب شہادت عدلین کی صورت میں دیانۃً یہ حکم ہے تو سماع میں بدرجہ اولیٰ اور غالباً علامہ ترجمانی نے صورتِ شہادت میں عدم جواز کو صحیح اسی بناء پر کہا ہے کہ اس صورت میں عورت قضاء علی الغائب کرتی ھے مگر یہ خیال باطل ہے بلکہ وہ ایک امرِ دیانت کا ارتکاب کر رہی ہے اثبات طلاق سے اسکے فعل کو کچھ تعلق نہیں اس لئے ائمہ مذکورین نے دیانۃً نکاح بآخر کی اجازت دی ہے اور صورتِ سماع طلاق میں تو علامہ ترجمانی کا خلاف بھی منقول نہیں فلا یصح قیاسہ علیہا فافہم۔ اور اگر اس میں بھی ان کا اختلاف کسی نے نقل کیا ھے تو یقیناً مسامحت سے خالی نہیں یا اسکو قضاء پر محمول کیا جائے گا کما قالہ العلامۃ الشامی۔

اسکے بعد آپ نے دعویٰ کیا ھے کہ صاحب بزازیہ کے نزدیک حرمت کے تمام وجوہ میں عورت کا قول قابل اعتبار نہیں۔ حالانکہ اصل جزئیہ یہ ہے۔ انہا اذا قالت: ھٰذا ابنی رضاعًا و اصرت علیہ لہ ان یتزوجہا لان الحرمۃ لیست الیہا قالوا بہٖ یفتٰی فی جمیع الوجوہ جس کا حاصل یہ ہے کہ عورت کے دعویٰ رضاع سے مرد پر وہ عورت حرام نہیں ہوتی کیونکہ ثبوت رضاع تنہا ایک عورت کے قول سے نہیں ہوتا۔ لان الحرمۃ لیست الیہا کے یہی معنیٰ ہیں نہ وہ جو آپ نے سمجھے ہیں۔ اس کے بعد صاحب دُر کا تبعًا للصدر الشہید یہ کہنا مفادہ انہا لو اقرت بالثلاث من رجل حل لہا تزوجہ یقینًا۔ قیاس قلب و عکس ہے بزازیہ نے مسئلہ رضاع میں مرد کو نکاح کی اجازت دی تھی نہ کہ عورت کو اس سے یہ تو مستفاد ہو سکتا ہے کہ صورت دعویٰ طلاق ثلاث میں مرد کو اس مدعیہ سے نکاح جائز ہو جبکہ اسکے نزدیک عورت کا دعویٰ صحیح نہ ہو کیونکہ تنہا اسکے قول سے ثبوت طلاق نہیں ہو سکتا لیکن یہ اخذ کرنا کہ عورت کو بھی اس سے نکاح جائز ھے کس طرح مستفاد نہیں ہوتا۔ پس ان حضرات کے کلام کی تصحیح اسطرح ہو سکتی ھے کہ ان کے کلام کو قضاء پر محمول کیا جائے یعنی قضاءً عورت کو اقدام علی النکاح سے نہ روکا جائے گا کیونکہ قضاءً ثبوت طلقات ثلاث نہیں ہوا۔ مگر یہ کہ دیانۃً بھی عورت کو ایسا جائز ھے اور دیانۃً بھی اسکو نہ روکا جائیگا یہ ہرگز بزازیہ کے جزئیہ سے مستفاد نہیں ہو سکتا اور جو ایسا دعویٰ کرے وہ مبطل ہے صاحب بحر نے بزازیہ سے نقل کیا ہے قالت: طلقنی ثلاثًا ثم ارادت تزویج نفسہا منہ لیس لہا ذالک

اصرت علیه ام کذبت نفسها اھ (ص۵۹ ج-۴) ھذا ھو الموافق للاصول ——— اس کے بعد آپ کا یہ کہنا کہ مجموعی طور پر ان سب حضرات کی عبارات میں کہیں یہ نہیں ھے کہ عورت مذکورہ عالمہ بالطلاق ہو کر خود بخود ہی کسی دوسرے کے ساتھ نکاح کر سکتی ہے الخ اس کا جواب یہ ہے کہ جن عبارات میں ان تتزوج بآخر و تحلل نفسھا سرا منه الخ مذکور ہے وہ اس پر ناطق ہیں نیز جو عبارات شامی سے ابھی نقل ہوئی ہیں جو قبیل فصل الحداد میں مذکور ہیں وہ اس پر شاہد ہیں اور اطلاق متون سے صاحبِ بحر نے اسی کو اخذ کیا ہے اور نص، حَتّٰى تَنْكِحَ زَوْجًا غَيْرَهٗ بھی اس پر دال ہے فافہم اور اسی سے آپ کے اس سوال کا جواب بھی ہو گیا کہ لا یفتی بغیر الراجح فی مذھبه...... و ان الحکم و الفتیا بالقول المرجوح جھل اخرق للاجماع الخ میں مبتلا ہو چکا کہ صورتِ مسئولہ میں جواز نکاح بآخر ہی راجح اور صحیح ہے۔ صورت سماع طلاق میں اس کے خلاف کوئی قول منقول نہیں اور اگر منقول ہو تو قضاء پر محمول ہو گا نہ دیانت پر کما قاله الشامی و الخلاف الذی ذکرتموه انما ھو فی الشهادة عند المرأة وقد تقدم مافیه فتذکر

آخر میں آپ نے محمد یوسف کے قول سے احتمال استقبال وغیرہ بیان کرتے ہوئے لکھا ہے کہ دیانت کا فتویٰ دینے والا مفتی شرعًا اس کا مکلف ہے کہ اس احتمال کو نظر انداز نہ کرے اس کا جواب تمہید میں دے چکا ہوں کہ شرعًا آپ کے ذمہ بھی یہ اعلان واجب ھے کہ ھماری دستخطی تحریر جو مدعیہ کے پاس ہے وہ ناقص اور موجب مغالطہ ہے اسلئے اس کا اعتبار نہ کیا جائے۔ مفتیٔ دیانت نے تو آپکی اسی دستخطی تحریر پر جواب کو مبنی کیا ہے۔" فان صحیحًا فصحیح وان باطلًا فباطل؟

اسکے بعد آپ نے عورت کی تمکین کو اسکے دعویٰ طلقات ثلاث کا مکذب قرار دیا ھے اس کا بھی وہی جواب ھے کہ مفتیٔ دیانت کے سامنے جماع یا تمکین علی الجماع کا کوئی ذکر نہیں تھا اور ہوتا بھی تو اسکو مکذب قرار دینا اسلئے صحیح نہیں کہ عورت جاہل ھے ممکن ھے کہ اسکو قبل استفتاء حرمت مغلظہ کا علم نہ ہوا ہو اور دار الحرب[ع] میں ایسا جہل عفو ہے لھذا

[ع] بلکہ آپ نے جو "تجھکو طلاق دی" میں اور اسکے تکرار میں احتمالات واھیہ نکالے ہیں ان پر نظر کر کے تو دار الاسلام میں بھی عورت کو تمکین میں معذور سمجھنا چاھئے کیونکہ آپ کے نزدیک تو صریح لفظ طلاق کا تکرار (بقیہ اگلے صفحہ پر)

تکذیب کا دعویٰ نہیں چل سکتا۔ اب یہ بحث باقی رہ گئی کہ جب عورت طلاق ثلاث کی مدعی ہو اور مرد منکر ہو اور عورت کے پاس بینہ نہ ہو تو دوسروں کو انکے ساتھ کیا معاملہ کرنا چاہیئے یہ تو اوپر ظاہر ہو چکا کہ اس عورت کو دوسرا نکاح جائز ھے اس سے معلوم ہوا کہ مسلمانوں کو بھی اس سے نکاح جائز ہے مگر اس میں تفصیل ہے جن لوگوں کو شوہر کا انکار معلوم نہیں صرف عورت کا دعویٰ معلوم ھے کہ مجھے طلاق ہو چکی ہے یا شوہر کا انکار معلوم ہے مگر ان کے قلب کو عورت کا صدق اور مرد کا کذب لگتا ہے ان کو نکاح جائز ہے اور جن کے دل کو عورت کا کذب اور مرد کا صدق لگے یا دونوں مساوی ہوں انکو نکاح جائز نہیں آپ نے بزازیہ سے جو جزئیہ نقل کیا ھے۔ سمع رجل من امرأہ انہا مطلقۃ الثلاث والزوج یقول لا بل مطلقۃ الثنتین لا یسع لمن سمع منہا ان یحضر نکاحہا۔ ویمنعہا ما استطاع۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ اگر ایسے مرد سے اس عورت کا نکاح جدید کیا جائے تو اس میں حاضر نہ ہو بلکہ لوگوں کو اس سے روکے۔ یہ مطلب نہیں کہ کسی دوسرے سے نکاح ہو جب بھی روکے کیونکہ جب عورت کا مطلقہ ہونا ثابت ھے خواہ مطلقۃ الثلاث ہو یا مطلقۃ الاثنتین تو دوسرے مرد سے نکاح میں کیا اشکال ہے اشکال تو ایسی صورت میں ہو سکتا ہے کہ اس عورت کا نکاح اسی مرد سے ہو جس سے عورت نے مطلقۃ الثلاث ہونے کا دعویٰ کیا ہے پس یہ جزئیہ آپکی دلیل نہیں بلکہ میری دلیل ہے کہ مسلمانوں کو لازم ہے کہ اس مرد سے اس عورت کا نکاح نہ ہونے دیں جس سے اس نے مطلقۃ الثلاث ہونا بیان کیا ہے بلکہ اس سے اسکو روکیں۔ اگرچہ مرد یہ کہتا ہو کہ میں نے طلاق نہیں دی یا دو دی ہیں اس سے صاف معلوم ہوا کہ اس باب میں عورت کا قول معتبر ہے نہ مرد کا کما سیأتی صریحًا انشاء اللہ تعالیٰ۔ اللّٰھم الا ان یقضی القاضی بعدم وقوع الطلاق فلا تمنع من نکاحہ قضاءً وتمنع دیانۃً فافہم اسی کے بعد بحر میں یہ جزئیہ بھی منقول ہے۔ اراد ان یتزوج امرأۃ فشہد عندہ وعند القاضی ان لہا زوجًا فتزوجہا لا یفرق انتہیٰ (ص۵۹ ج-۴)

اس سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ باب نکاح وطلاق میں عورت کا قول مقبول ہے جو عورت اپنی کو غیر ذات زوج کہتی ہے اس سے نکاح کرنا ہر مرد کو جائز ہے اگرچہ

(بقیہ حاشیہ صفحہ گذشتہ) بھی جزمًا موجب وقوع طلاق مغلظ نہ رہا بلکہ متحمل احتمالات ہے پس اگر کوئی عورت قبل فتویٰ مفتی دیانت وقوع طلاق مغلظ سے جاہل رہے تو کیا تعجب ہے۔ ظفر

اس کے یا قاضی کے پاس شہادت بھی گذرے کہ اس کے شوہر ہے مگر چونکہ شہادت علی الغائب ہے جس سے نکاح کا ثبوت نہیں ہوا اس لئے اگر کوئی اس سے نکاح کرے گا تفریق نہ کی جائیگی۔ اور دیانۃً جواز اور عدم جواز کا مدار شہادت قلب پر ہوگا اگر مرد کے دل کو عورت کا قول لگے تو نکاح جائز ہے شوہر کا قول لگے تو ناجائز ھے۔

رہا یہ اشکال کہ زوج اول کا نکاح صورت مسئولہ میں ثابت بالیقین تھا تو عورت کے دعویٰ طلاق سے کیونکر مرتفع ہوگا فان الیقین لا یزول بالشك۔ اس کا جواب یہ ہے کہ جس کو عورت کے صدق میں شک ہو اس کو اس سے نکاح جائز نہیں اور جس کے دل کو عورت کا صدق لگے وہاں زوال الیقین بالشک کا تحقق نہیں بلکہ زوال الیقین بالیقین ہے ورنہ لازم آئیگا کہ جس عورت کے پاس ایک ثقہ خبر لائے یا کوئی ثقہ یا غیر ثقہ اسکے شوہر کا خط لائے کہ اس نے طلاق دیدی ھے اس صورت میں عورت کو مطلقاً نکاح ثانی جائز نہ ہو کیونکہ نکاح اول ثابت بالیقین تھا اور خبر واحد یا کتاب غیر موثوق بہ سے یقین زائل نہیں ہوسکتا مگر اوپر گذر چکا کہ عورت کے دل کو اگر یہ بات لگ جائے کہ خبر سچی ہے تو اسکو نکاح بآخر جائز ہے یہ قید اسی لئے لگائی ھے تاکہ یقین زائل بالیقین ہو جب خبر یا کتاب کا عورت کے دل کو لگنا اس کے حق میں مجوز نکاح ھے۔ تو دوسروں کے دل کو عورت کی بات لگنا بھی ان کے حق میں مجوّز نکاح ہے۔

قال فی البحر:- واشار بقبول قولها الی انه لا عبرة بقول الزوج الثانی حتی لو قال لم ادخل بها او کان النکاح فاسدًا او کذبته فالمعتبر[ع] قولها، ولو قال الزوج الاول لها ذالك (بعد ان نکحها) یعتبر قوله فی حق الفرقة کانه طلقها لا فی حقها حتی یجب لها نصف المسمّٰی او کماله ان دخل بها۔ و اشار بقوله ان غلب علی ظنه صدقها الی ان عدالتها لیست شرطًا ولهذا قال فی البدائع و کافی الحاکم وغیرهما لا بأس ان یصدقها اذا کانت ثقة عنده او وقع فی قلبه صدقها وبقبول قول المطلقة التی هی منکوحة رجل قالت للآخر: طلقنی زوجی و انقضت عدتی جاز تصدیقها اذا وقع فی الظن صدقها عدلة کانت ام لا اھ (ص۵۹ ج۴) ولها

[ع] هذا ما وعدته قبل فی قولی و سیأتی صریحًا ان شاء اللہ تعالیٰ۔ ظفر۔

نظائر کثیرۃ فی الفقہ لا تخفی علی من مارسہ

صورت مسئولہ میں یہ امر بھی قابل غور ہے کہ حَکَمْ بمنزلہ قاضی ھے عین قاضی نہیں حَکَمْ کا فیصلہ عام نہیں ہوتا قاضی کا فیصلہ عام ہوتا ہے پس قاضی نے اگر ایسی عورت کے متعلق جو زوج سے مطلقۃ الثلاث ہونے کی مدعی ہے غیر مطلقہ ہونے کا فیصلہ کردیا تو قضاءً سب مسلمانوں کو اس کا غیر مطلقہ ہونا ظاہر میں ماننا پڑے گا اور کسی کو اس سے نکاح کی اجازت نہ دی جائیگی مگر حَکَمْ کے فیصلہ سے ظاہر میں بھی سب پر ماننا لازم نہیں ومن ادعی فعلیہ البیان قال فی العنایۃ : ان الحکم ادنی منزلۃً من القاضی لاقتضاء حکم علی من رضی بحکمہ وعموم ولایۃ القاضی فاذا رفع حکمہ الی القاضی فوافق مذہبہ امضاہ وان خالفہ ابطلہ بخلاف حکم الحاکم کما تقدم فانہ لایبطلہ الثانی وان خالف مذہبہ لعموم ولایتہ فکان قضاءہ حجۃ فی حق الکل فلا یجوز لقاضٍ آخر ان یبطلہ ویردہ اھ

جب ظاہر میں بھی فیصلہ حکم کی مخالفت جائز ہے تو دیانۃً فیما بینہ وبین اللہ بدرجہ اولیٰ جائز ہے پس عامۂ مسلمین نہ انکار زوج کی وجہ سے مدعیہ طلاق ثلاث کے نکاح سے ممنوع ہوسکتے ہیں نہ فیصلہ حکم کی وجہ سے۔ واللہ تعالیٰ اعلم بالصواب

رقمہ بقلمہ اسیر وصمۃ ذنبہ والمہ ظفر احمد التھانوی عفا اللہ عنہ۔ ۲۰ رجب ۵۸ھ۔

از اشرف علی۔ السلام علیکم۔ نظر غائر کی نہ فرصت نہ قوت باقی سرسری نظر سے یہ تحقیق اقرب الی الصواب معلوم ہوتی ہے لیکن آئندہ بہتر یہ ہے کہ اس سلسلہ کو ختم کیا جائے جو حق معلوم ہو عمل کیجئے اور اگر کسی وجہ سے سلسلہ کو ختم نہیں کیا جاسکتا تو اقل درجہ مجھکو واسطہ نہ بنایا جائے۔ مولوی ظفر احمد سے خود اجازت لیکر ان سے مکاتبت کی جائے۔ والسلام۔ از تھانہ بھون۔

تتمہ سوال بالا

سوال :۔ صغریٰ نے بیان کیا کہ میرے شوہر نے دسوں مرتبہ مجھے یہ الفاظ کہدئے "میں تو کے طلاق دیہیوں تو قبول کری ھے"؟ ان الفاظ میں "دیہیوں" کے لفظ میں ادنیٰ تغیر لب ولہجہ سے ماضی ومستقبل کا فرق پیدا ہوسکتا ہے اس تغیر کو

ملحوظ رکھکر عبارت مذکورہ کے دو معنی ہوسکتے ہیں ایک یہ کہ میں نے تجھکو طلاق دیدی کیا تو قبول کرتی ھے ؟ دوسرے یہ کہ میں تجھکو طلاق دونگا کیا تو قبول کرتی ھے ؟ صغریٰ کا یہ بھی بیان ہے کہ شوہر نے اس کے بعد میرے ساتھ جماع کیا اھ ____ مگر شوہر محمد یوسف نے ایقاع طلاق کا حلفاً انکار اور وعدۂ طلاق کا اقرار کرلیا۔ صغریٰ اقامت بینہ سے قاصر رہی اسلئے محکّم نے جس کے پاس فریقین نے مرافعہ کیا تھا عدم ثبوت طلاق کا فیصلہ صادر کردیا۔ فریقین نے جب تحریر طلب کرلی تو تحقیقات صدر میں حصہ لینے والے علماء میں سے ایک صاحب نے محض اس بناء پر کہ فریقین کو بتائے ہوئے فیصلہ پر عمل کرنا ھے ایک تحریر مع تصدیقات دیگر علماء کے لکھدی جس میں عدم ثبوت طلاق کا فیصلہ مذکورہ ظاہر کردیا گیا ساتھ ہی ساتھ شوہر کو بھی نصیحت کردی کہ اگر فی الواقع اس نے بہ الفاظ کہدئے ہوں تو اسکو عورت سے اجتناب کرنا چاھئے کیونکہ ان الفاظ سے قضاءً تین طلاقیں واقع ہوتی ہیں اور چونکہ تحریر مذکور دیتے وقت اس کا مطلقاً خیال نہیں تھا کہ تحریر مذکور کو فریقین میں سے کوئی فریق موضوع بحث بنائیگا اور دوسرے علماء کے سامنے پیش کریگا اسی وجہ سے عورت کے بیان کردہ الفاظ کا اہم حصہ (کیا تو قبول کرتی ہے) اسمیں درج نہیں کیا گیا۔ اسیطرح تشریح کا دوسرا پہلو بھی ظاہر نہیں کیا گیا بلکہ صرف اس پہلو کو درج کیا گیا جو مدعیہ کے حق میں زیادہ سے زیادہ مفید ہوسکتا تھا اور اسی کو بسبب عدم شہادت اور بناء بر انکار و حلف شوہر کے ساقط الاعتبار قرار دیکر فیصلہ کا اظہار کیا گیا کہ طلاق ثابت نہ ہوئی۔ جس ادارہ کے علماء نے یہ تحریر صادر کی اسکے معاندین نے صغریٰ کو سکھا کر فیصلہ مذکورہ سے باغی اور منحرف بنادیا اور ادارۂ مذکورہ کو بدنام کرنیکی غرض سے تحریر بالا کو جناب کے پاس بھیجدیا (حالانکہ وہ اصل بیانات کو بھی ادارہ مذکورہ سے حاصل کرسکتے تھے۔) اور غالباً جناب کو بھی اس سے بے خبر رکھدیا گیا کہ یہ تحریر بالکل سرسری طور پر لکھدی گئی ہے اور یہ کہ اصل واقعہ اور کامل بیانات کو مکمل طور پر حاصل کرنے کی کوشش کئے بدون ہی ہم اس تحریر کو روانہ کرتے ہیں (اسکی اطلاع آپکو نہیں دی) اسلئے پورا واقعہ لکھ کر التماس ہے کہ فریقین کے بیانات میں غور فرما کر حکم شرعی سے آگاہ فرمایا جائے کہ آیا الفاظ صدر سے بصورت ثبوت بھی وقوع طلاق متیقن ھے یا مشکوک ؟ اگر مشکوک ہے تو کیا اس سے محمد یوسف کا نکاح زائل ہوسکتا ہے یا نہیں ؟ اگر نہیں تو صغریٰ کا دوسرا نکاح کرنے کے لئے تیاری کرنا اور

دوسروں کا اسکو تیار کرنا شرعًا جائز ہے یا نہیں؟ اور جو لوگ اس کو آمادہ کرتے ہیں ان کا کیا حکم ہے؟

(نوٹ) بیانات مندرجۂ بالا مع نشانہائے نر انگشت و دستخط بعینہٖ موجود ہیں۔

محمد سلیم عفا اللہ عنہ۔

الجواب :۔ اگر صورتِ واقعہ وہی ہے جو اس سوال میں درج ہے تو اس صورت میں دیانۃً بھی وقوع طلاق کا فتویٰ نہیں دیا جا سکتا جیسا کہ قضاءً بوجہ انکار زوج و عدم اقامت بینہ از جانب مدعیہ طلاق کا ثبوت نہیں ہوا کیونکہ محمد یوسف کا یہ قول "میں تو کے طلاق دیہوں تو قبول کری ہے" بظاہر تفویض کو محتمل ہے مگر بیان واقعہ میں فریقین کے درمیان سخت اختلاف ہے مستفتئ اول نے اولاً جب علماء ثلاثہ کی فیصلہ کن تحریر بھیجی جس میں زوج کے الفاظ وہ نہ تھے جو اس سوال میں درج ہیں وہ الفاظ "کیا تو قبول کرتی ہے" سے خالی تھی تو اسکو متنبہ کیا گیا کہ زوج کے پورے الفاظ لکھ کر بھیجو جو علماء ثلاثہ کے دفتر میں محفوظ ہیں تو اس نے یہ جواب دیا کہ "جناب والا نے تحریر فرمایا تھا کہ محمد یوسف اور صغریٰ کے اصل بیان کی نقل لیکر بھیجو اسلئے میں نے اس کے وصول کرنیکی کوشش کی اور مختلف ذرائع سے کام لیا لیکن نقل کسی طرح دستیاب نہ ہوسکی مجبور ہوکر دو آنہ کے ٹکٹ خود حضور کے پاس بھیجتا ہوں کہ تکلیف فرماکر مولوی .... صاحب سے براہ راست طلب فرمائیں تو شاید مل جائے اتنا میں یقین دلاتا ہوں کہ محمد یوسف اور صغریٰ دونوں کا بیان میرے سامنے ہوا ہے اور میرے ساتھ .... ساکن کیاری ٹولہ اور حافظ .... ساکن ریاست دوباری بھی تھے اور یہ عریضہ لکھنے کے وقت بھی میرے پاس موجود ہیں ہم سب لوگ یقین کے ساتھ جانتے اور بیان کرتے ہیں کہ میاں بیوی کے اصل بیان میں مولوی ...... صاحب کی فیصلہ کن تحریر سے زیادہ کوئی بات نہیں ہے بجز اس بات کے کہ محمد یوسف نے بیان کیا کہ میں نے اپنی بیوی سے کہا تھا کہ کل میں مبارک پور جاؤنگا تو اپنے ایک دوست سے روپیہ

عہ مگر حیرت ہے کہ مطبوعہ فتویٰ میں تحریری فیصلہ کے اندر یہ لفظ "تینں قبول کرتی ہے" بڑھادیا گیا ہے جو پہلے اس میں نہ تھا اور یہ بھی نہ سوچا گیا کہ اس لفظ کے اضافہ کے بعد علماء ثلاثہ کا یہ قول کہ اگر واقعی محمد یوسف نے یہ لفظ کہا تو اسکی عورت مطلقہ مغلظہ ہوگئی ہے سراسر غلط ہو جائیگا کیونکہ اس زیادت کے بعد ایقاع طلاق ہی کا جزم صحیح نہیں چہ جائیکہ ایقاع ثلث کا بلکہ مدار نیت پر ہوگا اور زوج سرے سے طلاق کا منکر ہے فیا اسفا للعلم واھلہ۔ ظفر

لاؤنگا اور تم کو مہر، خرچہ دیکر تمکو طلاق[عہ] دیدونگا دوسری بات یہ کہ اسی رات میں جماع کی حالت میں کہا تھا کہ یہ آخری جماع ہے لیکن یہ بات بھی اس نے اپنے سے نہیں بلکہ مولوی ...... صاحب کے تلقین کرنے سے کہی تھی صغریٰ کے بیان میں صرف یہ بات زائد ہے کہ مولوی ...... صاحب نے اس سے پوچھا کہ اس رات کو تم نے جماع بھی کیا تھا؟ صغریٰ نے کہا ہاں اس زائد بات کا حال یہ ہے کہ جب عورتوں نے صغریٰ سے پوچھا کہ تو یوسف کے طلاق دینے کے بعد اس کے پاس سوئی کیوں؟ تو اس نے کہا کہ یہ بات کون کہتا ہے؟ میں ہرگز نہیں سوئی عورتوں نے کہا کہ تو نے جماع کا اقرار کیا ہے؟ تب اس نے کہا کہ میں نے اس کا مطلب برتن وغیرہ جمع کرکے دھونا سمجھا تھا بہر حال اصل بیان میں اس سے زیادہ اور کوئی چیز نہیں ہے جس رات کو یہ واقعہ پیش آیا اسکی صبح ہی کو صغریٰ محمد یوسف کے گھر سے چلی آئی اور جب محمد یوسف اور اس کے باپ صغریٰ کو لینے گئے تو اس نے سارا قصہ کہہ سنایا اور محمد یوسف خاموشی سے سنتا رہا ایک دفعہ بھی طلاق دینے سے انکار نہیں کیا لیکن جب اسکے باپ نے کہا کہ „تب تو سب قصہ ہی ختم ہوگیا اب اس سے مہر خرچہ وصول کرو،، یہ کہا اور اٹھ کر ایک تھپیڑ محمد یوسف کو مارا تب اس نے کہا کہ میں نے طلاق نہیں دی ہے۔ اس واقعہ کے شاہد محمد ادریس ہیں ان کا بیان بھی مولوی ...... صاحب کے پاس قلمبند ہے اب اگر واقعہ یہ ہے جو مستفتی اول نے لکھا ہے تو دیانۃً طلاق مغلظ ہوچکی جس کا حکم وہ ہے جو میرے پہلے فتویٰ میں ہے۔ فریقین خدا سے ڈر کر جو صورت واقعہ ہو اس کے موافق فتویٰ پر عمل کریں۔ واللہ اعلم بالصواب

ظفر احمد عفا عنہ از تھانہ بھون ۲۵ رجب سنہ ۵۸ھ

قال الموفق فی المغنی : وان اختلفا فی عدد الطلاق فالقول قوله كما ذكرناه (ان البينة على المدعى واليمين على من انكر هذا هو حكم القضاء) فاذا طلق ثلاثا وسمعت ذالك وانكر او ثبت ذالك عندها بقول عدلين لم يحل لها تمكينه من نفسها وعليها ان تفر منه ما استطاعت وتمتنع منه اذا ارادها وتفتدى منه ان قدرت قال احمد : لا يسعها ان تقيم معه وقال ايضا تفتدى منه بما تقدر عليه فان اجبرت على ذالك فلا تزين له ولا تقربه وتهرب ان قدرت وان شهد عنده عدلان غير متهمين

[عہ] اس کا حاصل زوج کا طلاق سے انکار ہے اور یہ بات فیصلہ کن تحریر میں بھی موجود تھی۔ فلا تعارض۔ ظفر

فلا تقیم معه وهذا قول اکثر اهل العلم قال جابر بن زید وحماد بن ابی سلیمان و ابن سیرین تفر منه ما استطاعت و تفتدی منه بکل ما یمکن و قال الثوری و ابو حنیفة و ابو یوسف و ابو عبید تفر منه وقال مالک لا تتزین له ولا تبدی له شیئًا من شعرها ولا عریتها ولا یصیبها الا وهی مکرهة ۔ وروی عن الحسن و الزهری والنخعی یستحلف ثم یکون الاثم علیه و الصحیح ماقاله الاولون لان هذه تعلم انها اجنبیة منه محرمة علیه فوجب علیها الامتناع والفرار منه کسائر الاجنبیات وکذا لو تزوجها تزویجًا باطلاً و سلمت الیه فالحکم فی هذا کله کالحکم فی المطلقة ثلاثًا "

ولو طلقها ثلاثًا ثم جحد طلاقها لم ترثه نص علیه احمد وبه قال قتادة و ابو حنیفة و ابو یوسف و الشافعی و ابن المنذر وقال الحسن ترثه لانها فی حکم الزوجات ظاهرًا ولنا انها تعلم انها اجنبیة فلم ترثه کسائر الاجنبیات وقال احمد فی روایة ابی طالب تهرب منه ولا تتزوج[عه] حتی یظهر طلاقها ویعلم ذالک یجیئ فیدعیها فترد علیه و تعاقب و ان مات و لم یقر بطلاقها لا ترثه لا تأخذ ما لیس لها تفر منه ولا تخرج من البلد ولکن تختفی فی بلدها قیل له فان بعض الناس قال تقتله هی بمنزلة من یدفع عن نفسه فلم یعجبه ذالک فمنعها من التزویج قبل ثبوت طلاقها لانها فی ظاهر الحکم زوجة هذا المطلق فاذا تزوجت غیره وجب علیها فی ظاهر الشرع[عه] العقوبة والرد الی الاول و یجتمع علیها زوجان هذا بظاهر الامر وذاک بباطنه[سه] ولو یأذن لها فی الخروج من

[عه] لا یخفی علی العاقل ان قوله لا تتزوج لا یدل علی حرمة التزویج لو تزوجت وانما هو مجرد مشورة صیانة من العقاب الدنیوی کما یدل علی ذالک قوله فترد علیه و تعاقب ظفر ۔

[عه] تقییده بظاهر الشرع دلیل علی ان لا عقوبة علیها فی الباطن ۔ ظفر

[سه] صریح فی انها لو تزوجت کان الآخر زوجها فی الباطن وهذا هو معنی صحة النکاح ۔ ظفر

البلد لان ذالك يقوى التهمة فی نشوزها ولا فی قتله قصداً لان الدافع عن نفسه لايقتل قصداً فاما ان قصدت الدفع عن نفسها فآل الی نفسه فلا اثم عليها ولا ضمان فی الباطن فاما فی الظاهر فانها تؤخذ بحكم القتل مالم يثبت صدقها اھ ص۴۲ ج ۸ وفی كل ذالك دلالة علی ان القول بان يستحلف الزوج ثم يكون الاثم عليه ليس من اقوال الائمة الاربعة فی شیٔی واكثر اهل العلم علی خلافه وانما هو قول الحسنؒ ومن وافقه والصحيح ما قاله الاكثرون فمن افتی بهذا القول ممن سماه الجهلاء بامام الهند فهو جاهل لامعرفة له بصحيح القول من سقيمه) وفيه دلالة ايضاً علی ان المرأة اذا سمعت من زوجها الطلاق الثلاث اوثبت ذالك عندها بقول عدلين وانكره الزوج وجحد فالمرأة اجنبية منه محرمة عليه فی الباطن لا يحل لها تمكينه من نفسها ولا الاقامة عنده كسائر الأجنبيات (ومن ادعی انه يستلزم كون الطلاق بيد المرأة وان لها ايقاعه علی نفسها فقد بغی علی نفسه بالجهل والسفه فان الطلاق انما هو بيد الزوج وليس معناه ان لا يثبت حكمه مالم يقر به فلو طلق وجحد ثبت حكم الطلاق لعدم توقف وقوعه علی اعترافه به الا تری انه لو زنی بام امرأته وانكر هل يحل لها ان تمكنه من نفسها ؟ كلاّ فهل لاحد ان يقول ان ذالك يستلزم كون الفرقة بيد المرأة سلمنا فماذا يقول لو قبلت المرأة ابن زوجها او مكنته من نفسها وانكره الزوج فهل يجوز لها ان تقيم معه وتعاشره معاشرة الازواج ؟ فافهم) وفيه دلالة ايضاً علی انها لا ترثه لانها تعلم انها اجنبية عنه كسائر الاجنبيات ومقتضی هذا التعليل انها لو تزوجت بآخر جاز لها ذالك ديانةً ويكون الاخر زوجها بالباطن وانما منعها احمد من التزويج مخافة ان يجیٔ الاول فيدعيها فترد عليه وتعاقب وكيلا يجتمع عليها زوجان هذا بظاهر الامر وذاك بباطنه فلو امنت من مجیٔی الاول وادعائه اياها لكونها فی منعة من قومها او لكونها فی بلدة لا قاضی بها لم تمنع من التزويج وهذا هو قول اصحابنا الحنفية شكر الله سعيهم قال المحقق فی فتح القدير

سئل نجم الدين النسفى عن رجل حلف بالطلاق الثلاث وظن انه لم يحنث فافتت المرأة بوقوع الثلاث وخافت ان اعلمته بذالك ان ينكر هل لها ان تستحل بعدما يفارقها بسفر وتامره اذا حضر بتجديد العقد قال نعم ديانة اھ (ص۳۸ ج-۴) لم يذكر فيه خلافاً و ابن الهمام اعرف الناس بمذهب ابى حنيفة و اختلاف اصحابه (فهل يقول الجاهل الذى لقّبه السفهاء بامام الهند بان ابن الهمام و نجم الدين النسفى كلاهما جاهلان او مفسدان؟ كلا بل الجاهل من جهلهما والمفسد من نسبهما الى الفساد) وفى قوله: وخافت الخ دلالة على انها لو لم تخف منه جاز لها ان تستحل علانيةً لان كل ماجاز سراً فهو جائز علناً اذا لم يكن فى الاعلان به فتنة وقد عرف ان نكاح التحليل مؤبد ليس بموقت اصلاً۔ فمن ادعى انها لايجوز لها ان تتزوج بآخر علانيةً مطلقًا فقد خلع ربقة العلم والفقه عن عنقه وهذه حادثة الفتوى افتيت فيها بان المرأة اذا سمعت من زوجها الطلاق الثلاث لم يحل لها تمكينه من نفسها وعليها ان تفر منه و تخرج من بيته او تفتدى منه ان قدرت ولها ان تعتد و تتزوج بآخر بعد العدة و تحلل نفسها فان طلقها فلها ان ترجع الى الاول فخالفنى فى ذالك بعض من لامساس له بالفقه وتشبث باقوال مَن لقّبه السفهاء بامام الهند ونحوه وهو ملحد فى دين الله محرف لكلامه يدل على ذالك تفسيره بالهندية ويشهد عليه اعماله واحواله واحتج بان الطلاق بيد الزوج لا بيد المرأة والزوج منكر للطلاق فهى امرأته فى القضاء فلا يجوز لها ان تعتد وتتزوج بغيره ديانةً ولا قضاءً مالم يقر الزوج بالطلاق او تختلع منه وادعى ان الافتاء بالتزويج بغيره خلاف المذهب الصحيح ولا دليل يدل على ذالك من الكتاب والسنة واقوال الفقهاء فاجبت بان ذالك هو مقتضى قول الله عزوجل فان طلقها فلا تحل له من بعد حتى تنكح زوجاً غيره فقد دلّ على ان الطلاق الثلاث يحرّم المرأة على الاوّل ويبيح لها ان تنكح زوجاً غيره مطلقاً سواء اقر به الزوج او انكر وهو قول اكثر اهل العلم ماخلا الحسن البصرى ومن وافقه وهذا هو مقتضى اطلاق المتون قال فى البحر واطلق فشمل ما اذا كان الزوج الاوّل معترفاً

بالطلاق الثلاث او منكراً بعد ان كان الواقع الطلاق الثلاث ولهذا قالوا لو طلقها ثلاثاً وانكر لها ان تتزوج بآخر وتحلل نفسها سراً منه (وما كان مباحًا سراً فهو مباح عندنا وانما اشاروا عليها بالتحليل سراً لان القاضى لا يقبل قولها من غير بينة ولو تزوجت علناً ردها القاضى الى الاول وعاقبها وعاقب الزوج الثانى كما هو ظاهر) اذا غاب فى سفر فاذا رجع التمست منه تجديد النكاح لشك خالج قلبها (وهذا هو ما ذكره المحقق فى الفتح ولم يذكر فيه خلافاً كما مر) وقد ذكر فى القنية خلافاً (ولا عبرة بنقله ما لم يتأيد بنقل غيره من الثقات و اما مجرد ذكر صاحب البحر وصاحب الدر قول القنية فلا يدل على ثبوت الخلاف فى المسئلة) فرقم للاصل بانها ان قدرت على الهروب منه لم يسعها ان تعتد وتتزوج بآخر لانها فى حكم زوجية الاول قبل القضاء بالفرقة ثم رمز شمس الائمة الاوزجندى وقال قالوا هذا فى القضاء ولها ذالك ديانة (هذا هو الذى افتيت به وجمعت به بين القولين وصرح به العلامة الشامى فماذا يقول الذى لقّبه السفهاء بامام الهند فى شمس الائمة الاوزجندى هل هو جاهل او مفسد ؟ قاتلهم ان يؤفكون. فتبًا للعقول المعكوسة والقلوب المنكوسة حيث ردته قائلة بان ذالك من ابحاث الشامى ولا عبرة بابحاث ابن الهمام فما ظنك بمن هو دونه ولا يشك عاقل فى انه ليس من ابحاث الشامى قط وانما هو من اقوال المشائخ منقول عن كثيرين منهم) قال وكذالك ان سمعته طلقها ثلاثاً ثم جحد وحلف انه لم يفعل وردها القاضى عليه لم يسعها المقام معه ولم يسعها ان تتزوج بغيره ايضًا (لانها لو تزوجت بعد ما ردها القاضى على الاول اجتمع عليها زوجان هذا بظاهر الامر وذالك بباطنه فلا دلالة فيه على عدم جواز التزويج لو امنت من رد القاضى اياها عليه لكونها فى منعة من قومه او ببلدة لا قاضى بها فافهم) قال يعنى البديع والحاصل انه على جواب شمس الاسلام الاوزجندى ونجم الدين النسفى و السيد ابى شجاع وابى حامد والسرخسى يحل لها ان تتزوج بزوج آخر فيما بينها وبين الله تعالىٰ (فماذا يقول الذى لقّبه السفهاء بامام الهند فى

هؤلاء الاجلة الفقهاء هل کانوا کلهم مفسدین او جهلاء؟ فانهم قد افتوا بما افتیت به واتبعوا ما اقتدیت به) وعلی جواب الباقین لایحل انتهی (قلت جواب الباقین مقید بما اذا ردها القاضی علی الاول او خافت ان یردها علیه فلا تتزوج علنًا وانما تحلل نفسها سرا کما تقدم) وفی الفتاوی السراجیة: اذا اخبرها ثقة ان الزوج طلقها وهو غائب وسعها ان تعتد وتتزوج ولم یقیده بالدیانة (فکیف لو شهد عندها عدلان او سمعت الطلاق باُذنیها) قال المصنف (ای صاحب الکنز) وقد نقل ـــــ (الی) طلق امرأته ثلاثاً وغاب عنها فلها ان تتزوج بزوج آخر بعد العدة ـــــ ونقل آخر انه لایجوز فی المذهب الصحیح اھ قلت:- انما رقم شمس الائمة الاوزجندی وهو الموافق لما تقدم عنه (قلت: هو قول السرخسی ایضًا کما مر) والقائل بانه المذهب الصحیح العلاء الترجمانی (قلت: هذا هو حجة الخصم الذی خالفنی فی حادثة الفتوی وزعم ان العدول عن المذهب الصحیح باطل ولم یدر المسکین ان المذهب الصحیح لایثبت بنقل صاحب القنیة وحده ولا بقول العلاء الترجمانی فحسبه فهل یجوز لعاقل ان یتهم شمس الائمة الاوزجندی ونجم الدین النسفی والسید ابا شجاع وابا حامد والسرخسی وهم ائمة اجلة اعلام مشهورون بنقل المذهب ومعرفته بالافتاء بخلاف المذهب الصحیح ویجعل ما ذکره العلاء الترجمانی مذهباً صحیحاً؟ کلا فان حمل علی القضاء فذاك والا فهو مشکل مخالف لتصریحات الفقهاء کافة کما قاله العلامة الشامی واذا کان کذالك فلا یکون ما قاله الترجمانی مذهباً صحیحاً مالم یتبین حاله ویعرف طبقته فی الفقهاء فانه کما اظن رجل مجهول لاسیماً والناقل عنه هو صاحب القنیة وحده ولا عبرة بنقله مالم یتأید بنقل غیره من الثقات کما هو معروف عند الفقهاء) ثم رقم بعده لعمر النسفی وقال حلف بثلاثة فظن انه لم یحنث وعلمت الحنث وظنت انها لو اخبرته ینکر الیمین فاذا غاب عنها بسبب من الاسباب فلها التحلل دیانةً لا قضاءً (هذا هو الذی نقله المحقق عن نجم الدین النسفی ولم یذکر فیه خلافاً وهو اعرف الناس بمذهب الحنفیة و

اصوله) قال عمر النسفی سألت عنها السید ابا شجاع فکتب انه یجوز ثم سألته بعد مدة فقال انه لایجوز والظاهر انه انما اجاب فی امرأة لایوثق بها اه کذا فی شرح المنظومة (قلت: ویحتمل انه افتی بالدیانة مرة وبالقضاء اخریٰ او افتی مرة فیمن قدرت علی الفرار من الزوج الاول وامنت الرد علیه واخری فیمن لم تقدر علی ذالک فافهم)۔

وفی البزازیة: شهد (قلت: واما اذا کانت ببلدة لاقاضی بها) بحضور الزوج وغیبته سواء لانه ان انکر لم یحتج الی القضاء بالفرقة کما لایخفی وهذا اذا شهد بالطلاق الثلاث واحد واما اذا شهد به ثقتان فهو اذا سمعته باذنیها یجب علیها ان تفر منه ولها ان تتزوج بآخر لتحلل به نفسها اذا کانت ببلدة بها قاض یخاف ان یردها علی الاول او علنًا ان امنت ذالک کله لانها تعلم انها اجنبیة منه محرّمة علیه فلها من الحکم ما للاجنبیات ومن ادعیٰ غیر ذالک فعلیه البیان) وفیها سمعت بطلاق زوجها ایاها ثلاثًا ولاتقدر علیٰ منعه الا بقتله ان علمت انه یقربها تقتله بالدواء ولاتقتل نفسها (صریح فی کونه اجنبیا عنها فیما بینهما وبین الله تعالیٰ) وذکر الاوزجندی انها ترفع الامر الی القاضی فان لم یکن لها بینة تحلفه فان حلف فالاثم علیه (قد تقدم انه لیس من اقوال الائمة الاربعة فی شیٔ ولیس بصحیح وانما هو قول الحسن البصری ومن وافقه وخالفه فی ذالک اکثر اهل العلم) وان قتلته فلاشیٔ علیها والبائن کالثلاث (صریح فی انها لاتحل للاول بعد حلفه ایضًا والا لم یجز لها ان تقتله) وفی التتارخانیة وسئل الشیخ ابو القاسم عن امرأة سمعت من زوجها انه طلقها ثلاثًا ولاتقدر ان تمنعه نفسها بل یسعها ان تقتله فی الوقت الذی یرید ان یقربها ولاتقدر علی منعه الا بالقتل فقال لها ان تقتله وهکذا کان فتوی الشیخ الامام شیخ الاسلام عطاء بن حمزة ابی شجاع وکان القاضی الامام الاسبیجابی یقول لیس لها ان تقتله وفی الملتقط وعلیه الفتوی (محمول علی انها لاتقتله

قصداً لان الدافع لا يقصد القتل ولها ان تدفعه عن نفسها بما امكن ولو آل الى نفسه فلا شئ عليها فى الباطن كما مر فى قول احمد رح) وفى فتاوى الشيخ الامام محمد بن الوليد السمرقندى فى مناقب ابى حنيفة عن عبد الله بن المبارك عن ابى حنيفة رح ان لها ان تقتله وفى المحيط فى مسئلة النظم وينبغى لها ان تفتدى بمالها وتهرب منه فان لم تقدر قتلته متى علمت انه يقربها ولكن ينبغى ان تقتله بالدواء وليس لها ان تقتل نفسها قلت: قال فى الملتقى وان قتلته بآلة يجب عليها القصاص اهـ (ص٥٨ ج-٤) (لانها فى ظاهر الحكم قتلت زوجها عمداً وان كانت فى الباطن قد قتلت من اراد ان يزنى بها فلا ينبغى ان تقتله بالآلة كيلا تقتل به) وفى كل ذالك من الاقوال دلالة صريحة على كون المرأة اجنبية عن زوجها محرمة عليه اذا سمعت منه الطلاق الثلاث اوشهد به عدلان فلها ان تعتد وتتزوج بآخر سرا وتحلل نفسها لو خافت ان يدعيها فترد عليه وتعاقب او علناً لو امنت ذالك ولم تخف ولا يجوز لها المقام عنده ولا ان تجدد بينها وبينه عقد النكاح حتى تنكح زوجاً غيره قال فى البزازية سمع رجل من امرأة انها مطلقة الثلاث والزوج يقول لا بل مطلقة اثنتين لا يسع لمن سمع منها ان يحضر نكاحها (اى بهذا المطلق) ويمنعها ما استطاع اهـ من البحر (ص٥٩ ج-٥) واما حمل الخصم هذا القول على معنى انه لا يسع لمن سمع منها ان يحضر نكاحها بآخر غير المطلق لكونها زوجة المطلق حكما وقضاءً فتاويل باطل قطعاً اما اوّلاً فلان صاحب البحر انما ذكره فى تائيد ما ذكره قبل من قبول قول المرأة دون الزوج ولا يخفى ان قبول قول المرأة انما هو فى المنع من حضور نكاحها بهذا المطلق لكونها تدعى حرمتها عليه واما ثانياً فلان التاويل الذى ذكره الخصم يرده ما فى البحر بعد ذالك عن البزازية ايضاً وفيها قالت طلقنى ثلاثاً ثم ارادت تزويج نفسها منه (لكونه ينكر الطلاق الثلاث) ليس لها ذالك اصرت عليه ام كذبت نفسها اهـ ص٥٩ ج-٤ واذا لم يمكن لها ذالك وجب على من سمع منها ان يمنعها من النكاح بهذا المطلق ما استطاع واذا شهد عند المرأة شاهدان عدلان ان زوجها طلقها ثلاثاً وهو يجحد ذالك لم يسعها

ان تقوم معه وان تدعه یقربها فان حلف الزوج علی ذالك فردها القاضی علیه لا یسعها المقام معه وینبغی لها ان تفتدی بما لها او تهرب منه فان لم تقدر علی ذالك فتلته متی علمت انه یقربها لکن ینبغی ان تقتله بالدواء ولیس لها ان تقتل نفسها واذا هربت منه لم یسعها ان تتزوج بزوج آخر قال الشیخ شمس الائمة الحلوانی فی کتاب الاستحسان هذا جواب الحکم واما فیما بینها وبین الله تعالیٰ اذا هربت فلها ان تعتد وتتزوج بزوج آخر کذا فی المحیط اھ عن العالمگیریة ص۱۳۰ ج-۲ — قلت: وهذا الذی ذکره من حکم الدیانة مسکوت عنه فی قول محمد واکثر العلماء وقد صرح به المشائخ الاعلام وحکم القضاء هو المراد بقول العلاء الترجمانی انه لایجوز لها التزویج بآخر فی المذهب الصحیح اھ ای هو المذهب الصحیح قضاءً لادیانةً ولکن هذا آخر الکلام مع الخصوم الالداء الخصام والعلم لله الملك العلام والصلوة والسلام علی سید الانام سیدنا النبی محمد علی الدوام وعلی آله واصحابه البررة الکرام الی یوم القیام والحمد لله الذی بعزته وجلاله ونعمته تتم الصّلحٰت

حرره الاحقر ظفر احمد عفا عنه - ۲۷، رجب ؁۵۸ھ

از تھانہ بھون

فصل فی الخلع واحکامہ والطلاق علی مال

ماں باپ کے کہنے سے عورت خلع لے سکتی ھے یا نہیں

(سوال) کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں (۱) کہ اپنے ماں باپ کے کہنے پر عورت خلع لے سکتی ہے؟

(۲) عورت ماں باپ کے گھر میں ہے۔

(۳) عورت مہر کے ساتھ خلع چاھتی ہے کیا یہ درست ھے؟

(۴) شوہر کہے کہ میری شادی کا خرچہ عورت دے تو خلع دیتا ہوں اس کا کہنا جائز ہے؟

الجواب:۔ (۱) محض والدین کے کہنے سے عورت کو خلع لینا جائز نہیں بلکہ اس وقت جائز ھے جبکہ عورت یہ جان لے کہ مجھے اس شوہر کے ساتھ موافقیت اور نباہ نہیں ہوسکتا

قال فی الدر: ولا بأس بہٖ عند الحاجة للشقاق بعدم الوفاق اھ

(۲) اگر عورت ماں باپ کو وکیل بنادے تو وہ اسکی طرف سے وکالۃً خلع لے سکتے ہیں۔

(۳) اگر بضرورت خلع لے رہی ھے تو مہر کیساتھ خلع کرنا جائز ھے۔

(۴) اگر زیادتی مرد کی جانب سے ھے تو اسکو بشرط معافی مہر کرنا بھی جائز نہیں اس سے زیادہ کی شرط کرنا تو بدرجہ اولیٰ جائز نہ ہوگی اور اگر زیادتی عورت کی طرف سے ھے تو شرط معافی مہر تو بلا کراھت جائز ھے اور اس سے زیادہ لینا مکروہ تنزیہی ہے

قال فی الدر:۔ وکرہ تحریماً اخذ شئ ویلحق بہٖ الابراء عمالھا علیہ ان نشز وان نشزت لا ولمنہ نشوزا ایضاً ولو باکثر مما اعطاھا علی الاوجہ و تعبیر الملتقی بلا باس بہٖ یفید انھا تنزیھیة وبہٖ یحصل التوفیق اھ (ص ۹۲۳)

بشرط معافی مہر طلاق کی ایک صورت

(سوال) اگر کوئی شخص یہ شرط کرلے کہ تم میری لڑکی کو طلاق دیدو وہ شخص اس شرط پر طلاق دیدے کہ "تم مہر کا دعویٰ نہ کرو تو طلاق)۔ کیا یہ طلاق مقبول ہوگی۔ اگر وہ مہر کا پھر دعویٰ کرلے تو کیا طلاق واقع ہوگی؟

الجواب:۔ ان الفاظ سے ابھی طلاق کا وقوع نہیں ہوا چاہے دوسرے فریق دعویٰ مہر کرے یا نہ کرے بلکہ وقوع طلاق اس شخص کی موت کے وقت ہوگا جس سے شوہر نے

یہ کہا ہے کہ اگر تم مہر کا دعویٰ نہ کرو لانہ ح یظھر عدم ادعاءہ یا اس وقت ہوگا جبکہ دوسرا شخص مہر سے شوہر کی براءت اور اپنا لادعویٰ ہونا پوری پختگی کے ساتھ چند گواہوں کے سامنے تحریر کردے کہ عرفاً اس سے بھی دعویٰ کا عدم متحقق ہوجاتا ہے اور محاورہ کے موافق اگر اس شخص سے جس نے یہ قول زبان سے کہا ہے کہ "اگر تم مہر کا دعویٰ نہ کرو تو طلاق" اس طرح کی تحریر کے بعد دریافت کیا جائے کہ آیا تیری شرط متحقق ہوگئی یا نہیں؟ تو وہ ضرور کہدیگا کہ ہاں، اب شرط متحقق ہوگئی کیونکہ مقصود اس قول سے کہ "اگر تم مہر کا دعویٰ نہ کرو" یہ ہے کہ مجھے عدم دعویٰ کا اطمینان ہوجائے جسکی ایک صورت موت بھی ہے اور عرفاً ایک صورت یہ بھی ہے جسکو محاورات میں عدم دعویٰ کا مصداق سمجھتے ہیں ومثل ذالك یعتبر فی الکلام وفی الغنا وفی رجل عاتبته امرأۃ فی شرب الشراب فقال: ان ترکتُ شربه ابداً فانت طالق ان کان یعزم ان لایترك شربها لایحنث وان کان لایشربها کذا فی الخلاصة اھ من العالمگیریة (ص ۱۱۰ - ج - ۲) فقد جعل عزم الشرب شرباً مع ترکه ظاهراً تبعاً للمحاورۃ والعرف فینبغی ان یکون فی الصورۃ المذکورۃ ایضاً کذالك فان اقرار الرجل عند الحاکم ببرأۃ الخصم من المهر والشهادۃ علی کتابته بالبرأۃ منه وان الکاتب لا یستحق دعویٰ علی ذالك اصلاً بمنزلة عدم الدعویٰ عرفاً وهذا هو الذی یریده المتکلم بقوله اگر تو دعویٰ نہ کرے

قال فی الدر وغیرہ:۔ فی ان لم اطلقك یقع فی آخر عمرہ الخ واللہ اعلم

حررہ الاحقر ظفر احمد عفا اللہ عنہ

۲۹۔ شعبان ۴۴ھ

شوہر بذریعہ خط اپنے باپ کو وکیل بالخلع بنادے۔ اور عورت کا اس سے خلع کا مطالبہ کرنا اور ایسی صورت میں خلع کے بعد نکاح ثانی کرنا۔

(سوال) ہمارے شہر کا ایک شخص مسمّٰی بہ میر عالم المعروف بہ فقیر محمد تقریباً دس سال سے ملک برما چھاونی رنگون پولیس میں ملازم ہے نامبردہ کاتب بھی ہے اس عرصہ میں اسکی کتابت ہم سے رہی اس کے خط سے ہم بخوبی واقف ہیں شناخت کرسکتے ہیں اسکی منکوحہ وطن میں تھی جسکو وہ بغیر شادی کے سسرال کے گھر چھوڑ گیا تھا ایک سال ہوا کہ میر عالم کی خوشدامن نے لڑکی کو دوسری جگہ دینا چاہا میر عالم کے والد سے کہا کہ یا تو اسکو بلاؤ آکر شادی کرے یا میری لڑکی کو طلاق دیدے کہ میں دوسری جگہ شادی کردوں والد میر عالم نے خط وکتابت شروع کی کبھی وہ

آنیکا وعدہ کرتا اور کبھی وہ طلاق کا وعدہ کرتا آخر والد کے مجبور کرنے پر اس نے لکھ دیا کہ یہ عورت میرے کام کی نہیں میں شادی نہیں کرتا آپ میری طرف سے مختار ہیں اتنا روپیہ اگر دیوے تو بیشک کر دو آپ کا فیصلہ مجھے منظور ہوگا یہ خط سابقہ تحریروں کے موافق تھا مشابہ تام حتی کہ ہم نے اسی کا ظن کر کے والد سے طلاق دلوائی۔ اور خلع وصول کر لیا والد نے فارغ خطی لکھدی ہے اب میں مسماۃ کا دوسری جگہ نکاح کرنا چاہتا ہوں کیونکہ میں شہر کا امام ہوں اور کل واقعات اور خط وکتابت سے اور مشابہت خطوط سے اور دیگر قرائن سے ظن غالب صحت ہے اور ایک مولوی صاحب دوسرے شہر کے الخط یشبہ الخط سے استدلال کر کے مختار نامہ کو غلط قرار دیتے ہیں فریقین میں کوئی نزاع نہیں فقط مولوی صاحب معترض ہیں۔

(۱) کیا مختار نامہ صحیح اور طلاق واقع ہوئی ہے اور اسکا نکاح میں دوسری جگہ پڑھا سکتا ہوں یا نہیں؟

(۲) اگر سابقہ تحریر غیر معتبر عند الشرع ہے تو رجسٹری خطوط سے یا اور کسی طریق سے ہم اسکی قلمی فارغخطی منگا کر دوسری جگہ نکاح کر کے دے سکتے ہیں یا نہیں؟

الجواب:۔ (۱) قال فی الخلاصۃ:۔ والکتابۃ علی ثلثۃ اوجہ ان کتب علی وجہ الرسالۃ وھو ان یکتب علی صحیفۃ مصدراً معنوناً وثبت ذالک باقرارہ وبینۃٍ فھو کالخطاب اھ

وفیہ ایضاً:۔ ولو جحد الزوج الکتاب وقامت علیہ البینۃ انہ کتب بیدہ فرق بینھما اھ (ص ۹۱ ج۔۲)

اس سے معلوم ہوا کہ معاملات میں خط اس وقت حجت ہے جبکہ کاتب کے اقرار یا بینۃ سے یہ ثابت ہو جائے کہ یہ اس کا خط ہے نیز اگر کاتب خط کا انکار کر دے تو محض تشابہ خط سے اسکو مجبور نہیں کیا جا سکتا بلکہ بینۃ عادلۃ (یعنی دو گواہ) اگر شہادت دی کہ یہ خط کاتب نے ہمارے سامنے لکھا ہے اس وقت اسکو مجبور کیا جا سکتا ہے۔ اور باقی مکتوب الیہ کو اسکے خط کی شناخت ہونا اور اس سے غلبہ ظن ہونا یہ معاملات میں کافی نہیں البتہ دیانات میں کافی ہے پس صورت مسئولہ میں یہ خلع اس وقت صحیح ونافذ ہوگا جبکہ میر عالم اقرار کرے کہ یہ خط میرا ہی ہے یا دو مسلمان عادل گواہی دیں کہ اس نے ہمارے سامنے لکھا ہے جب تک وہ اقرار نہ کرے یا بینۃ قائم نہ ہو اس وقت تک اس عورت کا نکاح دوسری جگہ نہ کیا جائے۔

(۲) رجسٹری خطوط اور قلمی فارغخطی بھی تحریر ہی ہونگی اس کے لئے بھی اقرار یا بینہ کی ضرورت ہوگی۔ واللہ اعلم

حررہ الاحقر ظفر احمد عفا اللہ عنہ از تھانہ بھون خانقاہ امدادیہ

۲۵ر ذی الحجہ ۴۴ھ

رسالہ عہ "قطع اللجاج فی بعض احکام الخلع والطلاق وتعدد الازواج"، (خلع طلاق مغلظ اور تعدد ازواج کے متعلق چند سوالات)

(سوالات) مکرم ومحترم سیدی مولانا اشرف علی صاحب دام الطافکم:

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ،

میں خدمت سامی میں چند استفسارات پیش کرکے آپکی اسلامی اخوت اور قومی ہمدردی سے متوقع ہوں کہ آپ اپنے اوقاتِ عزیزہ کے چند لمحہ صرف کرکے حتی المقدور جلد انکے جواب دینے کی کوشش کرینگے جواب کی آسانی کیلئے سوالات کے سامنے نصف کالم سادہ چھوڑ دیا ھے تاکہ آپکو سوالات نقل کرنیکی زحمت نہ ہو اور انکے محاذ میں صرف جواب لکھکر یہاں بھیجدیا جائے اگرچہ یہ تمام سوال ضروری معلوم ہوتے ہیں تاہم اگر آپ کو کسی سوال کا جواب دینے میں کسی وجہ سے تامل ہو تو اُسے چھوڑ کر بقیہ کا جواب تحریر فرمادیا جائے میں آپ کی اس تکلیف کا (منجانب ریاست) شکرگذار ہونگا۔ فقط خیرطلب ضیاء العلوم مفتی محمد انوار علی ایم اے منشی فاضل سکریٹری صحت عامہ وتعلیمات گورنمنٹ بھوپال عبدالرزاق۔ ۲۹ر نومبر ۲۸ء

متعلق خلع:-

(۱) کیا حضور سرور کائنات علیہ افضل الصلوٰت والتحیات کے عہد مبارک میں خلع کا کوئی واقعہ ہوا تھا۔؟

(۲) اگر ہوا تھا تو اس کا فیصلہ خود حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تھا۔ یا کسی اور نے؟

(۳) اس فیصلہ میں تفریق محض سائلہ کی خواہش کی بناء پر کی گئی تھی یا اسکے وجوہ واسباب کی تحقیق کرنیکے بعد اسکی بناء پر حکم صادر فرمایا گیا تھا۔؟

(۴) اس میں تفریق کا مرد کو حکم دیا گیا تھا یا اسکی مرضی پر چھوڑ دیا گیا تھا۔

(۵) تفریق کے ساتھ کوئی شرط لازم کی گئی تھی یا نہیں؟

(۶) زمانۂ مابعد میں فتویٰ اس فیصلے کے مطابق رہا یا اس میں کچھ ترمیم کی گئی۔؟

(۷) اگر کچھ ترمیم ہوئی تو کیا اور کن وجوہ اور دلائل کی بناء پر ایسا کیا گیا؟

عہ لما صار السوال والجواب قدراً معتدا بہ جعلہ سیدی حکیم الامۃ رسالۃً مستقلۃ وسماہ بہ۔ ظفر

متعلق طلاق مغلظہ

(۱) کیا حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد مبارک میں طلاق مغلظہ کے واقعات پیش آئے تھے اور اگر آئے تھے تو انکی نسبت حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد مبارک کیا تھا۔

(۲) کیا ایک وقت میں تین طلاقیں دینا آیت "الطلاق مرتان" کے خلاف نہیں ہے

(۳) عہد خلفائے راشدین کا دستور العمل کیا تھا؟

(۴) آئمہ اربعہ کے اس بارہ میں اقوال کیا ہیں؟

(۵) آپ کی ذاتی رائے اس معاملہ میں کیا ھے؟

متعلق تعدد ازواج

قرآن حکیم نے ایک بیوی کے ہوتے ہوئے مزید نکاح ایک خاص شرط پر مشروط کیا ہے لیکن بالعموم اب لوگ اس کا خیال کئے بغیر محض نفسانی خواہشات کی بناء پر ایسا کرتے ہیں اور فرمان الٰہی "فان خفتم الا تعدلوا فواحدۃ" کو فراموش کیے ہوئے ہیں اس لئے اگر کوئی اسلامی ریاست قرآن کے فرمان کی اتباع میں قانوناً کوئی ایسی قید عائد کردے کہ مثلاً کوئی شخص جب تک اپنی ضرورت اور استطاعت عدل کی بابت قاضی کو اطمینان دلا کر اس کی اجازت حاصل نہ کرے تب تک وہ اس کا مجاز نہ ہو۔ تو کیا آپ کی رائے میں یہ مناسب ہوگا یہاں یہ امر بھی قابل لحاظ ھے کہ ھمارے یہاں قانوناً ہر نکاح محکمۂ قضا کی اجازت کا محتاج ہے اور اگر کوئی شخص اجازت کے بغیر نکاح پڑھ دے تو فریقین کے ساتھ وہ بھی ملزم قرار دیا جاتا ہے اسلئے اگر بالفرض مجوزہ بالا صورت آپ کے نزدیک نامناسب ہو تو کیا پھر مجوزہ حالت معاملات مذہبی میں مداخلت نہیں ہے۔ اسکی نسبت آپ کا کیا خیال ھے فقط

الجواب واللہ الموفق للصواب

تقریر جواب سے پہلے یہ عرض کر دینا ضروری ھے کہ سوال جس صورت سے کیا گیا ھے وہ خلاف قاعدہ ہے کیونکہ کسی معاملہ کے متعلق یہ دریافت کرنا کہ اس کا کوئی واقعہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد مبارک میں پیش آیا تھا یا نہیں۔ محض امر زائد ہے۔ قانون اسلام مکمل قانون ہے اسمیں قیامت تک پیش آنے والے واقعات کا حکم موجود ہے خواہ وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں پیش آئے ہوں یا نہ آئے ہوں اور ظاہر ھے کہ جو قانون قیامت تک کے واقعات کو محیط ہوگا وہ صرف اُن واقعات کے ساتھ مخصوص کیونکر

ہو سکتا ہے جو حضورؐ کے زمانہ میں پیش آئے ہوں

دوسرے : فاضل مستفتی کو معلوم ہے کہ اس زمانہ میں مجتہد کوئی نہیں بلکہ جملہ علماء مقلد ہیں جو اس قانون کے موافق جو مجتہدین اُمت قرآن واحادیث سے مستنبط کر کے مدون کر گئے ہیں فتوے دیتے ہیں پس ان علماء مقلدین سے یہ سوال کرنا کہ اس واقعہ میں حضورؐ نے کیا فیصلہ کیا اور یہ واقعہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں پیش آیا تھا یا نہیں ؟ امر زائد ہے بلکہ ان سے تو صرف اتنا سوال کیا جا سکتا ہے کہ ائمہ مجتہدین نے قرآن وحدیث سے مستنبط کر کے جو قانون اسلام مدون کیا ھے اس میں اس واقعہ کے متعلق کیا حکم ہے ؟ پس جس صورت کے سوال ھمارے سامنے ھے اس صورت پر جواب دینا ھمارے ذمہ لازم نہیں مگر تبرعاً محض اس غرض سے ہم فاضل مستفتی کے ہر سوال کا جواب دیتے ہیں کہ شاید کسی کو مجتہد کا ماخذ اور دلیل معلوم کرنیکا شوق ہو تو اس کا یہ شوق بھی پورا ہو جائے اس ضروری گذارش کے بعد ھم سوالات کا جواب شروع کرتے ہیں واللہ الموفق

جواب سوال اوّل متعلق خلع

محترم سائل نے اس کے متعلق متعدد سوالات کئے ہیں اور یہ کچھ ظاہر نہیں کیا کہ ان سوالات کثیرہ کا منشا کیا ہے ؟ بظاہر ھم نے جو اُن کا منشا سمجھا ہے وہ یہ ہے کہ سائل محترم خلع کو اور تفریق بالخلع کو حاکم کے فیصلہ پر منحصر رکھنا چاھتے ہیں اور یہ کہ بدون فیصلہ حاکم کے خلع معتبر نہ ہو اگر یہی منشا ھے جو ھم سمجھے ہیں تو سائل محترم کو معلوم ہونا چاھئے کہ شرعاً خلع حاکم اسلام کی اطلاع اور اس کے فیصلہ پر موقوف نہیں بلکہ بدون علم حاکم وبغیر اطلاع حاکم بھی مرد اپنی بیوی سے یا زوجہ اپنے مرد سے بتراضی خلع کر سکتی ہے اور جب زوجین بتراضی باھم خلع کر لیں تو خلع سے ایک طلاق بائن عورت پر واقع ہو جائیگی اگر اس سے زائد کا نام نہ لیا گیا ہو یا زوج نے زائد کی نیت نہ کی ہو اور اگر دو یا تین طلاق پر خلع کیا گیا ہو تو جس عدد کا نام لیا گیا ہے وہی واقع ہوگا یا زوج نے لفظ خلع سے تین طلاق کا قصد کیا ہو تو تین ہی واقع ہونگی :

قال فی الھندیۃ :- الخلع ازالۃ ملک النکاح ببدل بلفظ الخلع کذا فی فتح القدیر ۔ وشرطہ شرط الطلاق وحکمہ وقوع الطلاق البائن کذا فی التبیین ویصح نیۃ الثلاث فیہ ۔ حضرۃ السلطان لیس بشرط لجواز الخلع عند عامۃ العلماء والصحیح قولھم کذا فی البدائع : اذا تشاق الزوجان اوخافا ان لا

یقیما حدود اللّٰہ فلا بأس بان تفتدی نفسها منه بمال یخلعها به فاذا فعلا ذالك وقع تطلیقة بائنة ولزمها المال کذا فی الهدایة اھ (ص ۱۳۷ - ج - ۲)

وفی رحمة الامة : واتفق العلماء علی ان المرأة اذا کرهت زوجها بقبح منظر او سوء عشرة جاز لها ان تخالعه علی عوض وان لم یکن من ذالك بشیٔ وتراضیا علی الخلع من غیر سبب جاز ولم یکره الخ (ص ۱۰۷)

اب اس کے دلائل ملاحظہ ہوں۔

روی مالك فی المؤطا والشافعی عنه عن هشام عن ابیه عن جمهان[ع] عن ام بکرة الاسلمیة انها اختلعت من زوجها عبد اللّٰہ بن خالد بن اسید ثم اتیا عثمان فی ذالك فقال هی تطلیقة الا ان تکون سُمیت شیئًا فهو ما سمیت اھ کذا فی التلخیص الحبیر (ص ۳۱۶ ج - ۲)

اس سے صرف ثابت ہے کہ زجین نے بدون اطلاع حاکم کے خلع کر لیا پھر حضرت عثمان کی طرف رجوع کیا تو انہوں نے فرمایا کہ خلع ایک طلاق ہے مگر یہ کہ اس سے زائد کا نام لیا گیا ہو تو جو کہا گیا ہو وہی واقع ہوگا۔ معلوم ہوا کہ تفریق خلع کا مدار حاکم کی تفریق پر نہیں بلکہ لفظ خلع خود ایک طلاق ہے امام مالک نے مؤطا میں روایت کیا ہے۔ عن نافع ان ربیع بنت معوذ بن عفراء جاءت هی وعمها الی عبد اللّٰہ بن عمر فاخبرته انها اختلعت من زوجها فی زمان عثمان بن عفان فبلغ ذالك عثمان فلم ینکره وقال عبد اللّٰہ بن عمر عدتها عدة المطلقة اھ (ص ۴۷ - ج ۳ مع الزرقانی)

اس میں بھی تصریح ہے کہ زوجین نے بدون اطلاع حاکم خلع کر لیا جب حضرت خلیفہ کو اسکی خبر پہونچی تو آپ نے اسپر انکار نہیں کیا اور عبد اللّٰہ بن عمر نے خلع کو طلاق قرار دیا پس خلع کو یا تفریق بالخلع کو فیصلۂ حاکم پر موقوف کرنا غلط ہے اور اگر ایسا کیا گیا تو یہ مداخلت فی الدین میں داخل ہوگا۔ اب میں محترم مستفتی کے سوالات کا جواب بھی دینا چاہتا ہوں جو خلع کے متعلق انہوں نے کئے ہیں۔

[ع] قال الحافظ وضعفه احمد بجمهان اھ۔ قلت: قال الحافظ فی التقریب مدنی قدیم مقبول من الثالثة اھ وفی تهذیب التهذیب ذکره مسلم فی الطبقة الاولیٰ من اهل المدینة وذکره ابن حبان فی الثقات (ص ۱۱ ج - ۲) فالحدیث صحیح ولا اقل ان یکون حسناً۔ ظفر۔

(الف) ہاں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد مبارک میں بھی خلع کا واقعہ پیش آیا ہے جس کو امام بخاری نے اپنی صحیح میں بیان کیا ہے اور اس سے پہلے اس امر کی تصریح کر دی ہے۔

و اجاز عمر الخلع دون السلطان ای بغیر اذنہ کہ حضرت عمر نے خلع کو بدون اطلاع حاکم وسلطان کے بھی جائز قرار دیا ہے حافظ ابن حجر نے فتح الباری میں مصنف ابن ابی شیبۃ سے اسکو موصولاً اسطرح روایت کیا ہے کہ بشر بن مروان (حاکم مدینہ) کے پاس ایک مرد وعورت کے خلع کا واقعہ پیش ہوا تو اس نے خلع کو جائز قرار نہ دیا، تو عبد اللہ بن شہاب خولانی نے کہا کہ حضرت عمرؓ نے خلع کو جائز قرار دیا ہے اور طحاوی نے کہا ہے کہ جو لوگ خلع کو اذنِ سلطان پر موقوف رکھتے ہیں ان کا قول شاذ ہے جم غفیر کے مخالف ہے اور قیاساً بھی غلط ہے کیونکہ جب طلاق بدون اذنِ حاکم کے جائز ہے تو ایسے ہی خلع ہے (ص۳۴۷ ج-۹) تفصیل اس واقعہ کی جو حضورؐ کے زمانہ میں واقعہ ہوا تھا یہ ہے کہ ابن عباسؓ فرماتے ہیں کہ ثابت بن قیس کی بیوی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئی اور کہا یا رسول اللہ میں ثابت بن قیس کے دین اور اخلاق میں عیب بیان کرنا نہیں چاہتی لیکن میں (اُن کے نکاح میں رہ کر) اسلام میں کفر کا اندیشہ کرتی ہوں حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ تم ان کا باغ انکو واپس کر دوگی؟ کہا، ہاں، تو حضورؐ نے (ثابت بن قیس سے) فرمایا کہ باغ کو قبول کر لو اور اسکو طلاق دیدو یہ بخاری کی روایت کا ترجمہ ہے اور نسائی کی روایت میں یہ ہے کہ ثابت بن قیس نے کسی بات پر اپنی بیوی کو مارا تھا اور ہاتھ توڑ دیا تھا۔ اور عبد الرزاق کی روایت میں یہ ہے کہ بیوی نے حضورؐ سے عرض کیا کہ مجھکو خدا نے جو حسن وجمال دیا ہے وہ آپ کو معلوم ہے اور ثابت بن قیس بدصورت ہے۔ اور یہ جو کہا کہ مجھکو اسلام میں کفر کا اندیشہ ہے اسکا مطلب یہ ہے کہ میں انکے ساتھ اسلامی قاعدہ کے موافق نباہ نہیں کرسکتی بلکہ اندیشہ ہے کہ اُن کی نافرمانی کروں اور شوہر کی نافرمانی اسلام کے خلاف ہے اور یہ کافر عورتوں کا کام ہے ذکرہ الحافظ فی الفتح۔ واللہ اعلم

(ب) اس واقعہ میں یہ ضروری ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے خلع کا فیصلہ فرمایا مگر اسکی وجہ یہ نہ تھی کہ بدون حضورؐ کے فیصلہ کے خلع نہ ہوسکتا تھا بلکہ اسکی وجہ صرف یہ تھی کہ عورت نے اپنے شوہر سے بلاواسطہ اس معاملہ کی گفتگو کی ہی نہیں بلکہ وہ ابتداءً خود حضورؐ کے پاس آگئی۔ اور چونکہ زوجین میں باہم خلع کی کچھ گفتگو نہیں ہوئی تھی اسلئے

حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اول عورت سے دریافت کیا کہ تم مہر واپس کر سکتی ہو جب وہ اسپر راضی ہو گئی تو حضورؐ نے مرد سے فرمایا کہ اپنا باغ لیکر اسکو طلاق دیدو۔ اور اگر زوجین میں خلع کی گفتگو پہلے ہو جاتی تو پھر طلاق کے حکم کی ضرورت نہ تھی کیونکہ خلع خود ہی طلاق ہے

(ج) اس واقعہ میں محض سائلہ کی خواہش کی بناء پر تفریق کی گئی اور اسکے وجوہ واسباب کی تحقیق کی ضرورت اسلئے نہیں ہوئی کہ سائلہ نے خود وہ اسباب بیان کردئے تھے جنکی بناء پر وہ خلع چاہتی تھی۔

(د) اس واقعہ میں مرد کو تفریق کا حکم دیا گیا تھا مگر یہ حکم وجوب کیلئے نہ تھا بلکہ بطور ارشاد واصلاح کے تھا۔ قالہ الحافظ فی الفتح (ص۳۵۱ ج۔۹) مرد پر عورت کی درخواست کے بعد خلع کا قبول کرنا واجب نہیں بلکہ اُسکو اختیار ھے کہ قبول کرے یا نہ کرے اور حاکم شوہر کو قبولِ خلع پر مجبور بھی نہیں کر سکتا الا اذا کان ظالماً معروفاً بہٖ۔ کیونکہ اوپر معلوم ہو چکا ہے کہ خلع طلاق ہے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ھے۔

انما یملک الطلاق من اخذ بالساق رواہ ابن ماجہ والدارقطنی (مقاصد حسنہ ص۵۲)

قلت: واسنادہ حسن۔ جس کا مطلب یہ ہے کہ طلاق شوہر کے قبضہ میں ہے یہ قول اس امر کی دلیل ہے کہ حضورؐ کا واقعہ خلع میں ثابت بن قیس کو طلاق کا حکم فرمانا بطور مشورہ کے تھا بطور ایجاب کے نہ تھا۔

(ھ) اس واقعہ میں تفریق کے ساتھ صرف یہ شرط تھی کہ وہ باغ واپس کر دو جو شوہر نے مہر میں دیا ہے اور یہ شرط اسلئے کی گئی کہ اس واقعہ میں خود عورت کی طرف سے مفارقت کی درخواست تھی اور اُسی کو شوہر سے نفرت تھی شوہر کو اس سے نفرت نہ تھی۔ نہ شوہر کی طرف سے اسپر کچھ زیادتیع تھی اور اس صورت میں ائمہ مذاہب کا یہی مذہب ہے جو حدیث میں ھے کہ مرد کو مہر واپس کر لینا بلکہ اس سے زائد لینا بھی جائز ہے جبکہ عورت خوشی سے زائد دینے پر راضی ہو اور اگر مرد کی زیادتی ہو یا طرفین کی زیادتی ہو تو اس کا حکم دوسرا ھے جو فقہ میں مفصل مذکور ھے

(و) حضرات ائمہ مجتہدین نے احادیث کے خلاف فتویٰ کبھی نہیں دیا یہ اور

ع والذی ورد فی الروایات انہ ضربہا فکان ذالک بحق لکون المرأۃ نافرۃ عنہ مبغضۃ لہ ولا یبعد من مثلہا الاباء عن المضاجعۃ وللزوج حق ان یضربہا علی ذالک۔ ظفر۔

بات ہے کہ ناواقف لوگ حدیث کا غلط مطلب سمجھ کر ائمہ مجتہدین کے فتوی کو حدیث کیخلاف سمجھیں یا کسی مسئلہ کا مدار ایک ہی حدیث پر رکھیں اور دوسری روایات پر نظر نہ کریں۔

(ز) ترمیم کچھ نہیں ہوئی حضرات مجتہدین نے ایک ہی حدیث پر مسئلہ کا مدار نہیں رکھا بلکہ اس کے ساتھ دوسری احادیث کو اور صحابہ کے اقوال کو ملا کر قانون خلع کو مکمل طور سے مدوّن کیا ہے۔

جواب سوال دوم متعلق طلاق مغلظہ

اس مسئلہ میں جملہ ائمہ مذاہب کا قول یہ ہے کہ جو شخص اپنی بیوی کو تین طلاق دیدے تو اگر وہ مدخولہ ہے تو اسپر تین طلاق واقع ہوجائینگی خواہ تفریقاً دی یا مجموعۃً اور اگر غیر مدخولہ ہے تو اگر مجموعۃً ایک لفظ سے تین طلاق دی ہیں تو اسپر تینوں واقع ہونگی۔ اور اگر تفریقاً تین لفظوں سے تین طلاقیں دی ہیں تو اسپر ایک واقع ہوگی اور دو لغو ہوجائینگی۔

قال الزرقانی فی شرح المؤطا: والجمهور علی وقوع الثلاث بل حکی ابن عبد البر الاجماع قائلاً ان خلافه شاذ لایلتفت الیه اھ (ص ٣٥-ج ٣)

وقال الحافظ فی الفتح: ویحتمل ان یکون مراده ای مراد البخاری بعدم الجواز من قال لایقع الطلاق اذا أوقعها مجموعة للنهی عنه وهو قول الشیعة وبعض اهل الظاهر اھ (ص ٣١٠-ج-٩)

اس سے معلوم ہوا کہ بجز شیعہ اور بعض اہل ظاہر کے تمام علماء کا اسپر اجماع ہے کہ تین طلاقیں مجموعۃً دینے سے تین ہی واقع ہونگی۔ البتہ تین طلاق مجموعۃً یا ایک مجلس میں دینا مکروہ تحریمی ہے اگر کسی کو تین طلاق ہی دینا ہو تو تفریق کے ساتھ ایک ایک طلاق ایک ایک طہر میں دے سعید بن منصور نے بسند صحیح حضرت انس رضؓ سے روایت کیا ہے کہ جو شخص اپنی بیوی کو تین طلاق دیتا تو حضرت عمر اسکے کمر پر دُرّے لگاتے تھے" ذکرہ الحافظ فی الفتح (صفحہ مذکور)

اب محترم مستفتی کے سوالات کا جواب دیتا ہوں۔

(الف) ہاں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں بھی دو واقعہ طلاق مغلظہ کے واقع ہوئے ہیں ایک واقعہ سنن نسائی میں محمود بن لبید انصاری رضؓ کی روایت سے

مذکور ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ خبر پہونچی کہ ایک شخص نے اپنی بیوی کو تین طلاق دی ہیں تو حضورؐ غضبناک ہوکر (خطبہ کیلئے) کھڑے ہوگئے اور فرمایا کہ میرے سامنے ہی کتاب اللہ کے ساتھ لہو ولعب کیا جانے لگا تو ایک شخص کھڑا ہوا اور اس نے کہا، یارسول اللہ! کیا میں اسکو قتل ہی نہ کردوں اھ ؟ اسپر آپؐ خاموش ہوگئے یہ حدیث فتح الباری میں حافظ نے نقل کرکے اس کے رواۃ کو ثقہ کہا ہے اور "نیل الاوطار" میں ابن کثیر سے اسکی سند کا جید ہونا نقل کیا ہے اور جوہر نقی میں اسکو صحیح کہا ہے اس سے یہ بات تو ظاہر ہے کہ تین طلاق ایک دم سے دینا خلافِ شریعت ہے اور حرام کے قریب ہے رہا یہ کہ تین ایک دم سے دینے میں تین واقع ہونگی یا ایک؟ اس سے یہ حدیث ساکت [عہ] ہے۔

دوسرا واقعہ رکانہؓ بن عبد یزید کا ہے کہ انہوں نے اپنی بیوی کو تین طلاق دیدی تھیں پھر انکو رنج ہوا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دریافت کیا آپؐ نے پوچھا کہ تم نے کیونکر طلاق دی ہے کہا ایک مجلس میں تین طلاق دی ہیں حضورؐ نے فرمایا وہ تو ایک ہی ہے اگر چاہو رجوع کرلو چنانچہ انہوں نے رجعت کرلی اسکو محمد بن اسحاق صاحب مغازی نے روایت کیا ہے مگر ائمہ حدیث نے اسکو ضعیف کہا ہے کیونکہ اس کے الفاظ میں اضطراب و اختلاف ہے بعض روایات میں یہ وارد ہوا ہے کہ رکانہ نے اپنی بیوی کو بلفظ البتۃ سے تین طلاق دی تھی اور یہ لفظ چونکہ قطع تعلق کو بتلاتا ہے اور اسی وجہ سے بعض تابعین لفظ البتۃ سے تین طلاق واقع کرتے تھے تو کسی راوی نے اسکو روایت بالمعنیٰ کرکے یوں تعبیر کردیا کہ رکانہ نے تین طلاق دی تھیں ابوداؤد نے فرمایا ھے کہ راجح یہی ہے کہ رکانہ نے طلاق بلفظ البتۃ دی تھی جیسا کہ حافظ نے فتح الباری میں ذکر فرمایا ھے اور اسکی نیت ایک طلاق کی تھی اسلئے اسکو ایک [عہ] قرار دیا اور علامہ زرقانی نے فرمایا ھے کہ رکانہ کی حدیث کے الفاظ مختلف ہیں، فاذا تعارضا تساقطا (ص۳۶ ج-۳)

(ب) ہاں ایک وقت میں تینوں طلاق دینا خلاف کتاب اللہ ضرور ہے جو ایسا کرتا ہے سخت گناہ کا مرتکب ہے مگر اس کے یہ معنیٰ نہیں کہ تین طلاق دینے سے تین واقع

[عہ] مگر کنزالعمال میں حضرت علیؓ کی روایت میں یہ ہے کہ جو شخص قطعی طلاق دیگا ہم اسپر تین طلاق لازم کردینگے (ص۱۷ ج-۵) ظفر۔

[illegible] ؛ هذه الصورة الرجعة اللغوية ولو كانت بالنكاح لا الاصطلاحية بدونه - ظفر -

نہ ہوں یقیناً تین ہونگی کما مر ذکر الاجماع علیہ

(ج) عہد خلفائے راشدین میں جو شخص تین طلاق دیتا تھا اسکی بیوی پر تین طلاق ہی[عہ] واقع سمجھی جاتی تھی مگر اس کے ساتھ اس شخص کو سزا بھی دیجاتی اور صحیح مسلم میں جو ابن عباس سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں اور عہد صدیق میں اور شروع زمانہ خلافت فاروقی میں تین طلاق کو ایک شمار کرتے تھے تو اسکے اندر بعض روایات میں یہ قید بھی ہے کہ جب عورت غیر مدخولہ ہوتی تو تین کو ایک قرار دیتے تھے (رواہ ابو داؤد کما فی الفتح لابن حجر ص ۳۱۷ - ج - ۳ وسکت عنہ) اور رزین کی روایت میں یہ لفظ ہے "کان ابن عباس یقول اذا قال انتِ طالق انت طالق فھی واحدۃ ان اراد التوکید للاولیٰ وکانت غیر مدخول بھا کذا فی جمع الفوائد (ص۲۳۱ ج - ۱) ـــــ پس یہ حدیث جمہور کے خلاف نہیں کیونکہ تطلیق ثلاث بتفریق کلمات میں جمہور بھی اس کے قائل ہیں کہ اگر زوجہ غیر مدخولہ ہو تو صرف ایک طلاق واقع ہوگی اور مدخولہ ہو تو دیانۃً ایک ہی ہوگی اگر وہ نیتِ تاکید کا مدعی ہو۔ اور قضاءً تین واقع ہونگی۔ واللہ اعلم

(د) ائمہ کے اقوال اوپر گذر چکے

(ہ) دین میں کسی عالم کی ذاتی رائے کی کچھ وقعت نہیں۔ فان الدین لیس بالرأی

(جواب سوال سوم متعلق تعدد ازواج)

اس مسئلہ میں یہ معلوم کر لینا چاہئے کہ مرد کو چار عورتوں سے نکاح کرنا مطلقاً جائز ہے خواہ اسکو چار کی واقعی ضرورت ہو یا محض خواہش نفسانی کی بناء پر ایسا کرے گو افضل یہی ہے کہ بلا ضرورت چار نکاح نہ کرے "احترازاً من الجور وادخال الغم علی الاولی" لیکن اگر کوئی محض خواہش نفسانی سے ایسا کرے تو اسکو حق جائز سے روکنے کا کسی کو حق نہیں حدیث میں ہے "لم یر للمتحابین مثل النکاح" رواہ ابن ماجہ والحاکم و سندہ صحیح (شرح جامع الصغیر للسیوطی ص۱۹۲ ج - ۳) ـــــ اس سے معلوم ہوا کہ اگر کسی مرد کو کسی عورت سے محبت ہو جائے یا بالعکس تو انکو باہم نکاح کر لینا چاہئے " و

[عہ] ملاحظہ ہو فتح الباری ص ۳۱۵ تا ص ۳۱۹ - جلد ۹ جس میں حضرت ابن عباس و ابن عمر رضی اللہ عنہما کا فتویٰ سند صحیح سے نقل کیا گیا ہے اور ملاحظہ ہو کنز العمال ص۱۶۲ ج ۵ جس میں حضرت عمرؓ و حضرت علی و امام حسین بن علی رضی اللہ عنہما کے فتاویٰ طرق متعددہ سے مذکور ہیں۔ ظفر۔

اخرج الشیخان عن ابی هریرة رض تنکح المرأة لمالها وجمالها وحسبها ودینها فاظفر بذات الدین تربت یداك (مقاصد حسنه ص۷۹) اس میں دینداری کی وجہ سے نکاح کی ترغیب دی گئی ہے مگر مال اور جمال کی بناء پر نکاح کرنے سے بھی منع نہیں کیا گیا۔ نہ اسکو حرام کہا گیا اور خود نص میں "ماطاب لکم من النساء" وارد ہے جس میں چار نکاح کو محض دل کی خوشی اور پسندیدگی کی بناء پر جائز کیا گیا ہے۔ نیز نص میں "لا تحل لك النکاح من بعد ولا ان تبدل بهن ازواج ولو اعجبك حسنهن" اس سے معلوم ہوا کہ اس آیت سے پہلے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو تعدد ازواج محض اعجاب حسن کی بناء پر بھی جائز تھا گو آپ اس وجہ سے کوئی نکاح بھی نہ کیا ہو مگر آپ کیلئے جائز ضرور تھا پھر نو ۹ بیویوں کے بعد آپ کو اس سے منع کر دیا گیا غرض نصوص شریعت سے خواہش نفسانی کی بناء پر بھی تعدد ازواج کی اجازت ظاہر ہے۔ اور اسکے ساتھ عدل کو بھی فرض کیا گیا ہے مگر عدل کو شرط صحت نکاح نہیں قرار دیا گیا بلکہ شریعت نے اس کے متعلق صرف وعید پر اکتفا کیا ہے۔

ففی الحدیث: عن ابی هریرة اذا کانت عند الرجل امرأتان فلم یعدل بینهما جاء یوم القیامة وشقه مائل او ساقط رواه احمد والدارمی واصحاب السنن والحاکم واللفظ له وابن حبان وصححه الحاکم علی شرط الشیخین وابن دقیق العید (ص۳۱۴ ج۲۔ تلخیص حبیر)

پس تعدد ازواج کی صورت میں شوہر پر جو عدل واجب ہے وہ دیانةً واجب ہے قاضی اور حاکم کو اس میں باز پرس یا دست اندازی کا کچھ حق نہیں حکام کا صرف اتنا فرض ہے کہ اگر عورت اپنے شوہر کی شکایت کرے تو شوہر کو نان و نفقہ دینے پر مجبور کریں اور عمر بھر میں ایک دفعہ مقاربت پر۔ اس سے زائد پر حاکم شوہر کو مجبور نہیں کر سکتا (ملاحظہ شامی باب القسم ص۶۵۲ تا ص۶۵۴ ج۲) ـــــ ہاں اسکو نصیحت کر دے کہ اپنی بیوی کے حقوق پوری طرح ادا کرنا چاہئے اور اگر وہ اسپر ظلم کرتا ہو تو ظلم سے روک دے۔

اس معروض کے بعد سوال کا جواب یہ ہے کہ اسلامی ریاست کو تعدد ازواج کے بارہ میں قانوناً اس قسم کی قیود عائد کرنا کہ جب تک قاضی کو ضرورت اور استطاعت عدل کا اطمینان دلا کر اسکی اجازت حاصل نہ کریں تب تک کوئی اس کا مجاز نہ ہو۔ یقیناً

مداخلت فی الدین وتضییق علی المسلمین فیما وسع اللہ لہم میں داخل ہے۔ اسی طرح ہر نکاح کا محکمۂ قضاء کی اجازت کا محتاج ہونا اور جو بدون قاضی کی اجازت کے نکاح پڑھ دے اسکو مع فریقین کے ملزم قرار دینا بھی صریح مداخلت فی الدین ہے۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں بعض صحابہ نے مدینہ کے اندر بدون حضورؐ کی اطلاع کے نکاح کیا ہے اور اُن پر کوئی انکار نہیں کیا گیا چنانچہ عبد الرحمٰن بن عوف کا واقعۂ نکاح مشہور ومعروف ہے۔

البتہ اگر نکاح خوانوں کی جہالت کی وجہ سے نکاحوں میں گڑبڑ ہوتی ہو تو اس قید کے عائد کرنیکا مضائقہ نہیں کہ جو شخص جب تک احکام نکاح سے واقف نہ ہو اور اسکی سند اسکے پاس نہ ہو اس وقت تک کسی کا نکاح نہ پڑھے ورنہ مجرم ہوگا کیونکہ اسکی نظیر زمانہ صحابہ میں موجود ہے حضرت عمرؓ نے قانون[عہ] نافذ کیا تھا "لا یجلس فی سوقنا الا فقیہ اوکما قال ولا احضر الآن موضعہ" کہ ہمارے بازار میں بجز اس شخص کے جو فقہ سے واقف ہو بیع وشراء کیلئے کوئی نہ بیٹھے باقی ہر نکاح کو محکمۂ قضا کی اجازت کا محتاج کر دینا یہ بالکل خلاف شریعت ہے اور مسلمانوں کو تنگی میں ڈالنا ہے جو یقیناً مداخلت فی الدین ہے۔ واللہ اعلم۔

حررہ الاحقر ظفر احمد عفا عنہ

از تھانہ بھون خانقاہ امدادیہ۔ ۲۳-ج ۲ ؁۴۷ھ

[عہ] قلت : قد اخرجہ الترمذی عن عمر بلفظ لا یبیع فی سوقنا الا من قد تفقہ فی الدین کذا فی جمع الفوائد (صـ۴۲۲ ج-۱) ظفر۔

فصل فی فسخ النکاح عند کون الزوج مفقوداً او عنیناً او متعنتاً فی النفقة او مجنوناً

زوجۂ مجنون کا حکم **(سوال)** ایک شخص دیوانہ ہوگیا ھے طلاق وغیرہ سے بے خبر ھے اسکی بیوی علیحٰدہ ہونا چاہتی ہے علیحدگی کی کوئی صورت ہے یا نہیں؟

الجواب:۔ نہ مجنون کی طلاق معتبر ہے اور نہ جنون کی وجہ سے عورت کو فسخ نکاح کا حق ہے اسلئے علیحدگی کی کوئی صورت نہیں۔

کما فی الدر:۔ لا یقع طلاق المولیٰ علی امرأة عبدہٖ والمجنون الخ شامی صفحہ ۶۹۹ ج ۲ ولا یتخیر احد الزوجین بعیب الآخر ولو فاحشاً کجنون و جذام الخ (صفحہ ۹۸۳ ج-۲ شامی) واللہ اعلم

کتبہ الاحقر عبد الکریم عفی عنہ

الجواب صحیح
ظفر احمد عفا عنہ ۱۰؍ صفر ۴۵ھ

زوجۂ مجنون کا حکم **(سوال)** ایک مسئلہ میں پیچیدگی پڑگئی جسکی وجہ سے پریشانی بڑھ گئی ھے صورتِ واقعہ یہ ہے کہ ایک لڑکی نابالغہ کا عقد نکاح ایک نابالغ لڑکے سے فریقین کے والدین نے کردیا لڑکے کی عمر ۴ سال کی اور دختر کی عمر ۵؍ سال اب اس نکاح کو عرصہ ۸ سال کا ہوگیا اب دختر کی عمر ۱۳ سال اور لڑکے کی عمر ۱۲؍ سال ہے مگر اب یہ معلوم ہوا کہ لڑکا لا یعقل محض ہے اس وقت تک نہ تو وہ کچھ زبان سے بولتا ہے اور نہ کچھ سمجھتا ہے اور نہ اسکو کچھ کھانے پینے کا ہوش ہے اسکی والدہ اسکو جبراً کچھ کھلا پلا دیتی ہے بچپن میں لڑکے کے نہ بولنے کا والدین کو کچھ خیال نہ ہوا جوں جوں وہ بڑھتا گیا اسکے نہ بولنے کی حالت دیوانگی معلوم ہوتی گئی۔ لڑکی کی عمر ۱۳؍ سال ہے وہ ایسے دیوانہ لا یعقل کے ساتھ اپنی عمر کس طرح گذار سکتی ہے؟ ایسی حالت میں مطابق شرع

شریف ان میں تفریق ہو سکتی ہے یا نہیں؟ فریقین کے والدین جنکی ولایت میں عقد ہوا زندہ ہیں اور چاہتے ہیں کہ بموجب احکام شرع ان میں تفریق ہو جائے اور دختر کا عقد کسی دیگر شخص سے کر دیا جائے۔ اُمید کہ آنجناب اس معروضہ کے جواب سے جلد ممتاز فرمائیں گے۔ مکرر عرض یہ ہے کہ لڑکے کو نگرانی میں رکھا جاتا ہے اگر اسکو نگرانی میں نہ رکھا جائے تو وہ بھاگتا ہے۔ محمد حسین مینجر طلسمی پریس میرٹھ

الجواب:۔ صورت مسئولہ میں ائمہ حنفیہ میں اختلاف ھے امام ابوحنیفہؒ وامام ابو یوسفؒ کے نزدیک شوہر کے مجنون ہونیکی صورت میں زوجہ کو حقِ فسخ نکاح حاصل نہیں۔ اور امام محمدؒ کے نزدیک حقِ فسخ حاصل ہے، پس اگر کوئی مسلمان حاکم جس کو ایسے مقدمہ کی سماعت کا اختیار ہو خواہ حکومت انگریزی کا ہو یا ریاست دیسی کا اس نکاح کو امام محمدؒ کے مذہب کی بناء پر فسخ کر دے تو فسخ ہو سکتا ہے اور چونکہ فریقین اس نکاح کے فسخ پر رضامند ہیں اسلئے غالب ہے کہ حکام کو اسکے فسخ کرنے میں تامل بھی نہ ہوگا۔ واللہ اعلم

حررہ حبیب احمد کیرانوی
مقیم تھانہ بھون خانقاہ امدادیہ
۲۴ر محرم سنہ ۴۰ھ

زوجۂ عنین کا حکم اور اسکی عدت اور مہر کا بیان

(سوال) کیا فرماتے ہیں علماء دین اس مسئلہ میں کہ:۔

(۱) زید جو تقریباً ۲۸ر ۳۰ر سال سے محض عنین یعنی نامرد ہے اور قطعی عورت کے کام کا نہیں ہے اور اکثر معالجات کرنے کے باوجود مایوس العلاج ہے وہ اپنی بیوی کو کہ جس کے ساتھ عقد ہوا۔ ۱۵، ۱۶ر سال ہوئے نفقہ نہیں دیتا اور نہ اپنے پاس رکھتا ہے اور نہ طلاق دیتا ہے اس وجہ سے لڑکی کے والدین اسکی بے کسی سے سخت پریشان ہیں اور مسماۃ بھی زید کے نامرد ہونیکے باعث نالاں ہے اور بعد عقد کے اپنی زندگی والدین کے یہاں گذارتی ہے اب اسکے والدین عقد ثانی کرنا چاھتے ھیں اس صورت میں شارع علیہ السلام کا کیا حکم ہے؟ اور جدائی زن وشوہر میں ہو سکتی ھے یا نہیں؟

(۲) مطلقۂ عنین کو عدت کی ضرورت ہوگی یا نہیں؟ فقط بینوا توجروا

مرسلہ مرزا حنیف بیگ قصبہ وڈاکخانہ سیانہ ضلع بلند شہر

الجواب :- صورت مذکورہ میں مسماۃ کو کسی حاکم مسلم کی عدالت میں زوج کے عنّین ہونیکا دعویٰ کرکے فسخِ نکاح کی درخواست کرنی چاہئے اور حاکمِ مسلم کو چاہئے کہ جب عورت ایسا دعویٰ کرے تو وہ زوج سے دریافت کرے کہ نکاح کے بعد سے ابتک تونے کسی وقت زوجہ سے صحبت کی ہے یا نہیں ؟ اگر وہ اقرار کرے کہ میں نے ایک بار بھی اس سے صحبت نہیں کیا یا وہ دعویٰ کرے کہ میں نے صحبت کی ہے لیکن عورت یہ کہے کہ میں ابتک باکرہ ہوں اور ایک عورت یا دو عورتیں اپنے مشاہدہ سے اسکی تصدیق کردیں کہ بیشک یہ باکرہ ہے دونوں صورتوں میں حاکمِ مسلم شوہر کو ایک سال کی مہلت دے کہ اگر ایک سال کے اندر اندر تونے زوجہ سے صحبت کی تو خیر ورنہ میں نکاح فسخ کردونگا پھر اگر مہلت دینے کے بعد بھی اُس نے سال بھر میں صحبت نہ کی تو حاکم عورت کو اختیار دیدے کہ چاھے تو شوہر کے پاس رہنا منظور کر یا علیحدہ ہونا منظور کر تجھے اختیار ہے حاکم کے اختیار دیدینے کے بعد جب عورت یہ کہدے کہ میں اس سے علیحدہ ہونا اختیار کرتی ہوں تو عورت کے یہ کہدینے سے طلاق بائن پڑ جائیگی اور بہتر یہ ہے کہ حاکم بھی اپنی زبان سے یہ کہدے کہ میں نے دونوں میں تفریق کردی ۔

قال فی البدائع :- ص ۳۲۵ - ج-۲ - وان اختارت الفرقة فرق القاضی بینهما کذا ذکره الکرخی ولم یذکر الخلاف وظاهر هذا الکلام یقتضی انه لا تقع الفرقة بنفس الاختیار وذکر القاضی فی شرحه مختصر الطحاوی: انه تقع الفرقة بنفس الاختیار فی ظاهر الروایة ولا یحتاج الی القضاء کخیار المعتقة وخیار المخیرة اھ قلت : واخترت هذه الروایة لکونها ارفق بالناس

(۲) اگر عنین زوجہ کے ساتھ خالی جگہ (مکان) میں یکجا بھی نہیں ہوا اور خلوت صحیحہ کے شرائط نہیں پائے گئے ہیں تب تو عورت کو عدت نہ کرنی پڑیگی اور اگر خلوتِ صحیحہ ہوچکی ہے تو اسپر عدت لازم ہوگی عدت کے بعد وہ دوسرے سے نکاح کرسکتی ہے

فی البدائع :- ولها المهر کاملاً وعلیها العدة بالاجماع ان کان الزوج قد خلا بها وان کان لم یخل بها فلا عدة علیها ولها نصف المهر ان کان مسمّٰی اھ (ص ۳۲۶ ج- ۲)

اورعورت کو دونوں صورت میں مہر بھی ملیگا خلوت ہوچکنے کی صورت میں پورا

پورا مہر اور خلوت نہ ہونیکی صورت میں آدھا ملیگا۔ واللہ اعلم

(تنبیہ) حاکم مسلم اگر عدالت انگریزی کا ہو وہ بھی کافی ہے بشرطیکہ حکومت کی طرف سے اس کو اس مقدمہ میں شرعی فیصلہ کرنیکا اختیار دیدیا گیا ہو اور اگر پہلے سے اختیار نہ دیا گیا ہو تو درخواست دیکر اس کو اختیار حاصل کر لینا چاہیئے یا گورنمنٹ اس مقدمہ کو کسی عالم کے پاس بھیجدے اور اسکو حکم شرعی کے مطابق فیصلہ کا اختیار دیدے یا مسماۃ کسی اسلامی ریاست کے قاضی کی عدالت میں دعویٰ دائر کرے سب صورتوں میں یہ نکاح فسخ ہوسکتا ہے فقط

ظفر احمد عفا اللہ عنہ۔ ۲۱۔ صفر ؁۴۰ھ

مفقود الخبر پر موت کا حکم کرنے کیلئے قضاء قاضی شرط ہے

(سوال) حضرت اقدس مدظلہ تعالیٰ۔ بعد آداب و تسلیمات کے گذارش ہے ایک استفتاء بریسال سے بندہ کے پاس آیا ہے۔ صورت واقعہ یہ ہے کہ ۶۔ آدمی بولبشّر دریا کے کنارہ ایک جنگل میں جوانلوگوں کے مکان سے قریب ہے اور لب دریا ہے بڑی بڑی لکڑیاں جنگل سے کاٹ کر اور ان کو رسیاں اور درختوں کے بیل سے باندھکر اور اس کے ساتھ ایک کشتی کو رسیوں سے باندھکر یہ لوگ اپنے مکان کی طرف لکڑیوں کو لانے لگے یہ دریا بہت عظیم الشان اور موّاج ہے اور خلیج بنگال میں جاگرا ہے طغیانی کے وقت سات آٹھ میل سے بھی زیادہ چوڑا ہو جاتا ہے جب وہ لوگ مکان کی طرف آرہے تھے قضا کا طوفان اُٹھا کشتی میں سے ہوا نے ایک چٹائی اڑا کر دور پھینکدی۔ کشتی پر دو آدمی تھے وہ دونوں کشتی کو لکڑیوں کے مجموعہ سے الگ کرکے چٹائی لینے کیلئے گئے اور چار آدمی لکڑیوں پر رہے اتنے زور سے طوفان ہونے لگا کہ کشتی اور لکڑی پھر یکجا نہ ہوسکی اور لکڑی والے الگ بے قابو اور کشتی والے الگ بے قابو۔ جو ملاح اور کشتیوں میں تھے جو ماہی گیروں کی کشتی کہلاتی ہے اور وہ بزعم ملاحان کم ڈوبتی ہیں وہ بھی ان لکڑیوں کو تھام نہ سکے اور آٹھ دس بجے رات تک مختلف جگہوں کے ماہی گیروں نے ان چاروں کی آوازیں سنیں مگر کسی کو ہمت نہ ہوئی روکنے کی اور جب اخیر رات تک طوفان تھما اور روز روشن ہوا تو وہ دونوں کشتی والے کہاں کہاں سے مارے مارے پھیر کر گھر واپس آئے لیکن وہ چاروں بے سراغ ہوگئے اور لکڑیوں کا بھی پتہ نہیں ماہی گیر لوگ کہتے ہیں کہ وہ لکڑیاں زور سے سمندر کی طرف جارہی تھیں اس واقعہ کو تیرہ مہینہ

گذرا لیکن اول چاروں کا ابتک پتہ نہیں ان چاروں کی بیویاں جوان جوان موجود ہیں تو ان کا کیا حکم ہے ؟ ۔ در مختار ص۸۱۱ ج ۔۳ میں ہے " اختار الزیلعی تفویضہ الی الامام۔ وفی الشامیة :۔ علیٰ ھذا القول و قال الزیلعی لانہ یختلف باختلاف البلاد وکذا غلبة الظن تختلف باختلاف الاشخاص فان الملك العظیم اذا انقطع خبرہ یغلب علی الظن فی ادنیٰ مدة انہ قد مات ومقتضاہ انہ یجتھد و یحکم القرائن الظاھرة الدالة علی موتہٖ و علیٰ ھذا یتبنی ما فی جامع الفتاوی حیث قال و اذا فقد فی المھلکة فموتہ غالب فیحکم بہٖ کما فقد فی وقت الملاقاة مع العدو او مع قطاع الطریق او سافر علی المرض الغالب ھلاکہ او کان سفرہٗ فی البحر و ما اشبہ ذالك حکم بموتہٖ لانہ الغالب فی ھذہ الحالات و ان کان بین احتمالین و احتمال موتہ ناش عن دلیل لا احتمال حیوتہ الخ۔ بموجب اس روایت کے اس حادثہ خاص میں گمان موت کا غالب ھے مہلکہ ہے ، چاروں کا ایک ساتھ گم ہونا ، مکان کے قریب گم ہونا ، کشتی والوں کا لوٹنا اوران کا نہ لوٹنا ۔ بنگال کا دریا پر خطر اور عظیم الشان ہونا بنگال میں ایسے واقعات کا ان دریاؤں میں ہوتے رہنا۔ سمندر کے دہانہ سے قریب ہونا۔ اور حسب تصریح صاحب جامع الفتاویٰ بحر کا واقعہ ہونا حضرت اقدس کی کیا رائے ہے اور قاضی تو ہے نہیں پس مولویان انکے قائم مقام سمجھے جائیں گے ؟ اسکے سوا کیا چارہ پس حضرت والا کی رائے بھی موافق روایت مذکورہ ہو تو ابھی حکم موت کیا جائے یا چار سال بعد حسبِ روایت امام مالکؒ ؟ مگر مشکل یہ ہے کہ مدونہ میں قضائے قاضی شرط لکھی ھے۔ بہر حال حضور کے ارشاد کا انتظار ہے۔ اگر میرا خیال غلط ہے تو تنبیہ فرمایا جائے۔

الجواب :۔ اس مسئلہ میں بجز قضاء حاکم مسلم کوئی چارہ نہیں اگر کوئی حاکم مسلم انگریزی حکومت ہی کی طرف سے ہو اور اس مقدمہ کا فیصلہ کرے بشرطیکہ اس کو اختیارات بھی اس مقدمہ کے پورے حاصل ہوں اور حکم بالموت کر دے تو اسی وقت وہ عورتیں نکاح سے خارج ہو کر بعد عدتِ موت نکاحِ ثانی کر سکتی ہیں مولویوں کا فیصلہ حَکَمْ کا فیصلہ ہوگا۔ اور حَکَمْ کی ولایت غائب پر نہیں ہوتی لھذا وہ حکمِ موت علی الغائب کا اختیار نہیں رکھتا۔ واللہ اعلم ۔ ظفر احمد عفا عنہ

مفقوالخبر کی موت کیلئے قضاء قاضی شرط ہے

(سوال) کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیان شرع اس مسئلہ میں کہ چھ شخص مفلس دریائے شور کے کنارہ کے جنگل سے لکڑی چُن کر چار تودے اس دریا کے پانی پر جمع کر کے سخت باندھی قضارا اندھیری رات کو سخت طوفان ہوا تند ہوا چلنے لگی ان میں سے دو شخص جو اپنے ساتھ کے توشہ لدا ہوا کشتی پر سوار تھے ہوا اور پانی کے سیلاب نے انکو تودے سے جدا کر کے سمندر کے کنارہ پر ڈالدیا یہ دونوں مع کشتی سلامت گھر واپس آئے باقی چار شخص جو تودے پر رہ گئے تھے طوفان اور طغیانی کپانی نے چاروں تودوں کو سمندر میں کہاں کہاں بہا لیگیا معلوم نہیں. واللہ علیم و بکل شیئٍ خبیر ، اب ایک سال سے زیادہ عرصہ ہولہا ہے کہ باوجود بہت تفتیش وتلاش کے اس مہلکہ میں گرنے والوں کی کوئی خبر نہیں ملی اب ان چار شخص مہلکہ میں گرا ہوا ہیزم کش مفلسوں کیلئے شرعاً حکم مردہ کا ہوگا یا زندہ کا اور انکی بیویوں کو نکاحِ ثانی کی اجازت شریعت دیتی ہے یا نہیں ؟ اور حضرات علماء کی خدمت میں یہ بھی قابل عرض ہے کہ ایسی حالت پر سمندر کے مہلکہ میں گرا ہوا کوئی کبھی زندہ رہ سکتا نہیں ۔

الجواب :- الحمدلولیہ والصلوۃ والسلام علی نبیہ وآلہ واصحابہ اجمعین ۔ ہاں ایسے خوفناک مہلکہ میں گرا ہو تو انکے لئے شرعاً البتہ موت کا حکم ہے جیسا کہ تنقیح میں بیان کیا اسکو علامہ ابن عابدینؒ نے اور حاشیہ درالمختار میں بیان مفقود کے تحت جامع الفتاوٰی سے نقل کیا ہے۔ واذا فقد فی المھلکۃ فموتہ غالب فیحکم بہ کما اذا فقد فی وقت الملاقاۃ مع العدو او مع قطاع الطریق اوسافر علی المرض الغالب ھلاکہ اوکان سفرہ فی البحر وما اشبہ ذالك حکم بموتہ لانہ الغالب فی ھذہ الحالات وان کان بین احتمالین واحتمال موتہ ناش عن دلیل لا احتمال حیاتہ لان ھذا الاحتمال کاحتمال ما اذا بلغ المفقود مقدار ما لا یعیش علی حسب ما اختلفوا فی مقدارہ نقل عن الغنیۃ ۔

مخفی ومحتجب نہیں ہے کہ اشخاص مذکورین سوال کی موت پر بڑی دلیل ہے طوفان کے وقت سمندر میں تودے ہیزم کے ساتھ بے توشہ بہجانا اور مفلس شخصوں کا حالتِ حیات میں برس روز تلک اپنے اہل وعیال سے منقطع الخبر رہنا مستبعد ہے پس

جب اشخاص مذکورین سوال کیلئے شرعاً حکمِ موت ہے تو البتہ انکی ازواج کیلئے بھی شرعاً تزویج ثانی کی تجویز ہے اور یہ حکم کوئی بادشاہ یا امیر کیلئے خاص نہیں بلکہ قرائن اور اجتہاد اسمیں اصل چیز ہے

کما فی الشامی :- ومقتضاہ انہ یجتہد ویحکم بالقرائن الظاہرۃ الدالۃ علی موتہ اھ ہذا ما تیسر من الجواب مختصراً فمن شاء الاستقصاء فلیراجع الی کتب الفقہ - الکاتب الحقیر الفقیر المذنب الراجی الی رحمۃ ربہ الباری ابو سعید محمد عبد الغفور سلمہ الشکور :

(الکلام علی الجواب المذکور)

مجیب سلمہ نے شامی کی جس عبارت کا حوالہ اپنے جواب میں دیا ہے اس سے صراحۃً یہ امر واضح ہے کہ صورتِ مسؤلہ میں حکم بالموت قاضی یا امام کر سکتا ہے بدون قضاء کے حکم بالموت نہیں ہو سکتا۔ درمختار میں ہے۔

واختار الزیلعی تفویضہ للامام اھ۔ علامہ شامی اس قول کے تحت فرماتے ہیں۔ (قولہ واختار الزیلعی تفویضہ للامام) قال فی الفتح فای وقت رای المصلحۃ حکم بموتہ قال فی النہر : وفی الینابیع : قیل : یفوض الی رای القاضی ولا تقدیر فیہ فی ظاہر الروایۃ ، وفی القنیۃ : جعل ہذا روایۃ عن الامام اھ۔ قلت : والظاہر ان ہذا غیر خارج عن ظاہر الروایۃ ایضاً بل ہو اقرب الیہ من القول بالتقدیر لانہ فسرہ فی شرح الوہبانیۃ بان ینظر ویجتہد ویفعل ما یغلب علی ظنہ فلا یقول بالتقدیر لانہ لم یرد بہ الشرع بل ینظر فی الاقران وفی الزمان والمکان ویجتہد ثم نقل عن مغنی الحنابلۃ حکایۃ عن الشافعی ومحمد وانہ المشہور عن مالک وابی حنیفۃ وابی یوسف وقال الزیلعی لانہ یختلف باختلاف البلاد وکذا غلبۃ الظن تختلف باختلاف الاشخاص فان الملک العظیم اذا انقطع خبرہ یغلب علی الظن فی ادنیٰ مدۃ انہ قد مات اھ

اس عبارت کا حاصل صرف یہ ہے کہ حکم بموت المفقود کیلئے تقدیر مدت

کی ضرورت نہیں بلکہ یہ امر مفوض الی رای القاضی والامام ھے قاضی اور امام کو نظر و اجتہاد سے جس وقت موت مفقود کا غلبہ ظن ہو جائے حکم بالموت کر دے اس کے بعد شامی میں وہ عبارت ہے جو مجیب سلمہ نے نقل کی ہے جس میں یجتہد و یحکم الفرائن الظاہرۃ الخ اور فیحکم بموتہ کی ضمیریں سب امام و قاضی کی طرف راجع ہیں۔ یعنی قاضی کو اجتہاد سے کام لینا چاہیئے اور قرائن ظاہرہ کو حکم بنانا چاھئے اور اسی پر جامع فتاویٰ کی عبارت کو مبنی کیا ہے کہ جب مفقود مہلکہ میں گم ہو جائے تو اسکی موت کا حکم لگایا جائے یعنی قاضی وامام کو یہ حکم لگا دینا چاھئے اس عبارت سے یہ کسیطرح مفہوم نہیں ہوتا کہ محض مفتی کا حکم بالموت کافی ہے اور قضاء کی ضرورت نہیں علامہ شامیؒ نے اس عبارت کے خاتمہ پر لکھا ہے فلذا قلنا ان ھذا مبنی علی ما قال له الزیلعی تامل اھ (ص ۵۱۱ و ۵۱۲) اور امام زیلعی کا قول اوپر مذکور ہو چکا ہے کہ انکے نزدیک تفویض الی رای الامام مختار ہے اور شامی ص ۵۱۲ ج ۳ میں ہے۔ قلت لکن المتبادر من العبارۃ ان المنصوص علیہ فی المذھب الثانی ثم رایت عبارۃ الواقعات عن القنیۃ ان ھذا ای ماروی عن ابی حنیفۃ من تفویض موتہ الیٰ رای القاضی نص علی انہ انما یحکم بموتہ بقضاء الخ ۔ اس سے صاف ظاہر ھے کہ بصورت فقد فی المھلکۃ قضاء قاضی یا حکم امام ضروری ہے اس کے بغیر حکم بالموت نہیں ہو سکتا پس مجیب سلمہ کا یہ کہنا کہ یہ حکم بادشاہ یا امیر کیلئے خاص نہیں کسیطرح صحیح نہیں واللہ اعلم

حررہ الاحقر ظفر احمد عفا اللہ عنہ
از تھانہ بھون خانقاہ امدادیہ
۲۰ رجمادی الاولیٰ ۴۱ھ

شوہر عنین کا حکم (**سوال**) کیا فرماتے ہیں علماء دین و حامیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ زید کا لڑکا اور عمرو کی لڑکی کے درمیان قبل بلوغت شادی ہوئی اب زوجین سن بلوغ کو پہونچ گئے جسکو عرصہ چھ برس کا ہوا مگر ان دونوں میں کوئی سروکار نہیں ہے تحقیقات سے معلوم ہوا کہ لڑکا نامرد ہے عمرو ایسی حالت میں چاہتا ہے کہ دونوں میں علیحدگی ہو جائے مگر زید کا لڑکا بوجہ خفت طلاق دینا نہیں چاہتا ہے ایسی حالت میں

کیا کرنا چاہیئے مطابق شرع شریف حکم تحریر فرمایا جائے ۔

المرسل۔ عبد العظیم پارچہ فروش شہر آرہ چوک

الجواب :۔ صورتِ مسؤلہ میں لڑکی کو چاہیئے کہ وہ حکومت میں استغاثہ کرے کہ میرا شوہر نامرد ہے اسلئے میں چاہتی ہوں کہ میرا مقدمہ کسی حاکم مسلم کے سپرد کیا جائے تاکہ وہ شرعی حکم مطابق اس کا فیصلہ کر دے حاکم غیر مسلم کا فیصلہ اس صورت میں معتبر نہیں جب حکومت کی طرف سے کسی حاکم مسلم کے سپرد یہ مقدمہ کر دیا جائے تو عورت اسکے سامنے دعویٰ کرے کہ میرا شوہر نامرد ہے اسلئے میں اس سے علیحدگی چاہتی ہوں حاکم شوہر سے دریافت کرے اگر وہ بھی اپنے نامرد ہونیکا اقرار کرے تو حاکم اسکو پورے ایک سال شمسی کی مہلت دے جس میں عورت و مرد کے ایام مرض محسوب نہ ہونگے نہ وہ ایام محسوب ہونگے جن میں عورت شوہر سے بدون اسکے اذن کے غائب رہے اس سال کے اندر اندر اگر علاج وغیرہ کر کے ایک بار بھی شوہر نے بیوی سے صحبت کر لی تو پھر عورت کو اس دعویٰ جدائی کا حق نہ رہے گا اور اگر سال بھر وہ عورت کے پاس نہ پہونچ سکا اور صحبت نہ کر سکا اور اقرار کر لیا کہ میں نے اس عرصہ میں بیوی سے صحبت نہیں کی تو حاکم مسلم ان دونوں میں تفریق کر دے یعنی یہ کہدے کہ میں تم دونوں کا نکاح توڑتا ہوں حاکم کے اس کہنے سے عورت پر طلاق بائن واقع ہوجائیگی عدت کے بعد وہ دوسرے سے نکاح کر سکتی ہے اور اگر شوہر نے اپنے نامرد ہونیکا اقرار نہ کیا بلکہ دعویٰ کیا کہ میں نے عورت سے وطی کی ہے تو حاکم مسلم معتبر دائیوں سے کہے کہ وہ لڑکی کو دیکھیں اور بتلائیں کہ وہ باکرہ ہے یا ثیبہ اگر وہ کہیں کہ لڑکی ثیبہ ہے تو پھر اس عورت کا دعویٰ جدائی صحیح نہ ہوگا اور اگر وہ باکرہ بتلائیں تو حاکم مسلم عورت کے دعویٰ کو صحیح سمجھکر شوہر کو ایک سال کی مہلت دیگا جیسا کہ اوپر گذرا اور سال تمام ہونیکے بعد اگر شوہر و عورت میں اختلاف ہوا عورت نے کہا کہ اس نے مجھ سے وطی نہیں کی اور مرد نے کہا کہ میں نے وطی کی ہے تو حاکم اس وقت بھی دائیوں سے کہیگا کہ وہ عورت کو دیکھیں اور دیکھکر بتلائیں اگر وہ کہیں کہ یہ ثیبہ ہے تو عورت کا دعویٰ جدائی صحیح نہ ہوگا اور اگر باکرہ بتلائیں تو حاکم مسلم عورت سے قسم لیکر ان دونوں میں تفریق کر دے تفریق کرنے سے عورت پر طلاق واقع ہوجائیگی اور عدت کے بعد دوسرے شخص سے وہ نکاح کر سکیگی ۔

قال فی الفتاوی الحامدیة :- لا یفرق بینهما بمجرد دعواها انه عنین مالم یثبت عنتہ باقرارہ او بقول النساء انہا بکر فیوجل من وقت المرافعة سنة کاملة ولا یحسب منہا ایام مرضہ ولا مرضہا ولا ایام غیبتہا عنہ ولو لحجّہا او هروبہا منه فان وطی والا بانت بالتفریق ان طلبت وتاجیل العنین لا یکون الا عند قاضی مصر او مدینة کما افتی بذالک الخیر الرملی اھ (ص ۳۳ ج ۱) واللہ اعلم

حررہ الاحقر ظفر احمد۔ ۲۰؍ رجب ۴۱ھ

زوجہ مجنون کا حکم

(سوال) کیا فرماتے ہیں علماء دین اس مسئلہ میں کہ مسماۃ آمنہ بنت حاجی عبدالغنی صاحب کا شوہر مسمّٰی اسماعیل عرصہ چار یا پنچ سال سے بالکل دیوانہ ہوگیا ہے بہت علاج معالجہ کرایا۔ لیکن اچھا نہیں ہوا اور نہ آئندہ امید ہے مسماۃ مذکورہ بالکل جوان ہے کیا ایسی صورت میں مسماۃ نکاح ثانی کرسکتی ہے یا نہیں؟ بحوالہ کتب تحریر فرمائیں بینوا توجروا۔

الراقم حاجی عبدالغنی صاحب از ویراول بندر کاٹھیاواڑ

الجواب :- صورتِ مسئولہ میں مسماۃ مذکورہ کے نکاح ثانی کی صرف ایک صورت ہے کہ کوئی مسلمان حاکم جو اس قسم کے مسائل کے فیصلہ کا اختیار حکومت کی طرف سے رکھتا ہو اپنے اختیار حاکمانہ سے تفریق کردے بعد تفریق حاکم مسماۃ عدت تین حیض پوری کرکے نکاح کرسکتی ہے اسکے بغیر کوئی صورت نکاح ثانی کی نہیں اور حاکم مسلم اس صورت میں ایک سال کی مہلت دینے کے بعد تفریق کرسکتا ہے اسکے بغیر نہیں۔

وفی العالمگیریة :- قال محمد ان کان الجنون حادثاً یؤجله سنة کالعنة ثم یخیر المرأة بعد الحول اذا لم یبرأ وان کان مطلقاً فهو کالجب وبہ نأخذ کذا فی الحاوی القدسی اھ (ص ۱۵۷ ج ۲) واللہ اعلم

حررہ الاحقر ظفر احمد عفاعنہ

المقیم خانقاہ امدادیہ تھانہ بھون ۲۷؍ صفر ۴۳ھ

زوجۂ مفقود کے نکاح ثانی کی ایک صورت کا حکم

(سوال) ایک شخص اپنی بیوی کو گھر میں چھوڑ کر سفر میں چلا گیا تھا۔ برس دو برس کے بعد لگا تار دو تین

خبر اسکی موت کی آئی۔ پس اس کا ایک حقیقی بھائی تھا اس نے تیسری خبر کے بعد اس عورت کے ساتھ بعد انقضائے عدتِ موت نکاح کر لیا۔ پھر دو ایک برس کے بعد اس کا بھائی سفر سے بیماری کی حالت میں گھر آیا اور اپنی عورت کو اپنے پاس لے گیا مگر بسبب مرض کے اس سے ہم بستر نہ ہو سکا دو تین مہینہ کے بعد اسی بیماری میں اسکی موت واقع ہوئی اب اس صورت میں حکم شرعی کیا ہے ؟ اس عورت کو ناکحِ ثانی جو زوج اول کا بھائی ہے بغیر نکاح کے اپنے پاس رکھ سکتا ہے یا نہیں ؟

الجواب :۔ صورتِ مسئولہ میں اگر مفقود کے بھائی نے نکاح اس وقت کیا ہے جبکہ متواتر خبر موت سے اسکو ظنِ غالب موت کا ہو گیا تھا تو اس صورت میں اسکو زوجہ مفقود سے نکاح کرنے میں گناہ نہیں ہوا اور اگر ان خبروں پر اسکو وثوق نہ تھا تو گناہ ہوا۔ بہر حال جب شوہر اول زندہ واپس آ گیا تو معلوم ہوا کہ نکاح ثانی صحیح واقع نہ ہوا تھا لھذا اب شوہر اول کی موت کے بعد شوہر ثانی اس عورت سے بعد عدت نکاح کر سکتا ہے بدون تجدید نکاح کے اسکو نہیں لے جا سکتا اور اس وقت عورت کو پورا اختیار ہے کہ خواہ وہ شوہر ثانی سے نکاح کرے یا اسکے علاوہ کسی اور سے نکاح کرے شوہر ثانی نکاح ثانی کی وجہ سے اسکو اپنے ساتھ نکاح پر مجبور نہیں کر سکتا کیونکہ علمِ حیاتِ مفقود سے وہ نکاح باطل ولغو ہو گیا وطی بالشبہ سے زیادہ اسکی کوئی حیثیت نہیں۔

فی الھندیۃ :۔ غاب من زوجتہ البکر سنتین فتزوجت وجاءت باولاد او نعیٰ الیھا زوجھا فتزوجت بآخر فولدت فالولد عند الامام للاول نفاہ او ادعاہ او ادعاہ الثانی او نفاہ لاقل من ستۃ اشھر او اکثر من سنتین وللزوج الثانی ان یدفع الزکاۃ الیھم وتقبل شھادتھم لہ فی الوجیز للکردری وروی عبد الکریم الجرجانی عن ابی حنیفۃ ان الاولاد للزوج الثانی راجع الی ھذا القول وعلیہ الفتویٰ کذا فی التجنیس اھ (ص ۳۰ - ج - ۲) تعلم بطلاق النکاح الثانی بعلم حیاۃ الاول رأیي واما الاختلاف فی حکم الاولاد ورجوعہ الی انھا للثانی فلیجعل وطی الثانی وطی بشبھۃ ھذا واللہ اعلم۔

حررہ الاحقر ظفر احمد عفا اللہ عنہ

خانقاہ امدادیہ تھانہ بھون ۲۹؍ صفر ۴۳ھ

زوجۂ مفقود کے نکاح ثانی اور واپسی مفقود کی ایک صورت

(سوال) عمرو کو عرصہ تین چار سال کا ہوا کہ لاپتہ ہے اب عمرو کی منکوحہ خالدہ کے بسر اوقات کیلئے کوئی وسیلہ نہ رہا اسلئے خالدہ نے زید سے نکاح کر لیا کیا یہ نکاح صحیح ہے؟ —— بعدازیں دو ایک بچہ بھی زید کے یہاں بعد نکاح کے پیدا ہوئے اسقدر مدت گزرنے کے بعد عمرو بھی چلا آیا اس صورت میں عورت و بچہ کس کو ملینگے اور جسکو ملیں گے انکے لئے نکاح اوّل کافی ہے یا کہ نکاح ثانی کی ضرورت ھے؟

الجواب:- عمرو کا نکاح باقی ہے اور عورت اسی کی ہے دوبارہ نکاح کرنیکی ضرورت نہیں اور زید کا نکاح صحیح نہیں ہوا لیکن اولاد زید ہی کی ہے

کما فی الدر المختار:- (غاب عن امرأته فتزوجت بآخر وولدت اولاداً) ثم جاء الزوج الاول (فالاولاد للثانی علی المذهب) الذی رجع الیه الامام وعلیه الفتوٰی کما فی الخانیة والجوهرة والکافی وغیرها وقال الشامی تحت قوله (علی اربعة اقوال) لان الولد للفراش الحقیقی وان کان فاسداً (الی ان قال): وانما وضع المسئلة فی الولد اذ المرأة ترد الی الاول اجماعاً اھ (ص ۱۰۳۸- ج ۲)-

وفی العالمگیریة:- (ص ۴۰-ج-۲) غاب عن زوجته البکر سنتین فتزوجت وجاءت بالاولاد (الی ان قال) وروی عبدالکریم الجرجانی عن ابی حنیفة رح ان الاولاد للزوج الثانی ورجع الی هذا القول وعلیه الفتوٰی کذا فی التجنیس (الٰی ان قال) ولو کان الاول حاضراً- والمسئلة بحالها فالولد للاول کذا فی الوجیز للکردری —— قلت:- فما قال الشامی تحت قول الدر (فلا عدة فی باطل) اما نکاح منکوحة الغیر ومعتدته فالدخول فیه لا یوجب العدة ان علم انها للغیر الخ یحمل علی العلم الیقینی وهو منتف فی زوجة الغائب (المفقود) واللّٰه اعلم

اور عورت پر عدت بھی واجب ہے یعنی زوج ثانی (زید) سے علیحدگی کے بعد عدت گذرنے تک عمرو کو صحبت وغیرہ جائز نہیں

وان فرق بعد الدخول کان علیها الاعتداد من وقت الفرقة

لامن وقت الوطی وکذا لوکانت الفرقۃ بغیر قضاء (قاضی خان ص۲۶۹ ج ۲)

و اللہ اعلم

عبدالکریم عفی عنہ

۵، ذی قعدہ ۴۳ھ

الجواب صحیح

ظفر احمد عفا عنہ

۵، ذی تعدہ ۴۳ھ

زوجۂ مجنون کا حکم

(سوال) کیا فرماتے ہیں علماء دین اس مسئلہ میں کہ مسماۃ ہندہ کا عقد نکاح دس سال کی عمر میں زید سے ہوگیا اور زید نکاح سے تقریباً عرصہ ایک سال کے بعد دیوانہ ہوگیا اور ابتک اسکی حالت بدستور خراب ہے اور بظاہر کوئی امید تندرست ہونیکی نہیں ہے نکاح کو ہوئے تقریباً عرصہ دس سال کا ہوگیا لڑکی کی عمر بیس سال ہے دوران شادی لڑکی صرف دس یا پانچ روز کیلئے شوہر کے مکان پر گئی تھی۔ باقی اس وقت اپنے والدین کے پاس ہے اور اس کے والدین بھی خوردونوش وغیرہ کے کفیل ہیں اب ایسی صورت میں مسماۃ کا نکاح دوسری جگہ کر دیا جائے یا نہیں؟ بعض علماء سے یہ معلوم ہوا ہے کہ ایسے نکاح کو حاکم شرع سے فسخ کرا کر دوسری جگہ نکاح کر سکتا ہے مگر یہاں کوئی حاکم شرع یا عدالت شرعی ایسی نہیں ہے جو فیصلہ مطابق شریعت کر سکے اگر کسی اسلامی ریاست کے قاضی شرع سے نکاح فسخ کرا دیا جائے تو نکاح فسخ ہو جائیگا۔ اسمیں کیا ہونا چاہئے۔ فقط عبدالشکور پٹواری بلند شہر بالائے کوٹ کھال منہاراں۔

تنقیح :- جنون زید کے بعد ہندہ نے نکاح زید میں رہنے پر رضامندی ظاہر کی تھی یا نہیں ؟ اور اظہار رضامندی کے وقت ہندہ بالغہ تھی یا نابالغہ؟ مفصل لکھا جائے کہ ہندہ نے بعد جنونِ زید کیا کہا ؟

جواب تنقیح :- ہندہ بوقت جنونِ زید نابالغہ تھی اور جب بالغ ہوئی تو زید کے نکاح میں رہنے پر رضامندی ظاہر نہیں کی بلکہ اپنا عقد ثانی کرنا چاہتی ہے۔

الجواب :- اگر کسی اسلامی ریاست میں ہندہ اور شوہر مجنون مع اسکے ولی کے پہونچ جائیں اور ہندہ فسخ نکاح کا مطالبہ کرے اور قاضی فریقین کے سامنے عقد نکاح کو فسخ کر دے تو فسخ ہو جائیگا۔ بشرطیکہ تاجیل عنین کے موافق ایک سال کی مہلت دینے کے بعد فسخ کرے۔

کما صرح فی العالمگیریۃ :- (باقی صرف ایک فریق کے جانے سے کچھ نہ ہوگا)

لان قضاء القاضی لا ینفذ فیما لیس فی ولایتہ واذا تحاکما وترافعا ای الخصمان کلاھما فقد دخلا فی ولایتہ ۔ واللہ اعلم

حررہ الاحقر ظفر احمد عفا اللہ عنہ

۱۵، شعبان ۴۲ھ

جس عورت کا شوہر غائب ہو اور نفقہ نہ بھیجتا ہو اس کا نکاح فسخ کرنا اور اسکے لئے عوام کی طرف سے قاضی مقرر کرنا۔

(سوال) حامداً ومصلیا ومسلماً ما قولکم رحمکم اللہ تعالیٰ :-

اندرینکہ در دیار ما اکثر کسان در رنگون وغیرہ رفتہ بعضے نکاح ثانی کردہ و بعضے با قلاشی وضیق دستی و شراب خوری مبتلا شدہ رخت اقامت می اندازند وبرائے زوجہ ہائے آنان بوجہ خوراکی و پوشاکی چیزے نمی فرستند ونہ رجعت بسوئے خانہ ہائے می سازند ونہ طلاق می دہند وبعض در دیار خود سکونت ورزیدہ باز دواج زنی دیگر اوقات می گذارند وزن اول را نہ در خانہ دارے خود می آرند ونہ از زوجیت خود جدا می سازند پس با نوہائے اوشان بجہت عدم حصول نفقہ وسکنیٰ والبسہ بیک قلم عاجزہ ومجبورہ گشتہ اکثر بفعل شنیع مثل زناکاری وپردہ دری مبتلا می شوند و بعضے با مرد دیگر از خانہ خود ہا بیرون شدہ بجرائم علانیہ گرفتار می گشتند پس اندریں صورت ہائے مذکورہ خاتون ہا بیچاریان را ہیچ صورت مباینت ہست یا نہ؟ وبوقت ضرورت شدیدہ بمذہب ومسلک امام دیگر عمل کردن جائز ہست یا نہ؟ ودریں ریاست وحکومت نصاریٰ کہ قاضی شرعی مفقود ہست علماء محلہ را باتفاق ساکنان محلہ و باشندگان قریہ حسب قولِ فقہاء ویکون القاضی[عہ] قاضیاً بتراضی المسلمین مقرر کردہ تفریق بین اوشان میتوانند کرد یا نہ؟ بینوا توجروا ۔

الجواب ھو الموافق بالحق والصواب

درصورتِ مسؤلہ تفریق بین زوجین نزد امام ما جائز نیست کیف ما کان ۔

کما فی الدر المختار : ولا یفرق بینھما بعجزہ عنھا بانواعھا الثلاثۃ الخ اما امام شافعیؒ وقتیکہ زوج معسر ومفلس باشد یا غائب گردد تفریق جائز داشتہ اند ۔ کما فی فیھا ایضاً : وجوزہ الشافعیؒ باعسار الزوج وبتضررھا

[عہ] کذا فی رد المحتار ص ۸۲۳ ج ۱ ۔ تحت قول الدر باب الجمعۃ ونصب العامۃ الخطیب ۔ عبدالکریم

بغيبة ولو قضى به حنفي لم ينفذ نعم لو امر شافعياً فقضى به نفذ اذا لم يرتش الآمر والمامور بحر۔ وفي رد المحتار:- تحت قول الدر المختار: نعم لو امر شافعياً ثم اعلم ان مشائخنا استحسنوا ان ينصب القاضي الحنفي نائباً من مذهبه للتفريق بينهما اذا كان الزوج حاضراً۔ وابي عن الطلاق لان دفع الحاجة الدائمة لا يتيسر بالاستدانة اذ الظاهر انها لا تجد من يقرضها وغنى الزوج مالا امر متوهم و التفريق ضروري اذا طلبته وان كان غائباً لا يفرق لان عجزه غير معلوم حال غيبة ثم بعد نقل اختلاف الفقهاء ذكر والحاصل ان التفريق بالعجز عن النفقة جائز عند الشافعي رح حال حضرة الزوج وكذا حال غيبة مطلقاً الى قوله وذكر في الفتح انه يمكن الفسخ بغير طريق اثبات عجزه بل بمعنى فقده وهو ان تتعذر النفقة عليها۔ وفي شرح الوقاية اما عند الشافعي رح فالقاضي يفرق بينهما لانه لما عجز عن الامساك بالمعروف ينوب القاضي منابه في التسريح بالاحسان واصحابنا لما شاهدوا الضرورة في التفريق لان دفع الحاجة الدائمة لا يتيسر بالاستدانة والظاهر انها لا تجد من يقرضها وغنى الزوج في المال امر متوهم استحسنوا ان ينصب القاضي نائباً شافعي المذهب يفرق بينهما انتهى۔

ـــ وبوقت ضرورت شديده بر مذهب امام ديگر حنفي را عمل كردن جائز و درست است كما يفهم من رد المحتار حاشية الدر المختار: وذكر ابن وهبان في منظومته انه لو افتى بقول مالك في الضرورة يجوز واعترضه شارحها ابن الشحنة بانه لا ضرورة للحنفي الى ذالك وقال الشارح في الدر المنتقى هذا ليس باولى لقول القهستاني لو افتى به في موضع الضرورة لا بأس به على ما اظن انتهى ملخصاً والله اعلم وهكذا في النظم فلو افتى به في موضع الضرورة ينبغي لا بأس به على ما اظن انتهى ـــ وبناء بر قول فقهاء۔ ويصير القاضي قاضياً بتراضي المسلمين كما في رد المحتار: اگر
لانان اتفاق شده عالمے متدين را قاضي مقرر سازند وفلوسے بوجہ رشوت نه گيرد

وخالصةً للّٰہ تفرق کردہ دہند امید عند اللہ ماجور شوند۔ واللہ اعلم بالصواب و عندہ ام الکتاب۔ محمد عبد الحکیم غفر لہ الکریم۔

لیس للاحناف ان یفتوا بخلاف مذہب امامہم ولکن لما کانت الضرورۃ داعیۃ الیٰ رفع الحاجۃ الدائمۃ کما حررہ المجیب فینبغی للحنفی ان یفتی للتفریق بینہما دفعاً للضرورۃ الشدیدۃ۔ کتبہ العبد الضعیف الراجی الیٰ رحمۃ ربہ الودود ابو المحمود ومحمد عبد المعبود نکانوی الحنفی۔

لیس للمقلد ان یفتی بغیر قول امامہ وعند الضرورۃ ینبغی ان ینصب قاضیاً فی مذہبہ صورۃ واقعۃ فیقضی بما ہو واقع لہ وفیما لم یوجد قاض علی الوصف المذکور والضرورۃ داعیۃ فللحنفی ان یفتی بقول غیر امامہ دفعاً للحاجۃ: بندہ محمد ناظر غفر لہ

ان مست الحاجۃ کما حررہ المفتی جداً فالحکم لغیر المذہب لرفع الضرورۃ ودفع الفتنۃ ہو عین اتباع المذہب کما لا یخفی علی ارباب الدرایۃ واللہ اعلم۔ عزیز الرحمٰن عفی عنہ از دار العلوم دیوبند۔

التنقید علی الجواب

فی رد المحتار بعد قولہ وان کان غائباً لا یفرق لان عجزہ غیر معلوم حال غیبتہ المذکورۃ فی الجواب وان قضی بالتفریق لا ینفذ قضاءہ لانہ لیس فی مجتہد فیہ لان العجز لم یثبت اھ ونقل فی البحر اختلاف المشائخ وان الصحیح کما فی الذخیرۃ عدم النفاذ لظہور مجازفۃ الشہود کما فی العمادیۃ والفتح وذکر فی قضاء الاشباہ فی المسائل التی لا ینفذ فیہا قضاء القاضی ان منہا التفریق للعجز عن الانفاق غائباً علی الصحیح لا حاضراً اھ (ص ۱۰۸۰ ج-۲) پس مجیب نے "ثم بعد نقل اختلاف الفقہاء" میں ایک مختصر عبارت کے ذکر پر اکتفا کیا اور اس اختلاف فقہاء کو نقل نہ کیا اسمیں سوائے اس کے کیا مصلحت ہے کہ پوری عبارت نقل کرنے میں اپنے مدعا کے خلاف تصحیح صریح موجود تھی اسلئے مبہم لکھدیا تاکہ تصدیق کرنے والوں کو اس تحریر سے اتفاق ہوسکے۔ افسوس! کہ مجیب کی طرح مصدقین نے بھی اس عبارت متروکہ کی طرف خیال نہ فرمایا اگر اس عبارت کے

ترک سے اختصار مقصود تھا تو بعد نقل اختلاف الفقہاء کے ساتھ والصحیح عدم النفاذ بھی لکھدینا لازم تھا غرض یہ ہے کہ زوجہ غائب کی تفریق مذہب صحیح پر کسی طرح نہیں ہوسکتی باقی حاضر معسر کی زوجہ کے متعلق ضرورت شدید کے وقت قول "نعم لو امر شافعیاً فقضی به نفذ" صحیح ہے ای بشرائطہ لیکن اس کے واسطے قاضی کی ضرورت ہے اور قاضی مقام سوال میں موجود نہیں اس واسطے یہ صورت بھی متصور نہیں اور مجیب نے جو صورت تحریر کی ہے کہ "یصیر القاضی قاضیاً بتراضی المسلمین" وہ صحیح نہیں کیونکہ اس جزئیہ کو صورت مسئولہ سے کوئی تعلق نہیں بلکہ قول مذکور جمعہ کے باب میں ہے پوری عبارت شامی باب الجمعہ کی یہ ہے "فلو الولاۃ کفار أیجوز للمسلمین اقامۃ الجمعۃ ویصیر القاضی قاضیاً بتراضی المسلمین" اور دیگر کتب فقہ میں بھی ایسا ہی ہے پس اس "القاضی" میں لام عہد ہے یعنی قاضی جمعہ۔ اور صورت مسئولہ کو جمعہ پہ قیاس کرنا صحیح نہیں۔ لان الجمعۃ من العبادات والتفریق من المعاملات وشتان بینہما — بلکہ فیصلہ کنندہ قاضی ہونے کیلئے حکومت کی طرف سے امر ضروری ہے صرف مسلمانوں کے تقرر وانتخاب سے قاضی نہیں ہوسکتا

کما فی العالمگیریة (ص۱۶۴ ج-۴): اذا اجتمع اهل بلدة علی رجل و جعلوه قاضیاً یقضی فیما بینهم لا یصیر قاضیاً واذا اجتمعوا علی رجل و عقدوا معه عقد السلطنة او عقد الخلافة یصیر خلیفة وسلطاناً کذا فی المحیط اھ وقال العلامة الشامی فی کتاب القضاء :- تحت قول الدر: (ویجوز تقلد القضاء من السلطان العادل والجائر) ای الظالم وهذا ظاهر فی اختصاص تولیة القضاء بالسلطان ونحوه کالخلیفة لو اجتمعوا اهل بلدة علی تولیة واحد القضاء لم یصح بخلاف ما لو ولّوا سلطاناً بعد موت سلطانهم کما فی البزازیة۔ نهر وتمامه فیه۔ اور اسکے بعد گو علامہ موصوف نے فرمایا ہے — قلت :- هذا حیث لا ضرورة والا فلهم تولیة القاضی ایضاً کما یاتی بعده لیکن آگے چلکر درمختار میں بھی صرف تقرر والی وامام جمعہ کا ذکر ہے قاضی کا کوئی ذکر نہیں اور شامی نے بھی تاتارخانیہ و فتح القدیر سے جو عبارات نقل کی ہیں ان میں بھی براہ راست اہل اسلام کو اس کا اختیار نہیں دیا کہ معاملات کا فیصلہ کرنے والا قاضی

مقرر کرسکتے ہیں بلکہ صرف امام و قاضی جمعہ ہی کا اختیار دیا ہے اور تقرر قاضی کی یہ صورت تجویز فرمائی گئی ہے کہ اول اہل اسلام کسی مسلمان کو والی بنادیں پھر وہ والی کسی کو قاضی کا عہدہ سپرد کرے۔ عبارات یہ ہیں۔

وفی الدر المختار:۔ ولو فقد والٍ لغلبة کفار وجب علی المسلمین تعیین والٍ وامام للجمعة فتح (تاتارخانیه) الاسلام لیس بشرط فیه ای فی السلطان الذی یقلد وبلاد الاسلام التی فی ایدی الکفرة لاشك انها بلاد الاسلام لا بلاد دار الحرب لانهم لم یظهروا فیها حکم الکفر والقضاة مسلمون والملوك الذین یطیعونهم عن ضرورة مسلمون ولو کانت عن غیر ضرورة منهم ففساق وکل مصر فیه والٍ من جهتهم تجوز فیه اقامة الجمع والاعیاد واخذ الخراج وتقلید القضاة وتزویج الایامی لاستیلاد المسلم علیه واما اطاعة الکفر فذاك مخادعة واما بلاد علیها ولاة کفار فیجوز للمسلمین اقامة الجمع والاعیاد ویصیر القاضی قاضیاً بتراضی المسلمین ویجب علیهم ان یلتمسوا والیاً مسلماً منهم اھ

وفی الشامیة ایضًا:۔ وعزاہ مسکین فی شرحه الی الاصل ونحوه فی جامع الفصولین (فتح القدیر) واذا لم یکن سلطان ولا من یجوز التقلد منه کما هو فی بعض بلاد المسلمین غلب علیهم الکفار کقرطبة الآن یجب علی المسلمین ان یتفقوا علی واحد منهم یجعلونه والیاً فیولی قاضیاً او یکون هو الذی یقضی بینهم وکذا ینصبوا اماماً یصلی بهم الجمعة اھ

کتب مذکورہ کے علاوہ دیگر کتب فقہ میں بھی بہت تلاش کیا گیا مگر امام جمعہ کے سوا براہ راست قاضی کا تقرر مسلمانوں کے سپرد ہونا کسی جگہ نظر سے نہیں گذرا سب یہی لکھتے ہیں کہ یا تو غیر مسلم حاکم کی منظوری سے نصب قاضی ہوسکتا ہے یا اول اہل اسلام کسی کو باقاعدہ قیود[ع] و شرائط کے ساتھ والی بنادیں پھر اس والی کی طرف سے تقرر ہوسکتا ہے۔ اور رہا اس میں

[ع] قیود و شرائط بوقتِ ضرورت کتب فقہ میں ملاحظہ ہوں اس جگہ ایک شرط کا ذکر ضروری ہے وہ یہ کہ امیر و والی با اختیار و صاحب اقتدار ہو۔ دلیل اسکی یہ ہے کہ کتب مذہب میں امام کیلئے (بقیہ حاشیہ اگلے صفحہ پر)

یہ معلوم ہوتا ہے کہ والی با اختیار کا تقرر ہونے کے بعد اگر کوئی اختلاف کرے تو وہ جرم بغاوت میں ماخوذ ہوسکتا ہے اور اگر تقرر قاضی من العامہ کے بعد کچھ لوگ اختلاف کر کے دوسرا قاضی مقرر کرلیں یا ویسے ہی اس قاضی کا حکم نہ مانیں تو اس کا کچھ علاج نہیں۔ پس اس سے واضح ہوگیا کہ قاضی کو براہ راست مقرر کیا جائے تو اسکو قوت تنفیذ حاصل نہیں ہوسکتی اور بلا قوت تنفیذ کسی کا نام قاضی رکھدینا محض بیکار ہے۔ لہذا جواب مولوی عبدالحلیم صاحب کا لکھا ہوا صحیح نہیں بلکہ سوال کا صحیح جواب یہ ہے کہ صورت مسئولہ میں سے بعض صورتوں میں بوجہ قاضی نہ ہونے کے تفریق نہیں ہوسکتی اور قاضی خود مسلمان مقرر کریں تو وہ قاضی نہیں ہوسکتا اور بعض صورتوں میں قاضی کو بھی تفریق کا حق حاصل نہیں

(فائدہ) اس مختصر تحریر سے یہ تو واضح ہوگیا کہ روایات فقہ نصب القاضی من العامہ کی عدم صحت پر متفق ہیں۔ واللہ اعلم وعلمہ اتم واحکم

نعم التحقیق و بالقبول حقیق
اشرف علی ۲۶ر رمضان ۴۲ھ

حررہ الاحقر عبدالکریم عفی عنہ خانقاہ امدادیہ
تھانہ بھون ضلع مظفر نگر۔ ۲۴ر رمضان ۴۲ھ

آخر الجواب صحیح
ظفر احمد عفا عنہ
۲۶ر رمضان ۴۲ھ

(بقیہ حاشیہ صفحہ گذشتہ) یہ شرط مصرح ہے چنانچہ شرح عقائد میں ہے ”سائسًا ای مالکًا للتصرف فی امور المسلمین بقوۃ رأیہ ورویتہ ومعونۃ بأسہ وشوکتہ قادرًا بعلمہ وعدلہ وکفایتہ وشجاعتہ علی تنفیذ الاحکام وحفظ حدود دار الاسلام وانصاف المظلوم من الظالم۔ اور علت اسکی یہ لکھی ہے۔ اذ الاخلال بہذہ الامور مخل بالغرض من نصب الامام اور ان اغراض کی مذمت لکھی ہے۔ ” والمسلمون لا بد لهم من امام يقوم بتنفيذ احكامهم واقامة حدودهم وسد ثغورهم وتجهيز جيوشهم واخذ صدقاتهم وقهر المتغلبة والمتلصصة وقطاع الطريق واقامة الجمع والاعياد وقطع المنازعات الواقعة بين العباد وقبول الشهادات القائمة على الحقوق وتزويج الصغار والصغائر الذين لا اولياء لهم وقسمة الغنائم ونحو ذالك من الامور التي لا يتولاها احاد الامة اھ اور والی (بقیہ حاشیہ اگلے صفحہ پر)

حکمِ زوجۂ محبوس بحبس دوام

(سوال) کیا فرماتے ہیں علماء دین و مفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ (۱) چودہ سال کا عرصہ ہوتا ہے کہ زید ملک نیپال میں بجرم قتل عمدًا ماخوذ ہوا اور اب گذشتہ سال اسکو حبس دوام کی سزا ہوگئی اپیل میں بھی ناکامی ہوئی اور فیصلہ بحال رہا ابتک زید کی بیوی باوجود طرح طرح کی تکلیفوں کے صرف اس اُمید پر کہ شاید میرا شوہر رہا ہو جائے بیٹھی رہی لیکن اب جبکہ اسکی سزا ہوجانیکے باعث اسکی اُمید رہائی بالکل منقطع ہوچکی ہے تو زید کی بیوی کا مستقبل نہایت ہی تاریک نظر آتا ہے اور اسکو طرح طرح کی مصیبتیں برداشت کرنی پڑتی ہیں اور اسکے میکہ والے بھی نان ونفقہ کا بار نہیں اُٹھا سکتے وہ سخت مصیبت میں ہے بیوی کی عمر ۲۵ ۲۶ رسال ہے اس کا شوہر زید جو ریاست نیپال میں حبس دوام کی سزا بھگت رہا ہے نہایت ہی شریر آدمی ہے اور باوجود سخت کوششوں کے بھی وہ طلاق دینے پر کسی طرح رضامند نہیں ہوتا ، معاملہ چونکہ ایک دیسی ریاست کا ہے وہ بھی نیپال جیسی ریاست جہاں معمولی معمولی باتوں کے

(بقیہ حاشیہ صفحہ گذشتہ) و امیر بھی انہیں اغراض کے واسطے مقرر کیا جاتا ہے اسواسطے قوت وشوکت امورِ متعلقہ کی تنفیذ پر شرط ہونا لازم ہے۔ کما لا یخفٰی علی من له ادنٰی فہم۔ اور سخت حیرت ہے کہ بعض لوگ اس شرط اعظم کو اڑاتے ہیں اور اسپر اس سے استدلال کرتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو ابتدا میں شوکت وغلبہ حاصل نہ تھا حالانکہ آپ اول ہی سے امام واجب الطاعۃ تھے ان حضرات کو اول تو یہ خیال فرمانا چاہئے کہ یہ زمانہ اجتہاد کا نہیں اور تصریحات مذہب کے بعد قیاس کا حق نہیں دوسرے یہ غور کرنا لازم ہے کہ انبیاء کرام مامور من اللہ ہوتے ہیں اور یہ گفتگو ہے منصوب من العباد میں ایک کا دوسرے پر قیاس کرنا کسی طرح درست نہیں علاوہ ازیں ایک امر قابل توجہ یہ بھی ہے کہ اگر نصب امام و والی کیلئے قوت وشوکت شرط نہیں تو کتب فقہ میں ایسے احکام درج کیوں کئے جن میں فقدان امام مفروض ہے بے ملکی نواب کے تقرر کا کیا مشکل ہے جس کے نہ ہونے سے طرح طرح کے مشکلات کا سامنا ہو رہا ہے اور علماء ھند و دیگر ممالک چین وغیرہ نے اسطرف التفات کیوں نہ کیا ایسا زمانہ تو کوئی آیا نہیں جس میں صرف زبان سے کسی کو امام یا والی وامیر کا خطاب دیدینا غیر ممکن ہوگیا ہو پھر علمائے اسلام بالخصوص مولانا شاہ عبدالعزیز صاحب قدس سرہ وغیرہ سلمہ اکابر کاس فریضۂ مذہبی کو ترک کرنے میں کیونکر معذور ہوسکتے ہیں ایسی کھلی بات میں زیادہ گفتگو کرتے ہوئے شرم آتی ہے اس قدر تحریر کی بھی حاجت نہ تھی مگر ضرورت زمانہ نے مجبور کیا کہ غلط مسائل شائع ہو رہے ہیں اور انپر بلا سوچے سمجھے دلائل قائم کئے جاتے ہیں اسلئے بقدر ضرورت یہ مضمون حاشیہ پر لکھدیا ہے۔ فقط والسلام۔

فیصلہ کیلئے ایک طویل زمانہ درکار ہوتا ہے جس کا اندازہ اسی مقدمہ سے کیا جاسکتا ہے کہ چودہ سال میں زید کے مقدمہ کا فیصلہ ہوا اسلئے وہاں کے حکام کے ذریعہ سے زید سے جبراً طلاق حاصل کرنا تقریباً ناممکن ہے اگر ایسی کوشش کی بھی جائے تو نتیجہ پیدا ہونے تک زید کی بیوی کی عمر تباہ ہو جائیگی اسلئے برائے کرم پورے غور و فکر کے بعد فرمائیں کہ آیا صورتِ مسئولہ مشرحہ میں زید کی بیوی بغیر طلاق کے نکاح ثانی کرسکتی ہے یا نہیں ؟ اگر صورتِ مذکورہ میں عورت اپنا نکاح فسخ کرا سکتی ھے تو اسکی شکل کیا ہوگی ؟ جبکہ ھمارے یہاں انگریزی حکومت ھے اور زید ایک دیسی ریاست میں محبوس ھے

(۲) مسلمان کلکٹر ضلع یا مسلمان ڈپٹی کلکٹر قاضی تسلیم کیا جاسکتا ہے یا نہیں ؟ —

المستفتی۔ شیخ چھیدی عبد الحمید قصبہ لار محلہ دکن
ضلع گورکھپور۔ مرقومہ ۳ر جولائی ۱۹۲۷ء

الجواب :- یہ شخص مفقود نہیں کیونکہ مفقود وہ ہے جسکی موت و حیات کا علم نہ ہو اور اس شخص کی جگہ بھی معلوم ہے حیات بھی معلوم ہے لھذا یہ مفقود نہیں بلکہ ضار بغیبتہٖ ہے اور اس صورت میں حنفیہ کے نزدیک فرقت بین الزوجین نہیں ہوسکتی اور امام مالکؒ کا قول چار سال کی مدت کا مفقود کے بارے میں ہے اور یہ شخص مفقود نہیں پس اس صورت میں امام مالکؒ کے نزدیک بھی وسعت نہیں لھذا زید کی بیوی بدون زید کی طلاق یا موت کے کسی دوسرے سے نکاح نہیں کرسکتی.

قال فی الدر :- ولا یفرق بینھما بعجزہ عنھا بانواعھا الثلاثۃ (ای الماکول والملبوس والمسکن ۱۲۔ ش) ولا بعدم ایفائہ حقھا لوغائباً ولو موسرا (قال الشامی المناسب ولو معسراً) وجوزہ الشافعی باعسار الزوج وبتضررھا بغیبتہٖ ولو قضیٰ بہٖ حنفی (ای علی الغائب) لم ینفذ لو امر شافعیاً تقضیٰ بہٖ نفذ اھ (ص۱۰۷۹ ج۲)

وفیہ ایضاً :- فی باب المفقود۔ ھو شرعاً غائب لم یدرأ حَیٌّ ھو فیتوقع اُم میت اودع اللحد البلقع اھ قال الشامی عن البحر؛ فالمدار انما ھو علی الجھل بحیاتہ وموتہٖ لا علی الجھل بمکانہ اھ (ص۵۰۷ ج۳)

اور اس صورت میں عورت کو اور اسکے والدین کو اس مصیبت پر صبر کرنا چاھیئے

جیسا کہ اس صورت میں صبر کرنے جبکہ لڑکی کا کسی جگہ سے پیغام ھی نہ آتا اور نکاح ہی نہ ہوا ہوتا۔ واللہ اعلم

حررہ الاحقر ظفر احمد عفا عنہ
۸ محرم الحرام سنہ ۴۶ھ

تفریق زوجۂ مفقود کیلئے دار الاسلام میں قضاءِ قاضی شرط ہے اور یہ کہ چار سال کی مدت انتظار بعد رفع الی الحاکم سے شمار ہوگی، اور دار الحرب میں مالکیہ کا وہی مذہب ہے جو حنفیہ کا ہے۔

(سوال) مرجع العلماء جناب مولانا صاحب زید مجدھم۔ بعد تحفۂ تعظیمات معروض اینکہ۔ ھمارے فقہ کی کتب حنفیہ مثل جامع الرموز وغیرہ میں اور نیز حضرتِ با برکت نے فتاویٰ امدادیہ میں افادہ فرمایا ہے کہ روز فقدان سے مفقود کی عورت بحکم حاکم مسلم زوج کو حکمی موت میں داخل کرکے عدت گذار کر نکاح کر سکتی ہے مگر مدونہ کبریٰ تصنیف امام مالک صاحبؒ جلد دوم ص۹۲ طبع مصری میں ھے کہ وہ چار برس بحکم حاکم گذرنے ضروری ہیں سوائے حکم حاکم کے مرور سنین کا کوئی اعتبار نہیں اگرچہ بیس برس گذر گئے ہوں وہ عبارت یہ ہے "ضرب اجل المفقود، قلت:۔ ارأیت امرأۃ المفقود العسرلاربع سنین فی قول مالک بغیر امر السلطان (قال) قال مالک: لا وان اقامت عشرین سنۃ ثم رفعت امرھا الی السلطان نظر فیہا وکتب الیٰ موضعہ الذی خرج الیہ فاذا یئس منہ ضرب لہا من تلک الساعۃ اربع سنین (سحنون) عن ابن وھب عن عبد الجبار بن عمر عن ابن شہاب ان عمر بن الخطاب ضرب للمفقود من یوم جاءت امرأتہ اربع سنین ثم امرھا ان تعتد عدۃ المتوفی عنہا زوجہا ثم تصنع فی نفسہا ما شاءت اذا انقضت۔ وقال ربیعۃ بن ابی عبد الرحمٰن: المفقود الذی لا یبلغہ السلطان ولا کتاب سلطان فیہ قد اضل اھلہ وما لہ فی الارض فلا یدری این ھو وقد تلوموا فی طلبہ والمسئلۃ عنہ فلم یوجد فذاک الذی یضرب الامام فیما بلغنا لامرأتہ الاجل ثم تعتد بعدھا عدۃ الوفاۃ اھ

زرقانی علی الموطا للامام مالکؒ میں بھی مرور چار سال بامر سلطان کو

ثابت رکھا ہے اور یہی عبارت نقل کی گئی ہے اب عرض یہ ہے کہ ہمارے فقہ حنفی میں مالکی مذہب کی نقل کرنے میں غلطی اور مسامحت کی ہے جیسا کہ صاحب جامع الرموز منتسامح مشہور ہے اور غالباً اس مسئلہ میں سب کا پیشوا بھی وہی معلوم ہوتا ہے یا کوئی اور جواب ہو سکتا ہے جس سے کہ ہماری کتب حنفیہ کی نقل درست اور مرور چار برس کا روز فقدان زوج سے مراد ہو بامر سلطان یا نہ۔ بعض فضلاء رامپور وغیرہ فرماتے ہیں کہ جامع الرموز کا مطلق چار برس کا کہنا اگرچہ بغیر سلطانی امر کے ہو کتب مالکیہ کے خلاف ہے اور اپنے مذہب پر صاحب مذہب ہی کو پوری اطلاع ہوتی ہے نہ کہ غیر کو جیسا کہ ھدایہ میں نسبتِ حلتِ متعہ بطرف امام مالک صاحبؒ نسبت کرنا مخالف تھا کتب مالکیہ کے لھذا اکثر احناف نے رد کر دیا۔ بینوا توجروا۔

الجواب:۔ بے شک مذہب مالک کی نقل وہی معتبر ہے جو کتب مالکیہ میں موجود ہے۔ مدونہ کی عبارت جیسا کہ سوال میں مذکور ہے اور میں نے خود بھی اسکو مدونہ میں دیکھا ہے اس امر میں صریح ہے کہ زوجۃ المفقود چار سال قضاء حاکم و امر حاکم کے بعد گذارے اس سے پہلے اس کا چار سال یا بیس سال گذارنا معتبر نہیں۔

وقال الحافظ ابن حجر فی الفتح ایضاً: ان مذهب الزهری فی امرأة المفقود انها تربص اربع سنین وقد اخرجه عبد الرزاق وسعید بن منصور وابن ابی شیبة باسانید صحیحة عن عمر وثبت ایضاً عن ابن عمر وابن عباس قالا تنتظر اربع سنین وثبت ایضاً عن عثمان وابن مسعود فی روایة وعن جمع من التابعین کالنخعی وعطاء والزهری ومکحول والشعبی واتفق اکثرهم علی ان التاجیل من یوم ترفع امرها للحاکم وعلی انها تعتد عدة الوفاة بعد مضی الاربع سنین ولم یفرق اکثرهم بین احوال الفقد الا ما تقدم عن سعید بن المسیب (قال اذا فقد فی الصف عند القتال تربصت امرأته سنة واذا فقد فی غیر الصف فاربع سنین) وفرق مالک بین من فقد فی الحرب فتؤجل الاجل المذکور (ای اربع سنین) وبین من فقد فی غیر الحرب فلا تؤجل بل تنتظر مضی العمر الذی یغلب علی الظن انه لا یعیش اکثر منه وقال احمد والحق ان من غاب عن اهله فلم یعلم

خبرہ لاتاجیل فیہ وانما یؤجل من فقد فی الحرب و فی البحر او نحو ذالک وجاء عن علی اذا فقدت زوجہا لم تتزوج حتی یقدم او یموت وقال عبد الرزاق بلغنی عن ابن مسعود انہ وافق علیا فی امرأۃ المفقود انہا تنتظرہ ابداً ومن طریق النخعی لاتتزوج حتی ستین عمرہ و ہو قول فقہاء الکوفۃ والشافعی وبعض اصحاب الحدیث اھ (ص۳۸ ج - ۹)

اس سے معلوم ہوا کہ زوجہ مفقود کیلئے ائمہ اربعہ میں سے امام احمد و مالک چار سال کے انتظار کے قائل ہیں۔ مگر دونوں کے نزدیک تاجیل امام شرط ہے بدون تاجیل امام کے چار سال گذرنا معتبر نہیں اور انکے نزدیک بھی تاجیل باربع سنین ہر مفقود کیلئے نہیں بلکہ مفقود فی الحرب ونحوھا کیلئے ہے اور مفقود فی غیر الحرب کیلئے وہ بھی امام ابو حنیفہ وشافعی کی طرح موت اقران کے قائل ہیں یہ تو اصل مسئلہ کی تحقیق تھی اور حضرت حکیم الامت نے اپنے فتاویٰ میں کسی جگہ قضاء قاضی کا مذہب مالک میں مشروط ہونا ضرور ظاہر فرمایا ھے جیسا کہ مجھے یاد پڑتا ہے اور مصنفین حنفیہ کا اس شرط کو ظاہر نہ فرمانا یا تو بوجہ اختلاف روایات مالک کے ہے ممکن ہے کہ ان سے کسی روایت میں یہ شرط مروی نہ ہو جس سے حنفیہ نے اطلاق سمجھا اور مالکیہ نے دوسری روایت سے اسکو مقید سمجھا یا بوجہ قلت ممارست بفقہ مالک کے ھے اور حنفیہ کی طرح مالکیہ وشافعیہ وحنابلہ بھی حنفیہ کے مذہب کے بیان میں ایسی غلطیاں بکثرت کرتے ہیں کہ خاص کو عام مقید کو مطلق بیان کر دیتے ہیں۔ واللہ اعلم۔

حررہ الاحقر ظفر احمد عفا اللہ عنہ۔ ۲؍ ربیع الاول سنہ ۴۶ھ

قلت: والذی صرح بہ الشیخ حکیم الامۃ فی بعض فتاواہ مانقلہ من کتاب شرح الشیخ الدردیر علی مختصر الشیخ الخلیل فی المذہب المالکی ونصہ ولزوجۃ المفقود الرفع للقاضی والوالی ودالی الماء وہو الساعی ای جابی الزکوٰۃ والا فلجماعۃ المسلمین فیؤجل الحرار بعین سنین ان دامت نفقتہا من مالہ والا طلق علیہ لعدم النفقۃ من حین العجز عن خبرہ بالبحث عنہ فی الاماکن التی یظن ذھابہ لو لیہا فی البلدان بان یرسل الحاکم رسولاً بکتاب الحاکم تلک الاماکن مشتمل علی صفۃ الرجل وحرفتہ ونسبہ لیفتش عنہ فیہا ثم بعد الاجل الکائن بعد کشف الحاکم

عن امره ولم يعلم خبره اعتدت عدة كالوفاة (این حکم در دار الاسلام بود چنانچه درآں کتاب تصریح است وبعد چند سطر حکم مقابلش یعنی زوجہ مفقود در دار الکفر می آرد هكذا) وبقيت زوجة الاسير وزوجة مفقود ارض الشرك للتعمير ان دام نفقتهما والا فلهما التطليق كما لو خشيا الزنا وهو (اى) التعمير سبعون سنة من يوم ولد اه ص۳۹۹ الى ص۴۰۱

وفى مقدمات ابن رشد القاضى المالكى فالمفقود هو الذى يغيب فينقطع اثره ولايعلم خبره وهو على اربعة اوجهٍ مفقود فى بلاد المسلمين ومفقود فى بلاد العدو ومفقود فى صف المسلمين فى قتال العدو ومفقود فى حرب المسلمين فى الفتن التى تكون بينهم فاما المفقود فى بلاد المسلمين فالحكم فيه اذا رفعت امرأة امرها الى الامام ان يكلفها اثبات الزوجية والمغيب فاذا اثبت ذالك عنده كتب الى والى البلد الذى يظن انه فيه او الى البلد الجامع ان لم يظن به فى بلد بعينهٖ متبحثاً عنه ويعرفه فى كتابه اليه باسمه ونسبه وصفته ومتجره ويكتب هو بذالك الى نواحى بلدهٖ فاذا ورد على الامام جواب كتابه بانه لم يعلم له خبر ولا وجد له اثر ضرب لامرأته اجلا اربعة اعوام ان كان حرا او عامين ان كان عبدا ينفق عليها فيهما من ماله وفى مختصر ابن عبد الحكم ان الاجل يضرب من يوم الرفع ص۱۰۱/۱۲ قال : واما المفقود فى بلاد الحرب فحكمه حكم الاسير ولا تتزوج امرأته ولا يقسم ماله حتى يعلم موته او ياتى عليه من الزمان مالا يحيىٰ الى مثله فى قول اصحابنا كلهم حاشا اشهب فانه حكم له بحكم المفقود فى المال والزوجة جميعًا واختلف فيمن ذهب فى البحر الى بلاد الحرب ثم فقد فقيل انه كالمفقود فى بلاد المسلمين لامكان ان تكون الريح قدرته الى بلاد المسلمين الا ان يعلم انه جاز فى بعض جهات الروم (مثلاً) ثم فقد بعد ذالك وقيل انه كالمفقود فى بلاد الحرب اه ثم فصل فى حكم المفقود فى صف المسلمين فى قتال العدو وفى القتال بين المسلمين وذكر ان فى ذالك روايات مختلفة ففى بعضها له حكم المفقود

فی دار الاسلام وفی بعضها له حكم المقتول فتنتلوم امرأته سنة او نحو ذالك وفی بعضها له حكم الاسیر وقد تقدم واللہ تعالیٰ اعلم ــــ قلت: وبہ تبین ان قول مالك فی المفقود كقولنا فی غالب الاحوال الا فی الذی فقد فی دار الاسلام فیضرب لامرأته الاجل عنده بعد الرفع الی الحاكم من یوم الرفع او من یوم ورود جواب كتابه الی البلدان ولیس للمرأة عنده ان تنتظر اربعة اعوام بنفسها كما افتی بذالك بعض العلماء بالهند اخذا بقول مالك وهو خطأ صریح۔ واللہ اعلم

ظفر احمد عفا عنہ ۷ ربیع الاول ۴۶ھ

حکم زوجۂ مجنون مفقود

(**سوال**) کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ بمبئی میں ایک شخص دیوانہ ہوگیا اور احمد آباد کے قریب میران داتار صاحب کا مزار ہے جہاں ایسے دیوانوں کو بغرض حصول شفا لوگ لیجاتے ہیں چنانچہ شخص مذکور دیوانے کی زوجہ اس دیوانے کو اپنے ہمراہ لیکر میران داتار صاحب کے مزار پہ لیجانیکے واسطے ریل میں سوار ہوگئ راستہ میں عورت مذکور سوگئی جب بیدار ہوئی تو اپنے زوج دیوانے کو نہ پایا عورت نے پہلے تو خود بہت جستجو کی بعد ازاں انعامی اشتہار بھی چھپوایا بعد ازاں عورت کے اقارب نے اجمیر دہلی تک سفر کرکے بھی اس شخص دیوانے کی جستجو کی اس واقعہ کو تقریبًا پانچ سال کا عرصہ ہوچکا ہے مگر ابتک اس شخص دیوانے کا کچھ پتہ نہیں ملا اب عورت مذکورہ چونکہ جوان بعمر ۲۲ سالہ ہے اور نان ونفقہ سے بھی تنگ ہے اس واسطے بصورت مذکورہ کسی دوسرے شخص سے وہ عورت نکاح کرسکتی ہے یا نہیں؟ بینوا توجروا۔

العبد ہاشم بن آدم کوسیئ۔ العبد اسماعیل احمد۔ شاہد احمد بن محمد

الجواب:۔ نہیں کرسکتی البتہ اگر حکامِ انگریزی کسی مسلمان حاکم کو ایسے مقدمہ میں شرعی فیصلہ کرنیکا اور اس مفقود کے حکم بالموت کا اختیار باقاعدہ دیدیں تو پھر سوال کیا جائے اسکی تدبیر بتلائی جائیگی۔

بشرف علی

تتمہ سوال بالا

بعد از سلام مسنون عرض ہے کہ مفقود مذکور اور اسکی زوجہ ہردو ریاست مانگرول کے رہنے والے ہیں بوجہ روزگار کے بمبئی میں رہتے تھے زوج کے مفقود ہونیکے بعد زوجہ

اپنے اصلی وطن مانگرول میں چلی آئی۔ اب عرض یہ ہے کہ یہاں کا رئیس مسلمان اور حاکم با اختیار ہے اپنے رعایا پر جو قانون چاہے نافذ کرسکتا ہے اور گورنمنٹ نے بھی حاکم مذکور کے اختیار مذکور کو تسلیم کیا ہوا ہے صرف سہولت کیلئے حاکم نے اپنے قلم رو میں قانون انگریزی کو جاری کر رکھا ہے اب حاکم مذکور مفقود مذکور کی نسبت (جو کہ علاقہ انگریزی میں مفقود ہوا ہے) حکم بالموت کرسکتا ہے یا نہیں؟ فتاوی امدادیہ ج ۳۔ ص ۸۰۔ سطر ۴ پس بنائے علیہ دریں ملک آں حکام کہ برائے ایں غرض از سرکار مامور کردہ می شود اگر مسلمان باشندہ در حکم قضاۃ هستند مثل ڈپٹی وغیرہ نیز ص ۸۰۔ سطر ۲۲ اگر قاضی شرعی است کہ برائے فصل خصومات مقرر کردہ شد قضائش نافذ می شود نیز ص ۸۲ سطر ۱۳ صورت ثانیہ (یعنی جہاں کفار کی طرف سے حاکم مسلمان ہو) میں فسخ معتبر نہ ہوگا بینوا توجروا۔

الجواب من جامع امداد الاحکام

صورت مسئولہ میں عورت اس واقعہ کا مرافعہ حاکم مسلم مانگرول کی عدالت میں کرے پھر حاکم مذکور کو چاہئے کہ مفقود کی تلاش و تفتیش کرے اگر مایوسی ہو جائے اور اسکے ظن غالب میں مفقود کی موت راجح ہو تو تاریخ مرافعہ سے چار سال کے بعد حکم بالموت کرسکتا ہے علی مذهب مالك وعلی مذهبنا ایضا فان الزیلعی اختار تفویضه الی رای الحاکم (در، ص ۵۱۱ ج-۳) — پھر حکم بالموت کے بعد چار ماہ دس دن عدت وفات کے پوری کرکے نکاح کرسکتی ہے۔ قلت: ولما کان المفقود فی وطنه فی ولایة هذا الحاکم المسلم یجعل کانه مفقود دار الاسلام ولو سلم انه مفقود دار الحرب فان الملك الحربي اذن له فی الحکم بین الناس الذین هم فی الاصل تحت ولایته وان سکنوا بلاد الحرب للکسب کما هو الظاهر من اصولهم والله اعلم۔

وفی المدونة: قال مالك، فی الاسیر: یفقد فی ارض العدو انه لیس بمنزلة المفقود لانه فی ارض العدو وقد عرف انه قد اسر ولا یستطیع الوالی ان یستخبر عنه فی ارض العدو فلیس هو بمنزلة من فقد فی ارض الاسلام اه (ص ۹۸ ج-۲) — قلت: وهل اذا کان فقد فی ارض الحرب وملکها مسالم للسلطان المسلم فهو کالاسیر ام لا الظاهر الثانی لامکان

الاستخبار عنه فی ارض المسالمو و اللہ اعلم۔

حررہ الاحقر ظفر احمد عفا عنہ

از تھانہ بھون خانقاہ اشرفیہ امدادیہ۔ ۱۱ شوال سنہ ۴۶ھ

صورتِ تفریقِ زوجۂ عنین

(سوال)

کیا فرماتے ہیں علماء دین اس مسئلہ میں کہ عرصہ اندازاً تیرہ چودہ سال کا مقضی ہوا کہ محمد سعادت علی ساکن حال جھانگیر آباد بھوپال نے اپنی دختر کا عقد اپنے رشتہ دار نامی محمد وسیع ساکن ضلع میرٹھ سے کردیا تھا۔ اتفاق سے شوہر نامرد وعنین نکلا اس وجہ سے اسکو ندامت ہوئی اور وہ اپنے وطن چلا گیا۔ مدعیہ کے باپ نے بعد تین چار سال کے محکمہ قضا بھوپال میں چارہ جوئی بابت گلو خلاص کی محکمہ موصوف سے باضابطہ ذریعہ عدالت مافوق مدعا علیہ طلب کیا گیا مگر وہ باوجود طلبی اور زمین چار سال گذر جانے کے حاضر نہ ہوا محکمۂ قضاء نے مقدمہ خارج فرمایا کہ بلا حاضری مدعا علیہ تصفیہ جدائی زوجین غیر ممکن ہے اور محکمہ افتاء بھوپال نے فتوی تحریر فرمایا کہ شریعت غزا دادرسی مظلومان وفیصلات خلائق ہر قسم سے کہیں عاجز نہیں اور علاقہ غیر کی صورت میں علاج شرعی ہو سکتا ہے جو بذریعہ کتاب القاضی الی القاضی کے حسب معروض بالا کاروائیاں تکمیل ہو سکتی ہیں یعنی باضابطہ میعاد ایک سال دیگر اطلاع دیجائے اور بحالت عدم حاضری مدعا علیہ ھدایت جلد ۲ باب العنین جدائی ممکن ہے اسپر فرمانروائے بھوپال سے بنام قاضی صاحب بھوپال مکرر تحقیقات کا حکم فرمایا گیا قاضی صاحب سابق نے بعد ایک دو سال کے مکرر خارج فرمایا کہ بلا حاضری مدعا علیہ تصفیہ نہیں ہو سکتا مجبوراً باپ مدعا علیہ نے جابجا سے فتوے علماء دین سے حاصل کرکے خدمت میں قاضی صاحب حال پیش کی کہ جس میں یہ بھی تحریر تھا کہ مدعا علیہ کو باضابطہ میعادی ایک سالہ اطلاع دی جانے پر اور بحالت عدم حاضری مدعا علیہ علیحدگی زوجین بروئے شریعت شریف جائز ہے تب محکمہ قضا نے ذریعۂ اشتہارات واخبارات اعلان کیا اور ایک حکم باضابطہ اطلاعاً مدعا علیہ کو دیا کہ اگر اس مرتبہ مدعا علیہ حاضر نہ ہوا تو یہ سمجھا جائیگا کہ مدعا علیہ کو علیحدگی منظور ہے اور اُسے بروئے شریعت شریف حکم قطعی علیحدگی زوجین دیا جائیگا۔ تاہم مدعا علیہ اندر میعاد مقررہ حاضر نہ ہوا۔ بعد میعاد باپ مدعا علیہ کو بلوا لیا جائے۔ چنانچہ تب وہ حاضر ہوا اور ایک ہندو ڈاکٹر کا سرٹیفیکٹ بھی لاکر پیش کیا کہ میں اب اچھا ہوں۔ اس پر باپ مدعیہ نے جب کہا جناب کے سرٹیفیکٹ ڈاکٹر کافر کا شریعت غزا میں جائز نہیں بمقابلہ

تحقیقات شرعیہ کے اور جس حال میں آپ خود عالم و حاکم محکمہ قضا ہیں اور حکیم بھی ہیں مدعا علیہ کا معائنہ بھی کرا سکتے ہیں ایسی صورت میں یہ سرٹیفیکٹ کافی کا دیا ہوا اور عدم موجودگی فریقین وعدالت کے حاصل کیا گیا ہے کب جائز سمجھا جا سکتا ہے اسپر قاضی صاحب نے بخیال دور اندیشی اہل برادری ہونیکے مقدمہ خارج فرما دیا اور مثل داخل دفتر فرمادی اور کوئی تصفیہ نہ فرمایا مدعا علیہ مع باپ کے واپس وطن خود چلا گیا اسی طرح زمانہ عقد سے اس وقت تک عرصہ چودہ سال کا ہوگا نہ تصفیہ کیا گیا نہ نان ونفقہ دیا گیا۔ اسی عرصہ میں والدین مدعا علیہ کا انتقال ہوگیا اور ماں مدعیہ کا انتقال ہوگیا صرف باپ مدعیہ جو ضعیف العمر بیکار خانہ نشین بیمار ھے اگر وہ بھی قضا کر گیا تو کوئی سرپرست مدعیہ کا نظر نہیں آتا ایسی صورت میں شریعت کیا حکم دیتی ہے کہ جس حالت میں مدعیہ کو نہ جانا منظور ہے نہ مدعا علیہ کو کوئی ضرورت لاحق ہوئی۔ جائے غور ھے۔ کہ اسقدر عرصہ گذر جانے پر اور جوانی مدعا علیہ اتر جانے تک کوئی برائی بھلائی یا خواہش تک نہ معلوم ہو جیسا زمانہ ابتداء میں معصوم صفت نابالغ تھا تا این دم نابالغ موجود ہے اور نہ نان ونفقہ دے اگر دعویٰ نان ونفقہ کیا جائے تو یہ اندیشہ ھے کہ سابقہ دعویٰ یہ عرصہ چودہ سال کا گذر گیا دوبارہ یہ عمر نوح درکار ہے اس وقت بجز سرپرست وکفیل باپ خود مدعیہ کے کوئی دوسرا نظر نہیں آتا ایسی حالت میں بجز گلوخلاصی مدعیہ کیونکر اوقات بسر ممکن ہے اس واسطے براہ خدا و رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم جلد سے جلد اسبارہ میں فتویٰ مرحمت فرمایا جائے جو مدعا علیہ کو پہونچکر مدعیہ و باپ مدعیہ جو چراغ سحر ہے تا وقت دعا گو رہیگی اور اللہ جل شانہ جزائے خیر دیگا واجب جان کر عرض کیا گیا۔

سائل۔ طفیل احمد برادر چچازاد مدعیہ ساکن جہانگیر آباد بھوپال

الجواب:۔ قال فی البدائع فی باب العنین: واذا ثبت (ای بعد التاجیل سنۃ) انہ لم یطأھا اما باعترافہ واما بظھور البکارۃ فان القاضی یخیرھا فان الصحابۃ رضی اللہ عنھم خیروا امرأۃ العنین ولنا فیھم قدوۃ فان شاءت اختارت الزوج الی ان قال فان اختارت المقام مع الزوج بطل حقھا ولم یکن لھا خصومۃ فی ھذا النکاح ابدا لما ذکرنا انھا رضیت بالعیب فسقط خیارھا وان اختارت الفرقۃ فرق القاضی بینھما کذا ذکرہ الکرخی ولم یذکر الخلاف وظاھر ھذا الکلام یقتضی انہ لاتقع الفرقۃ

www.ahlehad.org

بنفس الاختيار فی ظاهر الروایة (ای بعد تخییر القاضی ایاها) ولا یحتاج الی القضاء کخیار المعتقه وخیار المخیرة وروی الحسن عن ابی حنیفة انه لا تقع الفرقة مالم یقل القاضی فرقت بینکما وجعله بمنزلة خیار البلوغ هکذا ذکر و ذکر فی بعض المواضع ان فی قول ابی حنیفة ماروی الحسن عنه و ماذکر فی ظاهر الروایة قولهما وجه روایة الحسن ان هذا الفرقة بطلاق لاخلاف بین اصحابنا و انما المخالف فیه الشافعی فانما فسخ عنده والمسئلة ان شاء الله تعالیٰ تأتی فی موضعها و القاضی یقوم مقام الزوج ولان هذه الفرقة یختص بسببها القاضی وهو التاجیل لان التاجیل[عه] لا یکون الا من القاضی فکذا الفرقة المتعلقة به کفرقة اللعان وجه المذکور فی ظاهر الروایة ان تخییر المرأة من القاضی تفویض الطلاق الیها فکان اختیارها الفرقة تفریقًا من القاضی من حیث المعنیٰ لا منها اھ (ص ٣٢٥ و ٣٢٦ - ج - ٢) قلت: وفیه دلالة علی انه لابد من تخییر القاضی للمرأة بین القیام مع الزوج والفرقة منه اتفاقًا بین اصحابنا خلاف ما یوهمه کلام الشامی فی هذا المقام۔ ولله در صاحب البدائع فما افصح بیانه وما ابلغ کلامه وان الخلاف فی انه هل یتوقف الفرقة بعد تخییر القاضی علی قوله فرقت بینکما اولا فروایة الحسن عن ابی حنیفة وهی التی اختارها اصحاب المتون انه لابد من تفریق القاضی بل تقع الفرقة باختیار المرأة نفسها بعدما خیرها القاضی وهو المذکور فی ظاهر الروایة۔ والله اعلم

مسئلہ عنین میں قاضی کا مہلت دینا مرد کو اور مہلت دینے کے بعد عورت کو قیام مع الزوج اور آزادئ نفس میں مختار بنانا ضروری ہے اسکے بغیر عورت نکاح سے نہیں نکل سکتی پھر امام صاحب کے نزدیک قاضی کے اختیار دینے کے بعد جب عورت آزادئ نفس کو اختیار کرے قاضی کا یوں کہنا بھی ضروری ہے کہ میں نے تم دونوں میں تفریق کردی

[عه] صرح به فی البحر والفتح والهندیه ان تاجیل غیر القاضی باطل وکذا تاجیل المرأة۔ ظفر۔

اورصاحبین کے نزدیک اسکے کہنے کی ضرورت نہیں بلکہ قاضی کے اختیار دینے کے بعد جب عورت اپنے نفس کی آزادی کو اختیار کرلے تو اسی طلاق پڑجائیگی۔

چونکہ صورت مسئولہ میں قاضی سے عورت کو آزادی نفس اختیار کرلینے کا اختیار نہیں دیا نہ یوں کہا کہ میں نے تم دونوں میں تفریق کردی اسلئے ابھی تک یہ عورت شوہر کے نکاح میں ہے دوسرے کسی مرد سے نکاح نہیں کرسکتی فلتصبر ولتحتسب۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ الاحقر ظفر احمد عفا عنہ

از تھانہ بھون ۳ر ذی الحجہ سـ۴۶ـھ

رسالہ ”غایۃ المقصود فی نہایۃ المفقود“
تحقیق مذہب مالکؒ در زوجۂ مفقود

(**سوال**) کیا فرماتے ہیں حضرات علمائے دین اس اس مسئلہ میں کہ زید نے اپنی لڑکی سید خانم صغر سنی میں محمد سرور ولد عبد الرحمٰن کو نکاح یعنی ایجاب وقبول کردی روبرو گواہاں کے بعد خطبہ اور نکاح کے محمد سرور کہیں چلا گیا ھے عرصہ قریباً چھ سال گذر چکے ہیں اسکے زندہ ہونے اور مرنے کی خبر کسی نے آجتک نہیں دی اور لڑکی اپنی جگہ کہتی ھے کہ والد نے مجھے قید کردیا ھے کہ کہیں شادی بیاہ کرکے مجھکو نہیں دیا اور نہ دیتا ہے اور جوان چار پانچ سال کی ہوں اور نہ ھمارے خاوند مذکورہ نے کوئی خبر نیک و بد بھیجی ہے اور اسکے والدین رو پیٹ کر صبر کر رھے ہیں اور ھم گرفتار والدین کے شرم وحیاء میں کب تک رہونگی یہ مشکل امر ہے **بینوا توجروا فی الدارین**۔

الجواب:۔ اگر مسماۃ سید خانم کا شوہر مفقود الخبر ہوگیا ہے اور کچھ پتہ اسکے مرنے جینے کا نہیں ہے تو اسکو قاضی، اگر قاضی نہ ہو تو جماعت مسلمین، چار سال کی مہلت دیں اور شوہر کی تلاش میں کوشش کریں اگر اس عرصہ میں بھی شوہر کا پتہ نہ چلے تو چار سال کے بعد مسماۃ مذکورہ عدتِ وفات چار مہینہ دس دن پورے کرکے نکاح ثانی کرسکتی ہے بدون تاجیل قاضی یا جماعت مسلمین کے عورت کو نکاح ثانی کرنا جائز نہیں ہے اور یہ مذہب امام مالکؒ کا ہے حنفیہ نے بھی بضرورت اسپر فتویٰ دیا ہے

وفی المدونۃ الکبریٰ: قلت: ارأیت امرأۃ المفقود اتعتد بعد الاربع سنین فی قول مالک بغیر امر السلطان قال: قال مالک رحمہ اللہ: لا ولو اقامت عشرین سنۃ ثم رفعت امرھا الی السلطان نظر فیھا وکتب الی موضعہ الذی خرج الیھا فان یئس ضرب لھا من

تلك الساعة اربع سنين الخ۔ والله اعلم

كتبه مسعود احمد عفا الله عنه
دار العلوم ديوبند۔ ۱۸، محرم ۱۳۴۶ھ

الجواب صحيح
محمد رسول خان عفى عنه

(الكلام على الجواب المذكور)

سيدى ومولائى المحترم زادت معاليكم اقدم الى حضار الاعتاب تحيات منها سيد الانام عليه وعلى آله افضل الصلوات واكرم التسليمات من المفضل المنعام ومن بعد فابدى لسيادتكم ان العلماء هٰهنا كانوا يفتون الزوجة المفقود حسب ماذكره العلامة ابن عابدين بمذهب المالكيه كما افاده مولانا عبد الحى الكهنوى وحضرت مولٰنا الگنگوهى قدس الله سرهما العزيز فكانوا يقولون انه ان مضى على فقده اربع سنين وتحقق الفقد حسب القواعد الشرعية فليحكم الحاكم الاسلامى او من جعل حاكماً بالتحكيم بموت المفقود ويامر الزوجة ان تعتد عدة الوفاة ومثل هذا مذكور فى الفتاوىٰ الامدادية وكان مفتى هذه الديار ويجاوز هذا ويفتى بان المسلمين اذا لم يجدوا حاكماً او محكماً كذالك فليعملوا بفتوىٰ الامام مالك من كبار انفسهم قد جرىٰ هذا العمل والفتوىٰ الى ما شاء الله ثم احدث بعض العلماء هٰهنا تشديداً فقال: اذا رفع امر زوجة المفقود الى حاكم او جماعة المسلمين فليتفقدوا الفقد اجديداً فان لم يتبين امره فليؤجل من بعد ذالك اربع سنين وان مضى قبل الرفع عشرون او اربعون سنة فاذا كملت المرأة مدة اربعين سنة تعتد عدة الوفاة ثم تتزوج وقال: ان المذكور فى كتب المالكية هكذا وقد عبارة المدونة كما هى مذكورة فى الجواب قدمت الى داعيكم هذه الفتوىٰ للتصحيح فانكرتها ورأيت ان المدونة وان كانت من الكتب القديمة المعتبرة لدى المالكية ولكنها غير مفتى بها لديهم ولا يعتمد عليها من كل الوجوه وانما يعتمدون على مختصر الخليل وشرحه فينبغى ان ينظر اليه ويفتىٰ به۔ قلت: ان الظن ان مراد صاحب المدونة ان امر المفقود لا يتم شرعًا اى لا يتحقق فقده الشرعى الا بعد مساعى السلاطين ومن ناب منابهم فانهم فى الازمنة السالفة لدى قلة الوسائل لهم الذين كانوا قادرين على معرفة المفقود حق المعرفة فالحاصل ان هذه القيود انما هى لتحقق الفقد فان ثبت الفقد فى زماننا الذى كثر فيه الوسائل ويقدر فيه احاد الناس على ما كان لا يقدر على مثله فى الماضى السلاطين والملوك فلا حاجة

حينئذ إلى التأجيل بعد رفع المسئلة و بعد مضى المدّة التى تطول على أربع سنين من لدن الفقد الشرعى ـ و كيف ما كان فإنّ المقصد من عبارة المدوّنة تحقيق الفقد فإذا ثبت الفقد الطويل قبل ذلك فلاحاجة حينئذ إلى التأجيل ثم على التسليم نقول إن الديار الهندية حيث كانت خالية عن السلطان الاسلامى ونائبه فانما يتيسّر فيها الرفع بعده إلى جماعة المسلمين اذ آحادهم ولاشك أن المرأة رفعت أمرها إليهم منذ فقدت زوجها أو بعد مدّة يسيرة من حيث صاروا يفتقدونه بما تيسر لديهم فينبغى أن تعتبر المدّة منذ الافتقاد ثم بعد ذلك كله وتسليم الأمور بأجمعها صرحت المالكية أن المرأة إنما تؤمر با لتأجيل إن كان لديها نفقة من زوجها فأما إذا لم يكن لديها النفقة فليحكم عليها بالطلاق بمجرّد الرفع كما هو فى عبارة الخليل وشرحه فياسيدى إن المصائب التى تنزلت بالديار الهندية إنما ترجع عامتها إلى عدم النفقات وصعوباتها فحٍ لاحاجة إلى التأجيل والانتظار الشديد و إنما احتجنا إلى مذهب مالك رحمه الله والافتاء به للضرورات الشديدة الحادثة فى زماننا ـ فالمرجو من مكارم أخلاقكم أن تنظروا إلى ما ذكر الداعى الحقير واطلعونا بما يلزم حتى نجرى التصحيحات والفتاوى بمقتضاها وهذه عبارة الخليل وشرحه:

فصل ولزوجة المفقود الرفع للقاضى والوالى ووالى الماء وإلا فلجماعة المسلمين فيؤجل الى أربع سنين ان دامت نفقتها والعبد نصفها من العجز عن خبره ثم اعتدت كالوفاة وسقطت بها النفقة ولا يحتاج فيها لاذن وليس لها البقاء بعدها و قدر طلاق بدخول الثانى فتحل للأول إن طلقها اثنتين فإن جاء أو تبين انه حى أو مات فكالوليين اهـ بقدر الحاجة ـ

وقال فى شرح الدردير: فصل لذكر المفقود وأقسامه الأربعة (قوله والمفقود) أى ببلد دار الاسلام بدليل ما يذكره فى غيره حرّة أو أمة صغيرة أو كبيرة الرفع للقاضى والوالى أى حاكم السياسة ووالى الماء وهو الساعى اى جابى الزكوٰة ان وجد واحد منهم فلجماعة المسلمين من صالحى بلدها ولها ان لا ترفع وترضى بالمقام معه فى عصمته حتى يتضح امره أو تموت وظاهره انها مخيرة فى الرفع لاحد الثلاثة والنقل انها إن أرادت الرفع و وجدت الثلاثة وجب للقاضى فإن رفعت لغيره حرم عليها وصحّ وان رفعت لجماعة المسلمين مع وجود القاضى بطل فان لم يوجد قاض فتخير فيها فان رفعت لجماعة المسلمين

مع وجودها فالظاهر الصحة فيؤجل الحرّ أربع سنين إن دامت نفقتها من ماله وإلا طلق عليه لعدم النفقة ويؤجل العبد نصفها سنتين من حين العجز عن خبره بالبحث عنه فى الأماكن التى يظن ذهابه إليها من البلدان بان يرسل الحاكم رسولاً بكتاب لحاكم تلك الاماكن مشتمل على صفة الرجل وحرفته ونسبه۔ ليفتش عنه فيها ثم بعد الأجل الكائن بعد كشف الحاكم عن امره ولم يعلم خبره اعتدت عدة كالوفاة أى كعدّة الوفاة للحرّة بأربعة أشهر وعشر والأمة لشهرين وخمس ليال على ما تقدّم ولو غير مدخول بها لانه يقدر موته فلا نفقة لها فيها كما قال وسقطت بها أى فيها اى العدّة النفقة ولا تحتاج الزوجة فيها أى العدّة بعد فراغ الأجل لإذن من الحاكم لان اذنه حصل بضرب الاجل أو لاً وليس لها البقاء أى اختيار البقاء فى عصمته بعدها أى بعد الشروع فيها على المعتمد وبعد الفراغ اتفاقاً وقدر طلاق من المفقود حين الشروع فى العدة يفيتها عليه يتحقق وقوعه بدخول الزوج الثانى عليها حتى لو جاء الأول قبل دخول الثانى كان أحق وبعد الدخول بانت من الأولى وتأخذ منه جميع المهر وإن لم يكن قد دخل بها التشكيل تقدير هذا الطلاق بأنه لاحاجة له مع تقدير موته وعدّتها عدة الوفاة فتحل للأول وهو المفقود ان كان قد طلقها اثنتين اھ بقدر الحاجة

وقال فى بيان القسم الثانى من المفقود وهو مفقود غير بلاد الاسلام ما نصّه وزوجته الاسير وزوجته مفقود ارض الشرك للتعمير ان دامت نفقتها والّا فلها التطليق كما لو خشيتا الزنا وهو أى التعمير أى مدّته سبعون من يوم ولد وتسميها العرب وقاقة الاعناق واختار الشيخان ثمانين وحكم بخمس وسبعين الخ بقدر الحاجة۔

المتشبّث بأذيال الكرام

احقر الطلبة حسين احمد غفرله من ديوبند

فى ۵ من صفر ۱۳۴۷ھ

الجواب عن مسئلة المفقود

من جامع إمداد الأحكام

أما بعد فإنى أحمدُ الله الذى لا إله إلا هو وأصلّى وأسلّم على سيدنا النبى

محمد سيد الرسل وخيرته إليه من خلقه وعلى آله وأصحابه البررة الكرام إلى يوم القيامة ۔

وأما مسئلة زوجة المفقود فسمعت سيدى حكيم الأمة دام مجده وعلاه أنه راى فتوى بخط حضرة شيخ وقته مولانا الكنكوهى قدس الله سره وهو يعرف خطه حق المعرفة وهى منقولة بعد جوابى وفيها صرح الشيخ رحمه الله بكون ذلك مقيدًا[عه] بحكم الحاكم نعم قد اطلق القول فى ذلك مولانا عبد الحى رحمه الله فى فتاواه وقال: إن امرأة المفقود تتربص أربع سنين ثم تعتد بعد ذلك عدة الوفاة ۔ ولنا فيه نظر لكون المدار فى ذلك على الافتاء بمذهب مالك وليس مذهبه كذلك مطلقًا كما صرح به فى المدونة وأما قولكم أطال الله بقاءكم ان المدونة وان كانت من الكتب القديمة المعتبرة لدى المالكية ولكنها غير معنى بها الخ ـــ فيخالفه قول الحافظ ابن حجر فى تعجيل المنفعة (صك) ولفظه ليس الامر عند المالكية كما ذكر (الحسينى أن الموطا لمالك هو مذهبه الذى يدين الله به اتباعه ويقلدونه) بل اعتمادهم فى الأحكام والفتوى على ما رواه ابن قاسم عن مالك سواء وافق ما فى الموطا أم لا الخ ولا يخفى أن رواية ابن القاسم عن مالك هو ما فى المدونة لسحنون وأيضًا فإن عبارة المدونة صريحة فى أن امراة المفقود لا تعتد إلا أربع سنين فى قول مالك بغير أمر السلطان وإن أقامت عشرين سنة ثم رفعت أمرها إلى السلطان نظر فيها ۔ وكتب إلى موضعه الذى خرج إليه فإذا يئس منه ضرب لها من تلك الساعة أربع سنين الخ صـ٩٢ ج١ ۔ وعبارة مختصر الخليل وشرحه ليست بصريحة فى خلاف ذلك أنها لا تعتد إلا أربع سنين من وقت فقده لا من وقت الرفع وأما قولكم وكيفما كان فإن المقصد من عبارة المدونة تحقيق الفقد الخ فلا سبيل لنا إلى ذلك مالم ينص عليه الامام أو أحد من أصحابه لاحتمال أن يكون وجهه ذلك أن المعتبر هو الرفع الى السلطان دون غيره كما قال علمائنا أن المعتبر من البينة واليمين ما

[عه] فلينظر الفتوى التى رأيتموها للشيخ بالاطلاق هل هى مكتوبة بخطه أو خط غيره فإن المعتمد عليها هى التى تكون بخطه ۔ منه

يكون منهما بين يدى القاضى فى مجلس حكمه دون ماسواه كيف لا و قد قال مالك رحمه الله و إن أقامت عشرين سنة ثم رفعت أمرها إلى السلطان نظر فيها الخ ولايخفى أن بمثل تلك المدّة الطويلة لايكون الفقدخا فياً على جماعة المسلمين من صالحى بلدها الذين تفقدوه بما تيسّر لديهم فلوكان الرفع إلى جماعة المسلمين معتبرًا عنده لم يقل ماقال لوجود الرفع الى الجماعة فى تلك المدة بلاشك و أما قولكم قد صرّحت المالكية أن المرأة إنما تؤمر بالتاجيل إن كان لديها نفقة من زوجها و إلا فيحكم عليها بالطلاق بمجرّد الرفع ففيه انالا ننكر ذلك ولكن الكلام فى أن الحاكم عليها بالطلاق من هو والرفع المعتبر كيف هو والذى تحصل لنا من المدوّنة ان الرفع لا يعتبر إلا إلى السلطان (وفى حكمه نائبه) وهوالذى يوجل لها الاجل ويقع بانقضاءه الطلاق عليها والله أعلم و بعد ذلك كله فقد صرّح فى المدوّنة وفى المقدمات لابن رشد أن المفقود فى بلاد الحرب حكمه حكم الاسير لا تتزوّج امرأته ولا يقسم ماله حتى يعلم موته أو يأتى عليه من الزمان مالا يجيئ إلى مثله فى قول المالكية كلهم حاشا اشهب اه (ص۱۵۶ ج۲) فكيف يجوز الافتاء بأن تعتد الاربع سنين من وقت الفقد أو الرفع إلى جماعة المسلمين فى الهند مع كونها دار الحرب فليس ذلك من مذهب مالك فى شئ والذى ذكره فى مختصر الخليل وشرحه أن زوجة مفقود ارض الحرب إن لم يكن لها نفقة من زوجها فلها التطليق فهذا إذا كانت الزوجة فى دار الاسلام وفقد الزوج فى أرض الحرب كماهو ظاهر مما ذكروه فى علة التعمير و اما إذا كان الزوج والزوجة كلاهما من اهل ارض الحرب فلم نر فيه نقلاً عن المالكية ولا يجوز الإفتاء بالقياس فى مذهب الغير هذا فاللازم فى هذه المسئلة الاستفتاء من علماء المالكية بالحرمين فهم أعرف بمذهب مالك منّا معشر الحنفية فيستفسر عنهم حكم زوجة المفقود فى دار الحرب كالهند وهل يضرب لها الاجل أربع سنين ام لا تتزوّج حتى يأتى عليه من الزمان مالا يجيئ إلى مثله و إن الرفع لا بد و ان يكون لدى القاضى أو الحاكم أو يكتفى إلى جماعة المسلمين او المحكم أيضًا فيفتى بمثل فتواهم - والله تعالى أعلم

حرره الاحقر خادمكم الاصغر ظفر احمد عفا عنه

۹ر صفر سنہ ۱۳۴۷ھ

التتمة الاولیٰ: ثم راجعت شرح الزرقانی علی الموطأ وهو من متاخری المالكية من اصحاب القرن الحادی عشر فوجدته قد قال فی شرح حديث مالك عن يحيی بن سعيد عن ابن المسيب ان عمر بن الخطابؓ قال: أيّما امرأة فقدت زوجها فلم تدر أين هو فانها تنتظر أربع سنين الخ مانصه: تنتظر أربع سنين من العجز عن خبره لأنها غاية أمد الحمل ولانها التی تبلغها المكاتبة فی بلاد الاسلام سيرًا ورجوعًا وضعف الأول بقول مالك لو أقامت عشرين سنة ثم رفعت يستأنف لها الأجل وبأنها إذا كانت صغيرة أو آيسة أو الزوج صغيرًا تضرب الأربع ولاحمل منها والثانی بقول مالك أيضًا تستأنف الأربع من بعد الياس وانها من يوم الرفع ولو رجع الكاشف بعد سنة انتظرت تمام الأربع ولو كانت العلة كونها أمد الكشف لم تنتظر تمامها وقيل: لاعلة له إلا الاتباع واستحسن اه (ص ۵۷ ج ۳)

قلت: وبهذا اظهر ضعف العلة التی ذكرتموها أن مراد المدوّنة ان امر المفقود لايتم شرعًا أی لا يتحقق فقده الشرعی الابعد مساعی السلاطين ومن ناب منابهم الخ بل الظاهر أن علة الاتباع لاغير۔ وفی الزرقانی أيضًا: فی الفرق بين امرأة المفقود وبين التی بلغها طلاق زوجها وهو غائب أن الأولی تفوت علی الزوج الأول بدخول الثانی والثانية لاتفوت بدخوله علی رای اللخمی وعلل الفرق بأنه لم يكن فی هذه (أی التی بلغها طلاق زوجها) أمر ولاقضية من حاكم بخلاف امرأة المفقود اه (ص ۵۷ ج ۳) وهذا يدلّ علی أن أمر الحاكم وقضيته فی امرأة المفقود أمر متفق عليه عند المالكية فان الفرق لايعلل إلّا بالمتفق عليه كما هو ظاهر. والله تعالیٰ أعلم وهو أيضاً مقتضی القياس۔ ففی الدر المختار: عن واقعات المفتين معزياً للقنية انه انما يحكم بموته بالقضاء لانه امر محتمل فمالم ينضم إليه القضاء لايكون حجة اه والقضاء الذی هو حجة إنما هو قضاء القاضی أو نائبه دون جماعة المسلمين من صالحی البلد كما لا يخفی فان جماعة المسلمين لا ولاية لهم علی أحد بخلاف القاضی او نائبه.

نقل جواب مسئلہ مفقود از حضرت مولانا گنگوہی جوکہ از قاضی عبدالحق حاصل شد و حضرت حکیم الامت خط مولانا شناختہ این فتویٰ را در امداد الفتاویٰ ملحق ساختہ۔

یہ فتویٰ رسالۃ الامداد۔ ماہ ربیع الثانی ۱۳۳۹ھ ج۔ ۶ ع ۱۰ ص ۲۲ میں طبع ہوچکا اور اس کا اصل مسودہ امداد الفتاویٰ قلمی میں موجود ہے۔

جس وقت سے کہ خبر زوج کی گم ہے کہ بعد تحقیق اس کا کہیں نشان نہیں ملا اس وقت سے کامل چار سال کر کے حاکم مسلمان تفریق کر دے بعد تفریق کے دس روز اور چار ماہ وہ عورت عدت کرے اور پھر نکاح دوسرے سے کر دیا جائے۔ یہ مذہب امام مالکؒ کا ہے اس پر فتویٰ اس وقت میں دیا جاتا ہے واللہ اعلم۔

کتبہ الاحقر رشید احمد عفی عنہ گنگوہی

مہر

قلت: وفیہ تصریح باشتراط قضاء القاضی للتفریق وبان الاربع سنین تبتدئ من وقت الیأس عن المفقود وبعد التفتیش عنہ بقی ان ھذا التفتیش یکفی من آحاد المسلمین او لابد من تفتیش الحاکم بعد المرافعۃ۔ فکلام الشیخ ساکت عنہ و صرّح کلام المدوّنۃ بالشق الثانی ولم نر فی کتب المالکیۃ ما یخالفہ صریحاً فھو المعتمد حتی یحدث اللہ بعد ذلک أمراً۔ والسلام ظفر احمد عفا عنہ

التتمۃ الثانیۃ: فإن قیل: لو أقامت حکومۃ الھند لمسلمیھا قضاۃ مسلمین لفصل المقدمات التی یحتاج فیھا إلی قضاء القاضی فھل لا یجوز لھؤلاء القضاۃ الحکم بمذھب مالک فی امرأۃ المفقود کما ھو ظاھر ما ذکرتہ عن المدوّنۃ والمقدمات لابن رشد ان اعتداد الاربع سنین انما ھو لزوجۃ مفقود دار الاسلام دون دار الحرب بل لھا التعمیر ای تربّص زمان لا یجئ إلی مثلہ وھو سبعون سنۃ۔ قلنا: لو وجد فی الھند قضاۃ مسلمون کما ھو المسئول من الحکومۃ ونرجو اللہ تعالیٰ الظفر بہ فلا حاجۃ لنا إذن بالقضاء بمذھب مالک بل یقضی القضاۃ بمذھب أبی حنیفۃ المختار للزیلعی وھو أن ضرب الأجل فیہ مفوض إلی رأی الامام ولا تقدیر فیہ فی ظاھر الروایۃ کما فی الینابیع قال فی الفتح: فأی وقت رای المصلحۃ حکم بموتہ (شامی ص۵۱۱ ج۳) وأیضاً فعلّۃ الفرق بین مفقود دار الاسلام ومفقود دار الحرب عند مالک کونہ فی دار العدو ولا یستطیع الولی

أن يستخبر عنه فی ارض العدو فليس هو بمنزلة من فقد فی دار الاسلام كما هو فی المدوّنة (ص۹۸ ج-۲) واذا وجدت فی دار الحرب قضاة مسلمون انتفت علّة الفرق فالظاهر كون حكمهما سواء وأيضًا فما ذكرناه عن المدونة والمقدمات من الفرق بين مفقود دار الاسلام ودار الحرب صورته أن يكون المفقود فی ارض الحرب وزوجته فی دار الاسلام وأما إن كان كلاهما فی ارض الحرب فلم نجد فی ذلك نقلًا عن المالكية وأيضًا إذا قام ملك دار الحرب لأهلها المسلمين قضاة منهم فح لا يصح القول بكونها دار الحرب إلا علی قول البعض وعند بعضهم تصير بذلك أرض الاسلام هٰذا۔ ولله الحمد علی متواتر إحسانه والانعام وعلیٰ سيّدنا النبی محمّد صلی الله عليه وسلّم أفضل الصلاة وأزكی السّلام وعلیٰ آله وأصحابه البررة الكرام إلی يوم القيام بل إلی بقاء دار السّلام۔

حکم زوجۂ مفقود وتحقیق مذہب مالکیہ

سوال: سیّدی و مولائی المحترم۔ زادت معاليكم۔ أقدم إليكم تحيّات سنّها سيّد الانام عليه وعلیٰ آله وصحبه الصّلاة والسلام وإظهار غاية الاشتياق للثم الأنامل والأقدام فالمعروض علی سموّ مقامكم انی كنتُ أرسلتُ حسب الامر السامی استفتاء إلی علماء المالكية بالمدينة المنوّرة سابقًا فجاء الجواب المنسلك المطوی فی هٰذا الظرف فذلك مرسل إلی سيادتكم حتی تنظروا فيه فتفيدونا بما يلزم علينا لدی الافتاء وارسلوا لنا بعينه حتی يكون سندًا لدينا۔ هٰؤلاء يصرّحون بأن الحكم فی هذه الديار كالحكم بالديار الاسلامية للمفاقيد وازواجهم وحيث أن أكثر المفاقيد لا يتركون نفقة لازواجهم وفی غالب الاحيان يخشی عليهنّ من الفتن ما لا يخفیٰ علیٰ مثل جنابكم فهل يصح ان يفتی بالتطليق ام لا ؟ ۔ حسین احمد غفرله

الجواب: از ناکارہ اشرف علی عفی عنہ بخدمت بابرکت مکرمی معظمی دام فیضہم۔

السلام علیکم زید عنایتہ۔ مجھ کو علم کافی تو کبھی بھی حاصل نہیں ہوا اور جب سے علم ظاہری کی خدمت سے محروم ہوں وہ ناتمام علم بھی اور زیادہ ناتمام ہوگیا اس لئے مولوی ظفر احمد کو سب سوال وجواب دیدئے ان کی تحریر پیش خدمت ہے اور وہ تحریر میرے بھی جی کو لگتی ہے۔ واللہ اعلم۔

www.ahlehad.org

(بقیہ سوال بالا)

حیث أن ساداتنا الفقهاء افتوا بمذهب المالکیة فی زوجة المفقود لأجل الشدائد والفتن الواقعة فی زماننا وقد رأینا الافتاء بتربّص اربع سنین بعد العرض علی الحاکم أو جماعة المسلمین ثم تفتیشهم ثم حکمهم بالتربّص المذکور ثم عدّتها عدّة الوفاة ممّا لَا یُسْمِنُ وَلَا یُغْنِیْ مِنْ جُوْعٍ ولا یدفع المضرّة فلم لا یفتیٰ بالتطلیق کما هو مصرّح فی کتب المالکیة ونصوصهم مقدمة بین أیدیکم۔

سیّدی منذ مدّة مدیدة أشتهی الحضور علی الأعتاب ولکن الزمان لا یساعدنی حیث إن الأوان أوان آخر السنة والکتب إلی هٰذه الساعة لم تصل إلی نهایتها بل بقی لها مقدار عظیم۔ وبناء علیه یذهب الکثیر من الاوقات الخارجة فی التدریس حتی بعد العشاء ومع ذلك فان یسّر الله تعالیٰ أحضر لیالی الجمعة فی المستقبل وعلی الله التکلان والرجاء ان لا تنسوا خویدمکم عن الدعوات الصالحة فانه فی غایة من الاحتیاج إلی دعواتکم وأنظارکم العلیاء وتوجّه هممکم العالیة۔ لا زلتم مرکز الآمال آمین

سائل بالا

الجواب : اس لطف وعنایت کا شکرگزار ہوں، گو شکرگزاری سے بھی معذور ہوں اور اس کے صلہ میں بجز دعاء کے کیا کرسکتا ہوں اگر معذور نہ ہوتا تو خود حاضر ہوکر شکرگزاری کرتا۔ آپ کی زیارت کو سعادت سمجھتا ہوں مگر کوئی حرج یا کلفت بھی گوارا نہیں اگر بدون اس کے مشرّف فرمایا جائے تو زہے قسمت۔ اگر وقت معلوم ہوجائے تو اسٹیشن پر حاضر ہوں اب تو بہت قریب ہوگیا ہے۔ باقی دعاء کی استدعا کرتا ہوں۔ والسّلام

اشرف علی

فتاویٰ علماء مالکیہ از مدینہ منورہ زادہا اللہ شرفاً ونوراً

متعلقہ زوجۂ المفقود

استفتاء

ما قول سادا تنا المالكية اطال بقاءهم و نفع المسلمين بعلومهم، آمين في هذه المسائل الآتية :

(١) امرأة مسلمة فقدت زوجها منذ سنين ولم يتبيّن امره مع كثرة التفتيش والتنقير هل يجوز لها بعد مضى أربع سنين أن تعتد عدة الوفاة ثم تتزوج بزوج آخر أم لابدّ من رفع الأمر إلى الوالى أو الحاكم او جماعة المسلمين ثم تفتيش ذلك المرفوع إليه فإذا يئس يحكم بعد ذلك بانتظارها أربع سنين فان لم يتبيّن تعتد عدّة الوفاة كما يفهم من المدوّنة ومختصر الخليل وشرحه للدردير أم كيف الحكم؟

(٢) هل يلزم حكم الحاكم أو حكم جماعة المسلمين لانتظار أربع سنين ام يصح ذلك بغير الحكم أيضًا؟

(٣) بلاد اسلامية استولى عليها الكفار منذ مدّة مديدة وفقدت مسلمة من أهلها زوجها فيها وليس هنالك حاكم اسلامى يفصل الاحكام حسب القوانين الشرعية فكيف السبيل لها هنالك؟ وفي أى قسم من الأقسام الأربعة المذكورة للمفقود فى مختصر الخليل يكون عداده؟ وهل يصح للمرأة هنالك بعد مضى أربع سنين أن تعتد عدة الوفاة ثم تتزوج أم سبيلها التعمير فقط؟

(٤) هل الصورة الثانية للمفقود المذكورة فى مختصر الخليل تختص بامرأة كانت من سكان البلاد الاسلامية فذهب زوجها إلى البلاد الشركية ففقد هنالك ام تشتمل القاطنة بالبلاد التى استولى عليها الكفار وبالديار الحربية الأصلية أم كيف الأمر؟

(٥) المفقود عنها زوجها سواء كانت من البلاد الاسلامية أو الشركية اذا لم يترك زوجها عندها نفقة وهى فى غاية من الاحتياج والفاقة أو كانت بحيث يخشى عليها الفساد بالعزوبة كيف السبيل لها إذا أرادت التزوج أو أراد أهلها ذلك؟

(٦) المفقود عنها زوجها إذا لم يكن عندها النفقة وهى محتاجة او يخشى عليها من الفساد هل يصح تطليقها او فسخ نكاحها بغير حكم الحاكم الشرعى أم لابدّ من الحكم؟ وعلى الثانى كيف يعمل بالبلاد الاسلامية التى تغلب عليها الكفار؟ أفيدونا ولكم الاجر الجزيل.

الجواب

بِسْمِ الله الرحمٰن الرحيم- الحمد لله والصلاة والسّلام على رسوله وآله

أمّا بعد: فالجواب عن المسألة الاولىٰ هو ما فهمتم لازلتم من أهل الفهم من المدوّنة ومختصر الشيخ خليل من أن المفقود عنها زوجها لابد لها من احد الأمرين إما أن ترضى المقام مع زوجها المفقود أو تريد المفارقة فان أرادها فلابدّ لها من رفع أمرها إمّا إلى القاضى أو إلى الوالى أو إلى والى الماء وإن لم يوجدوا فلجماعة المسلمين من صالحى بلدها وجيرانها وإما انها تعتدّ أو تتزوّج برجل آخر من غير رفع أمرها إلى القاضى أو من ذكر فلا قائل بحلّيته وجوازه لما فيه مالا يخفى من الفساد ونصّ المدوّنة قلت: أى قال سحنون لابن القاسم أرأيت امرأة المفقود أتعتدّ الاربع سنين فى قول مالك بغير أمر السلطان؟ قال مالك: لا- قال مالك: وإن أقامت عشرين سنة ثم رفعت أمرها إلى السلطان نظر فيها وكتب إلى موضعه الذى خرج إليه فإن يئس منه ضرب لها من تلك الساعة أربع سنين، فقيل لمالك: أتعتدّ بعد الأربع سنين أربعة أشهر وعشرا عدّة الوفاة من غير أن يأمرها السلطان بذلك قال: نعم مالها وما للسّلطان فى الاربعة أشهر وعشر التى هى عدّة- ونصّ المختصر ولزوجة المفقود أشرح وهو من غاب فى بلاد الاسلام وانقطع خبره وأمكن الكشف عنه: الرفع للقاضى والوالى! ش! اى وحاكم البلاد ووالى الماء الساعى لجلب الزكوٰة! وإلا فلجماعة المسلمين! ش! ولها عدم الرفع والبقاء فى عصمته حتى يتّضح أمره فيوجل الحرّ أربع سنين وإن دامت نفقتها! ش! فان لم تدم نفقتها فلها التطليق بلا تأجيل وكذا إن خشيت على نفسها الفساد من يوم العجز عن خبره ثم اعتدت كالوفاة وسقطت بها النفقة ودليل ذلك ما رواه مالك عن يحيى بن سعيد عن سعيد بن المسيب عن عمر بن الخطّاب رضى الله تعالىٰ عنه انه قال: أيما امرأة فقدت

زوجها ولم تدر اين هو فانها تنتظر أربع سنين ثم تعتدّ أربع أشهر وعشرًا ثم تحلّ وما روى ابن وهب عن عبد الجبّار عن ابن شهاب أن عمر بن الخطّاب رضى الله تعالى عنه ضرب للمفقود من يوم جاءت اربع سنين ثم أمرها أن تعتد عدة المتوفى عنها زوجها ثم تصنع فى نفسها ما شاءت اذا انقضت عدتها وفى الحديث لا ضرر ولا ضرار .

اما المسألة الثانية فجوابها يعلم مما قبلها وهو قول مالك رح : لا تعتد الاربع سنين بغير امر السلطان ونص القاضى ابن فرحون فى كتاب تبصرة الحكّام فى اصول الاقضية ومناهج الاحكام فى فصل ما يفتقر الى حكم الحاكم على ان التطليق على الناشئين وغيرهم مما لا بدّ فيه من حكم الحاكم -

أما المسألة الثالثة : فجوابها والله اعلم أن المرأة المسلمة التى فقدت زوجها فى بلاد استولت عليها الكفّار مدّة مديدة كما فى مصر والشام والهند تعتد أربع سنين ثم تعتد عدة الوفاة أربعة أشهر وعشرا وزوجها يكون فى عداد القسم الأول من أقسام المفقود لانهم عرفوه بانه من غاب وانقطع خبره وامكن الكشف عنه وعرّفوا القسم الثانى وهو المفقود فى ارض الحرب بانه من غاب وانقطع خبره ولم يمكن الكشف عنه لانه فقد فى ارض الحرب اما البلاد المذكورة وان كان حاكمها كافرا فلا تكون كأرض حرب من كل وجه لوجود قضاة المسلمين فيها وولاتها وامكان الكشف عنه فاتضح بهٰذا أن حكمها حكم من فقدت زوجها ببلاد الاسلام فلا تنتظر مدة التعمير -

وأما المسألة الرابعة : فيفهم جوابها مما قبلها أيضًا وهو أنه لا فرق بين المفقود فى أرض الاسلام وبين المفقود فى البلاد المستعمرة لما قدمنا من وجود قضاة المسلمين فيها وولاتها وامكان الكشف عنه فعلى هٰذا لا تختص الصورة الثانية المذكورة فى المختصر بالمسلمة الكائنة فى بلاد الاسلام بل تشمل من كانت فى البلاد المستعمرة لكفارٍ لما قدّمنا من ان المراد بالشركية البلاد الحربية التى لا يمكن للمسلم الوصول اليها فلا تتمكن القضاة من التفتيش فيها لا مطلق البلاد الكفرية لأنها ربما تكون مسلمة أو ذمية وأما القاطنة بالبلاد الشركية الحربية فحكمها هى وزوجها حكم المسبيين فيفديهما الامام من بيت المال ان كان والّا فمن ماله بالغًا ما بلغ والّا فعلى جميع المسلمين .

وأما المسئلة الخامسة : فجوابها ان المفقود عنها اذا لم يترك لها نفقه واحتاجت

www.arlenaq.org

غاية الاحتياج اوخافت على نفسها الفساد ان لها التطليق بلا تأجيل كما هو مفهوم الشرط في قول الشيخ خليل في مسئلة المفقود وتؤجل اربع سنين ان دامت نفقتها وقال شراحه قاطبة فان لم تدم نفقتها اوخشيت الفساد فلها التطليق بلاتأجيل فترفع أمرها إلى الحاكم و تثبت عدم النفقة والاحتياج بما يثبت به فإمّا ان يطلق الحاكم بنفسه او يأمرها بالتطليق وهوقول الشيخ خليل فهل يطلق الحاكم أويامرها به ؟ قولان و أما ارادة اهلها تزويجها فلاعبرة به مالم تطلب الفراق بنفسها الا أن تكون سفيهة فيقوم وليها مقامها إذا تحقق لديه ضررها .

و أما المسئلة السادسة : فجوابها انه لا يحل لمن لم يكن عندها نفقة اومن خشيت الفساد من النساء ان تطلق نفسها قبل ثبوت ضررها عند الحاكم سواء عدم النفقة أوخشيت الفساد لما تقدم في الجواب عن المسئلة الأولى من جواب مالكؒ و ما تقدم في الجواب عن المسئلة الثانية : وهو قول قاضي المدينة ابن فرحون في تبصرته إن التطليق على الغائبين وغيرهم مما يفتقر إلى حكم الحاكم فلابدّ من ثبوت ضررها عند الحاكم فإما ان يطلق الحاكم و اما ان يأمرها بتطليق نفسها وهوقولان مشهوران لكن القول الثاني أقوى لقول رسول الله صلى الله عليه وسلم لبريرة لما اعتقت أنتِ أملك بنفسك إن شئتِ أقمت مع زوجكِ و إن شئت فارقتيه ـ

و أما قولكم وعلى الثاني كيف يعمل فالجواب عنها ان أحكام قضاتهم نافذة ماضية وان كانت توليتهم الصادرة من الكفار باطلة وبهذا افتى الامام ابوعبدالله المازري لما سئل عن احكام تأتي في زمنه من صقلية من عند قاضيها أوشهود عدولها فأجاب جواباً طويلاً إلى أن قال : و أما الوجه الثاني وهو تولية الكافر للقضاة و الامناء لعجز الناس بعضهم عن بعض فقد ادعى بعض أهل المذهب أنه واجب عقلاً و إن كان باطلاً تولية الكافر لهذا القاضي إما بطلب الرعية له واقامته لهم لذلك فلايطرح حكمه وينفذ كما لو ولّاه سلطان مسلم ـ وفي كتاب الأيمان في مسئلة الحالف لأقضينّك حقك إلى أجل أقام شيوخ المكان مقام السلطان عند فقده لما يخاف من فوات القضية وعن مطرف وابن الماجشون فيمن خرج على الامام وغلب على بلد فولّى قاضياً عدلاً فأحكامه نافذة انتهى وفي كتاب بيان وجوب الهجرة للشيخ عثمان فودي الفلاتي المالكي ـ مانصّه : وتولية

الکافر للقاضی باطلۃ ومع ذلک لا یقدح فی تنفیذ أحکامہ اذ حجر الناس بعضھم عن بعض واجب وفی ذلک یقول الناظم :

تولیۃ الکافر للقضاۃ باطلۃ والحکم ذو اثبات لان حجر الناس بعضھم علی
بعض محتم کما قد انجلی .

قلت: اقل أحوالھم أن یکونوا کالمحکمین أو بمنزلۃ جماعۃ المسلمین فقد تقدّم ان المفقود زوجھا ترفع أمرھا للقاضی أو للوالی وإن لم یجدوا فلجماعۃ المسلمین۔ والعلم عند اللہ وصلی اللہ علی سیّدنا محمد وآلہ وسلّم

أمر بکتابتہ محمد الطیب ابن اسحاق الأنصاری

الجواب

فتویٰ مالکیہ مرسلہ کو دیکھ کر اس امر میں تو اطمینان ہوگیا کہ مالکیہ کے نزدیک دارالاسلام میں جماعۃ المسلمین اور جیران صالحین کی طرف مرافعہ بھی مثل مرافعہ الی السلطان کے ہے مگر کتبِ مالکیہ کی نصوص سے صراحۃً یہ معلوم ہو رہا ہے کہ مرافعہ الی السلطان او من فی حکمہ اور تطلیق و ضربِ اجل زوجۂ مفقود دارالاسلام کے لئے خاص ہے اور زوجۂ مفقود ارض حرب کے لئے صرف تعمیر ہے۔ اس کے بارہ میں مفتی مالکیہ نے فتویٰ مرسلہ میں محض اپنے قیاس سے بدون کسی نص مذہب کے حوالہ کے ہندوستان، مصر و شام کو بحکم دارالاسلام قرار دیکر ان بلاد میں بھی نفقہ زوجۂ مفقود کو مثل زوجۂ مفقود دارالاسلام کے قرار دیا ہے پس اولاً تو آجکل کے علماء کا قیاس حجت نہیں۔ دوسرے علت اس کی یہ بیان کی ہے،، لوجود القضاۃ المسلمین فیھا وولاتھم وامکان الکشف عنہ۔ اور علت ہندوستان میں مفقود ہے کیونکہ یہاں قضاۃ[عہ] و ولاۃ مسلمین موجود نہیں اور انگریزی عدالتوں میں جو حکام مسلمین موجود ہیں وہ مسئلہ مفقود و امثالہ من مسائل الطلاق والنکاح وغیرہ میں قانون انگریزی کے پابند ہیں قانون اسلامی کے موافق فیصلہ کے مجاز نہیں۔ فوجودہم کالعدم۔ البتہ اگر گورنمنٹ

[عہ] لا یقال العلۃ فی الاصل امکان الکشف وھی موجودۃ فی الھند وان لم یکن لنا فیھا قضاۃ وولاۃ مسلمون لانا نمنع امکان الکشف بدون القضاۃ والولاۃ فان العامۃ لا تیسر لھا من أسباب الکشف ما یتیسر للحکام کما لا یخفی فان عمال الحکومۃ إذا امروا بالکشف عن أحد ولو کان مختفیاً من کل وجہ یکشفونہ بالجھد البلیغ والعامۃ لا یجھدون ولو جھدوا لا یقدرون کما ھو شاھد۔ منہ

ہندوستان میں بھی محکمہ قضا کو قائم کر دے اور قضاۃ کو ان مسائل میں قانونِ اسلام پر فیصلہ کا اختیار دے تو بے شک ہندوستان کے مفقود کو بحکم مفقود دار الاسلام کہنا صحیح ہوگا پس ہندوستان میں مذہبِ مالک رح کے موافق زوجہ مفقود کے لئے تطلیق وضرب اجل متصور نہیں و هذا ما قلناه قبل و نشكركم على ما مننتم به علينا من تجشّم الاستفتاء من مالكية الحرم النبوی لازلتم عونا للمسلمين وغياثاً للمسترشدين ۔ والسلام

حرّرہ خویدم کم ظفر احمد عفا اللہ عنہ
از تھانہ بھون خانقاہِ امدادیہ
۲۵ر جمادی الثانی ۴۷ھ

(**نوٹ**) اس کے بعد مولانا حسین احمد صاحب نے مالکیہ کے دوسرے فتاویٰ بھیجے ہیں۔ جو درج ذیل ہیں ۔ ظفر

استفتاء

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم ○

ما قول ساداتنا المالكية اطال الله بقاءهم ونفع المسلمين بعلومهم في هٰذه المسائل الآتية :

(۱) امرأة مسلمة فقدت زوجها منذ سنين ولم يتبيّن امره مع كثرة التفتيش والتنقير هل يجوز لها بعد مضى أربع سنين أن تعتدّ عدّة الوفاة ثم تتزوّج بزوج آخر ام لابد من رفع الامر الى الوالى أو الحاكم أو جماعة المسلمين ثم تفتيش ذلك المرفوع اليه فاذا يئس يحكم بعد ذلك بانتظارها أربع سنين فان لم يتبين تعتدّ عدة الوفاة كما يفهم من المدوّنة ومختصر الخليل وشرحه للدردير أم كيف الحكم ؟

(۲) هل يلزم حكم الحاكم او حكم جماعة المسلمين لانتظار اربع سنين ام يصح ذلك بغير الحكم ايضاً ؟

(۳) بلاد اسلامية استولى عليها الكفار منذ مدّة مديدة وفقدت مسلمة من اهلها زوجها فيها وليس هناك حاكم اسلامى يفصل الاحكام حسب القوانين الشرعية فكيف السبيل لها هناك؟ وفى أىّ قسم من الاقسام الاربعة المذكورة للمفقود فى

مختصر الخليل يكون عداده ؟ وهل يصح للمرأة هناك بعد مضى اربع سنين ان تعتد عدة الوفاة ثم تتزوج أم سبيلها التعمير فقط ؟

(۴) هل الصورة الثانية للمفقود المذكورة فى مختصر الخليل تختص بامرأة كانت من سكّان البلاد الاسلامية فذهب زوجها إلى البلاد الشركية ففقد هناك أم تشمل القاطنة بالبلاد التى استولى عليها الكفّار وبالديار الحربية الاصلية أم كيف الأمر؟

(۵) المفقود عنها زوجها سواء كانت من البلاد الاسلامية أو الشركية اذ لم يترك زوجها عندها نفقة وهى فى غاية من الاحتياج والفاقة أو كانت بحيث يخشى عليها الفساد بالعزوبة كيف السبيل لها إذا أرادت التزوّج أو أراد أهلها ذلك ؟

(٦) المفقود عنها زوجها اذا لم يكن عندها النفقة وهى محتاجة أو يخشى عليها من الفساد هل يصح تطليقها أو فسخ نكاحها بغير حكم الحاكم الشرعى أم لابدّ من الحكم وعلى الثانى كيف يعمل بالبلاد الاسلامية التى تغلّب عليها الكفار؟ أفيدونا ولكم اجر الجزيل

فتوىٰ علامہ سعید بن صدّیق مالکی مفتی مالکیہ مدینہ منورہ

الجواب

بسم الله الرحمن الرحيم

(١) الجواب، والله أعلم بالصواب ومن فضله نرتجى الثواب هو أنّ نصوص المذهب مطبقة على أن المفقود على ستّة أقسام كما ستمر مفصلة الأحكام وعلى أن زوجته لابدّ لها من الرفع إلى القاضى أو الوالى أو من يقوم مقامهما عند عدمهما من والى الماء أو جماعة المسلمين لأنهم يقومون مقام الحاكم العدل عند عدمه ولكن عند وجود الثلاثة لا ترفع إلا للقاضى فان رفعت لغيره مع التمكّن من الرفع له حرم عليها ذلك وإن مضى ما فعله ان كان

هو الوالى لا جماعة المسلمين۔ هذا ما يظهر من كلام ابن عرفه كما قاله الاجهورى وأما لو رفعت لجماعة المسلمين مع وجود الوالى فالظاهر مضى فعلهم وفى النهورى وتبعه اللقانى أن ظاهر كلام خليل ان الثلاثة فى مرتبة واحدة الا أن القاضى أضبط ووجود القاضى أو غيره ممن ذكر مع كونه يجوز أو ياخذ المال الكثير بمنزلة عدمه فترفع لجماعة المسلمين من صالحى جيرانها وعدولهم وغيرهم لانهم كالامام عند عدمه وما يفهم من تعبيرهم بجماعة المسلمين ان الواحد لا يكفى وكذا الاثنان وبه صرح الاجهورى فعلم أنها إن أرادت الرفع فى شان زوجها ووجدت الثلاثة وجب الرفع للقاضى فان رفعت لغيره حرم وصح و ان رفعت لجماعة المسلمين لم يصح وإن لم يكن قاض خيرت فيهما فان رفعت لجماعة المسلمين صح على الظاهر وان لم يوجد واحد من الثلاثة رفعت لجماعة المسلمين۔ وأهلها منهم وكذا القضاة والأمناء المولون للأحكام من الكفار المستولين على بلاد المسلمين لعجز الناس بعضهم عن بعض وقد ادعى أهل المذهب أنه واجب عقلاً وإن كان باطلاً تولية الكافر لهؤلاء القضاة إما بطلب الرعية له أو إقامته لهم للضرورة لذلك فلا يطرح حكمهم بل ينفذ كما لو ولاهم سلطان مسلم فتمضى أحكامهم للضرورة ولئلا يزهد الناس فى قبول توليتهم فتضيع الحقوق وفى كتاب الايمان فى مسئلة الحالف ليقضينك حقك إلى أجل أقام شيوخ المكان مقام السلطان عند فقده لما يخاف من فوات القضية وعن مطرف وابن الماجشون فيمن خرج على الامام وغلب على بلد فولى قاضياً عدلاً فأحكامه نافذة وقال ابن عرفة: لم يجعلوا قبول الولاية للمتقلب المخالف للامام جرحة لخوف تعطيل الاحكام۔

(۲) واما المفقود فى بلاد الاسلام فقد عرفه ابن عرفة بقوله هو من انقطع خبره ممكن الكشف عنه فالاسير ونحوه ممن لا يمكن الكشف عنه لا يسمى مفقوداً فى إصطلاح الفقهاء فالمفقود فى بلاد الاسلام فى غير مجاعة ولا وباء إن لم ترض زوجته بالصبر إلى قدومه فلها أن ترفع أمرها إلى الخليفة أو القاضى أو من يقوم مقامهما فى عدمهما ليفحصوا عن حال زوجها بعد أن

تثبت الزوجية و غيبة الزوج والبقاء فى العصمة الى الآن و إذ اثبت ذلك عندهم كتبوا كتاباً مشتملاً على اسمه ونسبه وصفته إلى حاكم البلد الذى يظنّ وجوده فيه و إن لم يظن وجوده فى بلد بعينه كتب إلى البلد الجامع واستصوب ابن ناجى ان أجرة الرسول الذى يفحّص عن المفقود على الزوجة فاذا انتهى الكشف ورجع إليه الرسول وأخبره بعدم وقوفه على خبره فالواجب أن يضرب له أجل أربع سنين للحرّ وسنتان للعبد وهذا التحرير محض تعبد لفعل عمر بن الخطّاب وأجمع عليه الصحابة ومحل التأجيل المذكور إن كان للمفقود مال تنفق منه المرأة على نفسها فى الأجل ويزاد على ذلك عدم خشيتها الزنا بالاولى لشدة ضرر ترك الوطى الناشئ عن الزنا ألا ترى أنها لو أسقطت النفقة على زوجها يلزمها الاسقاط و إن أسقطت عنه حقها فى الوطء لايلزمها ولها أن ترجع فيه وأيضًا النفقة يمكن تحصيلها من غير الزوج بتسلف ونحوه بخلاف الوطء و إن دامت النفقة ولم تخش الفتنة فيؤجل الاجل المذكور من يوم ترفع ذلك للحاكم ويرسل فى النواحى للكشف عنه ولا يضرب له الاجل بمجرد الرفع بل بعد تمام الكشف و إلى جميع ما سبق اشار خليل بقوله ولزوجة المفقود الرفع للقاضى والوالى ووالى الماء و إلاّ فلجماعة المسلمين فيؤجل أربع سنين إن دامت نفقتها والعبد نصفها من العجز عن خبره ثم اعتدت كالوفاة وهى أربعة أشهر وعشراً للحرّة وشهران وخمس ليال مع أيّامها إن كانت رقيقة ويلزمها مايلزم المتوفّى عنها من الاحداد زمن عدّتها ولا نفقة لها زمن عدّتها و أمّا فى مدّة الاجل فتنفق من مال الزوج وإليه أشار خليل بقوله وسقطت بها النفقة وليس لها البقاء بعد انقضاء العدّة فى عصمة المفقود لأنها أبيحت لغيره ولا حجّة لها فى أنه أحق بها ان قدم لأنها على حكم الفراق حتى تظهر حياته إذ لو ماتت بعد العدّة لم يوقف له إرث منها واما إن لم يكن له مال فلها التطليق عليه بالاعسار من غير تأجيل لكن بعد اثبات ما تقدّم تزيد اثبات العدم واستحقاقها للنفقة وتحلف مع البيّنة الشاهدة لها أنها لم تقبض منه نفقة بهذه المدة ولا اسقطتها عنه وبعد ذلك يمكنها الحاكم من تطليق نفسها بأن توقعه ويحكم به أو يوقعه الحاكم ومثل المفقود من علم

موضعه وشكت زوجته عدم النفقة يرسل إليه القاضى إما أن تحضر أو ترسل النفقة أو تطلقها وإلا طلّقها الحاكم بل ولو كان حاضرًا وعدمت النفقة ثم بعد الطلاق تعتد عدة الطلاق بثلاثة أقراء للحرّة وقرئين للأمة فيمن تحيض و إلا فثلاثة أشهر للحرّة والزوجة الامة لاستوائهما فى الأشهر.

(٣) واما زوجة مفقود ارض الشرك ومثلها زوجة الاسير فانهما يبقيان لانقضاء مدة التعمير والى مالهما واختلف فى قدرها فقيل سبعون سنة وهو قول امام مالك وابن القاسم واشهب قال القاضى عبد الوهاب هو الصحيح و قيل ثمانون سنة وحكم بخمس وسبعين سنة وانما لم يضرب لهما اجل كزوجة مفقود ارض الاسلام لتعذّر الكشف عن زوجيهما ومحل بقائهما إن دامت نفقتهما كغيرهما وإلّا فلهما التطليق وأمّا زوجة المفقود فى القتال الواقع بين المسلمين والكفّار فإنّها تعتد بعد مضى سنة كائنة بعد الفحص عن حاله وأما زوجة المفقود فى معترك المسلمين فتعتدّ بعد الفراغ من القتال والاستقصاء فى الكشف عنه ولا يضرب لها أجل لأنه يحمل امره على الموت ولذلك يقسم ماله حين شروعها فى العدّة أمّا لو شهدت البيّنة على أنّه خرج من الجيش ولم تشاهده فى المعترك فانه يكون كالمفقود فى بلاد المسلمين فيجرى فى زوجته ما تقدّم وأمّا زوجة المفقود فى زمن المجاعة أو الوباء او الكبة او اسعال فتعتدّ بعد ذهاب ذلك المرض وبقى من شك فى حاله هل فقد فى بلاد المسلمين أو الكفار لانصّ فى حاله. قال الاجهورى: وينبغى العمل بالأحوط فتعامل زوجته معاملة زوجة مفقود ارض الشرك بخلاف من سافر فى البحر فانقطع خبره فسبيله سبيل المفقود إلا أن يكون فقد فى شدّة ريح والمراكب فى المرسىٰ ولم يتبيّن له خبر فيحكم بموته لغلبة الظن بغرقه. هذا ملخص أحكام المفقود بأقسامه.

حرّره ۷ جمادى الاولىٰ سنہ ۴۷ھ
سعيد بن صديق أحسن الله إليه فى الفانية والدائمة
ومنّ عليه وعلى المسلمين بحُسن الخاتمة

سعيد بن صديق مہر

فتویٰ علامہ محمد الفاہاشم مالکی مفتی مالکیہ مدینہ منورہ

استفتاء

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

ماقول ساداتنا المالكية أطال الله بقاءهم و نفع المسلمين بعلومهم فى هٰذا المسائل الآتية :

(١) امرأة مسلمة فقدت زوجها منذ سنين ولم يتبيّن أمره مع كثرة التفتيش والتنقير هل يجوز لها بعد مضى أربع سنين أن تعتدّ عدّة الوفاة ثم تتزوّج بزوج آخر؟ أم لا بدّ من رفع الامر إلى الوالى أو الحاكم أو جماعة المسلمين ثم تفتيش ذلك المرفوع إليه فإذا ييئس يحكم بعد ذلك بانتظار أربع سنين فإن لم يتبيّن تعتدّ عدّة الوفاة كما يفهم من المدوّنة و مختصر الخليل وشرحه للدردير أم كيف الحكم؟

(٢) هل يلزم (ان يشترط) حكم الحاكم أو حكم جماعة المسلمين لانتظار أربع سنين أم يصح ذلك بغير الحكم أيضًا؟

(٣) بلاد اسلامية استولى عليها الكفار منذ مدّة مديدة و فقدت مسلمة من أهلها زوجها فيها وليس هناك حاكم اسلامى يفصل الأحكام حسب القوانين الشرعية فكيف السبيل لها هناك؟ و فى أىّ قسم من الأقسام الاربعة المذكورة للمفقود فى مختصر الخليل يكون عداده؟ وهل يصح للمرأة هناك بعد مضى أربع سنين سنين أن تعتدّ عدة الوفاة ثم تتزوّج أم سبيلها التعمير فقط؟

(٤) هل الصورة الثانية للمفقود المذكورة فى مختصر الخليل تختص بامرأة كانت من سكّان البلاد الاسلامية فذهب زوجها إلى البلاد الشركية ففقد هنالك ام تشمل القاطنة بالبلاد التى استولى عليها الكفار و بالديار الحربية الاصلية أم كيف الامر

(٥) المفقود عنها زوجها سواء كانت من البلاد الاسلامية أو الشركية اذا لم يترك زوجها عندها نفقة وهى فى غاية من الاحتياج و الفاقة او كانت بحيث يخشى عليها الفساد بالعزوبة كيف لها إذا أرادت التزوّج أو أراد اهلها ذلك؟

(٦) المفقود عنها زوجها إذا لم يكن عندها النفقة وهى محتاجة أو يخشى عليها من الفساد هل يصح تطليقها أو فسخ نكاحها بغير حكم الحاكم الشرعى ام لا بدّ من الحكم؟ وعلى الثانى كيف يعمل بالبلاد الاسلامية التى تغلب عليها الكفار؟ أفيدونا ولكم الاجر الجزيل .

الجواب

بسم الله الرّحمٰن الرّحيم

ألحمد لمستحقه اتم الصّلاة والتسليم على خير خلقه وآله وصحبه وتابع ماوصّى به ۔

أما السوال الأوّل : عن مسلمة فقدت زوجها سنين وبولغ فى التفتيش عنه ليتبيّن فلم ينفع ذلك ولم يظهر أ سالم هو أم هالك؟ فجوابه إذا كان الفقد فى أرض الاسلام وله مال ينفق منه على زوجته المتروكة فى المقام هو ما فى المؤطأ والمدوّنة وغيرهما عن مالك عن يحيى بن سعيد أن عمر بن الخطّاب قال: أيّما امرأة فقدت زوجها فلم تدر أين هو فانها تنتظر أربع سنين ثم تعتدّ أربعة أشهر وعشرا ثم تحل وعن ابن وهب أن عمر عمل بذلك ورواه الائمة مالك والشافعى وأحمد وابن أبى شيبة والبيهقى والدارقطنى عن عمر وعثمان وعلى وابن عبّاس وابن الزبير رضى الله عنهم ۔ وقال مالك : ينفق على امرأة المفقود من ماله فى الأربع سنين لا فى العدّة ۔ وقال : لا يقسم ميراث هٰذا المفقود حتى يأتى موته أو يبلغ من الزمان مالا يجئ إلى مثله وهو سبعون أو خمس وسبعون أو ثمانون ذكره الشيخ خليل وغيره وفى هٰذا قال الناظم محمد بن عاصم فى تحفة الحكام

ومن بأرض المسلمين يفتقد فاربع من السنين الأمد وباعتداد
الزوجة الحكم جرى تبعصا والمال فيه عمرا ۔

وقول السائل : هل تعتد لنفسها بعد الاربعة الأعوام عدة الحمام أم ترفع أمرها للحكّام أو جماعة الاسلام فجوابه ما فى المدوّنة لسحنون قلت: أرأيت امرأة المفقود أتعتدّ الأربع فى قول مالك بغير امر السلطان ۔ قال ابن القاسم قال مالك: لا وان أقامت عشرين سنة ۔ ثم ذكر أنها ترفع أمرها للسلطان فيبحث عنه وبعد اليئس

يضرب أربع سنين وفى مختصر الشيخ خليل المالكى وشروحه وحواشيه أن لزوجة المفقود ألرفع للقاضى والوالى ووالى الماء أى جابى الزكوة و إلاّ فلجماعة المسلمين قيل : أقلهم ثلاثة من الصلحاء أوواحد عدل عارف يرجع إليه فى المهمّات والرجاء - أما مفقود ارض الشرك والاسير فلا يورث مالهما ولاتنكح زوجتهما إلابعد التعمير. وفى حاشية العدوى على الرسالة أن زوجة مفقود أرض الشرك وزوجة الاسير تبقيان مدة التعمير لتعذر الكشف عن زوجيهما ان دامت نفقتهما و إلاّ فلهم التطليق كما إذا خشيتا على أنفسهما الزنا ومثله فى شروح المختصر وغيرها اعتاق ام ولده بعد مها النفقة أيضاً دفعاً للضرر أوتتزوج بمن ينفق عليها. وفى هذا قال الناظم محمّد بن عاصم : وحكم مفقود بأرض الكفر فى غير حرب حكم من فى الأسر تعميره فى المال والطلاق ممتنع ما بقى الانفاق ،

أما المفقود فى حرب المسلمين مع بعضهم أو فى زمن الطاعون فيورث وتعتدّ زوجته عدّة الوفاة بعد انفصال الصفين ورجوع الخبر إلى البلدين وفى ذلك قال الناظم محمد بن عاصم وحكم مفقود بأرض الفتن - فى المال والزوجة حكم من فنى مع التلوم لأهل الملحمة - بقدر ماتنصرف المنهزمة.

و اما المفقود فى حرب المسلمين للكفار فتعتدّ زوجته عدّة الوفاة ويقسم ماعنده من التركات بعد سنة وشئ من الانتظار وفى ذلك قال الناظم محمد بن عاصم:

وإن يكن فى الحرب فالمشهور فى ماله والزوجة التعمير
وفيه أقوال لهم معينة أصحها القول سبعين سنة
وقد أتى القول بضرب عام من حين يأس منه لا القيام
ويقسم المال على مماته وزوجه تعتد من وفاته
وذا به القضا فى اندلس لمن مضى فمقتضيهم مونس

أما السوال الثانى : وهوهل يلزم حكم الحاكم أوجماعة المسلمين بانتظار الاربع سنين أو يصح بلاحكم من المذكورين؟ فجوابه مافى شرح الدردير وحاشيته ان رفعت أمرها للقاضى يجيب فان رفعت لوالى السياسة أووالى الماء الجابى الزكوٰة مع وجود القاضى حرم عليها ذلك وصحّ الحكم وإن

رفعت لجماعة المسلمين مع وجود القاضى بطل الحكم وان لم يوجد قاضٍ خُيرت فى الرفع للوالى أو الساعى فان رفعت لجماعة المسلمين مع وجودهما فالظاهر الصحة اما ان كانوا جائرين بأخذ مال منها ظلماً ليكشفوا لها عن حال زوجها فلها الرفع لجماعة المسلمين أمّا أجرة المبعوث لطلب الزوج فقيل على الزوجة وقيل على بيت المال، و قيل: إن كان لها مال فعليها و إلّا فعلى بيت المال- وعند الحنابلة لا يفتقر فى ضرب المدّة إلى حاكم البلدة (فائدة عن المسؤلة عنه زائدة) عند الحنفية لا تطلق زوجة المفقود ولا يورث ماله إلّا بعد سنّ التعمير مائة وعشرين أو تسعين أو ثمانين أو سبعين أو ستّين أو برأى حاكم المسلمين وعند الحنابلة ان كان ظاهر غيبته السلامة لا تطلق امرأته ولا يورث فى تركته إلا بعد تسعين سنة وإن كان ظاهرها لهلاك فبعد أربع سنين وعند الشافعية فى قول الشافعى القديم تطلق بعد أربع سنين و يورث بعد مدّة لا يعيش إلى مثلها- و فى الجديد: لا تطليق ولا توريث إلا بعد ثبوت موته أو طلاقه لما رواه الشافعى عن على رضى الله عنه امرأة المفقود ابتليت فلتصبر حتى يأتى يقين موته ولحديث امرأة المفقود امرأته حتى يأتيها البيان- رواه الدارقطنى والبيهقى عن المغيرة بن شعبة لكن الشافعية والحنابلة كالمالكية فى جواز تطليقها لعدم النفقة

و أما السوال الثالث: عن مسلمة فقدت زوجها فى بلاد اسلامية استولى الكافر عليها وحازها وليس هناك حاكم اسلامى كيف تعمل إذا ارادت زواجها؟ فجوابه ما فى الشرح أقرب المسالك للدردير: أن زوجة المفقود فى ارض الاسلام تعتد عدّة وفاة ان رفعت أمرها للحاكم ان كان ثمه أو لجماعة المسلمين عند عدمه ولو حكماً قال: كما فى زماننا بمصر اذ لا حاكم فيها شرعى فيكفى الواحد من جماعة المسلمين ان كان عدلاً عارفاً شانه أن يُرجع إليه فى مهمات الامور بين الناس لا مطلق واحد وعند الحنابلة لا تفتقر امرأة المفقود إلى حكم حاكم البلدة كما فى كشاف القناع و شرح المنتهى للشيخ منصور الحنبلى، وقول السائل: وفى أىّ قسم للمفقود يكون هٰذا؟ جوابه هو أنه من الفقد فى بلد الاسلام إذا كانت شعائره فيها تقام- وفى حاشية الصاوى والدسوقى أن بلاد الاسلام لا تصير دار حرب بأخذ الكفّار لها

بالقہر مادامت شعائر الاسلام قائمة بها وعليه يكون اعتدادها عدة الوفاة بعد أربع سنين و انتهاء الكشوفات و يختص حكم المفقود بزوجته الساكنة فى بلاد الاسلام او فى التى استولى عليها الكفار مع إقامة شعائر الاسلام فيها بين الانام أما الساكنة فى البلاد الحربية الاصلية فلا موالاة لنا فى أمورها بالكلية ۔

أمّا السوال الرابع عن فسخ نكاح المفقود بعدم النفقة فى زمن التربّص والقعود فجوابه ما فى شرح الدردير وعبد الباقى والخرشى وغيرها أن المفقود انما يؤجل لامرأته مادامت نفقتها و إلّا طلقت عليه بعدم النفقة وقضى صلى الله عليه وسلم فى الرجل لايجد ماينفق على امرأته بأن يفرق بينهما ۔ رواه الدارقطنى والبيهقى و ذكره مالك والشافعى وعلماء الحنابلة عن سعيد بن المسيب واخبر ان ذلك من السنة وعلى ذلك المالكية والشافعية والحنابلة واستحسن متأخروا الحنفية نصب غير حنفى يحكم بذلك للضرورة فى حضور الزوج ۔ ذكره صدر الشريعة والكواكيسى وابن عابدين وغيرهم ۔

أمّا السوال الخامس عن فسخ نكاح امرأة المفقود بخشية الفساد والزنا فجوابه ما فى حاشية العدوى على الرسالة والصاوى على أقرب المسالك وشرحه للدردير أن ضرب الاجل لامرأة المفقود إنما هو إذا دامت نفقتها من ماله ولم تخش الفتنة والزنا و إلّا فلها التطليق بعدم النفقة او بخوف الزنا ۔

أمّا السوال السادس وهو هل يصح تطليقها أو الفسخ بغير حاكم شرعى و كيف العمل فى ذلك فى البلاد الاسلامية التى تغلب عليها الكفار بالقوة الظلامية فجوابه ما فى الحاشية الصاوى المالكى على أقرب المسالك وكتب الشافعية أن الفسخ بعدم النفقة ونحوها إنما يكون بحكم الحاكم أو المحكم وان لم يكن حاكم فجماعة المسلمين العدول يقومون مقامه فى ذلك وفى كل أمر يتعذّر فيه الوصول إلى الحاكم العادل والواحد منهم كافٍ إن كان عدلاً عارفاً يرجع اليه فى المهمات عمرنا الله بخبره فى الحياة وبعد الممات ۔ وصلى الله وسلم على صاحب المعجزات والكرامات ۔

العبد الفقير محمد الشهير بألفا هاشم بن احمد لازال
مع الاخوان فى عناية الصمد ۔

آخر الجواب

بعد النظر فی جمیع الفتاویٰ الواصلة من المدینة المنورة فی الباب ، أقول وباللہ التوفیق ۔ فتویٰ علامہ سعید بن صدیق مالکی و فتویٰ علامہ محمد الفاهاشم مفتی مالکیہ مدینہ منورہ سے امور ذیل مستفاد ہوتے ہیں اور زوجۂ مفقود کے لئے اس کے موافق فتویٰ دینے کا مضائقہ نہیں ۔

(۱) زوجۂ مفقود ارض حرب کے لئے جو حکم تعمیر ہے وہ مطلقاً نہیں بلکہ وجود نفقہ وصبر علی البقاء فی العصمة کے ساتھ مقید ہے اور اگر نفقہ نہ ہو یا ہو مگر زوجۂ مفقود بقاء فی العصمة پر صابر نہ ہو بلکہ اپنے نفس پر ابتلاء بالزنا کا اندیشہ رکھتی ہو تو اس کے لئے اس صورت میں حکم تعمیر نہیں بلکہ اس کے لئے حکم تطلیق ہے ۔ ملاحظہ ہو فتویٰ علامہ سعید بن صدیق من قولہ و حمل التأجیل المذکور ان کان للمفقود مال إلی قولہ و ان دامت النفقة و لم تخش العنت فیؤجل الاجل المذکور و من قولہ و أما زوجة مفقود ارض الشرك و مثلها زوجة الاسیر فانهما یبقیان لانقضاء مدة التعمیر إلی قولہ و حمل بقائهما إن دامت نفقتهما بغیرهما و الا فلهما التطلیق ۔ نیز ملاحظہ ہو فتویٰ علامہ محمد الفاهاشم من قولہ اما مفقود أرض الشرك و الأسیر إلی قولہ و إلا فلهما التطلیق و إلی قولہ تعمیره فی المال و الطلاق ممتنع ما بقی الانفاق » و من قولہ اما السؤال الرابع عن فسخ نکاح المفقود بعدم النفقة إلی قولہ و الا طلقت علیہ بعدم النفقة و إلی قولہ فجوابه ما فی حاشیة العدوی علی الرسالة و الصاوی علی أقرب المسالك وشرحه للدردیر أن ضرب الاجل لامرأة المفقود الخ

(۲) دار الاسلام میں بھی چار سال کی مدت مقرر کرنا اور اس کے بعد عدت وفات کا پورا کرنا اس شرط کے ساتھ مشروط ہے کہ زوجۂ مفقود کے لئے نفقہ موجود ہو اور وہ اندیشۂ ابتلاء بالزنا سے محفوظ ہو ۔ ملاحظہ ہو عبارات متقدمہ جن کا حوالہ عہ میں دیا گیا ہے اگر نفقہ موجود نہ ہو یا ہو مگر عورت بقاء فی العصمة پر صابر نہ ہو تو دار الاسلام میں بھی حکم تطلیق مثل زوجۂ مفقود دار الحرب ہے البتہ بقاء نفقہ وصبر علی البقاء فی العصمة کی صورت

عہ مراد مجموعہ عبارات ذیل ہے جس میں حکم تعمیر بھی ایک جزو ہے ۔

میں دار الحرب و دار الاسلام کا حکم مختلف ہے اور دار الحرب میں اس صورت میں حکم تعمیر ہے اور دار الاسلام میں حکم یہ ہے کہ عورت جس وقت حاکم مسلم ومن بحکمہ کی طرف مرافعت کرے تو حاکم مسلم اول مفقود کی تلاش کرے اور مفتش کی اجرت بیت المال کے ذمہ ہے اگر بیت المال ہو ورنہ عورت کے ذمہ ہے پھر بعد یاس کے زوجۂ مفقود کے لئے چار سال کی مدت مقرر کرے بعد تمام ہونے چار سال کے عورت عدّتِ وفات چار ماہ دس دن مع احداد کے پوری کرے اور عدتِ وفات کے لئے حکم حاکم ومن بحکمہ شرط نہیں۔

(۳) حکم تطلیق زوجۂ مفقود ہی کے ساتھ خاص نہیں بلکہ اگر شوہر کا مقام معلوم ہو مگر نفقہ نہ پہنچاتا ہو جب بھی یہی حکم ہے۔ ملاحظہ ہو فتویٰ علامہ سعید بن صدّیق من قولہ ومثل المفقود من علم موضعه وشكت زوجته عدم النفقة إلى قوله بل ولوكان حاضرًا و عدمت النفقة الخ وفتویٰ علامہ محمد ہاشم الفا من قولہ طريق تطليق زوجة المفقود الى آخر الكلام.

(۴) تطلیق یا فسخ بعدم النفقۃ یا بخوف ابتلاء بحکم حاکم مسلم ہوگا اگر حاکم مسلم نہ ہو تا بحکم محکم مسلم یا بحکم جماعت مسلمیں عدول ہوگا۔ اور ایک .... عادل مسلمان بھی حکم کرسکتا ہے جبکہ وہ ایسا شخص ہو جس کی طرف مہمات میں رجوع کیا جاتا ہو پھر یا تو حاکم مسلم (ومن بحکمہ) عورت پر خود طلاق واقع کردے یا اس کو اختیار دیدے کہ اپنے نفس پر طلاق واقع کرے اور حاکم مسلم (ومن بحکمہ) اس طلاق کو جائز کردے۔

ملاحظہ ہو فتویٰ علامہ محمد الفا ہاشم کی الحاقی عبارت۔ لیکن علامہ سعید بن صدّیق نے عدم نفقہ کی صورت میں تطلیق بلا تاجیل کو بھی جائز کہا ہے اور علامہ الفا ہاشم نے ایک ماہ کا انتظار یا جو مقدار اجتہاد حاکم میں مناسب ہو ضروری قرار دی ہے اور خوف عنت کی صورت سے علامہ سعید نے تعرض نہیں کیا کہ اس میں تاجیل ہے یا نہیں۔ اور علامہ ہاشم نے کم از کم ایک سال تک صبر کرنا ضروری فرمایا ہے۔ ملاحظہ ہو فتوی علامہ ہاشم کی عبارت الحاق وفتویٰ علامہ سعید بن صدیق من قوله و أما إن لم يكن له مال فلها التطليق عليه بالاعسار ومن غير تاجيل اور علامہ محمد طیب نے عدم نفقہ وخوفِ زنا دونوں حالتوں میں تطلیق بلا تاجیل بیان کی ہے وهذا لفظه وقال شرّاحه يعنى شراح مختصر الخليل قاطعة فان لم تدم نفقتها أو خشيت الفساد فلها التطليق بلا تاجيل الخ

واللہ تعالیٰ اعلم۔

(۵) طریقۂ تطلیق یہ ہے کہ عورت حاکم مسلم یا جماعت مسلمین یا واحد عدل مرجوع الیہ فی المہمات کے سامنے دو شاہدوں کی شہادت سے اس بات کا ثبوت دے کہ فلاں شخص سے اس کا نکاح ہوا ہے وہ اس کا شوہر ہے اور وہ اتنی مدت سے غائب ہے اور اس کے لئے کچھ نفقہ نہیں چھوڑا، نہ کسی کو وکیل بالنفقہ بنایا اور نہ عورت نے نفقہ کو معاف وساقط کیا اور عدم عفو واسقاط پر حلف کرے اس کے بعد حاکم مسلم یا جو بحکم حاکم ہو یوں کہے کہ میں نے نکاح کو فسخ کر دیا یا یوں کہے کہ میں نے تجھ پر مفقود کی طرف سے طلاق واقع کر دی یا عورت کو امر کرے کہ تو اپنے اوپر طلاق واقع کر لے یا اپنے نکاح کو فسخ کر دے پھر حاکم مسلم عورت کے فعل پر فیصلہ وحکم کر دے۔ یہ صورت تو تطلیق و فسخ بعدم النفقہ کی ہے اور بصورت خوفِ زنا یہ حکم ہے کہ عورت اول شہادتِ شاہدین سے اپنی زوجیت مع الغائب کا ثبوت دے اور اس کی غیبت کو ثابت کرے اس کے بعد حلف کرے کہ میں اپنی عصمت کی حفاظت سے عاجز ہوں اور ابتلاء بالزنا کا اندیشہ قوی رکھتی ہوں۔ پس اگر عورت نے ایک سال تک صبر کر کے مرافعہ کیا ہو تب تو اس وقت حاکم مسلم ومن بحکمہ اس پر طلاق واقع کر دے یا اس کو ایقاعِ طلاق کا امر کرے اور اگر سال پورا نہ ہوا ہو تو اس کو ایک سال پورا کرنے کا امر کرے بعد سال تمام[1] ہونے کے پھر اس پر طلاق واقع کر دے یا اس کو ایقاع کا امر کرے اور حاکم مسلم ومن بحکمہ اس کے ایقاع کے بعد حکم طلاق کر دے اور اس کے بعد عورت عدتِ طلاق تمام کر کے دوسرے شخص سے نکاح کر سکتی ہے۔ ھذا ما ذکرہ العلامۃ محمد الفاھاشم فی فتواہ صـ۴ عبارت الحاق ومثلہ فی فتویٰ سعید بن صدیق صـ۱ عبارت مخطوطہ۔ ومثلہ فی فتوی العلامۃ محمد الطیب بن اسحاق صـ۲ س۱۵ واللہ تعالیٰ اعلم۔

تتمہ: یہ حکم نکاح وطلاق زوجۂ مفقود کا ہے رہا تقسیم ترکہ ومیراث کا حکم تو اس میں مالکیہ وشافعیہ وحنابلہ سب کے سب حنفیہ کے موافق ہیں الا فی بعض صور المفقود وھو ما اذا کان الفقد فی حالٍ یغلب علی الظن ھلاکہ۔ فافھم۔ حررہ الاحقر ظفر احمد عفی عنہ

۴؍ رجب ۴۷ھ

---

[1] ھذا ما ذکرہ الفاھاشم وأما علی ما ذکرہ الآخران فلھا التطلیق بلا تأجیل کما مر ولکن الأحوط ما قالہ الفاھاشم إلا أن یضطر إلی العمل بقول الآخرین فلا بأس بہ أیضاً۔ ظفر

الجواب الاخیر صحیح
بندہ محمد مرتضیٰ حسن عفی عنہ

الجواب صحیح
محمد رسول خان عفا عنہ

الجواب الاخیر صحیح
بندہ محمد ابراہیم عفی عنہ

الجواب الاخیر صحیح
حسین احمد غفرلہٗ
صدر مدرس دار العلوم دیوبند

الجواب صحیح
بندہ محمد شفیع غفرلہٗ

الجواب الاخیر هو الصحیح
محمد اعزاز علی غفرلہٗ

الحاق : طریق تطليق زوجة المفقود أو الغائب الذى تعذر الارسال اليه أو أرسل إليه فتعاند ان كان بعدم النفقة فان الزوجة تثبت بشاهدين أنّ فلانا زوجها وغاب عنها ولم يترك لها نفقة ولا وكيلاً بها ولا اسقطتها عنه وتحلف على ذلك فيقول الحاكم فسخت نكاحه أو طلّقتك منه أو يأمرها بذلك ثم يحكم به وهٰذا بعد التلوم بنحو شهر او باجتهاده عند المالكية وفورًا او متراخياً عند الحنابلة وبعد ثلاثة أيّام عند الشافعية وان كان لخوفها الزنا وتفردها بعدم الوطئ والغنا مع وجود النفقة والغنا فبعد صبرها سنة فاكثر عند جل المالكية وبعد ستّة أشهر عند الحنابلة - وفّقنا الله إلى الأعمال الزكية ۔

العبد الفقير محمد الفاهاسم بن احمد

تلخیص المعلومات فی تلخیص المظلومات

سوال :۔ نَحمَدُہٗ وَنُصَلّی عَلیٰ رَسُولِہِ الکَرِیم۔ ما قولکم علماء دین (۱) زید کہتا ہے کہ اکثر دیکھا گیا ہے کہ فلاں شخص اپنی بیوی کو چھوڑ کر بے یار و مددگار مفقود الخبر ہو گیا یا فلاں شخص اپنی بیوی سے بے پرواہ ہو گیا اور غیر عورت سے ناجائز تعلق پیدا کر لیا اور عورت گھر میں محبوس اپنی مصیبت کے دن بسر کر رہی ہے بالخصوص مفقود الخبر کی عورت کا تو کوئی دوسرا نکاح مذہب فقہ حنفیہ کی رُو سے ہو ہی نہیں سکتا کیونکہ نہ تو شوہر نے طلاق دی اور نہ اس کے مرنے کی خبر مصدّقہ طور پر معلوم ہوئی لہٰذا ضرورت ہے کہ عورتوں کو اس ضروری مسئلہ سے آگاہ کیا جائے وہ یہ ہے کہ شریعت صاف حکم کرتی ہے کہ اگر عورت نکاح کے وقت شوہر سے یہ شرط کرے کہ میں نکاح اس شرط پر کرتی ہوں کہ جب میں چاہوں گی خود طلاق لے لوں گی

اور مرد قبول کرے تو نکاح بھی صحیح ہو جائیگا اور نیز ایسی عورتوں کو حق حاصل ہوگا کہ جب اس قسم کی کوئی ایذا رسانی کا سامان بہم پہنچایا جائے اور بجز علیحدگی کوئی صورتِ مفر باقی نہ رہے تو عورت جب چاہے طلاق لے سکتی ہے۔ یہ مسئلہ تمام کتبِ فقہ میں موجود ہے۔ چنانچہ درمختار (باب الامر بالید میں ہے: "نکحها علی أن أمرها بيدها صحّ"

(شامی باب الامر بالید) مفید بما اذا ابتدأت المرأة فقالت زوّجت نفسی منك علی أن امری بیدی أطلّق نفسی کلما أرید أو علی أنی طالق فقال الزوج: فعلت۔

(البحر الرائق) فصل فی الامر بالید۔ ولو بدأت المرأة فقالت زوّجت نفسی منك علی أنی طالق أو علی أن أمری بیدی أطلق نفسی کلما أرید فقال الزوج: قبلت وقع الطلاق وصار الامر بیدها۔

(قاضی خان جلد ۱) فصل فی النکاح علی الشرط: وان ابتدأت المرأة فقالت زوّجت نفسی منك علی أنی طالق أو علی أن یکون الأمر بیدی أطلّق نفسی کلما شئت فقال الزوج: قبلتُ جاز النکاح۔

(عالمگیری) الباب الثانی فیما ینعقد به النکاح ومالا ینعقد: ان ابتدأت المرأة فقالت زوّجت نفسی منك علی أنی طالق أو علی أن یکون الأمر بیدی أطلّق نفسی کلما شئتُ فقال الزوج: قبلتُ جاز النکاح ویقع الطلاق ویکون الامر بیدها۔

اور احتیاط یہ ہے کہ نکاح کے وقت یہ شرط کی جائے کہ فلاں فلاں اشخاص جو متدیّن اور معتبر ہوں ان کے ہاتھ میں عورت کا معاملہ ہوگا جب وہ چاہیں طلاق دیدیں اگر شوہر عورت کے حقوقِ زوجیت ادا نہ کرے یا تکلیف پہنچائے یا آئندہ جیسا موقعہ محل ہو تو عورت کو اختیار دیا جائے۔ زید کا یہ قول صحیح ہے یا نہیں؟ مع حوالۂ کتب تحریر فرمایا جائے میں نے مختصر کر کے لکھا ہے اصل کتاب جو زید نے چھپوا کر شائع کی ہے وہ بھی برائے مطالعہ ہدیۃً ارسال ہے واپس کرنے کی ضرورت نہیں۔ فقط

محمد احمد ناظم کتب خانہ احیاء الدین
محلہ شاہ گنج الہ آباد ۱۴۵

الجواب

اس رسالہ مرسلہ کو دیکھا گیا مسئلہ بالکل صحیح ہے۔ واقعی عورتوں کی بہت سی تکالیف کا اس صورت میں انتظام وانسداد ہو جائے گا مگر اس مسئلہ " الامر بالید کے جزئیات بہت دقیق ہیں اس لئے ہر عورت کو وہ الفاظ بتلائے جائیں جن میں کوئی خلجان پیش نہ آئے ہمارے نزدیک بہتر لفظ یہ ہے کہ نکاح کے وقت عورت یا اس کا ولی یا عورت کا وکیل (قاضی نکاح خوان) یوں کہے کہ میں نے مسماۃ فلاں دخترِ فلاں کا نکاح تم سے کر دیا اس شرط پر کہ مسماۃ کو اختیار ہو کہ وہ جس وقت چاہے اپنے خاندان یا بستی کے دو سربرآوردہ نیک آدمیوں سے مشورہ کو موافقتِ رائے کرکے اپنے اوپر ایک طلاق بائن ایک دفعہ واقع کرے بدون دو سربرآوردہ نیک آدمیوں کے مشورہ اور موافقت رائے کے عورت کو یہ اختیار نہ ہوگا اھ اگر الفاظ اختیار مثلاً اس طرح ہوئے کہ اگر شوہر نے سال بھر نفقہ وغیرہ نہ دیا یا سال بھر غائب رہا یا اس نے دوسری عورت سے تعلق کر لیا تو مسماۃ کو اپنے اوپر طلاق واقع کرنے کا اختیار ہوگا تو ان لفظوں سے جو اختیار حاصل ہوتا ہے وہ اس ساعت کے ساتھ مقید ہوتا ہے جس ساعت میں سال تمام ہو کر دوسرا سال شروع ہوا یا اس مجلس سے مقید ہوتا ہے جس میں دوسری عورت سے تعلق کا علم ہوا ہے اگر اس ساعت یا اس مجلس میں عورت نے اپنے اوپر طلاق واقع نہ کی تو اب اختیار اس کے ہاتھ میں نہ رہیگا۔ اسی طرح بعض لوگ ایجاب وقبول کے وقت شرطِ اختیار کو ظاہر نہیں کرتے بلکہ نکاح سے پہلے کابین نامہ لکھواتے ہیں اور بعد نکاح کے شوہر سے دستخط کرا لیتے ہیں۔ یہ صورت بھی بعض دفعہ بیکار ثابت ہوتی ہے اس لئے مناسب یہ ہے کہ شرط اختیار ایجاب وقبول کے ساتھ ساتھ ہو اور الفاظِ اختیار میں صیغۂ شرط عام ہو کہ جس وقت عورت چاہے، اور ایک طلاق بائن سے زیادہ کا اختیار دینا فضول ہے اور ایک دفعہ سے زیادہ اختیار دینا بھی زائد از ضرورت ہے اور عورت کے سوا کسی دوسرے کو بھی اختیار دینا مضر ہے بلکہ عورت ہی کو اختیار دیا جائے مگر اس کے اختیار کو دو سربرآوردہ نیک آدمیوں کے مشورہ وموافقت رائے سے مشروط کر دیا جائے۔

الدلائل : قال فی العالمگیریة ص۸۶ ج۲ : إذا قال لها طلقی سواء قال لها إن

شئت أو لاهلها ان تطلق نفسها فی ذلك المجلس خاصةً وليس له ان يعزلها اھ

وفيه ص ۹۴ ج ۲ : الفاظ الشرط - إن وإذا - و إذاما - وكل وكلما - ومتى - ومتى ما ففى هٰذه الالفاظ إذا وجد الشرط انحلت اليمين وانتهت لانها لا تقتضى العموم والتكرار فبوجود الفعل مرّة تم الشرط وانحلت اليمين فلا يتحقق الحنث بعده إلّا فى كلما لانها توجب عموم الافعال اھ

وفيه أيضاً : ولو قال لها : أنت طالق متى شئت اومتىٰ ماشئتِ واذا شئتِ واذاما شئتِ فلها ان تشاء فى المجلس وبعد القيام عن المجلس ولو ردت لم يكن ردًا ولا تطلق نفسها إلا واحدة ولو قال : أنت طالق زمان شئتِ أوحين شئتِ فهو بمنزلة قوله إذا شئتِ فلا يقتصر على المجلس اھ ص ۸۹ ج ۲ ولو قال : إن شئتِ وشاء فلان تعلق بمشيتهما - كذا فى الكافى .

وفيه أيضاً : ولو قال : اذا مضى هٰذا الشهر فأمرها بيد فلان فمضى الشهر فأمرها بيده فى مجلس علمه وإن علم بعد شهرين لأن التفويض معلق بمضى الشهر والمعلق بالشرط يصير مرسلاً عند وجود الشرط ولو ارسل التفويض بعد مضى الشهر يقتصر على مجلس علمه فكذا هٰذا اھ ص ۸۲ ج ۲

ولو قال : أمرك بيدك إلى عشرة أيام فالأمر بيدها من هٰذا الوقت إلى مضى عشرة أيام ويحفظ قضاء العشرة بالساعات - والله تعالىٰ أعلم .

حرّرہ الاحقر ظفر احمد عفا عنہ

از تھانہ بھون - ۲۵؍ رمضان سنہ ۴۷ھ

تتمہ سوالِ مذکور

سوال :- ماقولكم علماء دين رحمكم الله - زید کہتا ہے کہ اکثر دیکھا گیا ہے کہ بیچاری عورتیں شوہر کے ظلم سے پریشان رہتی ہیں اس طرح کہ کوئی شخص عورت کو چھوڑ کر مفقود الخبر ہوگیا اور عورت نہایت تکلیف و مصیبت سے گھر کی چار دیواری میں اپنے انتظار کے دن بسر کر رہی ہے اور مذہبِ حقہ حنفیہ کی رو سے اس کا کوئی دوسرا نکاح نہیں ہوسکتا کیونکہ نہ تو شوہر نے طلاق دی، نہ اس کے مرنے کی خبر مصدقہ طور سے معلوم ہوئی - نیز ایسا واقعہ بھی ہوتا رہتا ہے کہ فلان شخص اپنی منکوحہ سے بے پرواہ ہوگیا غیر عورت سے ناجائز تعلق کر لیا نہ تو نان نفقہ کی کفالت

کرتا ہے نہ طلاق دیتا ہے۔ علی ہذا القیاس بہت سے واقعات ہیں کہ جس سے دل دُکھتا ہے اس لئے ضرورت سمجھی گئی کہ اس مسئلہ سے آگاہ کیا جائے وہ یہ ہے کہ اگر نکاح کے وقت عورت شوہر سے یہ شرط کرے (خواہ بذریعۂ وکیل یاخود) کہ میں نکاح اس شرط پر کرتی ہوں کہ جب میں طلاق چاہوں گی طلاق لے لوں گی اور مرد قبول کرلے تو نکاح بھی صحیح ہوجائیگا اور عورت کو بھی یہ حق حاصل رہے گا کہ جب اس قسم کی کوئی ایذارسانی کا سامان بہم پہنچایا جائے اور بجز علیحدگی کوئی صورتِ مفر باقی نہ رہے تو جب چاہے طلاق لے سکتی ہے اور یہ مسئلہ تمام کتبِ فقہ میں موجود ہے۔ بحرالرائق میں ہے: ولو بدأت المرأۃ فقالت: زوّجتُ نفسی منك علی انی طالق أوعلی أن أمری بیدی أطلّق نفسی کلما أرید فقال الزوج: قبلتُ وقع الطلاق وصار الأمر بیدھا (فصل فی الامر بالید۔ قاضی خان جلد اول) وان ابتدأت فقالت زوّجت نفسی منك علی أنی طالق أوعلی أن یکون الأمر بیدی أطلّق نفسی کلّما شئتُ فقال الزوج: قبلتُ جاز النکاح ویقع الطلاق ویکون الامر بیدھا.

(فصل فی النکاح علی الشرط) عالمگیری الباب الثانی فیما ینعقد به النکاح و مالا ینعقد و إن ابتدأت المرأۃ فقالت زوّجت نفسی منك علی أنی طالق أوعلی أن یکون الامر بیدی أطلّق نفسی کلما شئتُ فقال الزوج: قبلتُ جاز النکاح و یقع الطلاق و یکون الامر بیدھا۔ انتہیٰ کلام زید

اور بکر کہتا ہے کہ افسوس ہے کہ زید نے تحقیق نہیں کی یہ قول جو اس نے نقل کیا ہے نہ تو امام اعظمؒ کا قول ہے نہ امام محمدؒ کا بلکہ یہ فقیہ ابو اللیثؒ کی رائے ہے۔

قاضی خان میں ہے: تزوّج امرأۃ علی أنھا طالقٌ أوعلی ان امرھا بیدھا ذکر محمّد فی الجامع أنه یجوز النکاح و الطلاق باطل ولا یکون الامر بیدھا۔ و ذکر فی الفتاویٰ عن حسن بن زیاد إذا تزوّج امرأۃ علی أنھا طالق إلی عشرۃ أیام أوعلی أن یکون الأمر بیدھا بعد عشرۃ أیام ان النکاح جائز والطلاق باطل ولا تملك أمرھا.

عالمگیری میں ہے: رجلٌ تزوّج امرأۃ علی أنھا طالقٌ أوعلی أن امرھا فی الطلاق بیدھا ذکر محمد فی الجامع انه یجوز النکاح والطلاق باطل۔

بحرالرائق میں ہے: تزوّج امرأۃ علی أنھا طالقٌ أوعلی أن أمرھا بیدھا تطلّق نفسھا کلما ترید لا یقع الطلاق ولا یصیر الأمر بیدھا۔

تمام کتبِ فقہ میں ہے کہ عقد میں وہ شرط لگانا جو منافی عقدِ نکاح ہو وہ شرط قابلِ قبول نہیں لہٰذا زید نے جو نقل کی ہے وہ صحیح نہیں ہے۔ بکر کے قول کی مصلحت یہ ہے کہ اگر زید کے قول کو صحیح مانا جائے تو اس میں ایک فساد برپا ہوجائے گا وہ یہ کہ عموماً عورتوں میں آزادی کا مادہ آجکل موجود ہے بس وہ ذرا ذراسی بات پر طلاق لے لیا کریں گی اور شوہر بیوی میں جو تعلقات رہنا چاہیئے وہ نہ رہ سکیں گے۔ نیز نیا چہرہ جو عورتوں کی آزادی کا خواہاں ہیں ان کو اور تقویت ہوجائیگی۔ نیز وہ عورتیں جن کا نکاح بالشرط نہیں ہو رہے وہ بھی طلاق لے لیا کریں گی اگرچہ ان کا طلاق لینا زید کے قول پر صحیح نہ ہوگا مگر غلط فہمی سے شوہر بیوی میں جھگڑا پڑ جائیگا۔ علیٰ ھٰذا القیاس اور بہت سے فساد پیدا ہوں گے۔ غرض یہ کہ عورتیں آزاد ہو جائیں گی اور وہ مرد جو عورتوں پر ظلم کرتے ہیں ان کے لئے قاضی مقرر ہو جو ان کا فیصلہ کر دیا کرے تو کوئی فساد نہ رہے۔ انتہی کلام بکر۔

سائل عرض کرتا ہے کہ اس مسئلہ میں یہاں دونوں طرف سے مضمون شائع ہوگئے ہیں کوئی امر محقق طے نہیں ہوتا ہے عوام سخت خلجان میں ہیں ایک کا معتقد دوسرے کی بدگوئی کرتا ہے اس لیے احقر نے جناب والا کو یہ تمام تحریر نقل کرکے تحقیق اصل مسئلہ کی چاہی ہے۔ حضرت کے نزدیک جو امر محقق اور مفتیٰ بہ ہو مع حوالہ کتب تحریر فرمایئے تاکہ یہاں الہ آباد میں جو جناب کے خدام ہیں ان کو خصوصاً اور دوسرے لوگوں کو عموماً اطمینان حاصل ہو اللہ تعالےٰ جناب کو اجرِ عظیم عطا فرمادے۔ السائل: عبدالودود

رانی منڈی الہ آباد فاسٹ کمپنی۔ درزی کی دکان

الجواب

بکر نے مسئلہ میں غور نہیں کیا اور قاضی خان وغیرہ کی ادھوری عبارتیں نقل کرکے خواہ مخواہ لوگوں کو مغالطہ میں ڈالا۔ دراصل جس صورت میں طلاق اور تفویض کو باطل کہا گیا ہے یہ وہ صورت ہے جبکہ مرد ابتداءً یوں کہے کہ میں تجھ سے نکاح کرتا ہوں اس شرط پر کہ تجھے اپنی ذات کے معاملہ میں اختیار ہوگا اور عورت بعد میں یوں کہے کہ میں نے قبول کیا تو اس صورت میں نکاح صحیح اور تفویض باطل ہے اور اگر عورت کی طرف سے ابتداءً ہو کہ عورت ابتداءً یوں کہے کہ میں تجھ سے نکاح کرتی ہوں اس شرط پر کہ مجھے

اپنے معاملہ کا اختیار ہوگا کہ جب چاہوں طلاق لے لوں تو اس صورت میں جب مرد اس کو بعد نکاح قبول کریگا تو نکاح اور شرط دونوں صحیح ہیں بکر کا یہ کہنا کہ یہ قول صرف فقیہ ابو اللیث کی اپنی رائے ہے بالکل غلط ہے یہ محض اگر ابو اللیث کی رائے ہے اور مذہب ابو حنیفہؒ و محمدؒ و ابو یوسفؒ اس کے خلاف ہے تو وہ اس صورتِ خاص ہیں جبکہ شرط کی ابتداء عورت کی طرف سے ہو اور مرد بعد میں قبول کرے کوئی جزئیہ دکھلادے جس میں تصریح ہو کہ نکاح اور شرط دونوں باطل یا صرف شرط باطل ہے اور نکاح صحیح ہے مگر وہ ہرگز اس کی جرأت نہیں کرسکتا اور جتنے جزئیات بکر نے پیش کئے ہیں وہ اس صورت میں ہیں جبکہ بداءت بالشرط مرد کی طرف سے ہو اور زید نے جس صورت کا اعلان کیا ہے وہ وہ ہے جس میں بداءت بالشرط عورت کی طرف سے ہے۔ چنانچہ زید نے اپنے رسالہ میں جو عبارات فقہیہ بعبارت عربیہ نقل کی ہیں ان میں بداءت بالشرط من الرجل وبداءت بالشرط من المرأۃ کے احکام مختلف ہونے پر اشارہ موجود ہے البتہ اتنی کمی رہ گئی کہ زید نے اردو میں اس فرق پر تنبیہ نہیں کی تاکہ ناقص الاستعداد بھی فرق کو سمجھ جائے۔

خلاصۃ الفتاویٰ میں ہے: **لو بدأت المرأۃ فقالت: زوّجتُ نفسی منک علی أنی طالقٌ أو علی أن الأمر بیدی أطلق نفسی کلما أرید فقال الزوج: قبلتُ وقع الطلاق وصار الأمر بیدھا و مطلقۃ الثلاث ینبغی أن تقول ھکذا حتی ینقطع طمع المحلل اھ ص۲۹ ج۲**

قاضی خان میں ہے: وعن ھذا قالوا: مطلقۃ الثلاث إذا أرادت أن تزوج المحلل وخافت أن لا یطلقھا فالحیلۃ لھا فی ذلک أن تقول زوّجت نفسی منک علی أن أمری بیدی أطلق نفسی کلما أرید ثم یقبل الزوج فیکون الأمر بیدھا بعد النکاح تطلق نفسھا متی شاءت اھ (ص۱۵۵۔ ج۱) خلاصہ میں ابتداءً تعلیق من المرأۃ کی صورت کو بدون ذکر اختلاف بیان کیا ہے اسی طرح خلاصہ میں اور قاضی خان میں مطلقۃ الثلاث کے مسئلہ کو جزماً بدون ذکر خلاف بلکہ سب فقہاء ومشائخ کی طرف منسوب کرکے ذکر کیا ہے پس اس کو صرف فقیہ ابو اللیث کی رائے بتلانا غلط ہے اور بکر نے جو یہ قاعدہ کلیہ بیان کیا ہے کہ عقد میں وہ شرط لگانا جو منافی عقد ہو قابلِ قبول نہیں "کَلِمَۃُ حَقٍّ اُرِیْدَ بِھَا الْبَاطِلُ" کا مصداق ہے۔ نکاح میں اصل یہ ہے کہ نکاح کو معلق

بالشرط کرنا تو باطل ہے اور مقرون بالشرط کرنا جائز ہے۔ معلق بالشرط تو بالکل باطل ہے کہ اس صورت میں نکاح ہی نہ ہوگا جیسے یوں کہے کہ میں نکاح کرتا ہوں اگر میرا باپ راضی ہو یا عورت یوں کہے کہ میں قبول کرتی ہوں اگر میرا باپ راضی ہو مثلاً۔ اور مقرون بالشرط میں حکم یہ ہے کہ شرطِ صحیح کے ساتھ نکاح مقرون ہو نکاح بھی صحیح اور شرط بھی، اور شرط فاسد کے ساتھ مقرون ہو تو نکاح صحیح اور شرط لغو ہے۔ مثلاً یوں کہے کہ میں اس شرط سے نکاح کرتا ہوں کہ عورت کے لئے مہر نہ ہوگا تو نکاح صحیح اور شرط باطل ہے اور شوہر کے ذمہ مہر مثل ہوگا گو عورت نے عدم مہر کی شرط کو قبول بھی کر لیا ہو کیونکہ نکاح بلا مہر امت کے لئے مشروع نہیں اب اگر بکر کے نزدیک نکاح بشرط تفویضِ طلاق میں اس لئے شرط باطل ہے کہ وہ اس شرط کو فاسد سمجھتا ہے تو اس کے فساد کی دلیل بیان کرے کیا اس کے نزدیک نکاح کے اندر طلاق مشروع نہیں یا تفویض الی المرأۃ جائز نہیں یقیناً ہر شخص جانتا ہے کہ شریعتِ اسلامیہ میں جس طرح نکاح مشروع ہے طلاق بھی مشروع ہے اور جس طرح بعض اوقات نکاح واجب ہو جاتا ہے اسی طرح بعض دفعہ طلاق بھی واجب ہو جاتی ہے جبکہ مرد حقوق ادا کرنے سے عاجز ہو جائے اور عورت صبر نہ کرنا چاہے۔ جب یہ ہے تو وہ اس شرط کو کس دلیل سے فاسد کہتا ہے اور کیا اس کے نزدیک بیع بشرط الخیار[ل] صحیح نہیں اور کیا شرط خیار سے من لہ الخیار کو بیع کے ابقاء و فسخ کا اختیار حاصل نہیں ہوتا اگر بیع میں شرط خیار جائز اور من لہ الخیار کو اس سے ابقاء و فسخِ عقد کا اختیار حاصل ہو جاتا ہے تو نکاح میں اگر عورت یہ شرط کرلے کہ مجھے اختیار ہوگا جب چاہوں اپنے اوپر طلاق واقع کرلوں تو اس کے باطل کرنے کی کیا وجہ ہے۔ نیز وہ بتلائے کہ نکاح سے پہلے اجنبیہ کی طلاق کو معلق علی النکاح کرنا صحیح ہے یا نہیں مثلاً اِن تزوّجتکِ فانتِ طالقٌ۔ پھر اس میں اور صورتِ متنازعہ میں کیا فرق ہے اگر شرط طلاق نکاح سے جمع نہیں ہو سکتی تو یہ تعلیق باطل ہونا چاہیئے اخیر میں ہم بکر کو بتلانا چاہتے ہیں کہ نکاح بشرط تفویض الی المرأۃ جبکہ ابتداء بالشرط عورت کی طرف سے ہو صرف فقیہ ابو اللیث کا

[ل] اس تمثیل سے یہ مقصود نہیں کہ جو احکام بیع بشرط خیار کے ہیں بعینہٖ وہی احکام نکاح میں جائز ہیں بلکہ صرف یہ مقصود ہے کہ بکر کا نکاح بشرط تفویض مشروط بشرط منافی کہنا غلط ہے کیونکہ یہ نظیر بیع بشرط خیار کی ہے اور اس کو کسی نے شرط فاسد یا شرط منافی نہیں کہا۔ منہ

قول نہیں بلکہ فقیہ نے صرف بداءت من المرأۃ وبداءت من الزوج کے فرق کو ظاہر کیا ہے ورنہ نفسِ مسئلہ کہ اگر بداءت من المرأۃ ہو تو نکاح وشرط دونوں صحیح اور بداءت من الزوج ہو تو نکاح صحیح اور شرط لغو ہے، مسلّم بین الفقہاء ہے۔ فقیہ نے ان دونوں صورتوں میں فرق کو واضح کردیا ہے۔ ملاحظہ ہو عالمگیری۔

وفی الهندية : كتاب الحيل ص٦٤ ج٦ وحيلة اخرى فى اصل المسئلة أن تقول المرأة لمحلل زوّجتُ نفسى منك على أن أمرى بيدى أطلق نفسى كلّما أريد ثم يقبل الزوج فيصير الامر بيدها تطلق نفسها كلما أرادت ولو بدأ المحلل فقال تزوّجتك على أن أمرك بيدك تطلق نفسك كلما تريدين فقبلت صحّ النكاح ولايصير الأمر بيدها وحيلة أخرى أن يقول المحلل للمرأة تزوّجتك على أن أمرك بيدك بعد ما تزوّجتك وطلّقى نفسك كلما تريدين فقالت المرأة قبلت يصيرالأمر بيدها أيضًا اھ

کتاب الحیل میں زوجۃ المحلل کے لئے یہ حیلہ بلا ذکر خلاف مذکور ہے جس کو فقیہ ابو اللیث کے ساتھ خاص کرنا کسی طرح درست نہیں۔ اب فقیہ نے بداءت من المرأۃ وبداءت من الزوج کے حکم میں اختلاف کی یہ وجہ بیان کی ہے :

لأن البداءة إذا كانت من الرجل كان الطلاق والتفويض قبل النكاح فلا يصح أمّا إذا كانت من المرأة يصير التفويض بعد النكاح لأن الزوج لما قال بعد كلام المرأة قبلت والجواب يتضمن إعادة ما فى السوال صار كأنه قال قبلت على أنك طالق أو على أن يكون الأمر بيدك فيصير مفوضًا بعد النكاح اھ قاضى خان (ص۲۹ ج۲) وشامى (ص٦٩٩ ج۲) قلت : ولذا ان قال الزوج ابتداءً تزوّجتك على أن أمرك بيدك بعد ما تزوّجتك وقبلت يصير الامر بيدها أيضاً لكونه علّق التفويض على النكاح فيكون مفوضًا بعدهٗ لا قبله فافهم.

رہا بکر کا یہ کہنا کہ اس مسئلہ کو صحیح مان لیا جائے تو فساد برپا ہو جائیگا کیونکہ عورتوں میں آزادی کا مادہ آجکل موجود ہے اور نئے چہرے کی اس سے تائید ہوگی جو آزادی نسواں کے خواہاں ہیں اس کا جواب یہ ہے کہ یہ فساد اس مسئلہ کی صورت پر متفرع نہیں کیونکہ یہ مسئلہ تو کتب میں بہت عرصہ سے موجود ہے اور اب تک اس سے کوئی فساد نہیں ہوا فساد کا اصلی

سبب عورتوں کی اصلاح و تعلیم کا اہتمام نہ کرنا ہے۔ نیز مردوں کا دین سے آزاد ہونا اور بہت سے بہت اگر اس مسئلہ کی وجہ سے کچھ فساد ہوگا بھی تو کیا ہوگا اس سے زیادہ تو نہ ہوگا کہ عورت جب چاہے گی طلاق لے لیگی تو طلاق لے لینا کچھ فساد نہیں اور اس سے زیادہ فساد یہ ہوسکتا ہے کہ طلاق کی کثرت ہوجائے گی تو نکاح و طلاق کی کثرت بھی فساد نہیں بلکہ کثرتِ زنا فساد ہے اور اس مسئلہ کی اشاعت سے زنا کا انسداد ہوجائے گا کیونکہ جو عورت مرد سے راضی نہ ہوگی یا مرد اس کو تنگ کریگا یا نفقہ نہ دیگا وہ ان صورتوں میں بسہولت اس کے نکاح سے آزاد ہوکر دوسرا نکاح کرسکے گی یہ تو نہ ہوگا کہ عورت مفقود و زوجۃ العنّین و زوجۃ الظالم خواہش نفس سے مجبور ہوکر دوسرے شخص سے ناجائز تعلق کرلیتی ہے اس کی کیا وجہ کہ بکر کو مردوں کی اس بے رحمی پر غصہ نہیں آتا اور عورتوں کی مظلومیت دور ہونے سے وہ ناخوش ہے اور جو صورت بکر نے عورتوں کے لئے بیان کی ہے کہ ہندوستان میں قاضی مقرر کیا جائے سو اول تو یہ علماء کے ہاتھ میں نہیں برسوں سے علماء حکومت کو اس طرف متوجہ کر رہے ہیں مگر حکومت توجہ نہیں کرتی اور قاضی مقرر ہوجانے کے بعد بھی عورتوں کی تکالیف کا بالکلیہ انسداد نہیں ہوسکتا گو ایک حد تک کم ہوجائیں گے کیونکہ قضاۃ و حکام کا مرتشی نہ ہونا یہ بکر کے ہاتھ میں نہیں اور کسی کے بھی قبضہ میں نہیں۔ اب اگر قاضی مرتشی ہو اور اس نے مرد سے رشوت لے کر عورت کی فریاد پر توجہ نہ کی تو کیا سبیل ہوگی اس لئے بہتر صورت یہی ہے جو زید نے بیان کی ہے اور اگر ہم تسلیم کرلیں کہ زید نے جس مسئلہ کو ظاہر کیا ہے اس سے فساد بھی برپا ہوں گے تو یہ فساد نفس مسئلہ کی صحت کا نتیجہ نہیں بلکہ اس مسئلہ کی اشاعت کا نتیجہ ہوگا۔ پس بکر کو لازم تھا کہ نفسِ مسئلہ کا ابطال نہ کرتا بلکہ زید سے یوں کہتا کہ مسئلہ تو صحیح ہے مگر یہ زمانہ اس کی اشاعت کا نہیں کیونکہ اس پر یہ فسادات متفرع ہوں گے مگر اس کے بعد بکر کو ان فسادات کا بھی کوئی سہل انتظام بتلانا چاہیے جو مردوں کے ظلم اور بے پروائی سے عورتوں میں رونما ہو رہے ہیں کہ تمام مدارس کے مفتی عورتوں کی فریاد سنتے سنتے تھک گئے۔ واللہ المستعان فقط

ظفر احمد عفا عنہ۔ از تھانہ بھون
۲ر ذی قعدہ سنہ ۴۷ھ

الجواب صحیح
اشرف علی
۲۲ر ذی قعدہ سنہ ۴۷ھ

واپسی مفقود کی ایک صورت کا حکم

سوال : کیا فرماتے ہیں علماء دین و مفتیانِ شرع متین اس مسئلہ میں کہ مسماۃ کلثوم حنفی المذہب کا شوہر سولہ برس سے مفقود الخبر رہا اور مفقود الخبری سے سات برس بعد اس نے فتویٰ لے کر اپنے شوہر کے حقیقی چھوٹے بھائی سے نکاح کر لیا اور اس شوہر کے نطفہ سے دو بچے موجود ہیں۔ پہلا شوہر اب آیا اور عورت کو اپنے ساتھ رکھنا چاہتا ہے اور عورت اس کے ساتھ رہنے پر رضامند ہے تو اب عورت کو اس کے ساتھ رہنا چاہیئے یا نہیں اگر رہنا چاہیئے تو کیا اس کے ساتھ دوبارہ نکاح کرنے کی ضرورت ہے یا وہی اول نکاح کافی ہے؟

واضح رہے کہ عورت اپنے پہلے شوہر کے ساتھ دو چار مرتبہ رہی۔ جواب باصواب عنایت فرمائیں۔ سائل : اللہ دین سبزی فروش محلہ حیدر گنج صدر
ضلع سلطان پور اودھ

الجواب

یہ عورت اپنے پہلے شوہر کے ساتھ ہی رہے دوسرے شوہر سے الگ ہو جائے پہلے شوہر کے پاس رہنے کے واسطے دوبارہ نکاح کی ضرورت نہیں بلکہ پہلا نکاح باقی ہے لیکن اس عورت کو دوسرے شوہر سے الگ ہو کر عدّت گزارنا ضروری ہے بدون عدّت گزارے ہوئے پہلے شوہر کے پاس نہ جائے اور عدّت اس کی تین حیض ہے اگر حمل نہ ہو اور حمل ہو تو عدّت وضع حمل ہے اور دوسرے نکاح کے بعد جو اولاد ہوئی ہیں وہ دوسرے شوہر کی اولاد ہیں اور حلالی ہیں جو دوسرے شوہر کی وارث شرعی ہیں۔ فقط

ظفر احمد عفا عنہ از تھانہ بھون
۲۹ ربیع الثانی ۴۸ھ

حکم زوجۂ مجنون

سوال : ایک دوست کی سالی ہے اور اس کے شوہر کو عرصہ گیارہ بارہ سال کا ہوا پاگل ہو گیا ہے کبھی تو گفتگو ہوشیاروں کی سی کرتا ہے کبھی بالکل پاگلوں کی سی۔ مسماۃ علیحدہ ہیں اور کئی بچے بھی ہیں، مسماۃ کی عمر ۲۵ سال ہے۔ کیا اس کی علیحدگی کی کوئی شرعی صورت ہو سکتی ہے؟ ایک صاحب کہتے ہیں کہ عدالت سے تو علیحدگی ہوگی وہ ہندو کی عدالت ہے یا انگریز کی مسلمان کی نہیں

کیا کوئی صورت ایسی ہوسکتی ہے کہ شرعی علیحدگی تو یہاں ہوجائے اور عدالتی عدالت میں بسمّاۃ واقعی بہت پریشان ہیں اکثر ملاقات کے وقت وہ دوست تذکرہ کرتے ہیں اور پریشانی بیان کرتے ہیں۔ آپ غور کریں اگر کوئی صورت سمجھ میں آجائے تو اس سے مطلع فرمادیں۔

المرسل : محمد عثمان دریبہ کلاں دھلی

الجواب

اگر مجنون ایک مرتبہ بھی ہم بستری کر چکا ہو خواہ جنون سے قبل یا جنون کے بعد تو پھر اس عورت کو تفریق کا حق نہیں رہتا۔ بس صورت مسئولہ میں جب وہ صاحب اولاد ہے تو تفریق کا حق حاصل نہیں، نہ غیر مسلم حاکم کر سکتا ہے نہ مسلم حاکم۔ اور غیر مسلم حاکم کی کسی صورت میں بھی تفریق معتبر نہیں۔ اور یہ صورت بھی کافی نہیں کہ شرعی فیصلہ عالم کر دے اور تفریق غیر مسلم حاکم کر دے الّا آنکہ وہ حاکم کسی عالم کو اختیار فیصلہ کا باقاعدہ دیدے۔

فقط والسّلام ۔ احقر عبدالکریم عفی عنہ

از خانقاہ امدادیہ تھانہ بھون

۱۲؍ رجب ۴۸ھ

ایضاً ایضاً ایضاً سوال : کیا فرماتے ہیں علماء دین و مفتیانِ شرع متین اس مسئلہ میں کہ زید ہندہ سے نکاح کرنے کے پندرہ سولہ روز کے بعد سفر کو چلا گیا ایک سال کے بعد وہ سفر سے مجنون ہوکر گھر واپس آیا اور اسی حالت پر اس کو متواتر پانچ سال گزر گئے ہیں کہ اس کو اپنی زوجہ سے کسی قسم کا تعلق زوجیت نہیں ہے لہٰذا ہندہ اپنے مجنون زوج کے زیر نکاح رہنے میں اس کے مجنون ہونے کے بعد ہی سے لے کر اس وقت تک برابر ناراضگی ظاہر کرتی ہے۔ حتیٰ کہ اولیاء جب زوج کے مکان پر جانے کے لئے مجبور کرتے ہیں اس وقت جواب دیتی ہے کہ میں خودکشی کرلوں گی مگر اس زوج کے مکان پر ہرگز نہیں جاؤں گی اور ہمیشہ یہ چاہتی ہے کہ کسی طرح اس زوج سے نکاح فسخ ہوجائے۔ اب استفتاء اس امر کا ہے کہ مطابق مذہب حنفی کے اس زوجہ سے نکاح فسخ ہوسکتا ہے یا نہیں ؟ اگر ہوسکتا ہے تو اس کو مفصّلاً دلائل و براھین کے ساتھ تحریر فرمایا جائے۔ بیّنوا

توجروا ۔ المستفتی : **محمد عنبر علی عفی عنہ**

الجواب وھوالموفق للصواب

امام ابوحنیفہ وامام ابو یوسف علیہما الرحمۃ کے نزدیک تو مجنون کی زوجہ کا نکاح جنون کی وجہ سے فسخ نہیں ہوسکتا اور عموماً کتبِ فقہ میں انہیں کے مذہب کو لیا ہے۔ فتح القدیر نے اس کی ادلہ اور اس کے خلاف کی ادلہ کا جواب نہایت بسط سے دیا ہے۔ شامی نے بھی اس کو پسند کیا ہے۔ غرض حنفیہ کا قوی وراجح مذہب یہی ہے کہ جنون موجبِ فسخ وتفریق نہیں ہے۔ البتہ امام محمدؒ کے نزدیک جنون کی وجہ سے تفریق ہوسکتی ہے اور بعض فقہاء نے اس پر فتوی بھی دیا ہے۔ چنانچہ فتاوی عالمگیریہ میں ہے :

قال محمد : إن كان الجنون حادثاً يؤجله سنة كالعنة ثم تخير المرأة بعد الحول إذا لم يبرأ او ان كان مطبقاً فهو كالجب، وبه نأخذ كذا فى الحاوى القدسى (ص ۱۵۷/ج ۲)

اس لئے اس قول کو لینے کی بھی گنجائش ہے اور تفریق کا طریقہ یہ ہے کہ عورت قاضی کے پاس درخواست دے، قاضی مجنون کو ایک سال مہلت علاج کے واسطے دے دے۔ بعد ایک سال گزر جانے کے دیکھا جائے اگر تندرست ہو جائے تو فبہا ورنہ عورت اگر چاہے تو تفریق کر دی جائے اور تفریق کے بعد عدت گزار کر کسی شخص سے نکاح ہوسکتا ہے اور گو اس ملک میں بقاعدۂ شرعیہ قاضی نہیں ہیں لیکن جو مسلمان حاکم ایسے امور کا فیصلہ کرنے کے واسطے سرکار کی طرف سے اختیار رکھتے ہیں وہ بھی مثل قاضی کے ہیں اس واسطے ایسے جج وغیرہ کے ہاں درخواست دی جائے۔ اور اگر اس جگہ کوئی مسلمان حاکم ایسا نہ ہو جو شریعت کے موافق فیصلہ کر سکے تو پھر اس صورت میں فقہ حنفی کی رو سے تو کوئی صورت تفریق کی معلوم نہیں ہوتی البتہ مالکیہ کے نزدیک ایسی صورت میں دیندار مسلمانوں کی پنچایت جس میں کوئی معاملہ فہم عالم بھی ہوں ایسے امور کا فیصلہ کر سکتی ہے۔

كما قال الخليل فى مختصره : ولزوجة المفقود الرفع للقاضى والوالى ووالى الماء والا فجماعة المسلمين اھ (از فتوی سعید صدیق مدنی)

اور ضرورت کے موقعہ پر دوسرے ائمہ کے مذہب پر فتوی ہوسکتا ہے جبکہ اپنے مذہب میں کوئی گنجائش نہ نکل سکے اس واسطے اگر اس علاقہ میں مسلمان حاکم ان امور میں اختیار رکھنے والا نہ ہو تو

محلہ یا شہر کی پنچایئت میں معاملہ پیش کر دیا جائے وہ باقاعدہ تحقیقات کر کے ایک سال کی میعاد مقرر کر دیں اور سال گزرنے پر پھر جمع ہو کر زوج کے حال کی تفتیش کی جائے اگر اس کا جنون زائل نہ ہوا ہو تو عورت کو اس کے نکاح سے الگ کر دیا جائے اور اس تمام کارروائی میں کم از کم ایک معاملہ فہم عالم پنچایت کے ہمراہ ضرور ہو۔ فقط واللہ اعلم۔

تنبیہ ضروری : امام محمدؒ کے قول میں کہ جس کو لیکر یہ فتویٰ دیا گیا ہے جنونِ حادث و مطبق کا حکم جداگانہ لکھا ہوا ہے مگر ہم نے مطلقاً ایک سال کی مہلت لکھی ہے اس کی وجہ یہ ہے کہ جنون مطبق کی تفسیر نماز روزہ اور زکوٰۃ وغیرہ کے بارہ میں تو موجود ہے مگر زوجۃ المجنون کے بارے میں جنون مطبق کی تفسیر کہیں نہیں ملی اور قیاس کی جرأت نہیں ہے خاص کر جب مطبق کو حادث کا مقابل گردان کر کہیں تفسیر نہ ہو اور محض مطبق کی تفسیر سے یہ لازم نہیں آتا کہ حادث کے مقابلہ میں جب مطبق ہو تب بھی اس کی تفسیر یہی ہے پس احتیاط اس میں ہے کہ مطلقاً تاجیل پر عمل کیا جائے خصوصاً جبکہ پنچایئت فیصلہ کرنے والی ہو کیونکہ پنچایئت کا فیصلہ معتبر ہونا فقہ حنفی میں تو ہے نہیں فقہ مالکی سے اس کا فتویٰ دیا گیا ہے اور مالکیہ کے مذہب میں جنونِ مطبق و غیر مطبق میں کوئی تفصیل نہیں بلکہ صاحبِ تحفہ نے لکھا ہے : وھو معنی قول خلیل و مجنونھما وان مرّۃ فی الشھر قبل الدخول وبعدہ الخ

(از فتویٰ صالح تونسی مدرس مسجدِ نبوی) فقط واللہ اعلم

کتبہ الاحقر عبدالکریم از خانقاہ امدادیہ
تھانہ بھون - مورخہ ۱۰ ر جمادی الثانی سنہ ۵۰ھ

فصل فی احکامِ الحرمۃ المصاھرۃ

سوتیلی ماں کے مس کرنے کا حکم

سوال : کیا فرماتے ہیں علماء دین و مفتیانِ شرع متین اس مسئلہ میں کہ زید کی پہلی بیوی مسماۃ زینب ایک لڑکا مسمّی خالد کو چھوڑ کر مر گئی تو زید نے اپنا نکاح ثانی ہندہ سے کیا اور کچھ دنوں کے بعد زید اپنا بیٹا خالد جس کی عمر ۲۵ سال ہے اور بیوی ثانی ہندہ کو چھوڑ کر پردیس چلا گیا تو بارہا دیکھا گیا کہ خالد اپنی سوتیلی ماں ہندہ کی چارپائی پر راتوں کو سو رہا ہے اور اکثر مکان خلوت میں دونوں رہا کئے یہاں تک کہ غلبۂ نیند سے صبح ہو گئی اور دونوں ایک ہی

چارپائی پر دونوں پائے گئے اس حرکت سے خالد پر زنا کا جرم عائد ہوتا ہے یا کس گناہ کا مرتکب ہوگا اور ہندہ اپنے شوہر زید کی قابل ہے یا حرام ہوگئی ؟

سائل : مخلص حسین مدرس مدرسہ اسلامیہ
قصبہ جلال پور ضلع فیض آباد

الجواب

صورتِ مسئولہ میں خالد پر زنا کی تہمت بلا ثبوت شرعی کے نہیں لگائی جاسکتی۔ اور ہندہ اپنے شوہر پر جب حرام ہوگی جبکہ چند باتوں میں سے ایک بات ثابت ہوجائے

۱ یہ کہ خالد نے ہندہ کو یا ہندہ نے خالد کو شہوت کے ساتھ چھوا تھا اور جس حصۂ جسم کو چھوا تھا وہ موٹے کپڑے سے مستور نہ تھا

۲ یا یہ کہ خالد نے ہندہ سے معانقہ کیا تھا اور معانقہ کے وقت اس کے عضو میں انتشار تھا۔

۳ یا ایک نے دوسرے کا بوسہ لیا تھا۔

۴ یا خالد نے ہندہ کے پستان چھوئے تھے۔

قال فی العالمگیریة : (ص ۵ و ۶ و ۷ - ج ۲) ولا تثبت بالنظر الی سائر الاعضاء إلاّ بشهوة ولا بمسّ سائر الأعضاء إلا عن شهوة بلا خلاف. كذا فى البدائع

و فيه أيضاً : ثم لا فرق فى ثبوت الحرمة بالمسّ بين كونه عامداً أو ناسياً أو مكرهاً أو مخطئاً. كذا فى فتح القدير - أو نائماً. كذا فى معراج الدراية - و اذا اقبّلها ثم قال لم يكن عن شهوة أو لمسها أو نظر إلى فرجها ثم قال لم يكن بشهوة فقد ذكر الصدر الشهيد فى التقبيل يفتى بثبوت الحرمة ما لم تتبيّن أنه قبّل بغير شهوة وفى المسّ و النظر لا يفتى بالحرمة إلا إذا تبيّن أنه فعل بشهوة لأن الاصل فى التقبيل الشهوة بخلاف المس والنظر. كذا فى المحيط. ولو أخذ ثديها وقال: ما كان عن شهوة لا يصدق لأن الغالب خلافه - وفى البقالى ويصدق إذا أنكر الشهوة فى المس إلا أن يقوم وآلته منتشرة فيعانقها - كذا فى المحيط اھ

پس اگر ان تین باتوں میں سے ایک کا بھی ثبوت ہوگیا تو ہندہ زید پر حرام ہوگئی

اور اگر یہ باتیں ثابت نہ ہوئیں اور نہ ہندہ و خالد نے اقرار کیا تو زید کو اپنے وجدان سے اگر ظن غالب یہ ہو کہ ہندہ و خالد بہ نیتِ فاسد ایک پلنگ پر لیٹے تھے تو اس کو ہندہ کو طلاق دیدینا چاہئے۔ اور اگر ایسا گمان نہ ہو تو نکاح باقی ہے۔ واللہ اعلم

ظفر احمد

خسر کے اپنی بہو سے زنا کر لینے سے فسخ نکاح کا حکم

سوال : کیا فرماتے ہیں علماء دین اس مسئلہ میں کہ مسماۃ چھکن کا نکاح بزمانہ نابالغہ ہمراہ مسمّٰی عمر پسرِ عبد الغنی سے ہوا تھا اس وقت مسمّاۃ چھکن بعمر سولہ سالہ ہے اور وہ بالغہ ہو گئی اور مسمّٰی عمر بعمر ۱۲ سال نابالغ ہے۔ مسماۃ چھکن سے اس کا خسر زنا کرتا ہے اور جس کے زنا کرنے کی تصدیق زوجہ خسر و داماد خسر و دیگر معتبر مردمان سے ہوئی تو کیا از روئے شریعت مسماۃ چھکن کا نکاح ہمراہ عمر اس کے شوہر کے رہا یا نہیں ؟ از طرف مسماۃ سوئی۔ پانی پت مخدوم زادگان

الجواب

قال فی الدر : وبحرمة المصاهرة لا يرتفع النكاح حتى لا يحلّ لها التزوّج بآخر إلا بعد المتاركة وانقضاء العدّة اھ

وفی الشامية : (قوله إلا بعد المتاركة) أی وإن مضیٰ عليها سنون كما فی البزازية وعبارة الحاوی إلا بعد تفريق القاضی أو بعد المتاركة اھ (ص ۴۶۳ ج-۲)

وفی الشامية ايضاً : قال شمس الائمة السرخسی زعم بعض مشايخنا أنّ هٰذا الحكم (ای الطلاق) غير مشروع أصلاً فی حق الصبی حتى ان امرأته لا تكون محلاً للطلاق وهٰذا وهمٌ عندی فإن الطلاق يملك بملك النكاح إذ لا ضرر فی إثبات أصل الملك بل الضرر فی الايقاع حتى إذا تحققت الحاجة أی صحة إيقاع الطلاق من جهته لدفع الضرر كان[1] صحيحًا فاذا اسلمت زوجته وابى فرق بينهما وكان طلاقاً عند ابی حنيفةؒ ومحمدؒ وإذا ارتدّ والعياذ بالله وقعت البينونة وكان طلاقاً فی قول محمدؒ واذا وجدته مجبوباً فخاصمته فرّق بينهما وكان طلاقاً عند بعض المشائخ اھ — قلتُ : حاصله أنه كالبالغ فی وقوع الطلاق منه

---

[1] قلت : ولا شك فی تحقيق الحاجة إليه فی الصورة المسؤلة لدفع الضرر عنه ۱۲ منه

بهٰذه الاسباب إلا أنه لا يصح ايقاعه منه ابتداءً للضرر عليه ومثله المجنون اھ

(ص ۶۳۹ - ج ۲)

وفی الدر : وجوزه (أی طلاق الصبی) الامام احمد قال الشامی أی إذا كان مميّزًا يعقله بأن يعلم أن زوجته تبين منه كما هو مقرر فی متون مذهبه فافهم الخ

(ص ۷۰۰ - ج ۲)

صورتِ مسئولہ میں مسماۃ چھکن اپنے شوہر عمر پر حرام ہوگئی اب زندگی بھر وہ اس کے لئے حلال نہیں ہوسکتی لیکن اس حرمت سے نکاح نہیں ٹوٹا عمر کا نکاح چھکن سے ابھی باقی ہے اس لئے جب تک عمر بالغ ہوکر طلاق نہ دے یا کوئی قاضی شرع ان دونوں میں تفریق نہ کر دے چھکن کا نکاح کسی دوسرے سے نہیں ہوسکتا۔ اگر کوئی مسلمان حاکم جس کو اس مقدمہ کے فیصلہ کا اختیار دیا گیا ہو (گو وہ انگریزی حکومت ہی کی طرف سے ہو) زوجین کے درمیان تفریق کرے اور یہ فیصلہ کر دے کہ میں نے اس نکاح کو توڑ دیا تو شوہر کی نابالغی میں بھی مسماۃ چھکن پر طلاق پڑجائے گی پھر وہ دوسرے سے نکاح کرسکتی ہے۔

تتمّة الجواب

قال الشامی : وقد علمت أن النكاح لا يرتفع بل يفسد وقد صرّحوا فی النكاح الفاسد بأن المتاركة لا تتحقق إلا بالقول إن كانت مدخولاً بها كتركتك أو خلّيت سبيلك وأمّا غير المدخول بها فقيل تكون بالقول وبالترك على قصد عدم العود إليها وقيل لا تكون إلا بالقول فيهما الخ (ص ۴۶۳ - ج ۲)

اس سے معلوم ہوا کہ اگر مسماۃ چھکن کا شوہر اس سے ہم بستر نہ ہوا ہو اور بلوغ کے بعد بھی ہم بستر نہ ہو اور اس کو چھوڑ رکھے اور زبان سے اتنا کہدے کہ میں اس سے تعلق رکھنا اور اس کے پاس جانا نہیں چاہتا تب بھی یہ نکاح بلوغ کے بعد ٹوٹ جائیگا گو بالغ ہوکر شوہر طلاق نہ بھی دے پس اگر نابالغی کے زمانہ میں کسی حاکم مسلم نے اس نکاح کو فسخ بھی نہ کیا اور عمر کو بالغ ہونے کے بعد سمجھا دیا جائے کہ یہ لڑکی تجھ پر حلال نہیں رہی اور وہ باتوں باتوں میں وہ اتنا کہدے کہ میں اس سے ہم بستر ہونے اور تعلق رکھنے کا ارادہ نہیں رکھتا تو اتنا کہدینے سے بھی مسماۃ چھکن اس کے نکاح سے نکل جائے گی واللہ اعلم حررہ الاحقر ظفر احمد عفا اللہ عنہ

۱۹ر صفر ۴۱ھ

حرمتِ مصاہرت میں نفی شہوت کی تحقیق اور لمس بالشہوت کا حکم

سوال : زید نے اپنی خوشدامن سے کچے چاول نمونہ (دیکھنے) کے لئے مانگے اس نے چاول لیکر زید کے ہاتھ پر رکھدیئے زید کے دل میں یہ خیال تھا کہ اگر اس کے یعنی خوشدامن کے ساتھ ذرا بھی مس بالشہوت ہو جائے تو زوجہ حرام ہوجاتی ہے اس لئے وہ بہت احتیاط کرتا تھا لیکن اس وقت جب خوشدامن نے اس کے ہاتھ پر چاول رکھے تو اُسے معاً یہ خیال آیا کہ یہی مس بالشہوت باعثِ حرمت ہوجاتا ہے کہیں ایسا نہو جائے اس خیال کے آتے ہی اس کے آلہ تناسل میں خفیف سا احساس پیدا ہوا مگر یہ احساس قیام آلہ کی حد تک نہیں پہنچا صرف خفیف سا احساس تھا اور میلانِ قلب الی المباشرۃ بھی ہرگز ہرگز نہ تھا صرف تصور سے یہ احساس پیدا ہوا۔ زید نے ٹٹولا تو آلہ سُست اور افتادہ تھا مگر کچھ قلیل سی حس تھی جس کے قوی ہونے سے قیام اور انتشار ہوجاتا ہے ممکن ہے کہ اس حس سے پہلے کی نسبت کچھ تغیر پیدا ہوا ہو مگر قیام کی صورت نہ تھی صرف ضعیف سا احساس تھا۔ کتبِ فقہ میں حدِ شہوت یہ لکھی ہے "وحد الشهوة انتشار الآلة او ازدياده ان كانت منتشرة" عالمگیری ملخصًا وحدّ الشهوة تحرّك الآلة أو ازدياده (درمختار) زید یہ فیصلہ نہیں کرسکتا کہ انتشارِ آلہ کے کیا معنی ہیں اور کیا حد ہے۔ آیا ذرا سا احساس اور تغیر بھی اس میں آجاتا ہے یا نہیں؟ قاموس میں لکھا ہے: "انتشر في الرجل الغظ" اور لغوظ کے معنوں میں لکھا ہے: "لغظ ذكره قام، والغظ الرجل والمرأة علاها الشّبق ـ شبق: اشتدّت غلمته ـ اور غلم میں لکھا ہے: غلم واغتلم: غلب شهوة ـ غلم البعير: هاج" اس عبارت سے تو معلوم ہوا کہ انتشار کے معنی سخت شہوت کے ہیں معمولی خیال یا احساس اس میں داخل نہیں لیکن یہ معلوم نہیں کہ فقہاء رحمہم اللہ نے یہ معنی مراد لئے ہیں یا نہیں؟ اور صورتِ مذکورہ میں حرمتِ مصاہرہ ثابت ہوتی ہے یا نہیں۔ نیز زید کو یہ قلیل احساس اس سے پیدا نہیں ہوا کہ وہ خوشدامن کی طرف مائل ہوگیا تھا۔ حاشا وکلاّ، یہ خیال اسے عمر بھر کبھی نہیں گزرا بلکہ اس تصوّر سے کہ ساس سے ایسا فعل باعثِ حرمت ہے۔ اسی تصوّر سے یہ احساس پیدا ہوگیا۔ از راہِ عنایت دونوں باتوں کا جواب دیں کہ انتشار اور تحرّک آلہ کے معنی قیامِ آلہ اور غالب شہوت کے ہیں جیسا کہ قاموس سے سمجھا جاتا ہے یا کچھ اور ہیں اور وہ کیا ہیں اور صورتِ مذکورہ میں زید کی زوجہ کے متعلق کیا حکم ہے؟ والسّلام

الجواب

اس صورت میں حرمتِ مصاہرت ثابت نہیں ہے اور خفیف سا احساس حدِ شہوت میں داخل نہیں ہے جبکہ میلانِ قلب بھی نہ تھا اور بظاہر چاول ہاتھ میں رکھنے کے وقت بھی نہ تھا بلکہ بعد میں خیال مذکور آکر خفیف احساس سا ہوا جو کہ حدِ شہوت میں داخل نہیں ہے

قال فی الدر المختار : والعبرۃ للشہوۃ عند المس والنظر لا بعدھما ۔ قال فی الشامی : فیفید اشتراط الشہوۃ حال المس فلو مس بغیر شہوۃ ثم اشتہیٰ عن ذلک لا تحرم علیہ   رد المحتار ص ۲۸۰ ۔ ج ۲ ۔   فقط   واللہ اعلم

کتبہٗ عزیز الرحمٰن عفی عنہ
مفتی دار العلوم دیوبند
۷، ربیع الاول ۴۵ھ

تنقیح

۱ یہ شخص جوان ہے یا بوڑھا؟

۲ سوال میں یہ مذکور نہیں کہ خوشدامن سے چاول لیتے ہوئے اس کا ہاتھ اس کے ہاتھ سے مس ہوا یا نہیں؟ اس کی تشریح کی جائے۔

۳ سوال میں یہ بھی مذکور نہیں کہ آلۂ تناسل میں خفیف سا اثر چاول لیتے وقت ہوا یا اس کے بعد میں؟ اس کو بھی واضح کیا جائے

۴ سوال میں یہ تو مذکور ہے کہ میلان الی المباشرت ہرگز نہ تھا مگر کیا چاول لیتے ہوئے اس کو التذاذ اور شہوت بھی بالکل نہیں ہوئی کیونکہ التذاذ بدون میلان الی المباشرت کے بھی ہو سکتا ہے۔ ان تنقیحات کے جواب کے بعد حکم بتلایا جائیگا۔ یہ پرچہ بھی واپس کیا جائے۔   فقط   ظفر احمد از تھانہ بھون

جناب مولانا صاحب!

صاحبِ واقعہ کے مستفسرہ حالات یہ ہیں:

۱ یہ شخص جوان، قادر علی المباشرت ہے اور بوقتِ شہوت اچھی طرح سے انتشار

ہوتا ہے۔

ع۲ چاول لیتے وقت تھوڑا سا مس بلا حائل خوشدامن کے ہاتھ سے ہوا۔

ع۳ اس کے متعلق یقین نہیں کہ یہ خفیف سا اثر کب پیدا ہوا۔ خیال راجح یہ ہے کہ پہلے تصوّر کی وجہ سے طبیعت میں کچھ ذرا سا اثر تھا اور مسِ ید کے وقت یقین نہیں کہ اس اثر میں اضافہ ہوا یا نہیں۔ اصل واقعہ یہ ہے کہ اس شخص نے اپنی بیوی سے جو پاس ہی چارپائی پر پڑی تھی اور یہ شخص اس کے پاس دوسرے چارپائی پر بیٹھا تھا چاول دیکھنے کے لئے مانگے، بیوی نے اپنی والدہ کو کہدیا کہ چاول لادے اس شخص کو فوراً یہ تصوّر آیا کہ ساس سے مس بالشہوت ہونے سے (یا مباشرت کا وقوع ہونے سے) عورت حرام ہو جاتی ہے۔ اس نے بہیترا اِدھر اُدھر دیکھا کہ چاول کپڑے رکھا لوں مگر اور کوئی چیز نہ تھی ناچار اس نے ہاتھ پھیلایا اور ساس نے چاول رکھدی اس وقت طبیعت میں خفیف سا اثر تھا اور غالباً پہلے سے پیدا ہوا تھا اور یہ معلوم نہیں کہ مس کے وقت اضافہ ہوا یا نہیں؟

ع۴ التذاذ کے متعلق بھی کچھ یقینی یاد نہیں کہ واقع ہوا یا نہیں؟ صرف تصوّر سے کچھ التذاذ قلب بھی ہوا ہو تو بعید نہیں یقینی امر اتنا ہے کہ خفیف سا احساس تھا فقط جو کچھ یاد تھا اور یاد آیا وہ سب لکھ دیا ہے۔ شاید بے اختیاری سے کچھ ذرا سا التذاذ ہوا ہو مگر یقین اس کے متعلق نہیں۔ والسلام

الجوابُ مِن جامعِ اِمدادِ الاحکام

صورتِ مسئولہ میں حرمتِ مصاہرت ثابت نہیں ہوئی۔ کیونکہ مس کے وقت اضافہ شہوت کا یقین نہیں۔

قال فی الدر المختار: وفی المس لا تحرم مالم تعلم الشہوۃ لأن الأصل فی التقبیل الشہوۃ بخلاف المس (ص ۴۶۲ - ج ۲)

اور شہوت کے معنی باب مصاہرت[عہ] میں تحرکِ آلہ ہے یا ازدیادِ تحرک۔ اگر پہلے سے تحرک موجود ہو اور یہی مراد انتشار سے ہے۔ باقی لغوظ قوی یا قیام کامل مراد نہیں جیسا کہ

[عہ] اس مسئلہ کی مزید تفصیل جلد تاسع کے فتاوی ماہ ذیقعدہ ۴۸ھ میں موجود ہے۔ وہاں ملاحظہ کیا جائے۔ ظفر احمد

سائل نے سمجھا ہے کہ سخت شہوت مراد ہے۔

قال الشامی : عن الفتح وفرع علیہ لو انتشر وطلب امرأته فأولج بین فخذی بنتها خطأ لا تحرم أمّها مالم یزدد الانتشار اھ (ص ۴۵۹ ج ۲)

اس سے معلوم ہوا کہ اگر عمدًا فخذِ بنت میں ایلاج ہو تو زیادتِ انتشار کی ضرورت نہ تھی یا پہلے سے منتشر نہ ہوتا اور خطأً فخذِ بنت میں ایلاج ہو کر انتشار ہو تب بھی زیادت انتشار کی ضرورت نہ ہوتی والمراد بالإیلاج ماکان بدون المس بالید بلاحائل والا فھو کافٍ للحرمة۔ واللہ أعلم۔

ظفر احمد عفا عنہ از تھانہ بھون خانقاہِ اشرفیہ

۱۶؍ جمادی الاولیٰ سنہ ۱۳۴۵ھ

بیٹی سے زنا کیا تو بیوی حرام ہو جائے گی

سوال : مکرم جناب مولوی صاحب۔ السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ۔ ایک شخص پوچھتا ہے کہ عرصہ دس سال کا ہوا کہ مجھ سے بیٹی کے ساتھ زنا کا گناہ ہو گیا اور اب تک اس کی ماں میرے پاس ہے اور اولاد بھی ہو رہی ہے۔ میں اس گناہ کا اقرار کرتا ہوں اور جو سزا میری ہو اس کے لئے تیار رہوں۔ اس کی ماں کو الگ کروں تو گھر بار نہ اجڑنے کے لئے یہ بھی ممکن ہے کہ میں اس سے بالکل علیحدہ رہوں لیکن وہ گھر میں رہے اور وہ بال بچوں کی پرورش کرے اور اس کو خرچ دیتا رہوں میں اس سے پردہ کروں یا اس کو طلاق دیکر بالکل کوئی تعلق نہ رکھوں ؟

الجواب : خانقاہ امدادیہ ۲۰؍ جمادی الاول سنہ ۴۳ھ

بیٹی کے ساتھ زنا کرنے سے اس کی ماں مرد پر حرام ہو گئی۔ اب اس سے وطی اور جماع جائز نہیں۔ باقی نکاح بدون فسخِ قاضی یا متارکت احد الزوجین کے نہیں ٹوٹتا اور متارکت کے معنی یہ ہیں کہ طلاق دیدے یا مرد عورت میں سے کوئی یہ کہدے کہ میں تجھ سے علاقہ نہیں رکھنا چاہتا۔ سو جب تک تفریقِ قاضی یا متارکت کا تحقّق نہ ہو نکاح نہیں ٹوٹتا پس یہ شخص اپنی بیوی کو اسطرح گھر میں رکھ سکتا ہے کہ اس کے پاس نہ جائے اور نان ونفقہ دیتا رہے بشرطیکہ اس صورت میں یہ اندیشہ نہ ہو کہ کسی وقت مبتلائے جماع ہو جائیگا اور بیوی سے ترکِ جماع کر کے بدون نکاح رہنے میں اس کی عفت پر بھی اندیشہ نہ ہو اور بیوی

کی عفت پر بھی اندیشہ نہ ہو۔ والسلام

ظفر احمد عفا اللہ عنہ

حرمتِ مصاہرہ کی ایک صورت کے متعلق مدرسہ سہارنپور و خانقاہِ امدادیہ کے دو مختلف فتویٰ

سوال: کیا فرماتے ہیں علماءِ دین و مفتیانِ شرع متین اس مسئلہ میں کہ ایک شریر لڑکا جو سنِ بلوغت کو نہ پہنچا تھا، عادت شرارت سے اکثر جو لڑکیوں میں کھیلا کرتا تھا بطور کھیل کے لڑکیوں سے زنا کی نقل کیا کرتا تھا۔ ایک روز اپنی سوتیلی چچی کے پاس جو جوان تھی لیٹ گیا، رات کا وقت تھا اور چچی اس کی بالکل برہنہ ہوتی تھی اس سے حسبِ عادتِ شرارت ہاتھ کی انگلی سے زنا کیا۔ اگر یہ بالغ ہوتا یا اس کو تندی ہوتی تو اصلی زنا کرنے میں اس کے کوئی شک نہ تھا۔ اور عمر کا حال اس عرصہ کا پورے طور سے معلوم نہیں کہ عمر دس برس کی تھی یا کچھ کم و بیش۔ چونکہ اس بات کو اس وقت عرصہ ۴۲ سال بلکہ زیادہ گزر چکا ہے۔ بالغ نہ ہونے کا تو پتہ خوب یاد ہے نہ تو اس عرصہ میں کبھی احتلام ہوتا تھا نہ انزال ہوتا تھا بلکہ تندی بھی شاید نہ ہوتی ہو اگر تندی ہوا کرتی تو ضرور اس وقت بھی ہوتی جس وقت یہ امر انگلی سے ہوا حالانکہ اس وقت اس لڑکے کی چچی کی جب آنکھ کھلی اس نے یہ معاملہ دیکھ کر اس لڑکے کو اپنے پیٹ پر لٹا لیا تب بھی اس کو تندی نہیں ہوئی۔ اس معاملہ کے دس بارہ برس بعد اس کی چچی کی لڑکی پیدا ہوئی۔ جوان ہونے پر اس کی شادی کر دی اب وہ لڑکی بیوہ ہے اس لڑکی سے اس شخص کا جس کا ذکر اوپر ہو چکا ہے حسب قانونِ شریعت نکاح درست ہو سکتا ہے یا نہیں؟

الجواب

حامدًا و مصلّیاً و مسلّماً

اقل مدت بلوغ لڑکے کی بارہ سال ہے اس سے پیشتر لڑکا بالغ نہیں ہوتا۔ بارہ۱۲ برس کے بعد جو زمانہ ہوگا وہ زمانہ مراہقیت کا ہوگا جو وطی وغیرہ کے بارہ میں بالغ کا حکم رکھتا ہے۔ چونکہ لڑکے کی عمر اس وقت بارہ۱۲ برس سے کم تھی اس لئے اس کے اس فعل سے حرمتِ مصاہرت ثابت نہیں ہوگی، اس کا نکاح اس عورت کی لڑکی سے شرعاً جائز ہے۔

فی الشامی تحت قولہ: فلو جامع غیر مراہق زوجۃ أبیہ لم تحرم (فتح)

تتحصل من هذا أنه لابد في كل منهما من سن المراهقة و اقله للأنثى تسع و للذكر اثنا عشر لأن ذلك أقل مدة يمكن فيه البلوغ اهـ والله أعلم

رقمہ ضیاء احمد عفی عنہ

مورخہ ۱۹ ر جمادی الاول ۴۲ھ

صحیح

عبد اللطیف عفا اللہ عنہ
مدرس مدرسہ مظاہر العلوم سہارنپور

الجواب صحیح
خلیل احمد عفی عنہ

سوال مکرر از سائل بالا

جناب مولانا صاحب، دام ظلکم ۔ بعد سلام مسنون کے عرض پرداز ہوں ۔ چونکہ اس واردات کو عرصہ ۴۲ سال سے زیادہ گزر چکا ہے اس لئے عمر کا حال پورے طور سے معلوم نہیں ۔ آیا عمر لڑکے کی بارہ سال سے کم تھی یا کچھ زیادہ تھی عمر کی نسبت احتمال ہے ۔ البتہ نابالغ ہونے کا اطمینان پورے طور سے ہے ۔ چونکہ بالغ ہونے کا ثبوت انزال ہونے پر منحصر ہے اس عرصہ میں انزال مطلق نہ ہوتا تھا یہ خوب یاد ہے اور عمر کی نسبت اس لئے احتمال ہے کہ اکثر ہم لوگوں میں لڑکے پندرہ سال سے بھی زیادہ عمر میں بالغ ہوتے ہیں ۔ بارہ تیرہ برس کی عمر میں اکثر شہوت اور انتشار بھی نہیں ہوتا اس لئے قیاساً یہ احتمال ہے کہ شاید عمر ۱۲ سال کی ہوگئی ہو یا اس سے زیادہ یا کم ہو ۔ اس صورت میں علماء دین اور مفتیان شرع متین کی نکاح کر لینے کی نسبت کیا رائے ہے؟ اگر قانونِ شریعت کے موافق کوئی صورت نکاح درست ہونے کی ہو تو کر لیا جائے ۔

الجواب: حامداً و مصلیاً و مسلماً

جیسا کہ بلوغ کی اقل مدت بارہ سال ہے ایسا ہی مراہقیت کی بھی اقل مدت بارہ سال ہے ۔ مراہق اس کو کہتے ہیں جو قریب البلوغ ہو ۔ اور ثبوتِ حرمت کی اصلی علت وجودِ شہوت ہے ۔ چونکہ درصورتِ مسئولہ عمر شخصِ مذکور کی متعین نہیں اور عدمِ شہوت متیقن ہے اس لئے اس سے حرمت ثابت نہ ہوگی پس زید کا نکاح اس عورت کی لڑکی سے شرعاً جائز ہوگا ۔ رقمہ ضیاء احمد عفی عنہ ۔ مورخہ ۷ ر جمادی الاول ۴۲ھ

صحیح

عبداللطیف

مدرس مدرسہ مظاہر العلوم سہارنپور

صحیح

خلیل احمد عفی عنہ

اَلجوابُ مِنَ الخانقاہِ الامدادیۃِ

صورتِ مسئولہ میں جب عمر کا حال مشکوک ہے کہ بارہ برس سے زیادہ تھی یا بارہ برس تھی یا اس سے کم تھی تو اس شخص کا عمر کے اعتبار سے تو مراہق ہونا مشکوک ہے مگر اس کے افعال سے مراہق ہونا غالب ہے کیونکہ چچی کے ساتھ یہ حرکت بدون شہوت کے عادۃً نہیں ہوسکتی ایسی شرارت اپنے ہم عمروں کے ساتھ ہوا کرتی ہے وہ بھی جاگتے ہوئے اور بڑے کے ساتھ سوتے ہوئے اس کا منشا محض شرارت نہیں بلکہ شہوت کو بھی دخل ہے اور مراہقیت مشکوک بھی اور موجب بھی باب فروج میں احتیاط لازم ہے۔

قال فی الشامیۃ: مسّ المراهق کالبالغ۔

وفی البزازیۃ: المراهق کالبالغ لو جامع اولمس بشهوۃ تثبت حرمۃ المصاهرۃ له (ص ۲۶۱)

وفی الاشباه: إذا کان مراهقاً تحرّك آلته ویشتهی النساء اھ (۳۲۹)

قال الحموی: الظاهر أن تحرّك الآلة یستلزم الاشتهاء فالاشتهاء علۃ التحرك فی نفس الامر والتحرّك علّۃ العلم بالاشتهاء اھ

اس سے معلوم ہوا کہ مراہق ہونے کے لئے عورتوں کی طرف خواہش ہونا اصل ہے اور تحرکِ آلہ مطلق ہے اسمیں تندی ہونا ضروری نہیں۔

وفی الشامیۃ: ولوشك اطلق واحدۃ أم أکثر بنی علی الاقل اھ وعن الامام الثانی إذا کان لایدری أثلاث أم أقل یتحرّی وان استویا عمل بأشدّ ذلك علیه اشباه قال ط: وعلی قول الثانی اقتصر قاضی خان ولعلّه لأنه یعمل بالاحتیاط خصوصًا فی باب الفروج اھ ــ قلتُ: ویمکن حمل الاول علی القضاء والثانی علی الدیانۃ ویؤیّده مسئلۃ المتون فی باب التعلیق لوقال: إن ولدت ذکرًا فأنت طالق واحدۃ وان ولدت أنثیٰ فانت طالق ثنتین فولدتهما ولم یدر الأول تطلق

واحدة قضاءً وثنتين تنزهاً أى ديانةً اھ (ص ۷۴۵ - ج ۲)

پس صورتِ مسئولہ میں یہ شخص خوب سوچے کہ اس وقت اس کی عمر بارہ سال تھی یا نہیں؟ اور چچی کے ساتھ یہ حرکت کرتے ہوئے شہوت تھی یا نہیں؟ اگر غالب گمان یہ ہو کہ عمر بارہ سال سے کم تھی اور اس فعل کے وقت شہوت نہ تھی تب تو اس کی لڑکی سے قضاءً و دیانۃً نکاح درست ہے اور اگر کسی ایک طرف گمان غالب نہ ہو بلکہ بارہ سال یا زیادہ یا کم سب کی طرف برابر خیال ہو۔ اسی طرح شہوت و عدمِ شہوت کا خیال بھی برابر ہو تو اس صورت میں دیانۃً اس لڑکی سے نکاح درست نہیں اور اگر غلبۂ خیال کا بارہ سال اور شہوت کے وجود کی طرف ہو تب تو کسی طرح بھی نکاح درست نہیں هكذا ينبغى التفصيل فى المقام والحمد لله الملك المنعام۔

حرّرہ ظفر احمد عفا عنہ ۔ از تھانہ بھون

۲۹؍ جمادی الثانی ۴۴ھ

شوہر اس اقرار کے بعد کہ "اس کے باپ نے اس کی بیوی سے زنا کیا ہے" انکار کرے اور عورت بھی مدعیہ زنا ہو جبکہ خسر انکار کرتا ہے تو اس صورت میں حرمتِ مصاہرت ثابت ہوگی یا نہیں۔

خلاصۂ سوال: اگر زوج اپنی عورت کے متعلق اس امر کا اقرار کر چکا ہو کہ میرے باپ نے اس سے زنا کیا ہے اور بعد میں انکار کر دے اور عورت بھی دعوئ زنا کا کرتی ہو اور اس کا خسر منکر ہو تو حرمتِ مصاہرت ثابت ہو جائے گی یا نہیں؟

الجواب

فى العالمگيرية: (ص ۶ ج ۲) ولو أقرّ بحرمة المصاهرة يؤاخذ به ويفرق بينهما (إلى أن قال) والاصرار على هٰذا الاقرار ليس بشرط حتى لو رجع عن ذلك وقال كذبت فالقاضى لا يصدّقه الخ

اس سے معلوم ہوا کہ صورتِ مسئولہ میں مسماۃ غلام بی بی شیخ غلام پر حرام ہوگئی لھذا اس سے الگ کرا دی جائے یعنی قاضی تفریق کر دے یا زوج خود طلاق دیدے یا بدون طلاق ہی یہ ظاہر کر دے کہ میں نے اس کو ترک کر دیا ہے۔

كما فى الدر مع الشامى: (ص ۶۳۴ - ج ۲) وبحرمة المصاهرة لا يرتفع النكاح حتى لا يحل لها التزوّج بآخر إلّا بعد المتاركة۔ قال الشامى تحت قوله (إلّا بعد المتاركة)

أی و إن مضی علیها سنون کما فی البزازیة وعبارة الحاوی الا بعد تفریق القاضی أو بعد المتارکة اھ وقد علمت أن النکاح لا یرتفع بل یفسد وقال صاحب الدر (ص ۱۰۶) (او) المتارکة ای اظهار العزم من الزوج (علی ترك وطئها) بان یقول بلسانه ترکتك بلاطئ[عہ] ونحوه ومنه الطلاق وانکار النکاح لو بحضرتها والا لا، لا مجرد العزم لو مدخولة اور چونکہ حَکَمْ بمنزلہ قاضی ہوتا ہے اس لئے اگر زوج خود جدا نہ کرے تو حَکَمَ کے ذمہ بعد ثبوتِ شرعی تفریق واجب ہے۔

کمافی الدر المختار : بل یجب علی القاضی التفریق بینهما۔

وقال الشامی تحت قوله (علی القاضی) ای ان لم یتفرقا (ص ۵۷۶ ج ۲) واللہ اعلم

کتبه الاحقر عبد الکریم عفی عنه

۲۶ محرم ۴۴ھ

خسر نے شہوت کے ساتھ بہو کا ہاتھ پکڑا تو عورت خاوند پر حرام ہوجائے گی۔

سوال : کیا فرماتے ہیں علماء دین اس مسئلہ میں کہ باپ نے اپنے بیٹے کی عورت کا ہاتھ شہوت سے پکڑا عورت ہاتھ چھڑا کر بغرض بچانے عزت کے پڑوس کے مکان میں چلی گئی حالتِ مذکورہ میں عورت اپنے شوہر پر حلال ہے یا نہیں؟ اور نکاح قائم ہے یا نہیں ؟

تنقیح : ہاتھ پر کپڑا تو نہ تھا ؟

جوابِ تنقیح : ہاتھ پر کپڑا نہ تھا۔

الجواب

اگر خسر شہوت کے ساتھ بدون کپڑے کے ہاتھ پکڑ لے تو عورت خاوند پر حرام ہوجاتی ہے لیکن جب تک حاکم اسلام علیحدہ نہ کرے یا زوج طلاق وغیرہ سے جدا نہ کرے اور اس کے بعد عدت نہ گزرے اس وقت تک اور کسی سے نکاح جائز نہیں۔

فی العالمگیریة (ص ۵ ج ۲) وکذا تحرم المزنی بها علی آباء الزانی واجداده و إن علوا و أبناءه و إن سفلوا۔ کذا فی فتح القدیر۔

و فیه بعد أسطر : و کما تثبت هذه الحرمة بالوطی تثبت بالمس والتقبیل

[عہ] لیس فی سائر النسخ و لعله غلط ما قاله شیخنا

و النظر إلى الفرج بشهوة كذا في الذخيرة سواء كان بنكاح أو ملك أو فجور عندنا كذا في الملتقط۔

وفي الدر المختار : و بحرمة المصاهرة لا يرتفع النكاح حتى لا يحل لها التزوج بآخر إلا بعد المتاركة و انقضاء العدة۔ والله اعلم

احقر عبد الکریم عفی عنہ

۱؍ جمادی الاول ۴۴ھ

جواب میں تفصیل کی ضرورت ہے وہ یہ کہ بیٹے کی عورت شہوت سے پکڑنے کا دعویٰ کرتی ہے اب خسر سے پوچھا جائے اگر شہوت سے انکار کر دے تو قسم کے ساتھ اس کا قول معتبر ہے۔

قال الشامي نقلاً عن الجوهرة للحدادي : لو مسّ أو قبّل و قال لم اشته صدق إلا إذا كان المس على الفرج والتقبيل في الفم اھ (ص ۴۶۲ ج-۲)

اور اگر شوہر کا باپ خود سرے سے واقعہ ہی کا انکار کرے تو اب یا تو عورت کے پاس بیّنہ ہے (یعنی دو گواہ) یا نہیں؟ اگر بیّنہ ہے تو اس کے متعلق سوال دوبارہ کیا جائے۔ اور بینہ نہیں ہے تو اس عورت کا خاوند اگر عورت کو سچا سمجھے اور اس کا دل گواہی دے کہ اس کا قول سچّا ہے تب تو یہ اس پر حرام ہو جائے گی اور اگر اس کا دل واقعہ کی تصدیق نہ کرے یا باپ کے متعلق عورت کے ادعاءِ شہوت کو دل قبول نہ کرے تو حرمت نہ ہوگی۔ کذا يظهر من الشامية (ص ۴۵۷ ج-۲) والله أعلم۔

ظفر احمد عفا اللہ عنہ

۱۳؍ جمادی الاول ۴۴ھ

حرمتِ مصاہرہ کے متعلق ایک استفتاء

سوال : کیا فرماتے ہیں علماءِ دین و مفتیانِ شرع متین اس مسئلہ میں کہ مثلاً زید نے اپنے والد عمر کی منکوحہ ہندہ سے حسب ذیل واقعات کیا جن کی تفصیل یہ ہے کہ زید عمر کا لڑکا ہے جو کہ پہلی منکوحہ سے ہے جب زید کی عمر تقریباً سات سال یا اس سے کچھ کم و بیش ہوئی اس وقت عمر نے دوسرا نکاح ہندہ سے کیا جب ہندہ اپنے خاوند کے گھر آئی تو زید چونکہ چھوٹی عمر کا لڑکا تھا اس لئے ہندہ اس کو اپنے لڑکے کی طرح محبت کرنے لگی اور زید کو بھی ان سے غایت

اُنسیت ہوگئی اور چونکہ ہندہ نہایت حسینہ جمیلہ نوجوان تھی اس وجہ سے بھی زید کو ان کی طرف طبعی میلان تھا اور بہت ممکن ہے کہ اس میں کچھ کچھ بدنگاہی کا بھی آمیزش ہو۔ غرض جبکہ زید ہمیشہ ہندہ کے پاس سہنے رہنے لگا اور عمر کی زیادتی کی وجہ سے کچھ کچھ شہوت میں بھی زیادتی ہونے لگی اور پھر زید بدچلن لڑکوں کے ساتھ رہکر (جو کہ اس سے عمر میں بڑے تھے اور بعض اس میں بالغ یا قریب البلوغ بھی تھے) بُری بُری باتیں سیکھنے لگا اور دن بدن زید میں بھی ان لڑکوں کی صحبت کی وجہ سے خباثت کی باتیں پیدا ہونے لگیں جب اس نے اپنے باپ کی منکوحہ ہندہ کو بھی بدنگاہی سے دیکھنے لگا اور جتنا اشتہا بڑھتا گیا اتنا ہی اس مرض میں زیادتی ہونے لگی چنانچہ انہی اثناء میں جبکہ اس کی عمر نو یا دس سال کی ہوئی ہندہ نے ایک دفعہ زید کو بوجہ تنہا ہونے کے رات کو اپنے پاس لیا تھا کیونکہ اس وقت زید سے عورتیں نہیں شرماتی تھیں اور ہندہ کو بھی زید کو اپنی طرف میلانِ بد کا اندیشہ نہ تھا پس زید نے اس کے پاس لیٹ کر غالباً ایک دفعہ سو جانے کے بعد جب آنکھ کھلی تو ہندہ کو سوتی ہوئی پایا تو یہ شرارت کی کہ اپنے رخسار کو ہندہ کے رخسار کے ساتھ اور غالباً اپنے ہونٹ اس کے ہونٹ یا رخسار کے ساتھ اشتہا کے ساتھ ملایا اور ہاتھ سے بھی دیگر اعضاء کے ساتھ مس کیا علاوہ فرج کے اور غالباً پستان کو بھی بوجہ خوف بیدار ہونے کے مس نہیں کیا مگر اس واقعہ کے وقت زید کو انزال تو بالکل نہیں ہوتا کیونکہ منی اس وقت پیدا نہ ہوا تھا البتہ اتنی بات تھی کہ پہلے سے لڑکوں کو دیکھا دیکھی جلق کرنے لگا تھا اول اول تو زید کا کچھ بھی خارج نہ ہوتا تھا مگر شاید اس واقعہ کے وقت ایک دو قطرہ مذی کی طرح رقیق یا اس سے کچھ کم و بیش نکلنے لگا تھا۔ کچھ اچھی طرح زید کو یاد نہیں۔ ہاں اس وقت عورت سے وطی کرنے کو جی چاہتا تھا اور غالباً اس واقعہ کے بعد (گو اس کو بعدیت میں ایک گونہ تردّد ہے مگر اغلب بھی یاد آتا ہے کہ یہ واقعات پہلے مذکورہ واقعہ کے بعد میں ہوئے اور ممکن ہے کہ بعض دفعہ قبل ہو اور بعض دفعہ بعد میں ایسا ہوا ہو بلکہ اغلباً یہی صورت معلوم ہوتی ہے) بعض بعض دفعہ گھر کے کاموں میں کہ جس میں دو آدمی کی ضرورت ہوتی ہے زید ہندہ کے ساتھ ملکر کام کرتا تھا اور اس میں زید کو حظ آتا تھا اور اگر موقع پاتا تو اپنے بدن کو ہندہ کے بدن کے ساتھ لگا دیتا گو اغلب یہ ہے کہ ملانا کپڑے کے اوپر سے ہوتا تھا اور یاد آتا ہے کہ غالباً ہندہ کے ہاتھ کی چوڑیاں دیکھنے کے بہانے سے اپنے ہاتھ سے بلا حائل کپڑا وغیرہ کے اس کے ہاتھ سے مس کیا تھا لیکن مس کرتے ہی

جب اپنے اندر کچھ اشتہا کی زیادتی دیکھا تو فوراً ہاتھ کو علیحدہ کرلیا تھا اور غلبۂ ظن یہی ہے کہ ان تمام واقعات کے وقت زید کی عمر دس یا گیارہ سال سے متجاوز نہ تھی اور برس چھ مہینہ کی زیادتی کمی کا بھی احتمال ہے گو احتمال کمی کا زیادہ ہے شاید تحقیق کرنے کی کوشش کرنے سے کچھ صحیح اندازہ لگ جائے ان واقعات کے بعد جب زید میں آثارِ بلوغ ظاہر ہونے لگے اور غالباً ھندہ کو بھی اس امر کا احساس ہوگیا کہ زید کو میری طرف بُری میلان اور بدنگاہی ہے ، تب وہ زید سے بہت احتیاط کرنے لگی اور زید بدصحبت لڑکوں کے ساتھ رہ کر رات دن شہوت رانی کے قصّوں میں مبتلا ہوگیا چونکہ زید کو مع اس کے ہم مشربوں کے ھندہ پر پہلے سے نگاہ بد جم چکی تھی لیکن اپنی خواہش پوری کرنے کی اور تو کوئی صورت قابو میں نہ تھی آخر میں یہ بات طے کی کہ کسی طرح ھندہ کی فرج کو دیکھ کر اس پر تصوّر کرکے جلق وغیرہ کیا جائے ۔ چنانچہ ایک دفعہ جبکہ ھندہ کے خاوند مکان پر نہ تھا اور رمضان شریف کا زمانہ تھا زید مع اپنے ایک ہم مشرب کے ھندہ کے پاس ارادہ مذکورہ سے جانے کا قصد کرکے چلا ۔ لیکن دوسرا بوجہ خوف وغیرہ کے پیچھے رہ گیا اور زید ھندہ کے پاس پہنچا تو دیکھتا ہے کہ ھندہ جلتی چراغ چھوڑ کر سو رہی ہے اور چونکہ ھندہ کے وضع حمل کا زمانہ نہایت قریب تھا غالباً اس واقعہ کے پندرہ بیس روز بعد ہی ولادت ہوئی شاید اس لیے بھی بہت غافل ہوکر پڑی رہی اور زید نے اس کے پاس آہستہ سے بیٹھ کر مقامِ مخصوص سے کپڑا اٹھا کر خود گھور گھور کے فرج خارج کو دیکھا اور دوسرے اعضاء کو بھی شہوت کے ساتھ مس کرتا رہا یہاں تک کہ جب ان امور سے ہیجان بہت زیادہ ہوگیا اور خود انزال ہونے کا خوف ہوگیا تو زید وہاں سے بالکل چلے آنے کے ارادہ سے اٹھا لیکن ابھی تک ھندہ کے بستر سے علیحدہ ہونے نہ پایا تھا از خود انزال ہوگیا اور انزال کے وقت ھندہ زید کی ملموس بھا اور منظور الیھا نہ تھی ۔ اس کے بعد جب ہیجان کم ہوگیا تو پھر دیکھنے کے ارادہ سے عود کیا کیونکہ مقصود تو صرف فرج کو دیکھنا تھا لیکن دوبارہ جاکر نہ تو ابھی تک کسی عضو کو ہاتھ وغیرہ سے مس کیا اور نہ فرج کو دیکھا اتنے میں ھندہ کو خبر ہوگئی اور ممکن ہے کہ جب وہاں سے جانے لگا تھا اس وقت خبر ہوگئی ہو ۔ غرض جاتے ہی جب اس نے زید کو دیکھا دھمکایا تو زید وہاں سے بھاگ گیا اس واقعہ کے بعد کوئی ایسی بات نہیں کی کہ جس سے حرمتِ مصاہرۃ کا شبہ ہو پس ان واقعاتِ مذکورہ سے زید کا ھندہ سے موافق مذہب حنفیہ حرمت مصاہرۃ ثابت ہوگئی یا نہ ؟ بر تقدیرِ اول عمر جو کہ زید کا والد ہے اس سے ھندہ کی تفریق واجب ہوگی یا نہیں ؟ اور

زید ان گناہوں سے توبۃ النصوح کیونکر حاصل کر سکتا ہے۔ بیّنوا توجروا

الجواب

زید کے جو واقعات دس یا گیارہ سال کی عمر کے لکھے ہیں ان سے تو حرمتِ مصاہرت ثابت نہیں کیونکہ بارہ سال سے پہلے شرعاً لڑکا مراہق نہیں مانا گیا۔ لانہ لا یتصوّر منہ الاحبال وھو الاصل فی حرمۃ المصاھرۃ اور جو ایک واقعہ بلوغ کے زمانہ میں نظر الی الفرج اور مساس کا لکھا ہے اس سے حرمت مصاہرت ثابت ہو جاتی بوجہ مساس کے نہ بوجہ نظر الی الفرج کے کیونکہ نظر الی الفرج الخارج موجب حرمت نہیں فی الاصح اگر زید کو بعد مساس کے انزال نہ ہو جاتا۔ مگر چونکہ اس کو مساس کے بعد انزال ہو گیا اس لئے اس سے بھی حرمتِ مصاہرت ثابت نہیں ہوئی۔

قال فی الشامیة : لابد فی کلّ منهما من سن المراهقة و أقله للأنثیٰ تسع وللذّکر اثنا عشر لأن ذلك أقل مدة یمکن فیها البلوغ کما صرّحوا به فی باب بلوغ الغلام وهٰذا یوافق ما مرّ من أن العلّة هی الوطئ الذی یکون سبباً للولد أو المس الذی یکون سبباً بهٰذا الوطئ ولا یخفیٰ أن غیر المراهق منهما لا یتأتیٰ منه الولد اھ (ص ۲۶۱ ج-۲)

وفی الدر : هٰذا إذا لم ینزل فلو أنزل مع مسّ أو نظر فلا حرمة، به یفتی ابن کمال وغیره اھ

قال الشامی : لانّه بالانزال تبین أنه غیر مفضٍ إلی الوطئ (هدایه)

قال فی العنایة: ومعنی قولهم هٰذا أن الحرمة عند ابتداء المس بشهوة کان حکمها موقوفاً إلی أن یتبین بالانزال فان أنزل لم تثبت والا ثبتت اھ (ص ۴۵۹- ج ۲)

وفی التحریر المختار : قول الشارح : هٰذا إذا لم ینزل اھ أطلق فی الانزال فشمل ما إذا لو أنزل بمجرّد المسّ أو بعده ولو بجماع فی زوجته الأخریٰ اھ (سندی عن غایة البیان صـ ۱۸۲ ج-۱) قلتُ : فیه تصریح بأن مقارنة الانزال (أی قبل سکون شهوة حادثة بالمس) بالمس غیر شرط ویؤیده ما فی فتح القدیر تحت قول الهدایة : ولو مس فأنزل فقد قیل أنه یوجب الحرمة والصحیح أنّه لا یوجبها الخ ما نصّه ثم شرط الحرمة بالنظر أو المسّ أن لا ینزل فان أنزل فالمختار لا تثبت کقول المصنف وشمس الائمة والبزدوی بناءً علی أن الأمر موقوف حال المسّ إلی ظهور عاقبته إن

ظهر انه لم ينزل حرمت وإلا لا اه (ص ۱۳۱ ج ۳) - قلت : وعاقبة الشئ ما يعقبه لا ما يقارنه فظهر أن مقارنة الانزال بالمس ونحوه ليس بشرط بل الشرط معاقبته وتفسيره ما ذكره السندی عن غاية البيان - وأيضًا فقد صرّحوا بأن الافضاء والاتيان فی الدبر لا يوجبان حرمة المصاهرة ولم يقيدوهما بأن لا يكون قبلهما مسّ ولا نظر وإن كان شئ منهما فلا ينفصل جسمه عن جسمها حتى ينزل وان انفصل جسمه عن جسمها بعد المس ولو لحل اللباس ثم جامعها وأفضاها أو أتاها فی دبرها حرمت حيث سكتوا عن كل ذلك تبين ان المقارنة بين المس والانزال وبين المس والافضاء وبين المس والاتيان فی الدبر ليس بشرط بل تكفی تعقب شئ منهما عن المس والنظر لنفی الحرمة للعلة التی ذكرها فی العناية -

تتمّہ : یہ تو معلوم ہو گیا کہ انزال مس کے بعد بھی مسقطِ حرمت ہے اور مقارنت شرط نہیں لیکن کیا اس بعدیت کی کوئی حد بھی ہے یا نہیں تو قواعد سے مفہوم ہوتا ہے کہ جب تک اس شہوت کو سکون نہ ہو جو مس ونظر سے پیدا ہوئی ہے اس مدت میں اگر انزال ہو گیا تو مسقطِ حرمت ہے ورنہ مسقطِ حرمت نہیں کیونکہ انزال کو عاقبۃ المس جب ہی کہہ سکتے ہیں جبکہ مس کو انزال میں دخل ہو اور سکونِ شہوت کے بعد جو انزال ہوگا وہ اس مس کی عاقبت نہیں بلکہ کسی دوسرے فعل کی عاقبت ہے اور غالباً درمختار کی عبارت میں "مع مسّ او نظر" بلفظ معیت اسی کی طرف اشارہ کرنے کے واسطے اطلاق کیا گیا ہو ولم اره صریحًا۔ واللہ اعلم

حرّرہ الاحقر ظفر احمد عفا عنہ
۱۲ شوال ۴۶ھ

مصاہرت کی ایک خاص صورت کا حکم

سوال : ایک شخص نے اپنے لڑکے کی عورت سے فعل بد کرنے کی نیت سے اپنے دل کا راز بیان کیا اور کسی وقت موقع پا کر اس عورت سے جو اس کے بیٹے کی زوجہ ہے اس کا ہاتھ پکڑا لیکن دل کی مراد پوری نہ کر سکا اور کتنی راتوں کو اس عورت کے بستر کو خالی پا کر اس کے بستر پر جا کر سویا اور اس کے بدن پر ہاتھ رکھا لیکن جب عورت مذکور نیند سے بیدار ہوئی فورًا اٹھ کر بھاگی اور اپنی حرمت وعزت کو بچائی کسی وقت وہ مرد اس کو اپنے قابو میں نہ لا سکا اور ایک بار اس عورت کو ان کے والد کے مکان سے لاتے وقت اسی مرد مذکور نے یعنی اس عورت کے خاوند کے والد نے راستہ

میں اکیلا پاکر اس دن بھی اپنے دل کی باتیں بیان کیں اور بعض بعض دفعہ ہاتھ پکڑا لیکن عورت نے اپنی عزت کو بچائی اور مردِ مذکور اس معاملہ کا انکار کرتے ہوئے قرآن شریف کی قسم کھانے کا وعدہ کرتا ہے۔ اب اس عورت کے بارے میں شریعتِ محمدیہ کا کیا حکم ہے؟ یعنی اس عورت کو رکھنا اس مرد کے لڑکے کے لئے جائز ہے یا نہیں اگر رکھے تو اس کے واسطے نکاح دوبارہ کرنا ہوگا یا نہیں۔ نیز اس عورت پر طلاق ہوئی ہے یا نہیں؟ برائے مہربانی ان ساری باتوں کا جواب عنایت فرمائیں۔

عرضگزار: خادم، غلام، محمد منصور علی
ساکن مرزاپور ڈاکخانہ ٹنٹوش ضلع ٹیرہ

تنقیح

۱۔ مندرجہ بالا تینوں واقعات میں عورت کے ہاتھ اور بدن پر کپڑا تھا یا نہیں؟ اور کپڑا باریک تھا یا موٹا؟

۲۔ یہ عورت بالغہ ہے اور یہ جو بیان لکھا ہے تمام عورت کی زبان سے سنا ہے ان سب باتوں کا کوئی گواہ نہیں؟

۳۔ اس عورت نے اپنے شوہر سے بھی یہ قصّہ بیان کیا یا نہیں اور اس شوہر نے کیا جواب دیا اس کو سچّا سمجھا یا جھوٹا؟

جوابِ تنقیح

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ۔ عورتِ مذکورہ نے یہ تمام قصہ اپنے شوہر سے بیان کیا تھا اور عورت کی باتوں سے شبہ ہونے کے سبب سے اس عورتِ مذکورہ کے شوہر نے اپنے والد سے یہ تمام قصہ دریافت کیا تھا اسی سبب سے اس لڑکے کے والد نے ان تمام باتوں سے انکار کر کے قرآن شریف کی قسم کھانے کا وعدہ کیا اور یہ واقعہ جب ہوا تھا ان ایام میں عورت مذکورہ کے پہناوے میں (لباس میں) ہمارے اس ملک کے جولاہے کا بنا ہوا موٹا کپڑا تھا اور عورت مذکورہ کے بدن میں کپڑا لپٹا تھا اور یہ جو واقعہ عورت نے بیان کیا حضور کے ۱ و ۲ کے اس قصّہ کو قریب ایک برس سات ماہ گزر گئے اور ۳ کے قصے کو بھی ایک برس دو ماہ گزر گئے اور یہ عورت اتنی مدت تک اپنے شوہر کی خدمت میں تھی اور شوہر نے اپنی عورت کی تمام باتوں کو جھوٹا جانا اس وجہ سے شوہر نے اس عورت کو اپنی خدمت میں رکھا تھا۔

عورت کے ہاتھ میں کپڑا تھا یا نہیں اس کو عورت بھی نہیں کہہ سکتی اُسے یاد نہیں ہے۔ یہ عورت مذکورہ اور مرد مذکور ایک دوسرے پر جھوٹ بات بیان کرتے ہیں۔ اب حضور مہربانی فرماکر شریعت کے موافق جواب تحریر فرماکر دل خوش کیجئے

الجواب

تنقیح: عورت صرف چھونے اور ہاتھ پکڑنے کی مدعی ہے یا تقبیل واخذ ثدی ومس فرج، ومعانقہ بانتشارِ آلہ بلا حائل کی بھی مدعی ہے

اگر صرف چھونے اور ہاتھ پکڑنے کی مدعی ہے اور خسر شہوت کا منکر ہے تو خسر کا قول مع الیمین معتبر ہے عورت کا قول معتبر نہیں بلکہ اس پر بیّنہ ہے۔ اور اگر تقبیل واخذ ثدی و مس فرج ومعانقہ بلا حائل کی بھی مدعی ہے یا ان میں سے کسی ایک کی مدعی ہے تو اب یہ دیکھنا چاہیئے کہ خسر ان افعال کا اقرار کرکے شہوت کا منکر ہے یا ان افعال ہی کا منکر ہے اگر ان افعال کا اقرار کرکے شہوت کا منکر ہے تو عورت کا قول معتبر ہے اور اگر ان افعال ہی کا منکر ہے تو خسر کا قول مع الیمین معتبر ہے اور عورت کے ذمہ بیّنہ ہے پس صورت واقعہ مفصل لکھ کر سوال کیا جائے۔

قال فی الدر: و ان ادعت الشھوۃ فی تقبیله أو تقبیلها ابنه وأنكرها الرجل فهو مصدق لاهی (لانه ینكر ثبوت الحرمة والقول للمنكر، شامی) إلا أن يقوم اليها منتشرًا آلته فعانقها أو يأخذ ثديها أو مسّ فرجها أو يقبلها على الفم والحق الكمال الخدّين بالفم اھ (ص۴۶۳ ج۲) واللہ أعلم

ظفر احمد

تتمۃ الجواب

قال فی البحر وفی فتح القدیر: وثبوت الحرمة بلمسها مشروط بأن يصدقها ويقع فی اکبر رأیه صدقها وعلى هذا ينبغی أن يقال: ان فی مسّه إيّاها لا تحرم على أبيه و ابنه إلا أن يصدّقاها أو يغلب على ظنهما صدقها ثم رأيت عن أبی يوسف ما يفيد ذلك اھ (ص۱۰۰ ج۳)

قلت: ولما كان ثبوت الحرمة مشروطًا بالتصديق و إذا فات الشرط

فات المشروط فلا تثبت الحرمة بدون التصديق و اذا لم تثبت يحل للمرأة القيام مع زوجها ولكن يحتمل أن يكون المراد الثبوت قضاءً ويؤيدهٗ ما في الفتح بعد كلامه المذكور ثم رأيت أبا يوسف أنه ذكر في الامالی قال امرأة قبلت ابن زوجها وقالت كان عن شهوة ان كذبها الزوج لا يفرق بينهما ولو صدقها وقعت الفرقة اھ (ص ۱۳۰ ج ۳) وأمّا ديانةً فينبغى أن تفتى المرأة بحرمة تمكينها إيّاه على نفسها فلا تمكنه بالرضاء وتسعى فى الامتناع منه بالهرب أو بالخلع كما إذا طلقها ثلاثًا و أنكر تطليقةً إياها ولا بيّنة لها فانه لا يفرق بينهما قضاءً ويفتى فى حق المرأة بالتحريم ووجوب الامتناع منه ۔ والله اعلم

حررہ الاحقر ظفر احمد عفا عنہ ۔ از تھانہ بھون

۱۷؍ ذی الحجہ سنہ ۴۶ھ

خلاصہ یہ کہ صورتِ مسئولہ میں اگر عورت کو خسر کے متعلق شہوت و بدنیتی کا دعویٰ ہے کہ اس نے شہوت سے اس کو مس کیا ہے اور عورت کے پاس بیّنہ نہیں ہے اور خسر اور شوہر دونوں عورت کی تکذیب کرتے ہیں تو قضاءً اس صورت میں حرمت ثابت نہیں ہوتی اور ظاہر میں نکاح صحیح ہے لیکن چونکہ عورت کو اپنا سچا ہونا معلوم ہے اس لئے اس کو اپنے حق میں اس نکاح کو فاسد سمجھنا چاہیئے اور اگر ممکن ہو تو شوہر سے علیحدہ ہو جائے اور اپنی رضا سے شوہر کو اپنے اوپر قابو نہ دے بشرطیکہ ایسا کرنے پر وہ قادر ہو اور ضررِ عظیم کا اندیشہ نہ ہو اگر ضررِ عظیم اور تکلیف کا اندیشہ ہو تو وہ معذور ہے اسلئے تحملِ ضررِ عظیم کی وہ مکلف نہیں

واللہ اعلم

حررہ الاحقر ظفر احمد عفا عنہ

۱۷؍ ذی الحجہ سنہ ۴۶ھ

حدیث سے حرمت مصاہرت بالزنا کا ثبوت

سوال : کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ ایک شخص نے اپنی بہو یعنی اپنے بیٹے کی بیوی سے جبرًا زنا کیا تو کیا وہ بیٹے پر حرام ہو جاتی ہے یا نہ ؟ اب بیٹے کو اپنی بیوی سے جماع کرنا جائز ہے یا نہیں ؟ کسی صورت سے اس عورت کو خاوند کے گھر میں رہنا جائز ہے یا نہیں؟ اگر جائز نہیں ہے تو اس کا نکاح فسخ سمجھا جائیگا یا ضرورت طلاق کی ہوگی ؟ بیّنوا توجروا ۔

عـہ أفتينا بذلك أخذاً بقول الشافعي دفعًا للحرج ۔ ظفر

الجواب

حنفیہ کے نزدیک زنا سے حرمتِ مصاہرت ثابت ہوجاتی ہے اس لئے صورتِ مسئولہ میں بیٹے کی بیوی بیٹے پر حرام ہوگئی اور اس کو اس سے جماع و مقدماتِ جماع سب حرام ہوگئے لیکن نکاح فسخ نہیں ہوا بلکہ فاسد ہوا جس کا طلاق یا متارکت سے قطع کردینا بیٹے پر واجب ہے اگر اس کی زوجہ دوسرے شخص سے نکاح کرنا چاہتی ہو اور اگر وہ بخوشی اس کے گھر رہنا چاہے اور دونوں احتیاط من المقاربت ومن مقدماتہا پر قادر ہوں اور بے احتیاطی متعلق سترِ عورت وخلوت وغیرہا کا اندیشہ نہ ہو اور گھر میں اس کو رکھنے کی سخت ضرورت ہو مثلاً وہ صاحبِ اولاد ہے جن کی پرورش کے لئے اس کا رہنا ضروری ہے کیونکہ شوہر پرورشِ اولاد کا کوئی دوسرا سامان نہیں کرسکتا۔ یا کرسکتا ہے مگر خود عورت کو دوسرے سامان پر اطمینان نہیں تو ان قیود کے ساتھ یہ بھی جائز ہے کہ بیٹا اپنی بیوی کو طلاق ومتارکت سے الگ نہ کرے بلکہ اپنے ہی گھر میں رکھے اور دونوں باہم پوری احتیاط رکھیں۔ عورت وجہ وکفّین کے سوا باقی جسم کو شوہر سے ہمیشہ مستور رکھے اور کبھی خلوت کا بھی موقع نہ دے بلکہ ہمیشہ کسی معتبر عورت کے ساتھ گھر میں رہے اور جن لوگوں کو واقعۂ زنا کی اطلاع ہوچکی ہو ان کو اس سے بھی اطلاع کردیا جائے کہ اب اس عورت کو اس صورت سے گھر میں رکھا گیا ہے۔ بیوی بناکر نہیں رکھا گیا۔

وهذا مما يعرف ولا يعرف وإنما ذكرناه توسعة على المضطر وليس في قيام المرأة فى بيت الزوج بعد حرمتها عليه إلا مثل ما فى قيام المستأجرة لخدمة البيت فى بيت المستاجر۔ اللّٰهمّ إلّا أن يقال فرق بينهما وهو أن الرجل يحتشم من غير منكوحته وكذا تحتشم هي منه بخلاف ما اذا كانا زوجين قد اختلطا زمانًا قلنا فلاجل ذلك قيّدناه بالقدرة على التوقى والاحتياط والاضطرار الى ذٰلك وإلا فلا يجوز ويمكن الاستيناس بقوله تعالىٰ: فَإِنْ أَرْضَعْنَ لَكُمْ فَآتُوهُنَّ أُجُورَهُنَّ۔ الآية۔ حيث أباح الاسترضاع من المطلقات بعد انقضاءِ عدّتهنّ فافهم۔ والاصل فى ثبوت حرمة المصاهرة بالزنا قوله صلى الله عليه وسلم لسودة فى ولد جارية زمعة: واحتجبي منه يا سودة! الحديث، وهو متفق عليه:

لأنه صلى الله عليه وسلّم لما رأى الشبه بعتبة علم أنه من مائه فاجراه فى الاحتياط مجرى النسب۔ قال ابن حزم وهو قول الثورى۔ وفى المعالم للخطابى وهو مذهب أصحاب الرأى والاوزاعى وأحمد۔ قال وفى قوله صلى الله عليه وسلم: احتجبى منه ياسودة! حجّة لهم۔ كذا فى الجوهر النقى (ص ۸۵۔ ج ۲)

وفيه أيضًا قبله (ص ۸۴۔ ج ۲) قال ابن حزم: وروينا عن ابن عباس أنه فرق بين رجل وامرأته بعد ان ولدت له سبعة رجال كلهم صار رجلاً يحمل السلاح لأنه كان أصاب من أمّها مالا يحلّ۔ وروى عبد الرزاق فى مصنّفه عن عثمان بن سعيد عن قتادة عن عمران بن حصين فى الذى يزنى بأمّ امرأته قال حرمتا عليه جميعاً اھ اسناده حسن وهذا أن صحابيين قد صرّحا بما دلّ عليه الحديث المرفوع وأقوال الصحابة عندنا حجّة وقد رواه ابن حزم عن سعيد بن المسيب وأبى سلمة بن عبد الرحمٰن وعروة بن الزبير (وهؤلاء كبار التابعين) ورواه ابن أبى شيبة بسند صحيح عن ابن المسيب والحسن وعبد الرزاق وعن عطاء وطاؤس وابن ابى شيبة عن قتادة وأبى هاشم فى الرجل يقبّل أمّ امرأته أو ابنتها قالا حرمت عليه ابنته۔ وعن ابن مغفل (وهو عبد الله صحابى) وعن عكرمة مثله كذا عن الجوهر النقى ملخصاً صحته او الحسن كما ذكرنا فى مقدّمة إعلاء السنن، نقلاً عن الحافظ ابن حجر فى الفتح والتلخيص۔ والله تعالٰى أعلم۔

حرّره الاحقر ظفر احمد عفا عنه
از تھانہ بھون خانقاہ امدادیہ

۲۹؍ محرم ۴۷ھ

جب تک مس بالشہوت نہ ہو مطلق مس موجب حرمت نہیں

سوال: ایک شخص مسمّٰی سوم بیان کرتا ہے کہ میری ساس یعنی میری منکوحہ کی ماں ایک شب کو جس میں میں نیند میں تھا میرے اوپر آکر چارپائی کے نزدیک کھڑے ہوکر ایک ہاتھ میرے سینہ کے اوپر رکھا اور منہ اپنا میرے منہ سے ملایا اس وقت میں بیدار ہوگیا اور مجھ کو کہا کہ میں تیرے ساتھ سوتی ہوں میں نے ان کو کہا کہ یہ کام مجھ سے نہ ہوگا۔ پھر وہ چلی گئی۔ مجھ کو اس وقت شہوت کا انتشار وغیرہ کچھ نہ تھا اس کے بعد ایسے ہی زبانی میرے ساتھ محبت بہت کرتی

ہے اور دیگر لوگوں میں ان دونوں کی آپس میں ظاہری محبت دیکھ کر بُری محبت کی شہرت ہوگئی ہے عورت سے پوچھا گیا کہ تو اپنے داماد کے ساتھ منہ ملایا اور ہاتھ سینے کے اوپر رکھا کہ وہ ایسا کہتا ہے۔ عورت نے کہا کہ میں نے کچھ بھی نہیں کیا وہ میرا داماد ہے مجھ کو اسی کی وجہ سے اس سے محبت ہے، میں نے ہاتھ یا منہ اس پر نہیں لگایا، وہ جھوٹ کہتا ہے اب چونکہ سومر خود اس بات کا مدعی ہے کہ میرا منہ لگایا اور سونے کے واسطے خواہش کی جس سے معلوم ہوتا ہے کہ عورت کو شہوت تھی۔ کیا سومر پر منکوحہ کی حرمت ثابت ہوئی یا نہیں؟

بندہ فخر الدین۔ گھوٹکی ضلع سکھر (سندھ)

الجواب

صورتِ مسئولہ میں مرد تقبیل کا مدعی نہیں بلکہ صرف اس کا مدعی ہے کہ عورت نے میرے منہ سے منہ لگایا اور یہ تقبیل نہیں بلکہ صرف مس ہے اور مس میں اس وقت تک حرمت نہیں ہوتی جب تک مس بالشہوت نہ ہو اور جب عورت شہوت کی منکر ہے تو اس سے قسم لے لی جائے اگر وہ قسم کھالے تو حرمت نہ ہوگی

منہ یا رخسار پر بوسہ لیا تو انکارِ شہوت معتبر نہیں

سوال: اگر عورت یا مرد ہاتھ لگانے یا بوسہ دینے کا اقرار کرے اور شہوت کا انکار کرے تو فقط ماس کا قول کافی ہے یا قسم پر اس کی شہوت کا انکار قبول ہوگا ؟

① اگر دو شاہد گواہی دیں مس اور بوسہ کی مرد اور عورت پر اور وہ عورت یا مرد شہوت کا انکار کریں تو حرمت ثابت ہوگی یا نہیں ؟ کیونکہ مرد کا انتشار بھی شاہدوں کو دیکھنا مشکل ہے اور عورت کی شہوت تو ان کو دیکھنا ناممکن ہے شاید بظاہر مس یا بوسہ کی گواہی دیں گے پھر شہوت کا اقرار یا انکار تو عورت یا مرد پر منحصر رہا اس صورت میں گواہی پر حرمت ثابت ہوگی یا ان کے انکار پر حلت بدستور قائم رہیگی ؟

بندہ فخر الدین۔ گھوٹکی ضلع سکھر (سندھ)

الجواب

① بوسہ اگر منہ یا رخسار پر لیا ہے تو صحیح یہ ہے کہ انکارِ شہوت معتبر نہیں اور بوسہ کے معنی منہ چومنا یا رخسار چومنا ہے صرف منہ سے منہ ملانا یا رخسار پر منہ لگانا بوسہ نہیں اور ہاتھ لگانے میں انکارِ شہوت معتبر ہے مع الیمین۔ بدونِ یمین کے منکر کا قول معتبر نہیں۔

② شاہدین کو شہادت علی المس میں مرد کے انتشار اور عورت کی حرکات کا مشاہدہ ضروری ہے اگر وہ مس کی شہادت بدون انتشار کے بیان کریں تو مرد کا انکار معتبر ہوگا مع الیمین

مساحقت موجب حرمتِ مصاہرت ہے یانہیں؟

سوال : زید کی بیوی نے اس کی لڑکی بالغہ یا نابالغہ سے چپٹی کی یعنی جس طرح صحبت کرتے ہیں اسی طرح اس نے بھی کسی طریقہ سے اس کے ساتھ ایسا فعل کیا اور اس کے جسم کو دیکھنے سے اس فعل کا یقین ہے تو کیا لڑکی کا حکم بھی مثل لڑکے کے ہے؟ کہ جس طرح ابن الزوج کے ساتھ ایسا فعل کرنے سے حرمتِ مصاہرت ثابت ہو جاتی ہے اس صورت میں بھی ہوگی یا نہیں بحوالہ کتاب تحریر فرمائیں ۔

الجواب

اس صورت میں یعنی مساحقت میں حرمتِ مصاہرت ثابت نہیں ہو سکتی ۔

قال فی الدر : أما غیرها أی غیر المشتهاة المزنیة فلا تثبت الحرمة بها اصلاً کوطی دبر مطلقًا أی سواء کان بصبی او امرأة اتی رجل رجلاً له ان یتزوّج با بنته لأن هٰذا الفعل لو کان فی الاناث لا یوجب حرمة المصاهرة ففی الذکر أولی ۔ قال الشامی : ان العلّة هی الوطأ السبب للولد ولم یتحقق فی الصورتین اھ (ص ۴۶۱ ج ۲)

قلت : وکذا لم یتحقق الوطأ السبب للولد فی المساحقة اصلاً فلا حرمة بها ۔

واللہ أعلم

حرّرہ الاحقر ظفر احمد عفا عنہ از تھانہ بھون

۱۳؍ ذی قعدہ ؁۴۷ھ

هل یجوز للحنفی الافتاء بقول الشافعی فی مسئلة المصاهرة ام لا ؟

سوال : غبّ إهداء السلام والتحیة اللائقة بالمقام ۔ فیا سیّدی ! قد جاءنا سوال بواقعة تخبرنا فیها ان افتینا فیها بحرمة المصاهرة تخشی الفتن وإن لم نفت بها لم نجد لها مساغًا فی المذهب حسب فهمنا فرفعنا الامر إلی علوّ مقامکم کی تطمئنّ الخواطر فهل یجوز لنا ان نفتی فیها بقول الامام الشافعی رحمه اللہ تعالیٰ ؟ فالمرجو من مکارم أخلاقکم البهیة أن تفیدونا بما أراکم اللہ تعالیٰ لا زلتم حلالی المعاقد داعیکم حسین احمد غفرله من دیوبند

الجواب : الحمد للہ وسلامٌ علی عباده الذین اصطفیٰ ۔ ثم السلام علیکم ورحمة اللہ وبرکاته

وبعد فانا لا نجيز العمل بقول سيدنا الشافعي رحمه الله في مسئلة حرمة المصاهرة بوجوه:

الاول: عدم الحاجة إليه فانه لاضرر ولاحرج في طلاق امرأة بعينها والمفارقة عنها والتزوج بغيرها۔

والثاني: كثرة المفاسد وتفاقم الفتن في ترك قول الامام في المسئلة فان العوام إذا علموا بجواز العمل بقول غيره فيها تهوروا على المساس والنظر بشهوة إلى أمهات أزواجهم ونحوهنّ وعلى ارتكاب الزنا ومقدماته بحلائلهم اوبأزواج آبائهم ونحوها والآن يرتدعون من ذلك مخافة على النكاح۔

والثالث: قوة قول الامام في المسئلة فقد أجمع الصحابة على حرمة الوطى بامة قد وطيت امها أو بنتها قبلها وما ذلك الالحرمة المصاهرة وبسط الدلائل في الجوهر النقي فليراجع۔ والله تعالىٰ أعلم

حرّره الاحقر ظفر احمد عفا عنه

۱۸/ ذی قعدہ سنہ ۴۷ھ

عورت دعوی کرے کہ خسر نے اس کے ساتھ بارہا زنا کیا ہے اور شوہر اس کی تصدیق نہ کرے تو کیا دو گواہوں کی شہادت سے حرمت مصاہرت ثابت ہو جائے گی.

سوال: یہ ہے کہ ایک عورت نے دعویٰ و نالش کی کہ عورت کے زوج کے باپ نے اس سے بارہا جبراً زنا کیا جس کے دو گواہ بھی موقع کے ہیں۔ اس سے زنا تو ثابت نہیں ہوا مگر حرمت مصاہرت یعنی وہ عورت اس شخص کے بیٹے پر حرام ہو گی یا نہیں؟ جبکہ اس عورت کا شوہر عورت کے بیان کو بالکل تصدیق نہیں کرتا اور کہتا ہے کہ میرے کسی دشمن نے یہ جھوٹی تہمت میرے باپ پر کرنے کو میری زوجہ کو تعلیم دی ہے تاکہ وہ مجھ پر حرام ہو جائے اور وہ دشمن خود اس سے نکاح کر سکے اس حالت میں جبکہ شوہر عورت کے بیان کی تصدیق نہیں کرتا حرمتِ مصاہرت ثابت ہو گی یا نہیں؟ اور اس عورت کو زوج سے تفریق کی جائیگی

عہ فان من العوام من لايخاف الله تعالىٰ ولايتقيه حق تقاته ولكن اكثرهم يهابون من فساد انكحتهم أو أنكحة أقربائهم من الاباء والابناء

یا نہیں ؟ جواب سے سرفراز فرمایا جائے۔

سائل : ظہور الحق

میرج رجسٹرار و قاضی پوسٹ قاضی پور

الجواب

صورتِ مسئولہ میں قضاءً حرمتِ مصاہرت کا ثبوت نہیں کیونکہ یہ دو گواہ زنا کے شاہد ہیں اور زنا کے گواہوں کے لئے چار گواہوں سے کم کافی نہیں اس لئے یہ گواہ شرعاً حد کے قابل ہیں۔ اگر قاضی اسلام ہوتا تو ان پر حد جاری کرتا پس ان کی گواہی سے نہ زنا کا ثبوت ہوا نہ حرمت مصاہرت کا۔ البتہ چونکہ صورت مسئولہ میں عورت خود مدعی ہے اس لئے دیانۃً عورت کو یہ فتویٰ دیا جائیگا کہ اگر وہ اپنے بیان میں سچی ہے تو اس کو اپنے شوہر سے الگ ہو جانا واجب ہے مگر دوسرے شخص سے نکاح کرنا اس کو جائز نہیں۔ جب تک زوج اس کو طلاق نہ دے یا متارکت کے الفاظ استعمال نہ کرے۔ واللہ تعالیٰ اعلم

حررہ الاحقر ظفر احمد عفا عنہ

از تھانہ بھون۔ ۱۹ر ربیع الثانی ۴۸ھ

بیوی کی سوتیلی ماں سے زنا کیا تو بیوی حرام نہیں ہوگی

سوال : کیا فرماتے ہیں علماء دین متین و مفتیانِ شرع مبین اس مسئلہ میں کہ زید کی شادی بکر کی لڑکی زبیدہ کے ساتھ ہوئی ہے کچھ دنوں کے بعد زبیدہ کی ماں کا انتقال ہو جاتا ہے اور بکر دوسری شادی کرتا ہے پھر زید اپنی اہلیہ کی سوتیلی ماں سے مرتکبِ زنا کا ہوتا ہے یا اس کو شہوت کے زور سے ہاتھ لگاتا ہے تو ان دونوں صورتوں میں زبیدہ اپنے خاوند زید پر حرام ہوتی ہے یا نہیں اگر حرام ہوگئی ہے تو حرام ہو جانے کے بعد اگر زید اپنی بیوی زبیدہ سے صحبت کرے تو اس کا کیا حکم ہے ؟ عرض کہ ان صور کے متعلق فقہ حنفیہ کی رُو سے مفصل جوابات مع حوالہ تحریر فرمائیں۔

سائل : عبدالرحمٰن عفا عنہ

الجواب

بیوی کی سوتیلی ماں سے زنا اور مس بالشہوت کرنے سے بیوی شوہر پر حرام نہیں ہوئی مگر زید کو سخت گناہ ہوا جلد اس گناہ سے توبہ کرے ورنہ وبال دنیا و آخرت کے لئے تیار رہے۔ فقط واللہ اعلم

ظفر احمد عفا عنہ ۲۹ر ربیع الثانی ۴۸ھ

وطی ربیبہ سے بیوی کا حرام ہونا

سوال : اگر کوئی شخص پہلے ایک عورت سے نکاح کرے اور وطی کرتا رہے پھر اس عورت کی پہلے خاوند کی لڑکی سے یعنی ربیبہ سے نکاح جہالۃً کرے اور وطی کرے تو دونوں حرام ہوں گی یا نہیں ؟

احمد علی ۔ از ہوشیار پور محلہ سنہری
مدرسہ سبیل الرحمۃ

الجواب

جس شخص نے اپنی ربیبہ عورت سے ہم بستری وغیرہ کی ہے اس پر اس کی بیوی بھی حرام ہوگئی جیساکہ پہلے سے ربیبہ حرام ہے

کما فی العالمگیریہ : وتثبت (أی حرمة المصاهرة) بالوطی حلالاً کان أوعن شبهة أو زنا کذا فی فتاوی قاضی خان : فمن زنا بامرأة حرمت علیه أمّها وإن علت وابنتها وان سفلت (ص ۵ ج ۲)

البتہ اگر وطی اور اس کے دواعی میں سے کوئی امر واقع نہ ہوتا تو محض نکاح بنت الزوجہ سے زوجہ حرام نہ ہوتی۔

کمافی العالمگیریة ایضًا : وتثبت حرمة المصاهرة بالنکاح الصحیح دون الفاسد کذافی محیط السرخسی۔ فلوتزوّجها نکاحًا فاسدًا لاتحرم علیه أمّها بمجرّد العقد بل بالوطی هکذا فی البحرالرائق

وفیه بعد أسطر : وکما تثبت هٰذه الحرمة بالوطی تثبت بالمس والتقبیل والنظر إلی الفرج بشهوة۔ کذافی الذخیرة سواء کان بنکاح أو ملك او فجور عندنا کذا فی الملتقط قال أصحابنا : الربیبة وغیرها فی ذلك سواء هٰکذا فی الذخیرة ۔ واللہ اعلم

احقر عبدالکریم عفی عنہ
خانقاہ امدادیہ اشرفیہ ضلع مظفرنگر تھانہ بھون
۱۵ ر صفر ۴۵ھ

حرمتِ مصاہرت کے متعلق چند سوالوں پر مشتمل ایک استفتاء

سوال : ایک غلطی یہ سرزد ہوئی کہ ایک مرتبہ زید کے سینہ میں درد ہونے لگا زید کی پھوپھی جو (زید کی بیوہ بھاوج کی ماں ہیں) ازراہِ شفقت فرمایا کہ لاؤ میں تمہارے سینہ میں دوا یا تیل کی مالش کردوں تاکہ درد موقوف ہو جائے چنانچہ زید چت لیٹ گیا اور زید کی پھوپھی

نے زید کے کمر کی دونوں طرف اپنے دونوں پیروں کو ڈال کر جھکے ہوئے زید کے سینہ پر دوا مالش کرنا شروع کردی اس ہیئتِ کذائی سے مالش ہونے کی وجہ سے زید کے عضو مخصوص میں خود بخود ایک خفیف سا انتشار پیدا ہوگیا یعنی عضو میں خفیف ایستادگی پیدا ہوگئی اور مالش برابر ہوتی رہی اس وقت زید اپنی طبیعت اور اپنے خیال کو دفع کرنے اور دوسری طرف متوجہ کرنے کی برابر کوشش کرتا رہا اس مالش ہونے کے وقت نہ زید کی کوئی نیت خراب تھی اور نہ زید کی پھوپھی کی اور نہ اس قسم کا خیال طرفین میں کبھی پیدا ہوا۔ اور نہ ایسا ہوسکتا تھا اس لئے کہ زید ہمیشہ سے اپنی پھوپھی کو بزرگوں کی طرح سمجھتا ہے مگر اس مالش کے دوران میں محض پیروں کے حمائل کر دینے اور اس خاص صورت سے ایک عورت ذات کے ہاتھ سے مالش ہونے کی وجہ سے خود بخود زید کے دل میں کسی خفیف خیال کے گذرنے سے یہ کیفیت پیدا ہوگئی تھی ۔

دوسری غلطی یہ ہوئی کہ زید کی پھوپھی غسل کر رہی تھیں یا خانہ میں تھیں زید نے بے احتیاطی سے بغیر آواز دئے ہوئے اندر مکان کے چلا آیا۔ یا بغیر کھانسے ہوئے پاخانہ کے اندر چلا گیا ایسی حالت میں زید نے اپنی پھوپھی کو برہنہ دیکھ لیا مگر زید نے اپنی نگاہ کو جمنے نہیں دیا۔ بلکہ فورًا نظر ہٹا لیا اور اُلٹے پیروں فورًا واپس ہوا جبکہ زید کو یہ معلوم ہوگیا کہ پاخانہ کے اندر کوئی شخص موجود ہے زید کی نظر خاص حصۂ جسم یعنی شرمگاہ پر نہیں پڑی بلکہ دیگر حصۂ جسم برہنہ پر پڑی ۔

تیسری غلطی یہ ہوئی کہ ایک مرتبہ زید کی پھوپھی کو اپنے پیروں یا ہاتھوں کے کڑے اُتروانا مقصود تھا چونکہ کڑے کسی قدر سخت تھے لہٰذا زید سے یہ کہا کہ بھیا! میرے یہ کڑے اپنے ہاتھ سے ذرا پھیلا دو تاکہ آسانی سے اُتر جائیں زید نے اس کی تعمیل کی مگر کڑے اتارتے وقت زید نے اپنی پھوپھی کی پنڈلی کھلی ہوئی دیکھی ۔ مگر کوئی شہوانی خیال طرفین میں قطعی نہیں تھا اور نہ اس کا گمان ہوسکتا ہے لہٰذا زید ان مذکورہ بالا وجوہات کے واقع ہوجانے سے یہ خیال کرتا ہے کہ شاید سسرالی رشتہ قائم ہوگیا ہو اور اب اپنی پھوپھی کی اولاد یعنی بیوہ بھاوج سے نکاح کرنا ناجائز ہو۔ لہٰذا حضور والا ازراہِ کرم اس مسئلہ پر توجہ فرمائیں اور مفصل جواب جلد ارسال فرمائیں تاکہ زید اس پر کاربند ہوے اور اگر خدانخواستہ اب اس کے لئے یہ نکاح ازروئے مذہبِ حنفیہ ناجائز ہے تو مذہبِ شافعیہ سے اجازت مل سکتی ہے یا نہیں ؟

اور کوئی حنفی امام، امام شافعی رح کے کسی مسئلہ پر عامل ہو سکتا ہے یا نہیں ؟

الجواب

① اس واقعہ میں چونکہ اس شخص کا خیال اس عورت کی جانب نہ تھا بلکہ محض خیال کی وجہ سے شہوت ہوئی اس لئے اس واقعہ سے حرمتِ مصاہرت ثابت نہیں ہوئی ۔

لما فی الشامیة: (ص ۴۵۹ - ج ۲) قلت: ویشترط وقوع الشهوة علیها لا علی غیرها لما فی الفیض لو نظر إلی فرج ابنته بلا شهوة فتمنی جاریة مثلها فوقعت له الشهوة علی البنت تثبت الحرمة وان وقعت علی من تمنّاها فلا ۔

البتہ اگر وہ عورت کہتی ہو کہ اس کو اس وقت شہوت تھی تو مفصل بات لکھ کر دوبارہ سوال کریں اور یہ بھی لکھیں کہ زید کو اس عورت کا قول صحیح معلوم ہوتا ہے یا نہیں ؟

② اس واقعہ میں نہ شہوت ہوئی نہ نظر جسم خاص کی طرف اور یہ دونوں شرط ہیں پس کوئی وجہ حرمتِ مصاہرت کی نہیں ۔

③ اس میں بھی مس بلا شہوت ہونے کی وجہ سے حرمتِ مصاہرہ کا احتمال نہیں ہے غرض ان ہر سہ واقعات میں کوئی واقعہ ایسا نہیں جس سے حرمتِ مصاہرہ ثابت ہوتی ہو ۔ پس زید اس عورت کی لڑکی سے نکاح کر سکتا ہے ۔

احقر عبد الکریم عفی عنہ از خانقاہ امدادیہ تھانہ بھون
۱۶ر شوال ۴۸ھ

الجواب صحیح

و إن ادعت المرأة الشهوة لما فی الدر المختار: وان ادعت الشهوة فی تقبیله أو تقبیلها ابنه (وانکر الرجل فهو مصدق) لا هی الخ

وفی الشامی (ص ۴۶۴ - ج ۲) (قوله فهو مصدق) لانه ینکر الحرمة، والقول للمنکر وهذا ذکره فی الذخیرة۔ فی المس لا فی التقبیل کما فعل الشارح فانه مخالف لما مشی علیه المصنف اولا من أنه فی التقبیل یُفتی بالحرمة مالم یظهر عدم الشهوة وقد منا عن الذخیرة نقل الخلاف فی ذلك فما هنا مبنی علی ما فی بیوع العیون اھ

ظفر احمد عفا عنہ

مسئلہ مصاہرت | **سوال**: واقعہ یہ ہے کہ ایک منکوحہ نے بوجوہ متعددہ تکالیف

خانہ داری اپنے شوہر کے مکان سے جاکر اپنے سسر پر تہمت لگا دی کہ اس کے سسر نے اس کے ساتھ زنا کیا منکوحہ مذکورہ کا خاوند بغرض تحصیل علم دین غیر ملک گیا تھا جب وہ پردیس سے مکان میں آیا منکوحہ کے عم حقیقی نے داماد سے کہا کہ لڑکی قرآن مجید پکڑ کر حلف کرتی ہے کہ اس کے سسر نے اس سے زنا کیا لڑکی کی زبان بندی میرے نزدیک باور ہوئی اگر تم کو باور نہ ہو لڑکی سے دریافت کرو۔ تب داماد نے جواب دیا کہ میں بسواس کرتا ہوں کہ آپ نے میری زوجہ کی زبان بندی لی ہے لیکن میں اس وقت کچھ نہیں پوچھوں گا۔ چچا نے کہا یہ لڑکی تمہارے لئے عند القاضی حرام نہ ہوئی کیونکہ کوئی شاہد نہیں تم جاسوس کی طرح گواہ تلاش کرو۔ القصہ! لڑکی کے چچا نے داماد کو حکم دیا کہ تمہاری بیوی ہے کہ تم لے جاؤ۔ لیکن لڑکی کے سوتیلے باپ نے نہیں دیا۔ پھر چچا نے ایک کاغذ بطور زبان بندی کے اپنے ہاتھ سے لکھ کر اس پر داماد کا نام جعلی دستخط کر کے ایک مولوی صاحب کے پاس بھیجا اور اس کاغذ میں لکھا ہوا تھا کہ داماد نے واقعہ زنا کی تصدیق کی پس مولوی صاحب مذکور نے لڑکی اور اس کے سسر یعنی مدعیہ و مدعا علیہ سے کچھ بھی دریافت نہ کیا اور ان کی زبان بندی بھی نہیں لی فقط داماد کو بلا کر کہا کہ بمطابق نوشتۂ ہذا کے معلوم ہوتا ہے کہ تم نے واقعۂ زنا کی تصدیق کی داماد نے جواب دیا نہیں صاحب! میں نے ہرگز واقعۂ زنا کی تصدیق نہیں کی بلکہ اپنے چچا سسر کو فقط اتنا بولا ہوں کہ "میں بسواس کرتا ہوں آپ نے میری زوجہ کی زبان بندی لی ہے"، پس مولوی صاحب مذکور نے اس کاغذ ہی پر اعتماد کر کے زنا کے دعویٰ پر ثبوت حرمتِ مصاہرت کا ایک فتویٰ لکھ دیا۔ اس مولوی صاحب کے فتویٰ نویسی سے پیشتر دیگر دو مولوی صاحبان یہ حکم دے چکے کہ صورتِ مسئول عنہا میں حرمتِ مصاہرت ثابت نہیں ہوئی۔

پس استفتاء یہ ہے کہ صورتِ مرقومۃ الصدر میں بلا ثبوتِ زنا فقط لڑکی کے چچا کے نوشتہ پر معتمد ہو کر حرمتِ مصاہرہ کا فتویٰ دینا صحیح ہے یا نہیں؟ اور نفس الامر میں بھی صورت مرقومہ میں حرمت ثابت ہوگی یا نہیں؟ جبکہ دو مولوی صاحبان نے عدم ثبوت حرمت کا حکم دیدیا پھر دوسرے مولوی صاحب کو اس کی تردید کرنا جائز ہے یا نہیں؟

الجواب

یہ سوالات زائد ہیں اصل واقعہ کا حکم یہ ہے کہ اس قاضی یا مسلمان حاکم کے پاس

مقدمہ پیش کیا جائے جس کو اس قسم کے معاملات میں فیصلہ کرنیکا حکومت کی طرف سے اختیار دیا گیا ہو اگر حاکم مسلم اور قاضی نہ ہو تو کسی کو بتراضی طرفین سے حَکَم بنا لیا جائے جس کے پاس مقدمہ پیش ہو وہ عورت کا دعویٰ سُنے اور گواہ طلب کرے اگر اس کے پاس گواہ نہ ہوں تو مدعا علیہ یعنی خاوند[عہ] اور خسر سے حلف لیا جائے اگر گواہوں سے حرمتِ مصاہرہ ثابت ہو جائے یا خسر اور خاوند یمین سے انکار کردیں تو قاضی حاکم یا حَکَم تفریق کردے اور تفریق کے بعد عدت گزار کر عورت دوسری جگہ نکاح کرسکتی ہے بدون تفریق دوسری جگہ نکاح کرنا حرام ہے الا آنکہ خاوند کی طرف سے متارکت ہو جائے۔

كما قال صاحب الدر : لا يحل لها التزوّج بآخر إلا بعد المتاركة۔

وفي الشامي عن الحاوي : إلا بعد المتاركة أو تفريق القاضي اھ (ص ۶۶۳ ج-۲)

اور اگر مدعا علیہما حلف کرلیں تو نکاح قائم رہنے کا حکم دیدیا جائے لیکن نکاح قائم رہنے کا حکم دیدینے سے صرف قضاءً حلت کا فتویٰ دیا جائے گا مگر دیانۃً حلال ہونے میں تفصیل ہے یعنی جس کو حرمتِ مصاہرت کا علم ہو اس کے لئے تعلق از دواج رکھنا حلال نہ ہوگا۔ اور جس کو علم نہیں وہ دیانۃً بھی معذور ہے پس واقعہ مسئولہ میں اگر خاوند درحقیقت عورت کی تصدیق کرچکا ہو تو قضاء قاضی کے بعد بھی اس کے لئے حلال نہیں ہوسکتی۔

اسی طرح اگر کوئی امر موجب حرمت مصاہرت کا خسر سے سرزد ہوگیا ہے تو اس کو اخفاء جائز نہیں اور چونکہ عورت ایسے واقعہ کی مدعیہ ہے جس سے یقیناً حرمت مصاہرت ہو جاتی ہے اس لئے اس کے واسطے کسی حال میں تمکین جائز نہیں لیکن اگر کوئی صورت ایسی ہوتی جس میں احتمال ہوتا تو قضاء قاضی کے بعد اس کو تمکین جائز ہو جاتی۔ مثلاً خسر کی جانب سے تقبیل واقع ہوتی اور عورت شہوت ہونے کا دعویٰ کرتی اور خسر حلف سے کہدیتا کہ شہوت سے ہرگز نہ تھا تو تمکین حلال رہتی۔

والمسئلة مصرّحة في البدائع : حيث قال بعد نقل الاختلاف بين الامام وصاحبيه في نفاذ القضاء باطناً بشهادة الزور فيما هو له ولاية انشائية في الجملة وأجمعوا على انه لو ادعى نكاح امرأة وهي تنكر وتقول أنا أخته من الرضاع أو أنا في

[عہ] خسر سے تو اس بات پر حلف لیا جائے کہ اس نے کوئی فعل موجب حرمتِ مصاہرہ کا نہیں کیا اور خاوند سے اس پر لیا جائے کہ مجھ کو عورت کی بات پر یقین نہیں آیا۔ منہ

عدۃ من زوج آخر فشہد بالنکاح شاہدان وقضی القاضی بشہادتہما والمرأۃ تعلم أنہا کما أخبرت لایحلّ لہا التمکین (ص ۱۵ ج ۷)

کتبہ الاحقر عبدالکریم عفی عنہ
از خانقاہ امدادیہ تھانہ بھون
مورخہ یکم ذی قعدہ ۱۳۵۱ھ

حسن المحاضرة فی تحقیق بعض شرائط حرمة المصاهرة

سوال: کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ زید کی ایک رشتہ کی پھوپھی جو کہ عمر میں ادھیڑ اور زید سے بہت زیادہ عمر میں بڑی ہیں۔ زید اپنی ان پھوپھی کی اپنی ماں کے برابر عزت کرتا ہے اور اسی طرح سے پھوپھی بھی زید کو اپنے لڑکے کی طرح سمجھتی ہیں زید کی پھوپھی کی ایک لڑکی کا زید کے ایک سگے بڑے بھائی کے ساتھ نکاح ہوا تھا مگر عرصہ تین چار سال کا ہوا کہ زید کے بڑے بھائی کا انتقال ہوگیا اب زید کی یہ بھاوج بیوہ ہیں اور زید کے بھائی مرحوم کی اولاد زید کی نگرانی و زیر پرورش ہیں۔ زید اور زید کی بیوہ بھاوج اور اس کی اولاد وغیرہ ایک ہی گھر میں رہتے سہتے ہیں اور سبھوں کا ایک گھر میں کھانا پینا ہے زید کے دوست و احباب عزیز و اقارب کی یہ دلی خواہش ہے اور بہت کوشاں ہیں کہ زید کا نکاح زید کی اس بھاوج بیوہ کے ساتھ ہوجائے تاکہ یہ بیوہ زید کے گھر ہی میں رہے اور گھر کا شیرازہ نہ بکھرنے پائے اور زید کے بھائی مرحوم کی اولاد جو اس بیوہ سے پیدا ہوئی ہیں ان کو کوئی تکلیف نہ پہنچے اور بدستور زید کی زیر نگرانی رہیں۔ اعزہ کا یہ خیال ہے کہ اس بیوہ کا نکاح اگر کسی غیر جگہ ہوگا تو گھر کا یہ سارا انتظام منتشر ہوجائیگا اور بچوں کو بھی تکلیف ہوگی نیز بیوہ کا ایسی صورتوں میں کسی دوسری جگہ نکاح ہونا بھی ایک امر محال سمجھا جاتا ہے۔ اگر اس بیوہ کا نکاح زید کے ساتھ نہ ہوا تو پھر یہ بیوہ ہمیشہ کے لئے نکاح کرنے سے محروم رہے گی اور ساری زندگی اس کی یوں ہی گذر جاے گی۔ بیوہ بیچاری ابھی نوجوان ہے اور اندازے سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ اس کی بھی یہ خواہش ہے کہ گھر ہی میں نکاح زید (دیور) کے ساتھ ہوجائے تو بہتر ہے۔ عزیز و اقارب، دوست و احباب کے مجبور کرنے پر زید بھی راضی ہوگیا ہے کہ وہ اپنی اس بیوہ بھاوج کے ساتھ جو کہ کسی غیر جگہ مذکورہ بالا وجوہات کی بناء پر نکاح کرنے سے مجبور ہو رہی ہے نکاح کرکے خدا تعالیٰ کی خوشنودی حاصل کرے مگر افسوس ہے کہ زید چند خاص وجوہات و مشکلات کی بناء پر جو کہ اس سے نادانستگی

اور غلطی سے عرصہ ہوا سرزد ہو گئی تھیں کہ جس کے باعث اس نکاح سے تأمل کر رہا ہے تا وقتیکہ کوئی شرعی حکم صادر نہ ہو اور اطمینان نہ ہو جائے۔

پہلی غلطی یہ سرزد ہوئی کہ ایک مرتبہ زید کے سینہ میں درد ہونے لگا زید کی پھوپھی مذکورہ نے جو (زید کی بیوہ بھاوج کی ماں ہیں) از راہِ شفقت فرمایا کہ لاؤ میں تمہارے سینہ میں دوا یا تیل مالش کردوں تاکہ درد موقوف ہو جائے۔ چنانچہ زید چت لیٹ گیا اور زید کی پھوپھی نے زید کے کمر کی دونوں طرف اپنے دونوں پیروں کو ڈالکر جھکے ہوئے زید کے سینہ پر مالش شروع کردی۔ اس ہیئتِ کذائی میں مالش ہونے کی وجہ سے زید کے عضو مخصوص میں خود بخود ایک خفیف سا انتشار پیدا ہو گیا یعنی عضو میں خفیف ایستادگی پیدا ہو گئی اور مالش برابر ہوتی رہی۔ اس وقت زید اپنی طبیعت اور اپنے خیال کو دفع کرنے اور دوسری طرف متوجہ کرنے کی برابر کوشش کرتا رہا۔ اس مالش ہونے کے وقت نہ زید کی کوئی نیت خراب تھی اور نہ زید کی پھوپھی کی۔ اور نہ اس قسم کا خیال طرفین میں کبھی پیدا ہوا اور نہ ایسا ہو سکتا تھا اس لئے کہ زید ہمیشہ سے اپنی پھوپھی کو بزرگوں کی طرح سمجھتا ہے۔ مگر اس مالش کے دوران محض کمر میں پیروں کے حمائل کر دینے اور اس خاص صورت سے ایک عورت ذات کے ہاتھ سے مالش ہونے کی وجہ سے خود بخود زید کے دل میں کسی خفیف خیال کے گزرنے سے یہ کیفیت پیدا ہو گئی تھی۔

دوسری غلطی یہ ہوئی کہ زید کی پھوپھی غسل کر رہی تھیں یا خانہ میں تھیں زید بے احتیاطی سے بغیر آواز دئے ہوئے اندر مکان کے چلا آیا یا بغیر کھانسے ہوئے پاخانہ کے اندر چلا گیا۔ ایسی حالت میں زید نے اپنی پھوپھی کو برہنہ دیکھ لیا مگر زید نے اپنی نگاہ کو جمنے نہیں دیا بلکہ فوراً نظر ہٹا لیا اور الٹے پیروں فوراً واپس ہوا جبکہ زید کو یہ معلوم ہو گیا کہ پاخانہ کے اندر کوئی شخص موجود ہے زید کی نگاہ خاص حصۂ جسم یعنی شرمگاہ پر نہیں پڑی بلکہ دیگر حصۂ جسم برہنہ پر پڑی۔

تیسری غلطی یہ ہوئی۔ ایک مرتبہ زید کی پھوپھی کو اپنے پیروں یا ہاتھوں کے کڑے اتروانا مقصود تھا چونکہ کڑے کسی قدر سخت تھے لھذا زید سے یہ کہا کہ بھیا! میرے یہ کڑے اپنے

ہاتھ سے ذرا پھیلا دو تاکہ آسانی سے اُتر جائیں۔ زید نے اس کی تعمیل کی مگر کرتے اتارتے وقت زید نے اپنی پھوپھی کی پنڈلی کھلی ہوئی دیکھی مگر کوئی شہوانی خیال طرفین میں قطعی نہیں تھا اور نہ اس کا گمان ہو سکتا ہے لہٰذا زید ان مذکورہ بالا وجوہات کے واقع ہو جانے سے یہ خیال کرتا ہے کہ شاید سسرالی رشتہ قائم ہو گیا ہو اب اپنی ان پھوپھی کی اولاد یعنی بیوہ بھاوج سے نکاح کرنا ناجائز ہو۔ لہٰذا حضور والا از راہِ کرم اس مسئلہ پر توجہ فرمائیں اور مفصل جواب جلد ارشاد فرمائیں تاکہ زید اس پر کاربند ہو جائے۔ اور اگر خدانخواستہ اب اس کے لئے یہ نکاح از روئے مذہبِ حنفیہ ناجائز ہے تو مذہبِ شافعیہ سے اجازت مل سکتی ہے یا نہیں۔ اور کوئی حنفی امام شافعی کے کسی مسئلہ پر عامل ہو سکتا ہے یا نہیں ؟

فقط والسلام۔ خادم فضل حق صدیقی

متعلم گورنمنٹ ہائی اسکول بہرائچ (اودھ) درجہ نہم سکشن (ب)

تنقیحات

① پاؤں کس جگہ رکھے اور زید کے بدن سے اس عورت کا کون کون جسم لگا ہوا تھا ؟

② آخر کچھ نہ کچھ خیال تو دل میں اس وقت ہو گا خواہ اس عورت کا یا کسی اور عورت کا ؟

③ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ اولاً خود بخود اسی کی طرف خیال ہوا تھا بعد میں دوسری طرف متوجہ کیا ہے جو واقعہ ہو مفصل لکھا جائے۔

④ کیا یہ اندازے سے لکھا ہے یا اس سے دریافت کر کے لکھا ہے ؟

⑤ اس خیال کی تشریح کی جائے جب مسئلہ لکھا جا سکتا ہے۔

جوابِ تنقیح

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ۔ مسئلہ دریافت طلب میں جو خاص باتیں دریافت فرمائی گئی ہیں اس کے متعلق عرض ہے :

① زید اپنے سینہ پر مالش کرانے کے لئے زمین پر ایک چٹائی پر پیر سیدھا کر کے چت لیٹ گیا اور زید کی پھوپھی نے اپنا ایک پاؤں زید کے ایک کولے کے قریب اور دوسرا پاؤں دوسرے کولے کے قریب رکھا اور گھٹنے اور سرین اٹھائے ہوئے کمر سے خمیدہ ہو کر جس طرح زمین پر سے کوئی چیز جھک کر اٹھاتے ہیں زید کے سینہ پر ہاتھوں سے مالش کرنے لگیں یعنی زید عورت کے دونوں پیروں کے درمیان لیٹا ہوا تھا اور عورت کے دونوں

پاؤں زمین پر تھے صرف دونوں ہاتھ زید کے سینہ پر مالش کر رہے تھے اس کے سوا کوئی اور حصۂ جسم زید کے بدن سے نہیں لگا ہوا تھا۔

② چونکہ اس واقعہ کو ہوئے بہت عرصہ ہو چکا ہے تاہم زید اپنی یاد داشت اور ذہن پر زور دیکر یقین کے ساتھ کہتا ہے کہ اسوقت دل میں کسی عورت کا خیال نہیں ہوا تھا نہ اس عورت کا اور نہ کسی دوسری عورت کا لیکن جسطرح کسی شہوت انگیز خیال سے کسی حیوان یا انسان کی شہوت انگیز کوئی حرکت کی طرف دیکھنے سے یا عضو مخصوص میں کسی کا ہاتھ لگ جانے سے از خود یہ کیفیت پیدا ہو جایا کرتی ہے حالانکہ اس وقت دیکھنے والے کی یہ نیت نہیں ہوتی کہ جس کی طرف دیکھا ہے یا عضو میں جس کا ہاتھ چھو گیا ہے اس سے کوئی ناجائز فعل کرے اگر عورت زید کے سرہانے بیٹھ کر سینہ پر مالش کرتی تو یہ کیفیت ہرگز پیدا نہ ہوتی لیکن چونکہ عورت اس خاص شکل سے زید کے جسم کے مقابل کھڑی ہو گئی اس لئے زید نے اسوقت اپنے دل میں یہ محسوس کیا کہ جسطرح ایک عورت ایک مرد کے اوپر آئی ہے اسی طرح مرد بھی عورت کے جسم کے اوپر آیا کرتا ہے بس ان وسوسات نے زید کے خیال کو منتشر کر دیا اور اسی وجہ سے زید میں یہ کیفیت خود بخود پیدا ہوئی اور اسی پیدا شدہ خیال کو دفع کرنے کی کوشش کرتا رہا مگر جو باتیں خاص جوش و شہوت کی حالت میں پیدا ہوا کرتی ہیں یعنی کامل ایستادگی یا بے خودی وغیرہ وہ قطعی نہیں تھیں۔ زید شروع سے آخر تک بے حس و حرکت زمین پر لیٹا رہا چونکہ زید کی پھوپھی ایک دیندار اور پابندِ صوم و صلوٰۃ عورت ہیں حج بھی کر چکی ہیں سن رسیدہ ہیں اور گھر میں مثل بزرگوں کے سمجھی جاتی ہیں۔ مگر جاہل ہیں۔ انہوں نے محض اپنی سادہ لوحی، سے اور زید کو اپنا چھوٹا بیٹا خیال کر کے اس کے سینہ پر اس طرح بے احتیاطی سے مالش کرنے لگیں۔ بتقاضائے سن اور ان کی خدا ترسی کی وجہ سے ان کی نیت و ارادہ پر یہ کسی طرح شبہ نہیں کیا جا سکتا کہ ان کے دل میں ذرہ برابر بھی کوئی برا خیال پیدا ہوا ہوگا اور نہ کبھی اس قسم کی کوئی حرکت ان سے ظہور میں آئی اس لئے ان کا خیال دریافت کر کے نہیں لکھا گیا۔ بلکہ یقینی طور پر اندازہ کر کے لکھا گیا۔ زید اپنی پھوپھی سے اس قسم کی شرمناک بات کو بسبب ان کی بزرگی کے دریافت بھی نہیں کر سکتا ہے۔ فقط والسلام۔

خادم فضل حق صدیقی

الجواب

صورتِ مسئولہ میں حرمتِ مصاہرت ثابت نہیں ہوئی۔

بدلیل ما فی الشامیۃ: فتمنی جاریۃ مثلھا فوقعت الشھوۃ علی من تمناھا فلا اھ (ص۴۵۹ ج-۲)

پس سائل کو اس پھوپھی کی لڑکی سے نکاح جائز ہے۔ اور سوال اول کے واقعہ ۲ و ۳ سے بھی حرمتِ مصاہرت ثابت نہیں ہوئی

و أیضًا فإن حدّ الشھوۃ فی حق الشاب ان ینتشر عضو أو یزداد انتشارًا ومعنی الانتشار الانفاظ کما فی القاموس ونفظ ذکرہ أی قام والغظ الرجل علاہ الشبق ولم یوجد فی الصورۃ المسئول عنھا الانتشار و انما وجدت حرکۃ خفیفۃ من غیر شبق و قیام فقط

وفی قاضی خان: و دلیل الشھوۃ علی قول أبی الحسن القمی انتشار الآلۃ عند ذلک ان لم یکن منتشرًا قبل ذلک و ان کانت منتشرۃ قبل ذلک فعلامۃ الشھوۃ زیادۃ الانتشار والشدۃ ثم ذکر معنی الشھوۃ فی حق الشیخ والعنین ثم قال، وقال عامۃ العلماء: الشھوۃ أن یمیل قلبہ إلیھا ویشتھی أن یواقعھا اھ (ص۱۶۸ ج-۱) واللہ تعالیٰ أعلم

ظفر احمد عفا عنہ از تھانہ بھون

۵ر ذی قعدہ ۴۸ھ

تنبیہ: جواب مذکور لکھنے کے بعد حضرت حکیم الامت دام مجدہم کی خدمت میں بغرضِ ملاحظہ پیش کیا گیا تو فرمایا کہ جواب کا مدار دو باتوں پر ہے:

ایک یہ کہ شہوت محرمہ میں انتشار بمعنی نفوظ تام شرط ہے مجھے اس میں کلام ہے۔

دوسرے یہ کہ: انتشار کے ساتھ عورت ملموسہ یا منظورہ الی فرجہا کی طرف رغبتِ جماع و خواہش مواقعت شرط ہے۔ مجھے اس میں بھی کلام ہے بلکہ صرف لمس و نظر سے دل میں ہیجان ہو جانا اور عضو میں حرکت پیدا ہو جانا شہوت محرمہ کے لئے کافی ہے گو ملموسہ و منظورہ کے جماع سے ذہن خالی ہو۔ لیکن یہ ضروری ہے کہ یہ ہیجان

غیر ملموسہ و غیر منظورہ کی طرف منصرف نہ ہوا ہو اگر لمس ہوا اور خواہشِ جماع غیر ملموسہ سے ہوئی تو حرمت نہ ہوگی اور اگر کسی سے بھی خواہش جماع نہ ہوئی مگر لمس سے دل میں ہیجان اور عضو میں حرکت پیدا ہوئی تو حرمت ہو جائیگی، احقر نے عرض کیا کہ قاضی خان کی عبارت اس باب میں صریح ہے کہ ملموسہ و منظورہ کے ساتھ شہوت جماع شرط ہے فرمایا، ممکن ہے کہ "یشتھی ان یواقعھا" بطور تمثیل کے لکھدیا ہو۔ اس کے بعد رائے ہوئی کہ اس سوال کو دوسرے علماء کے پاس بھیجا جائے تو یہ سوال بعبارتِ ذیل مدرسہ مظاہر العلوم سہارنپور کے علماء کے پاس بھیجا گیا جو مع ان کے جوابات کے درج کیا جاتا ہے۔

سوال

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم۔ کیا فرماتے ہیں حضرات علماء دین اس مسئلہ میں کہ حرمتِ مصاہرت کیلئے جو مس بالشہوۃ حنفیہ کے نزدیک کافی ہے اس میں شہوت کی حقیقت کیا ہے۔ یعنی جن علماء نے صرف اشتہاءِ قلب و میلانِ قلب کو کافی نہیں سمجھا بلکہ انتشار عضو یا زیادت انتشارِ عضو کو شرط قرار دیا ہے ان کے نزدیک انتشار سے کیا مراد ہے؟ آیا عضو میں کسی قدر حرکت پیدا ہو جانا جو پہلے نہ تھی کافی ہے یا پوری طرح عضو کا قائم ہو جانا شرط ہے اور ازدیادِ انتشار کے یہ معنی ہیں کہ حرکتِ سابقہ کے بعد عضو کو قیام ہو جائے یا یہ مراد ہے کہ قیام کے بعد عضو میں شدّت آجائے۔

دوسری بات قابلِ تحقیق یہ ہے کہ کیا شہوت کے یہ معنی ہیں کہ جس عورت کو چھولے اس کی طرف میلان ہو اور اس سے مجامعت کی خواہش ہو؟ یا چھونے کے بعد گو یہ خیال پیدا نہ ہوا ہو مگر اس سے لذت حاصل ہوئی اور اس سے عضو میں انتشار پیدا ہو گیا۔ یہ بھی حرمت کے لئے کافی ہے؟ کیونکہ بعض دفعہ مس کرنے والے کو ممسوسہ کی طرف کسی قسم کا خیال نہیں ہوتا مگر جوانی کی وجہ سے خود مس کی لذت سے عضو میں انتشار ہو جاتا ہے جیسا کہ دو جانوروں کو مجامعت کرتے ہوئے دیکھ کر جوان کو انتشار ہو جاتا ہے حالانکہ ان میں کسی کے ساتھ مجامعت کا خیال اس کو نہیں ہوتا۔ عبارات فقہیہ اس باب میں مختلف ہیں اس لئے تردّد ہو گیا۔

عالمگیری میں ہے: وحدّ الشھوۃ انتشار الآلۃ او ازدیادہ ان کانت منتشرۃ

قاضی خان میں ہے: ودلیل الشھوۃ انتشار الآلۃ عند ذلك ان لم یکن منتشرًا وان کانت منتشرًا فعلامۃ الشھوۃ زیادۃ الانتشار والشدۃ (ص ۱۶۸ ج ۲)

اور قاموس میں ہے: انتشر الرجل انعظ ذکرہ اور نعوظ کے معنی لکھا ہے نفط ذکرہ

قام و انفط الرجل و المرأة علاهما الشبق ۔ شبق اشتدت غلمته ۔ اور غلمہ میں لکھا ہے غلم و اغتلم غلب شهوته. غلم البعير هاج ۔

اس سے معلوم ہوتا ہے کہ شہوت کی تفسیر انتشار ہے اور انتشار لغت میں قیامِ ذکر کو کہتے ہیں اور قاضی خان نے ازدیادِ انتشار کی تفسیر شدت سے کی ہے ۔ اس کا مقتضا یہ ہے کہ اگر مس بالشہوۃ ہو مگر عضو میں قیام پورا نہ ہو بلکہ کسی قدر حرکت ہو تو حرمت مصاہرت نہ ہوگی ۔ مگر درمختار میں ہے : الشهوة تحرّك الآلة او ازدیادہ ۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ عضو میں حرکت پیدا ہو جانا شہوت محرمہ کے لئے کافی ہے ۔

اب دریافت طلب یہ ہے کہ درمختار کی عبارت میں تحرک سے مراد انتشار کا درجۂ مذکورہ ہے یا عالمگیری و قاضی خان کی عبارت میں انتشار سے مراد تحرک ہے ۔ نیز یہ کہ فقہاء کی عبارت میں انتشار سے وہی مراد ہے جو لغت میں مذکور ہے ۔ یا ان کے نزدیک انتشار کلی مشکک ہے کہ قیامِ کامل سے کم درجہ پر بھی صادق آسکتا ہے ۔

نیز شامی میں ہے : قلت : ويشترط وقوع الشهوة عليها لا على غيرها لما في الفيض : لو نظر إلى فرج ابنته بلا شهوة فتمنّى جارية مثلها فوقعت له الشهوة على البنت ثبتت الحرمة و إن وقعت على من تمنّاها (مع بقاء النظر إلى فرج البنت كما في قاضي خان) فلا اھ (ص ۴۵۹ / ج-۲) و قاضی خان ص ۱۶۸ / ج-۲ میں ہے : وقال عامة العلماء : الشهوة ان يميل قلبه إليها و يشتهي أن يواقعها اھ ۔ قاضی خان کی عبارت سے معلوم ہوتا ہے کہ شہوت محرمہ میں عورت ملموسہ کی طرف قصد جماع کے ساتھ میلان ضروری ہے ۔ شامی کی عبارت بھی بظاہر اس کی مؤید ہے ۔ مگر شامی کی عبارت میں یہ احتمال جاری ہو سکتا ہے کہ وقوع الشهوة عليها اس وقت شرط ہے جبکہ خلو ذہن نہ ہو بلکہ دوسری طرف ذہن کو منتقل کرنے کی کوشش کی گئی ہو ۔ اگر مس و نظر سے شہوت پیدا ہونے کے وقت ذہن خالی ہو کہ نہ منظورہ و ملموسہ سے مجامعت کا خیال ہو نہ غیر سے مگر مس و نظر سے شہوت پیدا ہو گئی اس کے حکم سے عبارت شامیہ ساکت ہے ۔ امید ہے کہ ہر دو سوال مراجعتِ کتب کے بعد بواضح طور سے حل کئے جائیں کہ اس میں خلجان ہے ۔ فقط

المستفتی : ظفر احمد عفاعنہ خادم دار الافتاء بالخانقاہ الامدادیہ تھانہ بھون

۹ر ذی قعدہ ۴۸ھ

الجواب

حامدًا ومصلّیاً ومسلّماً۔ مس اور نظر میں شہوت کی حد جو کہ درمختار میں لکھی ہے "وحدّها فیما تحرّك آلته أو زیادته به یفتٰی"، علامہ شامی اس کے تحت لکھتے ہیں "قوله أو زیادته أی زیادة التحرك ان کان موجودًا قبلهما علی هٰذا"۔ عالمگیری کی عبارت "وحدّ الشهوة إنتشار الآلة أو ازدیاده إن کانت منتشرة" اور اس کے بعد قاضی خان کی عبارت "ودلیل الشهوة انتشار الآلة عند ذلك ان لم یکن منتشرًا وإن کان منتشرًا فعلامة الشهوة زیادة الانتشار والشدة" ہر سہ کتب مذکورۂ بالا کی عبارات سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ اگر پہلے شہوت بالکل نہ ہو تو ابتدائے حد شہوت یہ ہوگی کہ انتشار پیدا ہوجائے۔ چنانچہ عالمگیری و قاضی خان کی عبارتوں میں صریح انتشار کا لفظ واقع ہے۔ صاحبِ درمختار نے انتشار کی بجائے "تحرّک الآلۃ" اور "زیادتہ" بولا ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ انتشار سے اس موقع میں تحرک الآلۃ ہی مراد ہے اور چونکہ تحرک الآلۃ کے بعد دو درجہ اور باقی ہیں ایک قیام ذکر دوسرا شدت پس تحرک الآلۃ کے بعد زیادۃ التحرک یا زیادۃ انتشار سے یقیناً قیامِ ذکر مراد ہوگا یعنی اگر تحرک آلہ پہلے سے ہو تو حرمت کے تحقق کے لئے یہ ضروری ہوگا کہ نظر اور مس کی وجہ سے قیامِ ذکر ہوجائے اور اگر قیام ذکر پہلے سے موجود ہے تو اب تحققِ حرمت کے لئے شدت ضروری ہوگی۔ گویا مطلب یہ ہوا کہ مس اور نظر سے پہلے جو حالت تھی اگر بعد المس والنظر وہی حالت رہی تو حرمتِ مصاہرت ثابت نہیں ہوگی اور اگر اس میں تغیر ہوکر ترقی ہوگئی تو حرمت ثابت ہوجائے گی اور وجہ اس کی یہ ہے کہ انتشار عرف میں عام ہے شہوت کی تینوں حالتوں پر انتشار کا اطلاق ہوتا ہے اس لئے فقہاء کے کلام میں دوسری مرتبہ کو زیادۃ الانتشار کے ساتھ تعبیر کیا گیا ہے اگر انتشار ایک حالت کے ساتھ مخصوص ہوتا تو اس سے اعلیٰ مرتبہ کو زیادۃ الانتشار کے ساتھ تعبیر نہ کرتے بلکہ شدت یا کسی اور لفظ سے تعبیر کرتے دوسری وجہ یہ ہے کہ اگر انتشار کو قیامِ ذکر کے ساتھ خاص کیا جائے اور زیادتِ انتشار سے شدّت مراد لی جائے تو انتشار کے اول مرتبہ یعنی تحرکِ آلہ کا کوئی حکم نہیں نکلتا اس وجہ سے کہ شہوتِ معتبرہ کے مقابل جو قول ذکر کیا ہے وہ یہ ہے

فی الشامی: وقیل حدّها أن یشتهی بقلبه ان لم یکن مشتهیاً أو یزداد إن کان مشتهیاً ولا یشترط تحرّك الآلة (ص۲۸۱ ج۲)

پس جبکہ شہوت غیر معتبرہ کی تعریف میں صرف اشتہاء قلب کو لیا گیا ہے اگر شہوت معتبرہ میں تحرکِ آلہ معتبر نہ ہوتا تو وہ یقیناً غیر معتبرہ میں داخل کیا جاتا۔ پس شہوت غیر معتبرہ میں اس کو داخل نہ کرنا خود اس امر کا قرینہ ہے کہ ابتدائی مرتبہ شہوت معتبرہ کا تحرک آلہ ہے۔ اس توجیہ پر یہ شبہ البتہ ہوتا ہے کہ فقہاء کی عبارات سے شہوت معتبرہ کے دو درجے معلوم ہوتے ہیں تحرکِ آلہ یا زیادتِ تحرک۔ یا یہ کہا جائے کہ انتشار اور زیادت انتشار اور مذکورہ بالا توجیہ کی بناء پر تین درجے ہو گئے ہیں۔ سو اس کا جواب یہ ہو سکتا ہے کہ تحقق حرمت کے لیے چونکہ ایک جبکہ پہلے سے شہوت نہ ہو یا شہوت قلبی ہو یا دو کا وجود (اس صورت میں جبکہ پہلے سے تحرک آلہ یا قیام ذکر ہو) کافی ہے۔ اس سے زیادہ کی ضرورت نہیں ہے اسی لئے صرف دو لفظوں پر اکتفا گیا ہے۔ اور چونکہ ہر دوسری حالت پہلی حالت سے اور کچھ زیادتی پر مشتمل ہوتی ہے اس لئے فقہاء کے کلام میں زیادہ کے ساتھ دوسری حالت کو تعبیر کیا گیا ہے پس اگر پہلے سے تحرک نہ ہو تو زیادت سے مراد قیام ہوگا اور اگر پہلے سے قیام ہو تو زیادت سے مراد شدت ہوگی جیسا کہ قاضی خان کی عبارت سے واضح ہے۔

امر ثانی کے متعلق درمختار کا یہ قول: "والعبرة للشهوة عند المسّ والنظر لا بعد" کافی ہے۔ علامہ شامی اس کے تحت لکھتے ہیں:

عن الفتح: وقوله بشهوة فی موضع الحال لیفید اشتراط الشهوة حال المسّ ولو مسّ بغیر شهوة ثم اشتهیٰ عن ذٰلك المسّ لا تحرم علیه اھ وکذا فی النظر کما فی البحر: لو اشتهی بعد ما غضّ بصره لا تحرم قلت: ویشترط وقوع الشهوة علیها الخ

پس اگر ابتداءً شہوت بالکل نہ ہو اور مس اور نظر کے وقت شہوت پیدا ہوئی، یعنی حالتِ مس اور حالتِ نظر موجود ہے اور اس سے تحرک آلہ پیدا ہو گیا تو حرمت ثابت ہو جائے گی اور اگر مس کے بعد ہاتھ علیحدہ کر دیا یا نظر دوسری طرف کر لی اور پھر تحرک آلہ ہوا تو اب حرمت ثابت نہیں ہوگی۔ نیز یہ بھی ضروری ہے کہ جس عورت کو ہاتھ لگایا ہے میلان اسی کی طرف ہو اگر دوسرے کی طرف ہوگا تو حرمت ثابت نہ ہوگی جیسا کہ مثال کی مندرجہ بالا عبارت سے واضح ہے۔ پس ثبوتِ حرمت کے لئے دو شرطوں کا وجود ضروری ہے ایک شہوتِ معتبرہ کا وجود عند المس اور عند النظر دو ملموسہ اور منظورہ کی طرف

میلان اور مجامعت کی خواہش دونوں میں سے اگر کوئی شرط فوت ہو جائے گی حرمت ثابت نہ ہو گی اور مثال کا مقصود اس جزئیہ کے ذکر کرنے سے "ویشترط وقوع الشهوة علیها لا علی غیرها" کا اثبات ہے جو عام ہے کہ خلو ذہن ہو یا نہ ہو جیسا کہ مثال سے ظاہر ہے کیوں کہ نظر الی فرج البنت مطلقاً موجبِ حرمت نہیں جب تک خاص اسی کی طرف میلان نہ ہو اگر میلان دوسری طرف ہو تو حرمت نہ یہاں ثابت ہو گی اور نہ اس کے حق میں جس کی طرف میلان ہے کیوں کہ جس کی طرف نظر ہے اس کی طرف میلان نہیں اور جس کی طرف میلان ہے اس کی طرف نظر نہیں۔ پس اگر مس اور نظر سے شہوت پیدا ہونے کے وقت ذہن خالی ہو اور حالتِ مس اور نظر کی بقاء کے وقت ہی ملموسہ اور منظورہ سے مجامعت کا خیال پیدا ہو جائے تو حرمت ثابت ہو جائے گی اور اگر ملموسہ اور منظورہ سے مجامعت کا خیال نہیں ہو خواہ غیر سے ہوا ہو یا نہ ہوا ہو تو حسبِ تصریح "وقوع الشهوة علیها" اس شرط کے فوت ہونے کی وجہ سے حرمت ثابت نہ ہو گی۔ کما هو الظاهر۔ واللہ اعلم

رقمہ ضیاء احمد عفی عنہ
۱۵ ذی قعدہ ۴۸ھ

الجواب الثانی

از مولانا عبد الرحمٰن صاحب صدر المدرسین مظاہر العلوم سہارنپور

① بظاہر فقہاء رحمہم اللہ تعالیٰ کے کلمات سے معلوم ہوتا ہے کہ قاضی خان کی عبارت میں انتشار سے مراد تحرّکِ عضو ہے۔ چنانچہ بدائع الصنائع (ص ۲۶۰ ج ۲) کی عبارت میں انتشار کو بطورِ عطف تفسیر کے ذکر کیا ہے "وتحرّك الآلة وانتشارها هل هو شرط تحقق الشهوة اختلف المشائخ فیه الخ" صاحبِ بحر کے کلام سے بھی یہی معلوم ہوتا ہے (ص ۱۰۱ ج ۳) ولم یذکر المصنّف حدّ الشهوة للاختلاف فقیل لا بد أن تنتشر آلته إذا لم تکن منتشرة أو تزداد انتشارًا إن کانت منتشرة۔ وقیل حدّها أن یشتهی بقلبه إن لم یکن مشتهیاً أو یزداد إن کان مشتهیاً ولا یشترط تحرّك الآلة وصحّحه فی المحیط الخ ہر دو قولین کے تقابل سے معلوم ہوتا ہے کہ پہلے قول میں انتشار سے مراد تحرّک ہے ورنہ دوسرے قول میں بمقتضائے تقابل ولا یشترط انتشار الآلة کہنا چاہیے تھا۔ اس سے معلوم ہوا کہ فقہاءؒ کے کلام میں

انتشار سے مراد تحرک ہے جو کلی مشکک ہے استرخاء عضو کے بعد شدت قیام تک کے جتنے مراتب ہیں سب پر صادق ہے یعنی استرخاء کے بعد تشنج اور اس کے مابعد کے سب مراتب تحرک کے افراد ہوں گے۔ اور جمیع مراتب پر انفراداً اور اجتماعاً حرمتِ مصاہرت مرتب ہوگی۔ اور انتشار سے مراد وہ نہیں ہے جو لغویین نے لکھا ہے۔ یعنی قیامِ عضو۔

۲ شامی اور قاضی خان دونوں "اشتراط وقوع الشہوۃ علیہا لا علیٰ غیرھا" میں متفق اللسان ہیں۔ بلکہ لا علیٰ غیرہا سے نفی وقوع الشہوۃ علی الغیر کی طرف قاضی خان نے تعرض نہیں کیا جس سے قاضی خان کی عبارتِ مشعرِ عموم ہو گئی "ای یمیل قلبہ الیہا ویشتھی ان یواقعہا اھ اعم من ان یکون قلبہ فی ھٰذہ الحالۃ مائلاً الیٰ غیرھا ام لا" شامی کی عبارت میں صرف ایک ہی احتمال ہے "یمیل قلبہ الیہا ولا یمیل الیٰ غیرھا" البتہ شامی نے جو استدلال میں فیض کی عبارت پیش کی ہے اس عبارت میں وہ احتمال جاری ہو سکتا ہے جس کے متعلق مولانا ظفر احمد صاحب فرماتے ہیں مگر علامہ شامی کا عبارت فیض کے نقل کرنے کے بعد قید عدم خلو الذھن عند حدوث الشھوۃ کی طرف تعرض نہ کرنا اس امر کی دلیل ہے کہ علامہ شامی کے نزدیک اس قید کا اعتبار نہیں (کما ھو دابہٗ فی أمثال ھٰذہ العبارۃ من ذکر مفاہیم العبارات) ورنہ نقل عبارت کے بعد اس کی طرف حسب عادت تعرض فرماتے۔ نیز شامی کا "قلت: ویشترط الخ" درمختار کی اس عبارت کے ذیل میں "والعبرۃ للشھوۃ عند المس الخ" کہنا بظاہر اسی غرض کے لئے ہے کہ مصنف کی عبارت میں شہوت کا لفظ عام تھا یعنی شہوت منظورہ وملموسہ وغیرہا دونوں کو شامل تھا۔ شامی صرف اس اطلاق کی تقیید کے لئے "قلت الخ" فرما رہے ہیں جس سے بظاہر مقصود صرف عموم کا ابطال ہے اور تقیید ہے۔ باقی عدم خلو الذہن عند حدوث الشھوۃ او عند عدمہ اس کی طرف درمختار کی عبارت میں اشارہ نہ شامی کا مقصود ہے بلکہ اس کے لحاظ سے تعمیم ہی شامی کا مقصود ہے کما مرّ واللہ اعلم

نوٹ: اس کے بعد یہ سب تحریرات مولوی حبیب احمد صاحب کیرانوی کو دی گئیں کہ وہ بھی ان کو دیکھ کر اپنی رائے لکھیں۔ انہوں نے جو کچھ تحریر فرمایا وہ بھی درج کیا جاتا ہے۔ ظفر احمد عفا عنہ

الجواب الثالث: من مولانا حبیب احمد کیرانوی

تحقیق متعلق بہ حرمت مصاہرہ باللمس والنظر:

خواہشِ جماع کی مثال بالکل ایسی ہے جیسے خواہشِ اکل اور شہوت کی مثال ایسی ہے

جیسے بھوک۔ پس جس طرح کبھی کسی شے کو بے بھوک کھانا چاہتا ہے یوں ہی کبھی آدمی بلاشہوت جماع کی خواہش کرتا ہے۔ پس شہوت نام ہے جماع تقاضائے طبعی کا۔ جیسے بھوک نام ہے خواہش غذا کی تقاضائے طبعی کا۔ اور خواہشِ جماع نام ہے تقاضائے نفس اور اس کی رغبت الی الجماع کا اور نہ ثبوت کے لئے رغبت الی الجماع لازم ہے اور نہ رغبتِ جماع کیلئے شہوت ضروری ہے۔ کبھی یہ دونوں جمع ہوتے ہیں اور کبھی ایک دوسرے سے منفک۔ پھر چونکہ جماع ایک ایسا فعل ہے جو کہ طرفین کے ساتھ قائم ہے اس لئے رغبتِ جماع میں خیال طرفِ آخر ضروری ہے اور یہ خیال کبھی علی وجہ التعیین ہوتا ہے جیسے یوں کہ فلاں عورت کے ساتھ میں ایسا کروں اور کبھی لا علیٰ وجہ التعیین۔ مثلاً یوں کہ اسوقت کوئی عورت ہو جس سے میں ایسا کروں۔ جب یہ تفصیل معلوم ہوگئی تو اب سمجھنا چاہئیے کہ اگر مس و نظر فی حال الشہوۃ ہے تو اس کی چند صورتیں ہیں :

ایک یہ کہ وہاں شہوت کے ساتھ رغبتِ جماع نہ ہو۔

دوسرے یہ کہ رغبتِ جماع ہو مگر طرفِ آخر متعیّن نہ ہو۔

تیسرے یہ کہ طرفِ آخر متعیّن ہو مگر ملموسہ و منظورہ نہ ہو۔ بلکہ غیر ملموسہ و منظورہ ہو۔

چوتھے یہ کہ وہ خاص ملموسہ و منظورہ ہو۔ پہلی تین صورتوں میں بالاتفاق حرمتِ مصاہرت ثابت نہ ہوگی اور چوتھی صورت میں بالاتفاق حرمتِ مصاہرت ثابت ہوگی کیونکہ یہاں شہوت و رغبت دونوں جمع ہیں "و تحرّك الآلة لاتنفك عن الشهوة في حال صحة المزاج و في حال فساد المزاج كالعنّين أو عدم الآلة كالمرأة والمجبوب" ہو غیر ضروری اور اگر مس فی حال الرغبۃ الی الجماع بلاشہوت ہے تو اس میں اختلاف ہے۔ بعض فقہاء کے نزدیک تو اصلاً حرمت نہ ہوگی کیونکہ ان کے نزدیک رغبت کے ساتھ شہوت شرط ہے اور بعض کے نزدیک اس میں تفصیل مذکور ہے۔ یعنی اگر خاص ملموسہ و منظورہ سے جماع کی خواہش ہو اور اسی حالت میں لمس و نظر ہو تو حرمت ثابت ہوگی ورنہ نہیں۔ قائلین بالشہوۃ والانتشار کا قول : "و يشترط وقوع الشهوة عليها" اور قائلین بالرغبۃ کا قول : "وحدّ الشهوة أن يميل قلبه إليها ويشتهي جماعها" اس کی کافی دلیل ہیں۔ خلاصہ یہ کہ لمس و نظر عن شہوۃ میں ملموسہ و منظورہ کا متعیّن للجماع ہونا بالاتفاق ضروری ہے اور اختلاف صرف تفسیرِ شہوت میں ہے۔ بعض کہتے ہیں کہ شہوت صرف خواہشِ جماع کا نام ہے خواہ

تحرکِ آلہ یا تحرکِ قلب یا ازدیادِ تحرکِ آلہ یا قلب پایا جائے یا نہ پایا جائے۔ اور بعض کہتے ہیں کہ شہوت میں میلانِ قلب و رغبتِ نفس کافی نہیں ہے بلکہ شہوت ایسی میلان و رغبتِ جماع کا نام ہے جس کے ساتھ ہیجان و جوش ہو جس کے لئے بحالت موجودگی آلہ وصحتِ مزاج تحرکِ آلہ اور بحالت عدم احد الشیئین تحرکِ قلب ضروری ہے۔ یہ دو مشہور قول ہیں۔ اور تیسرا قول یہ ہے کہ شہوت صرف اس خواہشِ جماع کا نام ہے جس کے ساتھ تحرکِ آلہ ہو اور تحرکِ قلب اس کے لئے کافی نہیں۔

„ ذهب إليه محمد بن مقاتل الرازى وقال فى العناية هو أقرب إلى الفقه والظاهر انه ليس بقول ثالث بل هو داخل فى القول الثانى لأن عدم تحرّك الآلة إما أن يكون بسبب انعدامها كما فى المجبوب والمرأة أو يكون بسبب فساد مزاج الآلة مع صحة مزاج المرأ كما فى المجلوق أو يكون بسبب فساد مزاج المرأ كما فى الشيخ الكبير والعنين الاصلى والذى صار مثله لغلبة المرض وهو يقول بانتفاء الحرمة فى الصورة الثالثة فقط لا فى الصورتين الاولين فيكون قوله مثل قول الآخرين لا غيره ثم أقول ومن جملة ما يدلّ على اشتراط وقوع الشهوة عليها انه صرّح فى فتح القدير : بانه لو استيقظ فطلب امرأته فأولج بين فخذى بنتها خطأ لا تحرم عليه الأم مالم يزداد الانتشار اهـ لأن هٰذه الشهوة لم تكن واقعةً عليها ولما ازداد الانتشار بالايلاج وقع الشهوة عليها وإن كان مخطئًا فى ظنّه أنها امرأته وقال أيضًا : لو أيقظ زوجته ليجامعها فوصلت يده إلى بنته منها فقرصها بشهوة وهى ممن تشتهى بظن أنها امرأته حرمت عليه الام حرمة مؤبدة ومعناه أنه إن كان الشهوة موجودة قبل وقوع اليد فلا تحرم له لمجرّد وقوع اليد لأن الشهوة لم تكن عليها حينئذٍ بل تحرم بالقرص بالشهوة لوقوع الشهوة عليها اذ ذاك وان لم تكن الشهوة موجودة اذ ذاك فعدم الحرمة بوقوع اليد والحرمة بالقرص ظاهر بوقوع الشهوة عليها حين القرص لا قبلها۔

(۱) قال فى البدائع : وتثبت باللمس فيهما عن شهوة وبالنظر إلى فرجها عن شهوة ولا تثبت بالنظر إلى سائر الأعضاء بشهوة ولا بمسّ سائر الأعضاء إلّا عن شهوة بلا خلاف۔ وتفسير الشهوة هى أن يشتهى بقلبه ويعرف ذلك باقراره

لانہ باطن لاوقوف علیہ لغیرہ وتحرك الآلة وانتشارها هل هو شرط تحقق الشهوة اختلف المشائخ فیہ قال بعضهم: شرط، وقال بعضهم: لیس بشرط هو الصحیح لأن المسّ والنظر عن شهوة یتحقق بدون ذلك كالعنّین والمجبوب ونحو ذلك اھ وقال أیضًا: لأن الحرمة انما تثبت عن النكاح لكونه سبباً داعیاً الی الجماع اقامة للسبب مقام المسبب فی موضع الاحتیاط والقُبلة والمباشرة أولیٰ بالتسبیب والدعوة من النكاح فكان أولیٰ باثبات الحرمة اھ

ان عبارتوں میں غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ نظر و لمس وہی موجبِ حرمت ہیں جو کہ مسبب عن الشہوۃ ہوں " واللمس فی حال الشهوة مسبب عن الشهوة" نہیں ویدلّ علیہ قول اللمس عن شهوة والنظر عن شهوة فان معناه كون اللمس مسببا عن شهوة والنظر مسبباً عن شهوة قوله: والقبلة والمباشرة فی التسبیب والدعوة أبلغ من النكاح۔ پھر اس سے معلوم ہوتا ہے کہ قبلہ و لمس جو محرم ہیں تو وہ اس لئے محرم ہیں کہ وہ داعی الی الجماع ہیں اور لمس فی حال الشهوة من غیر میلان القلب الی الملموسة داعی الی جماع الملموسة نہیں لہذا وہ محرم ملموسہ بھی نہیں۔ اور عبارتِ شامی: "ویشترط وقوع الشهوة علیها لا علی غیرها" میرے نزدیک اس باب میں نص ہے اور یہ احتمال ہے کہ یہ اس وقت شرط ہے جبکہ حدوثِ شہوت کے وقت خلو ذھن نہ ہو بلکہ دوسری طرف ذھن کے منتقل کرنے کی کوشش کی گئی ہو اور اگر مس و نظر سے شہوت پیدا ہونے کے وقت ذہن خالی ہو نہ منظورہ و ملموسہ سے مجامعت کا خیال ہو نہ غیر سے اس میں خلجان ہے اھ صحیح نہیں کیونکہ اس صورت میں اگر شہوت علی غیرها متحقق نہیں تو شہوت علیها بھی تو متحقق نہیں و یشترط وقوع الشهوة علیها مصرح ہے ولا فرق بین ان یكون متعلق الشهوة غیرها أو لم یكن هناك متعلق الشهوة اصلا بعد ان لم یكن متعلق الشهوة هی الملموسة او المنظورة لانه لا دخل لمتعلق الشهوة بغیر الملموسة والمنظورة وعدمه فی حرمة الملموسة والمنظورة كما لا یخفیٰ.

(۲) قال فی رد المختار: أما الشیخ والعنین فحدهما تحرك قلبه أو زیادته ان كان متحرّكًا لا مجرّد میلان النفس فانه یوجد فیمن لا شهوة له أصلاً كالشیخ الفانی اھ

اس سے معلوم ہوا کہ شہوت اور میلانِ نفس میں فرق ہے اور مدارِ حرمت شہوت ہے نہ کہ میلانِ قلب اور چونکہ عادۃً شہوت تحرکِ آلہ سے منفک نہیں ہوسکتی اسلئے انہوں نے شہوت اور میلانِ قلب میں امتیاز کے لئے تحرکِ آلہ کی شرط لگائی ہے اور کہا ہے کہ اگر تحرکِ آلہ ہوا تو سمجھا جائیگا کہ شہوت ہے ورنہ سمجھا جائیگا کہ شہوت نہیں بلکہ صرف میلانِ نفس ہے جو کہ بلا شہوت کے بھی ہوتا ہے۔ جب یہ حقیقت معلوم ہوگئی تو معلوم ہوا کہ قیام شرط نہیں بلکہ تحرک کافی ہے

وقال فی خلاصة الفتاوىٰ : قال فی المحیط : إن کان شیخاً أو عنّیناً فحدّ الشهوة أن یتحرّك قلبه بالاشتهاء ان لم یتحرك وان تحرك زاد الاشتهاء وان کان شاباً ان ینتشر آلته ویزداد ان کان متحرکاً حکاه العمی عن أصحابنا۔ وإلیه مال الامام خواهر زاده والامام السرخسی وکثیر من أصحابنا وهم یشترطون الانتشار وجعلوا الحدّ أن یشتهی جماعها اه (ج-٢ ص٨) والظاهر من قوله : أن المشترطین للانتشار جعلوا حدّ الانتشار أن یشتهی جماعها وقال فی فتح القدیر وما ذکر فی حد الشهوة من أن الصحیح أن تنتشر الآلة أو تزداد الانتشار هو قول السرخسی وشیخ الاسلام وکثیر من المشائخ لم یشترطوا سوى أن یمیل قلبه الیها و یشتهی جماعها اه وهٰذه العبارة أن ما وقع فی الخلاصة عن قوله : وکثیر من المشائخ وهم یشترطون الخ من خطأ الکاتب والصحیح أن کثیرًا من المشائخ لا یشترطون الانتشار وجعلوا الحدّ أن یشتهی جماعها وبالجملة ظهر من عبارة فتح القدیر أن المشائخ متفقون على أنه یشترط أن یمیل قلبه إلیها ویشتهی جماعها وإنّما الاختلاف فی اشتراط الانتشار وعدمه ویظهر منه أمران : أحدهما : اشتراط وقوع الشهوة على الملموسة والمنظورة ، والثانی : عدم اشتراط النعوظ التام لان اشتراط الانتشار انما هو للتمییز من میلان القلب وتمنّی الجماع والشهوة ۔ والله أعلم

وقوله : ماقال ابن همام : انه فرع علیه مالو انتشر وطلب امرأته فأولج بین فخذی بنتها خطأً لا تحرم أمّها ما لم یزداد الانتشار اهـ فلا یصح عندی هٰذا التفریع على مذهب من المذهبین لأنه إذا أولج بین فخذیها بالشهوة ظاناً أنها أمّها فقد وقع الشهوة على البنت حقیقة ولا یوثر الخطأ فی الظن لأنه قصد جماعها مع وجود الشهوة والانتشار فینبغی أن تحرم أمّها على کلا القولین ،

والذين شرطوا زيادة الشهوة عند اللمس والنظر وقت وجود الشهوة قبلهما فمقصودهم انه يشترط ذاك إذا لم تكن الملموسة والمنظورة مقصودة بالجماع إذ ذاك وإن كانت هى المقصودة بالجماع كما فى مسئلة البنت فلا يشترط فيه الزيادة بل الشهوة الموجودة عند اللمس والنظر كافٍ فى التحريم لوقوع الشهوة عليها فى الواقع بعد ما كانت واقعةً على غيرها فى الخيال وح ينبغى أن يقيد المسئلة الذى طلب امرأته للجماع فوقع يده على بنته فقرصها بالشهوة بانه لم يكن مشتهياً عند الطلب والا تحرم عليها أمّها بمجرّد وقوع اليد عليها لوجود وقوع الشهوة عليها فى الواقع وان كانت واقعة على أمّها فى الخيال أو يقال هذا إذا كان يعلم أنها بنته لم يكن قصد لمسّها ولكن وقع يده عليها خطأً فانه لا تحرم عليه أمّها بمجرّد وقوع اليد لعدم وقوع الشهوة على البنت لا فى الواقع ولا فى الخيال والظن لكن لما قرصها بالشهوة وقع الشهوة عليها حقيقة فح تحرم عليه أمّها. فتدبّر فيه.

وليعلم أنه إذا هيّجت مرأة نفس رجل بحسنها أو كلاهما أو لوجه من الوجوه بحيث انتشر آلته وظهرت فيه آثار الشهوة ثم دعاه ذلك الهيجان إلى تقبيلها فقبّلها تثبت الحرمة سواء أراد الجماع أو لا لأن قصد الجماع وارادته ليس بشرط فى الحرمة وإنما الشرط هو الانبعاث الطبعى إلى جماعها وقد وجد ذٰلك لانه لا شك فى أنه وجد هٰهنا شهوة لوجود آثارها ولا شك أيضاً فى أن معنى الشهوة هو الاقتضاء الطبعى للجماع وايضاً فى ان هٰذه الشهوة عليها لا على غيرها ولا شك أيضاً فى أن هذه الشهوة دعته إلى التقبيل فلا شك فى ثبوت الحرمة لتحقق سببها وهو اللمس بالشهوة ولا تلتفت إلى قوله أى لم أشته جماعها وانما اشتهيتُ تقبيلها فقط لأنه إن اراد أنه لم يشته جماعها طبعًا فوجود الشهوة عليها مكذب له لأن الشهوة إنما هو الاقتضاء الطبعى للجماع وهى لا تنفك عن اقتضاء الجماع كما لا ينفك الجوع عن اقتضاءِ الغذاء وان أراد أنه لم يرده اختيارًا ولم يحس بذلك الاقتضاء الطبعى فلا يفيده هٰذا شيئاً لأنه ليس من شرط الحرمة إرادته وقصده للجماع ولا شعوره بالاقتضاءِ الطبعى، نعم إن كانت الشهوة وقعت على

غیرها ثم قبلها من غیر ان تدعوه هٰذه الشهوة الی التقبیل لاتثبت الحرمة بهٰذا التقبیل لانّ هٰذا التقبیل لیست بالشهوة بل فی حالة الشهوة ومع الشهوة و فرق بینهما فاحفظه ینفعك ان شاء اللہ تعالیٰ ۔ انتهی ۔

خلاصہ یہ ہے کہ صورتِ مسئولہ میں اس پر سب کا اتفاق ہے کہ حرمتِ مصاہرت ثابت نہیں ہوئی صرف علت میں گفت گو ہے۔ احقر نے دو علتیں بیان کی تھیں ایک نفوط تام نہ ہونا۔ دوسرے عورت لامسہ پر شہوت واقع نہ ہونا۔ علماءِ ثلاثہ نے پہلی علت کو تسلیم نہیں کیا دوسری علت کو تسلیم کیا۔ احقر بھی اس معاملہ میں ان کے ساتھ اتفاق کر کے پہلی علت سے رجوع کرتا ہے اور پہلے میں بھی نفوط تام کو شرط نہ سمجھتا تھا جیسا احقر کا فتویٰ مندرجہ امداد الاحکام جلد ۲ ص ۲۸۱ سے ظاہر ہے جس میں مفتی صاحب دیوبند کے اس امر کو رد کیا گیا ہے کہ حرمتِ مصاہرت کے لئے شہوت مع نفوط تام شرط ہے مگر بعد میں مجھے مفتی صاحب دیوبند کی رائے کی طرف میلان ہو گیا مگر اب علماءِ ثلاثہ کے بیان سے اپنی پہلی رائے کی صحت و پختگی واضح ہو گئی فالحمد للہ علیٰ ذٰلک

حرّرہ الاحقر ظفر احمد عفا عنہ

۳۰؍ ذیقعدہ ۱۳۴۸ھ

(امور تنقیح طلب در حرمتِ مصاہرت)

۱۔ شہوت مس سے پہلے ہوئی یا مس کے ساتھ یا مس کے بعد؟

۲۔ اگر شہوت مس سے پہلے تھی تو مس سے حالت اولیٰ پر رہی یا زیادہ ہو گئی؟

۳۔ عضو میں شہوت سے حرکت ہوئی یا نہیں؟

۴۔ شہوت ملموسہ یا لامسہ پر واقع ہوئی یا نہیں یا اس سے جماع کی خواہش ہوئی یا نہیں یا اس کو چھو کر کسی دوسری عورت سے خواہشِ جماع ہوئی؟

۵۔ مجلس میں انزال تو نہیں ہوا۔ یا مجلس کے بعد سکون شہوت سے پہلے تو انزال نہیں ہوا

۶۔ لمس و مس کن مواقع پر ہوا کیونکہ بعض مواقع کے مس میں دعویٰ عدمِ شہوت قضاءً مسموع نہیں۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

۳۰؍ ذی قعدہ ۱۳۴۸ھ

حکم حرمتِ مصاہرت از تقبیلِ فم ومعانقہ

سوال : ایک عورت دعویٰ کرتی ہے کہ اس کے خسر نے اس کے لب کا بوسہ لیا اور سینہ سے لگایا اور ایک مرتبہ مٹھائی بھی اس کے قبل زبردستی دبا کر سینہ سے لپٹا کر کھلائی تھی جو اس نے باہر حجرہ سے اگل دی۔ عورت ان واقعات کو شہوتِ نفسانیہ سے بتلاتی ہے اور خسر ان کا منشأ محبت وشفقتِ پدری بتلاتا ہے مگر خسر کی ایک تحریر جو خفیہ طور سے بہو کے نام آئی ہے یہ بتلاتی ہے کہ ان واقعات کا منشأ شہوتِ نفسانیہ ہے۔ پس صورتِ مسئولہ میں حرمتِ مصاہرت ثابت ہوئی یا نہیں۔ بیّنوا توجروا۔

الجواب

١۔ قال فی الدر : تزوّج بکرًا فوجدها ثیبًا وقالت ابوك فضنی ان صدقها بانت بلا مهر اھ (ص۴۵۷ ج-۲) والعبرة للشهوة عند المس والنظر لابعدهما وحدها فیهما تحرّك آلته او زیادته به یفتی اھ (ص۴۵۹ ج-۲)

٢۔ قبّل امّ امراته فی ایّ موضع کان علی الصحیح جوهرة حرمت علیه امرأته ما لم یظهر عدم الشهوة ولو علی الفم کما فهمه فی الذخیرة وفی المس لا تحرم مالم تعلم الشهوة لانّ الاصل فی التقبیل الشهوة بخلاف المس والمعانقة کالتقبیل وکذا القرص والعضّ بشهوة (ص۲٦۲ ج-۲)

قال الشامی : وفی بیوع العیون خلاف هذا اذا اشتری جاریة علی انه بالخیار وقبّلها او نظر الی فرجها ثم قال لم یکن عن شهوة واراد ردّها صدّق ولو کانت مباشرة لم یصدّق ولو قبّل ولم تنتشر آلته وقال کان عن غیر شهوة یصدّق وقیل لا یصدّق ولو قبّلها علی الفم. وبه یفتی۔ فهٰذا کما ترٰی صریح فی ترجیح التفصیل واما تصحیح الاطلاق الذی ذکره الشارح فلم اره بغیره ثم ذکر الشامی عن القهستانی مایدلّ علی الحرمة فی التقبیل مطلقًا واستواء فی الفم والخدّ والذقن والرأس وقیل ان قبّل الفم یفتی بها وان قبّل غیره لا یفتی بها الا اذا ثبتت الشهوة اھ

قال الشامی : وظاهره ترجیح الاطلاق فی التقبیل لکن علمت التصریح بترجیح التفصیل تامّل اھ (ص۴٦۲ ج-۱)

اقول وباللہ التوفیق : صورتِ مسئولہ میں احقر کے نزدیک حرمتِ مصاہرت اس وقت ثابت ہوگی جبکہ عورت یہ دعویٰ بھی کرے کہ جس وقت خسر نے اس کا بوسہ لیا

یا گلے سے لگایا یا سینہ سے لپٹا کر مٹھائی کھلائی اس وقت خسر کے عضوِ خاص میں انتشار پیدا ہو گیا تھا یا اگر پہلے سے انتشار تھا تو بوسہ لینے اور لپٹانے اور گلے لگانے کے وقت انتشار زیادہ ہو گیا تھا اگر عورت یہ دعویٰ نہیں کرتی تو حرمتِ مصاہرت ثابت نہ ہو گی۔ اگر وہ انتشار یا زیادتِ انتشار کا دعویٰ کرے اور شوہر کا دل قبول کرے کہ یہ سچی ہے تو شوہر پر یہ عورت حرام ہو گئی۔ للجزئیۃ الأولیٰ۔ اور اگر وہ یہ سب دعویٰ کرے اور شوہر کا دل اس کے صدق کو قبول نہ کرے تو مرد پر عورت حرام نہیں۔ مگر اس صورت میں خود عورت کو شوہر سے علیحدگی واجب ہو گی کہ اپنی خوشی سے شوہر کو اپنے اوپر قابو نہ دے۔ لان المرأۃ کالقاضی لا یسع لہا الاّ الحکم بعلمہا اور گو بعض فقہاء نے تقبیل و معانقہ میں مطلقاً فتویٰ حرمت کا دیا ہے مگر واقعات پر نظر کرنے سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ گو بعض دفعہ تقبیل و معانقہ بالمحارم کا داعیہ شہوت سے پیدا ہوتا ہے مگر بعض دفعہ وقت تقبیل و معانقہ کے شہوت باقی نہیں رہتی بوجہ حیا و خوف وغیرہ کے۔ اور شرط حرمت شہوت عند المس والتقبیل ہے نہ شہوتِ سابقہ نہ لاحقہ ولہذا اقیّد حد الشہوۃ بزیادۃ الانتشار اذا کان منتشراً قبل المسّ (جزئیہ ثانیہ) واللہ تعالیٰ اعلم۔

اور اس صورت میں بیٹے کو واجب ہے کہ اپنی بیوی کا باپ سے پردہ کرا دے اور خلوت کا کبھی موقع نہ دے اور جس گھر میں بیٹا اور اس کی بیوی رہتے ہیں وہ گھر اگر باپ کی مِلک ہے تو اس گھر میں آنے سے باپ کو روکنے کا حق نہیں بلکہ بیٹے پر واجب ہے کہ دوسرا مکان کرایہ پر لے کر رہے یا بیوی کو اس کے باپ کے یہاں رکھے۔ نیز بیٹے کو باپ کا ادب و تعظیم لازم ہے اس میں کوتاہی عملاً نہ کرے گو دل کو نفرت ہو کہ طبعی نفرت معاف ہے۔ واللہ اعلم۔

ظفر احمد عفا اللہ عنہ

از خانقاہِ امدادیہ تھانہ بھون

۱۵؍ ذی قعدہ س۴۹ھ

فصل فی ارتداد الزّوجین او احدهما

عورت کا "من شریعتِ تو نخواہم" کہنے کا حکم۔ نیز زوجین کے بت پرستی کرنے اور تین طلاقوں کے بعد ارتداد کا حکم

سوال : چہ می فرمایند علماء دین ومفتیانِ شرعِ متین اندرین مسئلہ کہ زوجۂ زید مسماۃ زبیدہ ہمیشہ تماشا می بیند بارے زید او را زجر نمود وگفت تو تماشا مبین زیرا کہ تماشا در شریعتِ ما نامشروع است زوجہ گفت من تماشا دیدم وآئندہ نیز بینم، شریعتِ تو نخواہم حتی کہ زبیدہ بتقریبِ تماشا نیروز کفار ہمدران روز از شوہرش پنہان گشتہ بتماشا گاہ شامل گردیدہ علانیہ تماشا بدید درین متنازعہ زید وطن اقامتش کہ ملک برہما است فروہشتہ بوطن اصلی خود کہ ملک بنگالہ است بہ رفت۔ وبوقت نکاح ثانی افواہ افتاد کہ زید زوجۂ اولیٰ را ہر کہ مسمّاۃ بزبیدہ است ۳ سہ طلاق داد امّا گاہے او انکار کند وگاہے اقرار حالانکہ شاہدے برآن طلاق یافتہ نشود بعد ازان بملکِ برہما آمدہ بزبیدہ زناشوئی آغاز نہاد واہل محلّہ گرفت نمودند زید بتعلیم کدام جاہل بمصاحبت زبیدہ بیت خانہ برما رفتہ پیشِ بُت سجدہ نمودند وبعد توبہ ہر دو تجدیدِ نکاح ساختہ زناشوئی می نمایند وبعد مرورِ ایام بتحریر سوالات سہ گانہ آئندہ نزدیک مفتی بنگالہ خط نوشت۔

١ - استخفاف وانکارِ شریعت زبیدہ۔

٢ - بت پرستی زوجین۔

٣ - سہ طلاق دادنِ زید زبیدہ را۔ ومفتی سوالِ اول را بالکل ترک ساختہ سوال دوم وسوم تحریر نمودہ جواب داد کہ بہ ۳ سہ طلاق یک طلاقِ رجعی واقع گردد فقط ومفتی ثانی ہر سہ سوال تحریر ساختہ جواب داد کہ شریک شدنِ زبیدہ بتماشا نیروزِ کفّار وانکارِ شریعت ہر دو کفر اند۔ وبمجرّد وقوعِ این افعال نکاحِ ایشان باطل گردید وبعد ازان بر تقدیرِ راستی طلاقِ زید بزبیدہ واقع نشود۔ دلیلش قولِ ردّ المحتار است ومحله المنکوحة ای لو معتدة عن طلاق رجعی او بائن غیر ثلاث فی حرّة وثنتین فی امة او عن فسخ لتفریق لأباء احدهما عن الاسلام او بارتداد احدهما الخ وزبیدہ انکارِ شریعت وتماشا بینی خود را اقرار کند وگواہ نیز موجود است امّا بعضے از مخالفان

باعث عدم بشمول سوال اول در فتویٰ اول سوال اول را دروغ میگویند اما دلیل شان ہیچ نیست اکنون بر زید مذکور چہ حکم مترتب شود بیّنوا بالدلیل ۔

الجواب

اگر زبیدہ کی حالت مجموعی بے پابندی شرع ظاہر ہوتی ہے اور غالب گمان یہ ہو کہ اس کے قلب میں شریعت کا استخفاف و بے حرمتی نہیں ہے تو اس کے قول "شریعتِ تو نخواہم" کا مطلب یہ ہوگا کہ زبیدہ کو شوہر کے قول پر اطمینان اور کامل وثوق نہیں ہوا کہ جو کچھ وہ کہہ رہا ہے یہی حکم شرعی ہے اس لئے اس نے جواب دیا کہ میں تیری شریعت کو نہیں جانتی اصل شریعت کی تحقیر مراد نہیں اور اگر پہلے سے اس کے افعال سے شریعت کے ساتھ لاپروائی اور بے اعتنائی آشکارا ہو تو سوال دوبارہ کیا جائے اور ہنود کے میلہ کی شرکت سے کافر ہونا تغلیظاً فقہاء نے لکھا ہے پس جو لوگ اس کو کفر جانتے ہیں پھر ایسا کرتے ہوں وہ کافر ہیں اور جو جاہل ایسا کرتے ہیں ان کو کافر کہنے میں جلدی نہ کی جائے ۔

۲ جیسا زید کے تین طلاق دینے پر گواہ نہیں ہیں تو اس کے اقرار پر بھی گواہ ہیں یا نہیں ۔ اگر اس کے اقرار پر دو گواہ ہوں تو ان گواہوں کو زید کی زوجہ کو مطلع کر دینا واجب ہے کہ زید نے ہمارے سامنے تین طلاق کا اقرار کیا ہے اس صورت میں زبیدہ پر تین طلاقیں واقع ہو جائیں گی ۔ جو شخص تین طلاق سے واحدہ رجعی کا وقوع بتلاتا ہے وہ غیر مقلّد گمراہ ہے اور اگر اقرار پر بھی دو گواہ نہ ہوں اور اقرار زبیدہ کے سامنے بھی نہیں ہوا تو اس صورت میں زبیدہ پر تین طلاق واقع ہونے کا کوئی ثبوت نہیں زبیدہ کو زید کے پاس رہنا جائز ہے ۔ لیکن اگر زید نے واقع میں تین طلاق دی ہیں تو اس کو زبیدہ کے ساتھ شوہر کی طرح رہنا حرام ہے

۳ اس کے بعد جو زید اور زبیدہ نے بت کے سامنے سجدہ کیا ہے اس سے دونوں مرتد ہو گئے ان پر توجہ و استغفار و تجدید ایمان لازم ہے ۔ وفّقهما الله له و ثبّتنا علیہ الی یوم الممات ۔ آمین ۔ اس صورت میں حکم یہ ہے کہ اگر تین طلاق کا ثبوت پہلے ہو چکا ہے یعنی اقرار زید پر کم از کم دو گواہ موجود ہوں تو اس ارتداد سے حلالہ ساقط نہ ہوگا حلالہ پھر بھی کرنا پڑے گا بدون حلالہ کے تین طلاق کے بعد کسی حال میں نکاح نہیں ہو سکتا ۔

قال فی الدر: او حرّة بعد ثلاث وردة اھ

قال الشامی : ای لو طلّقها ثنتین وهی امة ثم ملکها او ثلاثًا وهی حرّة فارتدّت ولحقت بدار الحرب ثم سبیت. وملکها لا یحل له وطؤها بملك الیمین حتی یزوّجها فیدخل بها الزوج فیطلقها اھ (ص ۸۸۶ ج ۱)

ظفر احمد عفا عنہ

حکمِ نکاحِ مرتدّہ کہ بعد ازاں اسلام آوردہ اور اس سے متعلق مزید چند سوالات

سوال : کیا فرماتے ہیں علماءِ دین و مفتیانِ شرعِ متین ان مسائل میں کہ زید مسلمان نے ہمراہ مسماۃ زینبِ مسلمہ نکاح کیا چند سال کے بعد زینب نے رابطہ ناجائز دوستی کا ہمراہ خالد مسلمان پیدا کرلیا اور زینب خالد کے گھر بارادۂ بد آنے جانے لگی ایک دن زید نے زینب کو کہا کہ چونکہ خالد تمہارا نامحرم ہے اس کے گھر مت جایا کرو اس پر زینب نے اس کو جواب دیا کہ میں جایا کروں گی اور ہرگز خالد سے باز نہ آؤں گی اس بات کو سن کر خالد کو بھی غصہ آیا اس لئے خالد نے زینب کو کہا کہ تو مذہب نصرانیت (عیسائیت) اختیار کرلے پھر مذہبِ عیسائیت اختیار کرلینے کے بعد حکّامِ وقت کے محکمہ میں دعویٰ منسوخیِ نکاح کا کرلینا جب تمہارے نکاح کو حکّامِ وقت توڑ دیں گے تو بعدہٗ پھر تم مسلمان ہوجانا پھر تو (یعنی زینب) اور میں (یعنی خالد) آپس میں نکاحِ شرعی کرلیں گے۔ الغرض خالد نے یہ حیلہ مسمّاۃ زینب کو سکھلایا بعدہٗ زینب نے خالد کے کہنے پر مذہب عیسائیوں کے گرجاگھر میں جاکر مذہبِ عیسائیت اختیار کرلیا اور بعدہٗ حکّام وقت کی عدالت میں بایں مضمون دعویٰ دائر کردیا کہ میں نے مذہب عیسائیت اختیار کرلیا ہے میرا نکاح زید سے قانوناً توڑ دیا جائے۔ اب التماس ہے کہ براہِ نوازش وکرم مندرجہ ذیل مسائل کے جواب سے مشکور وممنون فرمایا جائے۔

۱ جبکہ زینب نے مذہب عیسائیت اختیار کرلیا ہے کیا بروئے شرعِ محمدی کے زید اور زینب کا نکاح ٹوٹ جاتا ہے یا نہ؟ فقہاء تو فرماتے ہیں کہ اہلِ کتاب کے ساتھ نکاح کرنا جائز ہے اور مرتدہ کا نکاح نہیں ٹوٹتا بطور مفتیٰ بہ کے۔

۲ جبکہ خالد نے مسمّاۃ زینب کو مذہب عیسائیت اختیار کرنے کے لئے کہا اور اس کے کہنے پر زینب نے مذہب عیسائیت اختیار کرلیا تو خالد بروئے شرع محمدی کے کافر ہوجاتا ہے یا نہ؟ اگر نہیں ہوتا تو رضا بالکفر، کفر کا مطلب کیا ہے؟

۳ صورت متذکرہ میں علاوہ خالد کے جو شخص مسلمان مسماۃ زینب کی امداد دربارۂ فسخ نکاح کے کر رہے ہیں ان کے لئے کیا حکم ہے کیا ان کو مسماۃ زینب کی امداد کرنی چاہیئے یا کہ نہ ؟

۴ اگر حکامِ وقت زید اور زینب کے نکاح کو توڑ دیں اور بعدہٗ پھر زینب مسلمان ہو جائے تو کیا زینب بروئے شرعِ محمدی کے خالد ترغیب دہندہ متذکرہ کے نکاح میں آسکے گی یا نہ ؟

۵ کیا اگر زینب کسی وقت مذہب عیسائیت سے تائب ہو کر مسلمان ہو جائے تو کیا اس کی توبہ منظور ہوگی یا نہ ؟ اور بصورتِ توبہ منظور ہونے کے اگر زینب مسمّٰی زید کو نکاح کرنا چاہے تو تجدیدِ نکاح کی جائے گی یا کہ نہ ؟

۶ اگر بالفرض زینب نے عمداً زباناً تو مذہب عیسائیت اختیار کرلیا ہو لیکن اس کا اعتقاد مذہب اسلام کا ہو تو پھر زینب کے بارے میں کیا حکم ہوگا؟ فقہاء تو فرماتے ہیں کہ اعتقاد کا کوئی اعتبار نہیں ہوتا کما فی البحر: من تکلّم بکلمۃ الکفر ھازلاً او لاعباً کفر عند الکل ولا اعتبار باعتقادہٖ الخ بیّنوا بالصحۃ وبالکتاب توجروا۔

الجواب

۱ نکاح تو ٹوٹ گیا مگر زینب کو زید کے سوا کسی دوسرے کے ساتھ نکاح کرنے کا حق نہیں بلکہ زید جبر و قہر سے اُس کو اپنے قبضہ میں باندی بنا کر رکھے مگر اس سے مقاربت نہ کرے۔ کیونکہ اس میں روایات مختلف ہیں اس لئے احتیاط کے خلاف ہے اور اس عورت کو مجبور کیا جائے کہ مذہب اسلام کی طرف رجوع کرے اگر وہ اسلام کی طرف رجوع کرلے تو پھر زید اس کو آزاد کر کے اس سے نکاح کرے۔ والمسئلۃ فی الدر مع الشامیۃ ص ۴۶۶ / ج ۲ والعالمگیریۃ (ص ۱۵۷ / ج ۳)

۲ خالد صورتِ مسئولہ میں کافر ہوگیا۔ تلقینِ کفر کفر ہے صرّح بہ فی العالمگیریہ (ص ۱۵۸ / ۳)

۳ نکاح تو فسخ ہوگیا لیکن جو لوگ زینب کو زید سے الگ کرنے کی سعی کر رہے ہیں وہ گناہگار ہیں اور اگر وہ زینب کے کفر سے راضی ہیں تو ان کا بھی وہی حکم ہے جو خالد کا اوپر گزرا۔

۴ زینب کو زید کے سوا کسی سے بھی نکاح کرنے کا حق نہیں اس کو زید ہی کے پاس

رہنے پر مجبور کیا جائیگا۔ اگر وہ مرتد نہ ہوتی بلکہ طلاق یا خلع سے الگ ہوتی تو پھر کسی دوسرے سے نکاح کرنے کا حق تھا اب یہ حق ہرگز نہیں۔

۵ ہاں۔ توبہ ہر وقت قبول ہے اور وہ زید سے نکاح کرنا چاہے تو نکاح کر دیا جائے بلکہ زینب کو اسی پر مجبور کیا جائے

۶ زبان کا اعتبار اکراہ میں نہیں ہوتا اور جو شخص بدونِ اکراہ کے محض نفس کی خواہش یا لعب کے طور پر زبان سے کلمۂ کفر نکالے وہ کافر ہے اس وقت اعتقاد کا اعتبار نہ ہوگا۔ کیونکہ دین کے ساتھ لعب اور کھیل کرنا خود کفر ہے واللہ تعالیٰ اعلم

حررہ الاحقر ظفر احمد عفی عنہ از تھانہ بھون۔ ۲۹ ربیع الثانی ۴۷ھ

عورتوں کے مرتد ہونے سے نکاح فسخ نہیں ہوتا

سوال : ایک عورت کافرہ کو ایک مجمع عام میں مسلمان بنایا گیا بعد از مسلمان بنانے کے ایک شخص زید اہل اسلام سے اسی مجمع میں نکاح کر دیا گیا یہ عورت بحالتِ کفر کافر کے نکاح میں تھی یعنی شادی شدہ تھی مگر اسلام سے قبل چھ ماہ اس عورت کی باقاعدہ ان کی جماعت میں فارغ خطی یعنی ان کے قواعد کے موجب طلاق ہوگئی تھی عین وقت اسلام وہ کسی کے نکاح میں نہ تھی اسلام سے مشرف کر کے اسی مجمع میں نکاح شرعی باقاعدہ پڑھایا گیا یہ عورت تخمیناً ۴ سال شوہر اسلامی کے ہمراہ رہی اولاد بھی ہوئیں۔ گردشِ زمن سے ایک اسلامی نے اس سے ناجائز تعلق پیدا کرنے کی غرض سے اس کی بہن کافرہ کو ورغلایا اس نومسلمہ کو اس کی بہن کافرہ کی معرفت و وساطت سے بہکا ورغلا کر نکلوایا۔ زید ناکح نومسلمہ نے اس شخص پر بھگا کر لیجانے کا مقدمہ دائر کیا اور ناجائز تعلق کرنے کا عورت کو ملزم چھوٹے بچوں کی وجہ سے نہیں بنایا صرف گواہی کے لئے بچا لیا تھا۔ بھگا کر لیجانے والے کو سخت جرم کی سزا میں مبتلا کر دیا جاتا مگر عورت نے اس کو بچانے کی خاطر مصلحت وقت دیکھ کر کورٹ میں کہدیا کہ مجھے یہ بھگا کر نہیں لے گیا۔ مجھ سے بدفعلی نہیں کی۔ اور میں تو اس کے نکاح میں نہیں ہوں اور نہ ہی مسلمان ہوئی ہوں اس کے اسلام کا کورٹ کو ثبوت پہنچایا گیا مگر چونکہ مقدمہ دوسرے پر تھا اس کے بھگانے سے انکار پر اس کو رہا کر دیا۔ اس شخص نے موقع پا کر چند اشخاص کے ہمراہ اس عورت کو نائب قاضی کے پاس لیکر پہنچا، کہا کہ اس کو مسلمان کر کے نکاح پڑھا دیجئے۔ نائب قاضی نے دریافت کیا عورت سے کہ تیرا نام کیا ہے؟ اس نے کہا میرا نام سکینہ ہے قاضی کو شبہ ہوا کہ یہ لوگ تو مسلمان کر کے

نکاح کرنے کو کہتے تھے اور یہ تو مسلمان معلوم ہوتی ہے۔ نائب قاضی نے نکاح سے انکار کر دیا وہ لوگ قاضی شہر کے پاس گئے وہاں سے رقعہ لکھوا کر لائے کہ ان کا سردست نکاح پڑھا دو تب قاضی نے نکاح پڑھایا۔ اب سوال یہ ہے کہ یہ دوسرا نکاح شرعاً صحیح ہوگا یا نہیں؟

② اگر کوئی عورت مسلمان یا نومسلمہ کسی اور مسلمان سے نکاح کرنا چاہے اور خاوند نہ چھوڑے تو مسلمان عورت مندر میں چلی جائے یا کفر کا کام کرلے اسی طرح نومسلمہ اپنے اسلام کا انکار کرے آیا یہ عورتیں اپنے یار بہکانے والے سے شرعاً نکاح کر سکتی ہیں یا نہیں؟ اور اسی طرح اسلام سے انکار کرنے سے ان کی مراد پوری ہوگی یا نہیں؟ بیّنوا توجروا

الجواب

① اس عورت کا پہلا نکاح تو صحیح ہوگیا کیونکہ وہ اسلام لانے سے پہلے کافر مرد کے نکاح سے علیحدہ ہو چکی تھی اور دوسرا نکاح صحیح نہیں ہوا بلکہ یہ عورت بدستور زید کے نکاح میں ہے بوجہین الاول التردّد فی ارتدادها[1] بقولها "اور نہ ہی مسلمان ہوئی ہوں" فان الظاہر انما نفت عنها الاسلام کاذبة لمصلحة ولم ترد بذلك الخروج عن الاسلام۔ والثانی ما فی ردالمحتار[2] (ص ۴۶۹ ج ۳) من فتوی الدبوسی والصفار وغیرهما بعدم وقوع الفرقة بارتداد الزوجة عن زوجها واللّٰه تعالیٰ اعلم۔ غرض دوسرے شخص سے اس کا نکاح باقی نہیں رکھا جا سکتا مگر احتیاط یہ ہے کہ دوسرے خاوند سے جبراً طلاق لیکر بعد عدت کے زید سے دوبارہ نکاح کر دیا جائے بشرطیکہ وہ اس عورت کو اب بھی رکھنا چاہتا ہو اور اگر نہ رکھنا چاہتا ہو تو سوال دوبارہ لکھا جائے وهٰذا کله بالقواعد ولم نره صریحاً۔

② جو عورت اپنے خاوند سے علیحدہ ہونے کے لئے مرتد ہو اس کا نکاح دوسرے شخص سے نہیں ہو سکتا بلکہ اس کو جبر کر کے پہلے ہی خاوند سے نکاح کرنے پر مجبور کیا جائیگا وافتی الدبوسی والصفار بعدم وقوع الفرقة ردّاً علیها بارادته کما تقدّم۔

واللّٰه اعلم

ظفر احمد عفا عنہ۔ از تھانہ بھون
خانقاہِ امدادیہ

---

[1] هدایه باب الاکراه اور عالمگیریہ میں اخبار عن الکفر کاذباً سے مرتد ہو جانے کی تصریح موجود ہے۔

[2] انما ذکرنا هٰذا القول تأییداً واعتضاداً للتردد فی ارتداد المرأة ولا نفتی به فیما اذا کان الارتداد قطعاً۔ ظفر

فصلٌ فی الظہار والایلاء واللعان

شوہر نے کہا " اگر تیرے ساتھ جینا کروں تو تیرے پیٹ سے پیدا ہوئے سریکا کرکے "

سوال : کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیان شرع متین اس بارہ میں کہ ایک شخص اپنی عورت سے جھگڑا کرتے ہوئے عین جھگڑے میں یہ کہا کہ " اگر میں تیرے ساتھ جینا کروں تو تیرے پیٹ سے پیدا ہوئے سریکا کرکے "، یہ قول اس کا کیسا ہے ؟ اس قول سے نکاح فاسد ہوتا ہے یا طلاق واقع ہوتی ہے یا ظہار واقع ہوتا ہے یا لغو ہے ؟

بیّنوا توجروا

تنجاور کیل واسل کوچۂ عطّاران متصل مسجد
مدرس حافظ محمد عبد الجبار علاقہ مدراس

الجواب

یہ قول لغو ہے مگر ایسا کہنا مکروہ ہے اس سے گناہ ہوتا ہے باقی ظہار یا طلاق کچھ نہیں ہوا۔

قال فی الھندیة : لوقال : ان وطئتك وطئت امّی فلا شئ علیه اھ

(ص ۱۴۷ ج - ۲)

"تمہارے گھر جاؤں تو ماں کے گھر جاؤں" نہ طلاق ہے نہ ظہار

سوال : عرض یہ ہے کہ ایک آدمی نے غصّہ کی حالت میں اپنی بیوی کو کہا کہ میں اگر تمہارے گھر میں جاؤں تو اپنی ماں کے گھر جاؤں۔ اور مخفی نہ رہے کہ میں نے بھی اس کے جواب میں کہا کہ میں اگر تم کو بلاؤں تو اپنے باپ کو بلاؤں۔ اس مسئلہ میں شریعت کا کیا حکم ہے۔ امید ہے کہ بالتوضیح ومدلّل بیان کرنے سے غایت درجہ کی مسرّت ہوگی۔

سائل : محمد عبد الباری
۵ گوراچاند مین مسجد کلکتہ

الجواب

اس لفظ سے کچھ نہیں ہوا نہ ظہار نہ طلاق کیونکہ عورت کے گھر کو ماں کے گھر سے تشبیہ

دیانۃ الفاظ ظہار سے ہے نہ الفاظِ طلاق سے۔

قال فی الدرّ: وان نوٰی بانت علیّ مثل امّی او کأمّی وکذا لو حذف علیّ خانیۃ، برا او ظہارًا او طلاقًا صحت نیّتہ ووقع مانواہ لانہ کنایۃ والاینو شیئًا أو حذف الکاف (بان قال: انت امّی یدلّ علیہ ماذکرہ عن الفتح من انہ لابدّ من التصریح بالاداۃ (شامی) لغا ویکرہ قولہ: انت امّی یا ابنتی ویا اختی ونحوہ اھ (ص ۹۵ ج ۲) قلت: وقولہ: ان دخلت بیتک دخلتُ بیت امّی اھون من قولہ: انتِ امّی فلما لغا ھٰذا لعدم اداۃ التشبیہ فإلغاء ذلک اولٰی والسرّ فیہ ان بحذف اداۃ التشبیہ لایفید اللفظ معنی التحریم شرعًا وھو المدار لصحۃ الظہار والطلاق۔ واللہ اعلم۔

حرّرہ الاحقر ظفر احمد عفا عنہ۔ از تھانہ بھون

۲۱ رجب ۱۳۴۶ھ

بَابُ العِدَّۃ

نومسلمہ کی عدت کا حکم

سوال: ایک ہندو عورت مسلمان ہوئی اور وہ کسی شخص سے نکاح کرنا چاہتی ہے دو روز ہوئے ہیں مسلمان ہوئی تو اس کا نکاح پڑھایا جائے یا کہ نہیں؟ اور اگر پڑھایا جائے تو کب؟ کیا اس کے لئے بھی عدّت ہے۔ جو حکم ہو اطلاع بخشیں۔ فقط

محمد حسین عفی عنہ بہاٹا پارہ

الجواب

جب کوئی ہندو عورت مسلمان ہو جائے تو اگر وہ پہلے سے کسی ہندو کے نکاح میں نہ تھی تب تو مسلمان ہوتے ہی اس کا نکاح ہو سکتا ہے اور اگر کسی ہندو کے نکاح میں تھی تو تین حیض گزرنے کے بعد اس کا نکاح پہلے شوہر سے ٹوٹیگا اس سے پہلے وہ اسی کافر کے نکاح میں ہے لھذا اس مدت میں اس کا نکاح کسی مسلمان سے بالکل درست نہ ہوگا۔ پھر تین حیض گزرنے کے بعد جب نکاح ٹوٹ گیا تو اگر کافر نے اس سے صحبت نہ کی تھی صرف نکاح ہی ہوا تھا تو اب دوسری عدت کی ضرورت نہیں اور

اگر صحبت بھی کی تھی تو صاحبینؒ کے نزدیک دوسری عدّت کی اور ضرورت ہے اور امام صاحبؒ کے نزدیک ضرورت نہیں۔

قال فی العالمگیریة : و اذا اسلم احد الزوجین فی دار الحرب[1] ولم یکونا من اھل الکتاب اوکانا والمرأة[2] ھی التی اسلمت فانه یتوقف انقطاع النکاح بینھما علی مضی ثلاث حیض سواء دخل بھا اولم یدخل بھا کذا فی الکافی۔ (الی ان قال) وھذہ الحیض لاتکون عدّة ولھذا یستوی فیھا المدخول بھا و غیر المدخول بھا ثم اذا وقعت الفرقة قبل الدخول بذلك فلا عدّة علیھا وان کان بعد الدخول والمرأة حربیة فکذلك وان کانت ھی المسلمة فکذلك الجواب عند ابی حنیفة رحمہ اھ

ظفر احمد

٦؍ جمادی الاولیٰ ۴۰ھ

حاملہ کی عدت مطلقاً وضع حمل ہے

سوال : کیا فرماتے ہیں علماء دین و مفتیانِ شرع متین اس مسئلہ میں کہ زید نے اپنی زوجہ ہندہ کی بدفعلی دیکھ کر عرصہ تین سال کا ہوا چھوڑ کر پردیس چلا گیا۔ معلوم ہوا کہ اپنے ملک سے تھوڑے فاصلہ پہ ہی ہندہ کے رشتہ دار وہاں جاکر زید کو لے آئے ہندہ نے اپنا مہر جو زید نے دیا تھا بخش کر خلع کرلیا۔ ہندہ مذکورہ فعلِ زنا سے حاملہ بھی ہے آیا اب پہلے شوہر کی عدت کے اندر جس سے وہ زنا کے سبب حاملہ ہوئی ہے اس کے ساتھ نکاح کردینا جائز ہے۔ یا بعد گزرنے عدّت کے ؟ اس کا جواب بحوالۂ کتب جلد از جلد عنایت فرمائیں

راقم پیش امام عبدالحفیظ عفی عنہ کلمبندر
پوسٹ ضلع شمالی ارکاٹ

الجواب

صورتِ مسئولہ میں وضع حمل سے پہلے اس عورت کا نکاح کسی سے نہیں ہوسکتا کیونکہ

---

[1] قوله فی دار الحرب وکذلك فی دار الاسلام فالقید اتفاقی

[2] قوله والمرأة ھی التی اسلمت الخ اما اذا اسلم الزوج فقط لاینقطع النکاح بعد مضی ثلاث حیض ایضًا لصحة النکاح بالکتابیة بخلاف المشرکة فان زوجھا اذا اسلم یقع بینھما فرقة بعد ثلاث حیض

وضع حمل سے پہلے وہ عدّت کے اندر ہے اور عدّت میں شوہرِ سابق کا نکاح مرتفع نہیں ہوتا

قال فی الدر: والحامل مطلقاً ولو امة او کتابية او من زنا تعتدّ بالوضع اھ

قال الشامی عن الحاوی الزاهدی: اذا حبلت المعتدّة وولدت تنقضی به العدّة سواء کان من المطلق او من زنا اھ (ص ۹۹۴ ج ۲)

اور اس حمل کو حملِ زنا اور اس کے پیدا ہونے کے بعد بچہ کو ولد الزنا نہیں کہہ سکتے۔ اگر شوہرِ اول اس کو حمل زنا نہیں کہتا جب تو ظاہر ہے اور اگر وہ اس کو حملِ زنا کہتا ہے تو اس کا حکم لعان ہے۔ قاضی شرعی کے سامنے لعان ہو کر جب تفریق ہو جائے اس وقت یہ حمل اور ولد زوج اول سے منقطع النسب ہوگا اور بدون اس کے شوہر اول ہی کا شمار ہوگا۔

ففی الحدیث المشهور: الولد للفراش وللعاهر الحجر۔ واللہ اعلم

حررہ الاحقر ظفر احمد عفا عنہ

۱۸ ر محرم ۴۵ھ

عنّین کی زوجہ مطلقہ غیر مدخولہ پر خلوتِ صحیحہ کی وجہ سے عدّت لازم ہے

سوال: کیا فرماتے ہیں علماءِ دین و مفتیانِ شرع متین اس مسئلہ میں کہ ایک عورت کا نکاح اس کے ماں باپ نے ایک مادر زاد نامرد کے ساتھ کر دیا اس نے کئی سال تک اس کے ساتھ نباہ کیا۔ خواہش نے مجبور کیا۔ طلاق لے لی۔ اب اس عورت کو نکاح ثانی کی بہت عجلت ہے اور خواہش نے مجبور کر رکھا ہے۔ وہ عدّت پورا کرنے کو نہیں مانتی، وہ کہتی ہے کہ جب میں اس کے ساتھ کبھی ہم بستر نہیں ہوئی تو پھر عدّت کو کیوں پورا کروں

کاندھلہ ضلع مظفر نگر شمشیر جنگ

الجواب

قال فی الدر: والخلوة بلا مانع حسّی وطبعی وشرعی کالوطئ ولو کان الزوج مجبوباً او عنّيناً او خصياً او خنثیٰ ان ظهر حاله فی ثبوت النسب وتاکد المهر والنفقة والسکنیٰ والعدّة اھ (ص ۵۵۹ ج ۲)

اس سے معلوم ہوا کہ عنّین کی بیوی پر بھی عدّت واجب ہے جبکہ وہ تنہا مکان میں ایک بار شوہر کے پاس رہ چکی ہو گو ہم بستری نہ ہوئی ہو۔

حررہ الاحقر ظفر احمد۔
۱۴ ر صفر ۴۵ھ

مسئلہ ممتدۃ الطہر

سوال : کسی نے اپنی بیوی کو طلاق دیدی پس اس حالت میں ایک سال گزرا حیض نہیں آیا عمر اس کی ۲۵ سال ہے اب اس عورت نے دوسرے سے نکاح کرلیا۔ نکاح کرنے کے بعد اس مرد کے گھر میں دو حیض آیا اور ایک قبل نکاح کے آیا تھا پھر حیض نہ آنے لگا اب اس نے بھی طلاق دیدی پس اس حالت میں چھ یا سات ماہ گزرا حیض نہیں آیا اب اس عورت سے مرد اول نے نکاح کرلیا۔ نکاح اس کا صحیح ہوا یا نہیں ؟ حکم صادر فرمائیں ۔

تنقیح : اس سوال میں امورِ ذیل دریافت طلب ہیں ان کا مفصل جواب آنے پر جواب دیا جائیگا۔

① مرد اول نے کتنی طلاق دی ایک یا دو یا تین ؟
② اس عورت کو حیض طلاق دینے سے قبل کبھی آیا تھا یا نہیں ؟
③ طلاق کے کتنے روز بعد وہ حیض آیا جو نکاح ثانی سے قبل لکھا ہے ۔

نوٹ : اول تو یہ لکھا ہے کہ ایک سال گزرا حیض نہیں آیا اب دوسرے نے نکاح کرلیا پھر لکھا کہ ایک حیض قبل نکاح کے آیا۔ اس میں صریح تعارض ہے ۔ لہذا صاف طور پر صحیح واقعہ لکھنا لازم ہے ۔

عبدالکریم عفی عنہ۔ خانقاہِ امدادیہ تھانہ بھون
۱۵ر جمادی الاولیٰ ۱۳۴۴ھ

جوابِ تنقیح

① مرد اول نے تین طلاق دی ۔
② اس عورت کو حیض طلاق دینے کے قبل کبھی نہیں آیا ۔
③ طلاق کے ایک سال بعد ایک حیض آیا پس دوسرے نے نکاح کرلیا پھر نکاح کے بعد اور دو حیض آیا۔ اب مرد ثانی نے تین طلاق دی پس اس طلاق کے بعد چھ ماہ گزرا بدون حیض کے مرد اول نے نکاح کرلیا۔

الجواب

مرد اول نے جو نکاح کیا ہے وہ صحیح نہیں ہوا کیونکہ زوج ثانی کی طلاق کے بعد عدت (یعنی تین حیض) پوری نہیں ہوئی حالانکہ اس عورت کی عدت تین حیض ہے ۔

کما فی الدر المختار : (او بلغت بالسن) وخرج بقولہ (ولم تحض) الشابۃ الممتدۃ

بالطہر بان حاضت ثم امتد طہرہا فتعتد بالحیض الی ان تبلغ بسنّ الایاس۔ جوہرۃ

وقال الشامی : (قولہ : بلغت بالسن) ای خمسۃ عشر سنۃ عن العنایۃ ومثلہا لو بلغت بالانزال قبل ھٰذہ المدّۃ۔

یہ تو جب ہے کہ زوجِ ثانی کا نکاح صحیح ہو گیا ہو ورنہ اس کی طلاق کے بعد تین حیض گزر جانے پر بھی زوجِ اول سے نکاح جائز نہیں کیونکہ تحلیل کے لئے نکاح صحیح ہونا شرط ہے۔

کما فی الدر المختار مع الشامی ص۴۸۵ (لامطلقۃ بہا) بالثلاث (لوحرّۃ وثنتین لو امۃ حتی یطأہا غیرہ ولو مراہقًا بنکاح) نافذ خرج الفاسد والموقوف۔

اور نکاح زوج ثانی کی صحت اور بطلان کی تحقیق کی ضرورت پڑے تو امورِ ذیل مفصل لکھ کر سوال کیا جائے۔

① جب زوجِ اول نے طلاق دی تو عورت کی کیا عمر تھی ؟

② اگر عمر ۱۵ سال سے کم تھی تو کوئی نشانِ بلوغ پایا گیا تھا یا نہیں ؟

③ جو حیض طلاق سے سال بھر بعد آیا اس سے قبل کیا عمر بھر کبھی حیض نہیں آیا؟ فقط

واللہ اعلم

احقر عبدالکریم عفی عنہ

۱۹ ر جادی الثانی ۴۴ھ

الجواب صحیح

ظفر احمد عفا عنہ

۱۹ ر جادی الثانی ۱۳۴۴ھ

مرضعہ کی عدت کس طرح شمار ہوگی جبکہ بوجہ رضاع حیض بند رہتا ہے

سوال : مرضعہ (جس کو بوجہ رضاعت حیض بند رہتا ہے) کی عدت کس طرح شمار ہوگی بوجہ ارضاعِ ولد جو عورت طاہر ہو اس طہر ممتد میں وطی کے بعد طلاق دیجائے تو کوئی گناہ تو نہیں۔ آیا یہ طلاق سُنی ہو سکتی ہے ؟

محمد امام مدوری مددگار مدرس مدرسہ اسطانیہ
قصبہ مدور تعلقہ چرٹیال ضلع نلگیڈھ حیدرآباد دکن

الجواب

مرضعہ مطلقہ کی عدت تین حیض ہے چاہے وہ تین حیض تین سال میں آئیں لانّ ذوات الحیض عدتھنّ ثلاثۃ قروء اور مرضعہ کو طلاق دینا طلاق فی الطہر ہے۔ پس اگر مرضعہ سے حالتِ

ارضاع میں وطی نہ کی ہو تو یہ طلاق سنت ہوگی ورنہ نہیں لان طلاق السنۃ ماکان فی الطہر لاوطی فیہ ولایصح قیاسہ علی الحمل فان حبل الحامل لا یتصوّر ولاکذلک المرضعۃ۔ ولہٰذا استثنی الفقہاء الآیسۃ والصغیرۃ والحامل فقط حیث قالوا بجواز طلاقہنّ عقیب الوطی لفقد توھّم الحبل ولم یستثنوا المرضع کما یظہر من الدر والشامی ص ۶۸۷ ج ۲

واللہ اعلم

حرّرہ الاحقر ظفر احمد عفاعنہ از تھانہ بھون

خانقاہ اشرفیہ ۔ ۲۰ شعبان ۴۶ھ

خلع کی عدت ایک حیض ہے یا تین حیض

سوال : خلع کی عدت کتنی ہے ؟ تین حیض ہے یا ایک حیض ؟ زید کہتا ہے کہ خلع کی عدت ایک حیض ہے اور نیل الاوطار کے ص ۱۷۲ و ۱۷۳ کا حوالہ بھی دیا ہے۔ عمرو کہتا ہے کہ خلع کی عدت تین حیض ہوگی کیونکہ خلع سے طلاقِ بائن واقع ہوتی ہے حکم شرعی کس کے قول کے موافق ہے ؟ مع حوالہ کتب حدیث جواب عنایت فرمائیں

الجواب

خلع کی عدت طلاق کی طرح تین حیض ہے جس کی دلیل مؤطا مالکؒ کی یہ روایت ہے

مالک عن نافع انّ ربیعۃ بنت معوذ بن عفراء جاءت ھی وعمّتھا الی عبد اللہ بن عمر فاخبرتہ انھا اختلعت من زوجھا فی زمن عثمان فبلغ ذلک عثمان بن عفان فلم ینکرہ قال عبد اللہ بن عمر : عدّتھا عدّۃ المطلقۃ۔ مالک انہ بلغہ ان سعید بن المسیب وسلیمان بن یسار وابن شہاب کانوا یقولون عدۃ المختلعۃ مثل عدۃ المطلقۃ ثلاثۃ قروء اھ (ص ۲۱۵)

اور جن لوگوں نے خلع کی عدّت ایک حیض بتلائی ہے وہ ابن ماجہ کی ایک روایت سے استدلال کرتے ہیں مگر اس کی سند ضعیف ہے۔ اس میں محمد بن اسحاق عبادۃ بن الولید بن عبادۃ بن الصامت سے راوی ہے اور وہ مجہول ہیں۔ دوسرا اس میں یہ مذکور ہے کہ حضرت عثمان نے ربیعہ بنت معوذ بن عفراء کو ایک حیض کی عدت بتلائی اور ان کا یہ فیصلہ ثابت بن قیس کی بیوی کے متعلق رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے فیصلہ کے موافق تھا اور ثابت بن قیس کے متعلق بخاری میں یہ الفاظ ہیں : " قال لہ : اقبل الحدیقۃ وطلّقھا تطلیقۃ " جس سے خلع کا بحکم طلاق ہونا صاف ظاہر ہے ۔ واللہ اعلم۔ حررہ ظفر احمد عفاعنہ

۲۰ ربیع الثانی ۴۸ھ

وجوب عدت ثبوتِ نسب کے تابع ہے

سوال : کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ زید نے ہندہ سے نکاح کیا اور ایک لڑکی بھی پیدا ہوئی۔ بعد میں معلوم ہوا کہ صغرسنی میں اس کا نکاح دوسرے شخص سے ہوچکا تھا اور دخول نہ ہوا تھا بلکہ مساس بھی نہیں ہوا پس شوہرِ اول کو کچھ مال دیکر طلاق حاصل کی گئی اب زید جو اس سے نکاح کی تجدید کرے تو آیا انقضائے عدت کا انتظار واجب ہے یانہیں؟ اور عدّت واجب ہے یانہیں؟ شبہ اس سے یہ ہوا کہ لڑکی کا پیدا ہونا حکماً موطوئۃ الأول ہونے کی خلامت ہے یانہیں؟ - والسلام -

الجواب

صورتِ مسئولہ میں چونکہ نکاحِ اول کے بعد زوجین میں مقاربت نہیں ہوئی بلکہ اصلاً مساس نہیں ہوا اور اس کے بعد دوسرے شخص سے نکاح لاعلمی میں ہوا اور لڑکی نکاح ثانی سے چھ ماہ بلکہ مدّت زائدہ کے بعد پیدا ہوئی جو قولِ مفتی بہ کے موافق زوجِ ثانی سے ثابت النسب ہے تو اس لڑکی کا تولّد وطی زوجِ اول کی دلیل نہ ہوگی اور طلاق زوج اول کے بعد عدّت بھی واجب نہ ہوگی کیونکہ وجوبِ عدّت ثبوتِ نسب کے تابع ہے جب اول سے ثبوتِ نسب نہیں تو عدّت بھی واجب نہیں۔

قال فی الدر: غاب عن امرأته فتزوجت بآخر وولدت اولادًا فالاولاد للثانی علی المذهب (ان اتت به لاکثر من ستة اشهر من عقد الثانی - شامی) وعلّله ابن الملك بانه المستفرش حقیقة فالولد للفراش الحقیقی وان کان فاسدًا اھ (ص ۱۰۳۸ ج ۲)

وفی البحر عن الفتح : واذا لم یثبت النسب لم تجب العدّة اھ - (ص ۱۴۳ ج ۴)

قلت: واذا لم تجب العدّة لم تجعل موطوءة للزوج الاول - واللّٰه اعلم

حررہ ظفر احمد عفا عنہ

۲۸ ربیع الثانی ۱۳۴۸ھ

مطلقہ ثلاث بعد انقضائے عدتِ نکاح ثانی اور صحبت کرانے کے مرتد ہوگئی مسلمان ہونے کے بعد زوج اول کے ساتھ بدون عدت پوری کیئے نکاح جائز ہے یانہیں؟

سوال : تین طلاق والی عورت نے عدّت گزار کر دوسرے خاوند سے نکاح کیا اور دوسرے شوہر سے صحبت کرانے کے بعد یہ عورت کافرہ ہوگئی تو پہلے شوہر سے جس نے تین طلاقیں دی ہیں اب بلاعدت پوری کیئے نکاح کرسکتی ہے یانہیں؟

الجواب : عدّت پوری کیئے بغیر پہلے شوہر سے نکاح نہیں کرسکتی۔

ففی الدر المختار عن کافی الحاکم : و ان لحقت المرتدّة بدار الحرب کان لزوجها ان یتزوج اختها قبل ان تنقضی عدتها و ان عادت مسلمة کان لها ان تتزوّج من ساعتها اھ (ص۳۱۳ ج۲) قلتُ : فقید اللحاق یشعر بانها لا تتزوّج من ساعتها بدون اللحاق و تباین۔ و اللہ اعلم ۔ ظفر احمد عفا عنہ

۱۴/ ۱۲/ ۴۸

زنا کی عدّت نہیں ہے

سوال : بے شوہر والی عورت نے زنا کیا کرنے والے کے سوا اور مرد سے بلا عدت پوری کئے نکاح کرنا درست ہے یا نہیں ؟

الجواب

بدون عدت کے نکاح کر سکتی ہے کیونکہ زنا کی کوئی عدت نہیں مگر زنا کے بعد سے ایک حیض آنے تک شوہر اس کے ساتھ جماع نہ کرے (صرّح بہ فی الدر) ۔ اور اگر اس کو زانی کا حمل رہ گیا ہو تو مجامعت وضع حمل تک جائز نہیں ۔ و اللہ اعلم

حررہ ظفر احمد عفا عنہ
۱۴ ذی الحجہ ۴۸ھ

فصل فی الحداد

بغرض دفعِ غم معتدۂ وفات کا گھر سے باہر نکلنا درست ہے یا نہیں ؟

سوال : معتدہ وفات جس کو شوہر کی وفات کا بہت صدمہ ہے، تخفیفِ غم اور دل بہلانے کے لئے صبح سے شام تک کے واسطے اپنے والدین کے مکان پر جا سکتی ہے یا نہیں ؟ شب کے وقت شوہر کے مکان پر رہے گی۔ نیز دن میں کسی رشتہ دار بیمار کو دیکھنے یا اس کی تجہیز و تکفین میں شرکت کے لئے جا سکتی ہے یا نہیں ؟

محمد کفایت اللہ عفی عنہ

الجواب

قال فی الدر : و تعتدان ای معتدة طلاق و موت فی بیت وجبت فیہ و لا یخرجان منہ الا ان تخرج او ینھدم المنزل او تخاف انھدامہ او تلف مالھا او لا تجد کراء البیت و نحو ذلک من الضرورات فتخرج لاقرب موضع الیہ اھ

وفیہ ایضًا قبلہ : ومعتدۃ موت تخرج فی الجدیدین وتبیت اکثر اللیل فی منزلها لان نفقتها علیها فتحتاج للخروج حتی لو کان عندها کفایتها صارت کالمطلقة فلا یحل لها الخروج "فتح" اھ (ص ۱۰۲۱ ج ۲)

صورتِ مسئولہ میں اگر طبیب حاذق مسلم یہ تجویز کردے کہ اس بیوہ کو تخفیفِ غم کے لئے اس گھر سے نکلنا اور دوسرے گھر میں جاکر دل بہلانا ضروری ہے ورنہ یہ بیمار ہوجائے گی یا ہلاکت کا اندیشہ ہے تو خروج من البیت جائز ہے۔ پھر اگر دن میں نکلنا کافی ہو تو رات کو مکانِ زوج پر آنا واجب ہوگا ورنہ جب تک ضرورت ہو اس وقت تک رات اور دن بھی دوسرے مکان میں رہ سکتی ہے کیونکہ ضرورتِ شدیدہ اور حاجت کے وقت خروج جائز ہے۔ واللہ اعلم

حرّرہ الاحقر ظفر احمد عفا عنہ از تھانہ بھون

۲۵ ر شوال ۱۳۴۴ھ

حکم خروج معتدۂ وفات از خانۂ شوہر بعذر

سوال : کیا فرماتے علماء دین اس مسئلہ میں عرصہ دو ماہ کا ہوا کہ زید کا انتقال ہوگیا۔ ایک زوجہ اور دو خورد سال بچے اور کچھ اثاثہ چھوڑا، زوجۂ زید عدت میں ہے بچے اس کے پاس ہیں جو کچھ اثاثہ تھا وہ سب زید کے بہن بھائیوں نے اپنے قبضہ میں کرلیا زید کی زوجہ اس وقت ہر طرح سے تنگ ہے اور زید کے بھائی اس کو ہر طرح کی تکلیف پہنچا رہے ہیں۔ زید دوسرے شہر میں رہتا تھا چونکہ زید کی زوجہ کے والدین دوسرے شہر میں سکونت پذیر ہیں اس لئے وہ غیر شہر میں کسی طرح سے بھی اپنی دختر (زوجۂ زید) کی امداد نہیں کرسکتے۔ اور زوجۂ زید کے والدین کے رشتہ داروں میں وہاں کوئی ایسا ہے کہ عدت تمام ہونے تک زوجۂ زید اور اس کے بچوں کی خورد ونوش اور ضروری اخراجات کی خبرگیری کرسکے۔ زوجۂ زید کے والدین اب یہ چاہتے ہیں کہ ہم اپنی دختر (زوجۂ زید) کو اپنے شہر میں لاکر اس کی اور اس کے بچوں کی خبرگیری کریں۔ از روئے شرع شریف ایسی حالت میں زوجۂ زید اور اس کے بچوں کو وہاں سے اپنے شہر میں لانا جائز ہے یا نہیں ؟

الجواب

قال فی الدر : وتعتدّان ای معتدّہ طلاق وموت فی بیت وجبت فیہ ولا یخرجان منہ الا ان تخرج او ینهدم المنزل او تخاف انهدامه او تلف مالها او لا تجد کراء البیت ونحو ذلک من الضرورات فتخرج الی اقرب موضع الیہ

(وحکم ما انتقلت الیہ حکم المسکن الاصلی فلا تخرج منہ شامی صـ ۱۰۲۲/۲)

صورتِ مسئولہ میں زوجۂ زید اپنے والدین کے شہر میں جاسکتی ہے کیونکہ مجبوری کی حالت ہے پھر اس کو چاہیئے کہ والدین کے گھر پہنچ کر عدّت پوری کرے اور اس گھر سے قبل اتمام عدت بلا ضرورت دن کو بھی نہ نکلے اور رات کو نکلنا تو ضرورت سے بھی نہ چاہیئے لیکن اضطرار کی حالت مثل خوف ہدم وغیرہ ہر حال میں مستثنیٰ ہے۔ فقط

حرّرہ الاحقر ظفر احمد عفا عنہ

۱۰ محرم ۱۳۴۵ھ

ضرورتِ نفقہ کے علاوہ معتدۂ وفات دوسری ضروریات کے لئے گھر سے نکل سکتی ہے یا نہیں

سوال: کیا فرماتے ہیں علماءِ دین دریں مسئلہ کہ ایک عورت عدّتِ موت گزار رہی ہے اس کا لڑکا اور بہن بیمار رہیں اور علاج وغیرہ کے لئے کوئی مرد وغیرہ گھر میں ہے نہیں تو وہ حکیم کو مریضوں کی اطلاع کے لئے اور دوا کے لئے جاسکتی ہے یا نہیں؟ فقط والسّلام

حافظ ولی محمد قنوجی

الجواب

ضرورتِ نفقہ کے علاوہ نکلنے میں اختلاف ہے اس لئے احتیاط اس میں ہے کہ صورتِ مذکورہ میں مکان سے باہر نہ جائے لیکن جب دوا وغیرہ کا انتظام کوئی اور نہ کرے اور دوا نہ کرنے سے مرض بڑھنے کا اندیشہ ہو یا خود اس عورت کو بدون علاج کے پریشانی ہو تو دوسرے قول پر عمل کرنے کی گنجائش ہے۔ سخت ضرورت کی مقدار چلی جایا کرے

ففی البحر الرائق (صـ ۱۵۳ ج ۴) بعد نقل کلام فتح القدیر (حتی لو کان عندھا کفایتھا صارت کالمطلقۃ فلا یحل لھا ان تخرج لزیارۃ ولا لغیرھا لیلاً ولا نھارًا) فالظاھر من کلامھم جواز خروج المعتدۃ عن وفاۃ نھارًا ولو کانت قادرۃ علی النفقۃ الخ واللہ اعلم

احقر عبد الکریم عفی عنہ

۱۱ شوال ۴۴ھ

دو بیویوں میں سے ایک کے مکان پر شوہر کا انتقال ہو جائے جبکہ دوسری بیوی بھی بغرضِ عیادت وہیں مقیم ہو تو وہ عدت کہاں پوری کرے

سوال: کیا فرماتے ہیں علماء دین و مفتیانِ شرع متین اس صورت میں کہ

حمد اللہ خاں مرحوم کی دو بیویاں ہیں اور دونوں بیویوں کو ان کے شوہر حمد اللہ خاں نے دو مکانات ان کی سکونت کے واسطے علیحدہ علیحدہ بنا دیئے ہیں جن میں وہ رہتی ہیں اور دونوں مکانات میں فاصلہ تقریباً دو سو قدم کا ہے۔ ایک بیوی مرض الموت حمد اللہ خاں میں دوسری بیوی کے مکان میں جس میں حمد اللہ خاں فوت ہوئے تیمار داری کے واسطے گئی تھی کہ حمد اللہ خان فوت ہوگئے اور دونوں بیویوں میں موافقت بھی نہیں ہے اب جو بیوی دوسری کے مکان میں اپنے مکان سے گئی ہوئی ہیں ان کو اپنے مکانِ مسکونہ میں آکر عدت پوری کرنی جائز ہے یا نہیں ؟ یا اسی مکان میں جس میں حمد اللہ خاں کی فوتی ہوئی عدت پوری کرنی چاہیئے ۔ بیّنوا توجروا ۔ فقط

سائل : احسان اللہ ولد حمد اللہ خان مرحوم
از گڑھی عبد اللہ خان، ضلع مظفر نگر

الجواب

صورتِ مسئولہ میں اس بیوی کو اپنے مکان میں چلا جانا جائز ہے[1] ۔

قال فی الدر : طلقت او مات وھی زائرۃ فی غیر مسکنھا عادت الیہ فوراً لوجوبہ علیھا و تعتدان ای مطلقۃ او معتدۃ الموت فی بیت وجبت فیہ ولا یخرجان منہ الا ان تخرج الخ

قال الشامی : (قولہ فی بیت وجبت فیہ) و ما یضاف الیھا بالسکنیٰ قبل الفرقۃ الخ

فیہ ایضاً : قبل ذلک تحت قولہ (ولا تخرج من بیتھا الخ) ما نصّہ والمراد ما یضاف الیھا بالسکنیٰ حال وقوع الفرقۃ والموت (ھدایہ ص ۱۰۲۱ ج ۲) واللہ اعلم

حررہ الاحقر ظفر احمد عفا عنہ از تھانہ بھون

۷ ر جمادی الاول ۴۶ھ

---

[1] بلکہ واجب ہے ، اشرف علی

بَابُ ثبوت النّسبِ و مُدّة الحَمل

حکمِ نکاحِ زنِ مطلقہ کہ حاملہ شد و بیانِ نسبِ ولدِ آن کہ از زوج باشد یا نہ در صورتِ اقرار و انکارِ او۔

سوال: کیا فرماتے ہیں علماءِ دین بابت مسئلہ صورتِ ذیل کے وہ یہ کہ زید ھندہ کو جو کہ باقر کی منکوحہ ہے باقر کے گھر سے پوشیدہ نکلوا کر بھگا لایا۔ غالباً عرصہ دو سال سے زید ہی کے پاس ہے اور باقر کو بھی پتہ چل گیا۔ جھگڑا آپس میں یا شاید قانونی چارہ جوئی کی ہوگی، عرصہ سے چلا آرہا ہے آخر نتیجہ یہ نکلا کہ زید کی جانب سے باقر کو کچھ روپیہ دے کر اس سے طلاق لے لی ہے۔ اس عرصہ میں (یعنی بحالتِ نزاع) ہندہ کو حمل رہا اور ساقط بھی ہو گیا جو کہ نہ معلوم باقر سے تھا یا زید سے وہ تو کہتی ہے کہ زید سے تھا اب وہ دوبارہ پھر حاملہ ہے بظاہر تو یہی خیال گزرتا ہے کہ یہ حملِ ثانی تو ضرور زید ہی سے ہوگا اور چونکہ خود بھی اقرار کرتی ہے اور نیز دوسرے باقر کا رہنا دور دوسرے شہر میں ہے اور زید کے گھر میں بلا تکلیف آنا بھی مشکل ہے اب ہندہ اور زید چاہتا ہے کہ ہم دونوں کا نکاح ہو جائے۔ لہٰذا عرض یہ ہے کہ اس ہندہ کی عدت کیا ہوگی تین حیض یا وضعِ حمل اور اس صورت میں یہ حملِ ثانی زید کا قرار دیا جائیگا یا باقر کا۔ اور چونکہ ثبوتِ نسب میں احتیاط مزید ہے جیسا کہ حضرت مولانا نے ایک دفعہ رسالہ "الامداد" میں تشریح کی تھی کہ میاں کو پردیس میں برسیں گزر گئیں اور گھر میں بچہ پیدا ہو گیا تو اسی کا کہلائیگا اس طرح یہاں بھی یہ احتمال ہو سکتا ہے یا نہیں؟ کہ عجب نہیں ھندہ کا خاوند کسی طریق سے اس سے ہم بستر ہو گیا ہو اور وہاں ھندہ کے اس قول کا اعتبار ہوگا یا نہیں کہ یہ موجودہ حمل زید کا ہے۔ یا باقر سے معلوم کرنے کے بعد باقر کے قول کا اعتبار ہوگا۔ اگر باقر کا قول معتبر ہوگا تو انکار کی صورت میں تہمت کی وجہ سے لعان تو نہ ہوگا اول تو بایں وجہ کہ چونکہ پیشتر اس تحقیق کے طلاق وہ دے چکا۔ غرضیکہ باقر سے تحقیق کی ضرورت ہے یا محض زید اور ہندہ کے قول کا اعتبار ہوگا۔ امید کہ ان کے نکاح و عدّت وغیرہ کے متعلق بالتشریح مطلع فرمائیں گے اور اگر حضرت مولانا مدظلہم اللہ تعالیٰ کے دستخط بھی کرا دیں تو عوام کے لئے بھی مزید باعثِ اطمینان ہوگا اور اگر اتفاق سے حضرت سفر میں ہوں تو آں جناب ہی جواب باصواب سے جلد مشرف فرمائیں۔ اور وہاں کیا طلاق میں طلاق نامہ تحریر

شدہ مع ثبت انگوٹھا مُہر دستخطوں کے ہو تو محض تحریر کا اعتبار کرلیا جائیگا یا نہیں ؟ بینوا توجروا۔ فقط

الجواب

صورتِ مسئولہ میں اس عورت کی عدّت وضع حمل ہے قبلِ وضع حمل زید کو اس سے نکاح کرنا جائز نہیں اور اگر وقتِ طلاق سے چھ ماہ سے کم میں بچہ پیدا ہوا تو وہ باقر ہی سے ثابت النسب ہوگا خواہ وہ اقرار کرے یا انکار کرے اور اگر وقتِ طلاق سے چھ ماہ کامل یا زیادہ میں پیدا ہوا مگر دو سال کے اندر اندر ہی پیدا ہوگیا اور اس عرصہ میں عورت نے اپنی عدت تمام ہونے کا بھی دعویٰ نہ کیا تھا تو اس صورت میں بھی لڑکا باقر ہی کا ہوگا خواہ یہ مطلقہ رجعی ہو یا مطلقہ بائنہ۔ اور اگر وقتِ طلاق سے دو سال پورے یا زیادہ میں پیدا ہوا تو مطلقہ بائنہ ہونے کی صورت میں بدون اقرار باقر ثبوتِ نسب نہ ہوگا اور مطلقہ رجعیہ ہونے کی صورت میں اس وقت بھی نسب زوج سے ثابت ہوگا۔ اور اگر عورت وضع حمل سے پہلے انقضاء عدّت کا دعویٰ کردے دراں حالیکہ یہ دعویٰ طلاق سے ساٹھ دن یا زیادہ گزر جانے کے بعد ہو تو اگر اس دعویٰ کے بعد چھ ماہ سے کم میں بچہ پیدا ہوا تب بھی شوہر اول ہی سے ثابت النسب ہوگا اور اگر دعویٰ انقضاء عدت کے بعد چھ ماہ کامل یا زیادہ میں بچہ پیدا ہوا تو پھر باقر سے ثبوتِ نسب نہ ہوگا۔ باقی اس صورت میں ھندہ اور زید کے اس قول کا اعتبار نہ ہوگا کہ یہ حمل باقر کا نہیں بلکہ زید کا ہے اور باقر سے پوچھنے کی بھی ضرورت نہیں بلکہ وضع حمل سے پہلے ھندہ کا نکاح کسی طرح زید سے درست نہیں۔ اور جن صورتوں میں ثبوتِ نسب کا حکم دیا گیا ہے ان میں اگر باقر اس حمل کو اپنے سے نفی کرے تو مطلقہ رجعیہ ہونے کی صورت میں لعان کا حکم ہے اور مطلقہ بائنہ کی صورت میں لعان بھی نہیں ہوسکتا کیونکہ لعان کے لئے بقاءِ زوجیت شرط ہے۔ بلکہ ہندوستان میں مطلقہ رجعیہ سے بھی لعان نہیں ہوسکتا کیونکہ اس کے لئے دارالاسلام اور قاضی شرط ہے۔ وھما منتفیان ھٰہنا۔ اور جب لعان نہ ہوسکے تو ولد زوج اول سے ہی ثابت النسب ہوتا ہے اب اس کی نفی کسی طرح نہیں ہوسکتی۔ البتہ جن صورتوں میں ثبوت النسب من الباقر کا حکم دیا گیا ہے اگر ولادت کے بعد باقر ولادت ہی کا انکار کردے اور یہ کہدے کہ اس عورت نے کچھ نہیں جنا یہ جھوٹ کہتی ہے کہ میں نے بچہ جنا ہے تو ثبوتِ نسب کے لئے اس میں یہ شرط ہے کہ یا تو طلاق کے وقت حمل ظاہر ہو یا ظاہر نہ ہو مگر زوج نے حمل کا اقرار کرلیا ہو یا اقرار نہ کیا ہو مگر مدت کے اندر ولادت واقع ہونے پر شہادت قائم ہوجائے جس میں صرف دایہ کی شہادت کافی نہیں بلکہ

دو مرد یا ایک مرد اور دو عورتیں ضروری ہیں اور جب وہ حمل کا یا مدت کے اندر ولادت کا اقرار کرے تو پھر اس کا یہ کہنا کہ یہ بچہ میرا نہیں یا حمل مجھ سے نہ تھا معتبر نہ ہوگا بلکہ لعان کی ضرورت ہوگی مطلقہ رجعیہ میں اور مطلقہ بائنہ میں اس کی بھی ضرورت نہیں اور ہم کہہ چکے ہیں کہ ہندوستان میں لعان نہیں ہوسکتا۔ اس لئے نفی ولد کی کوئی صورت نہیں ۔

الدلائل

قال فی الدر : فیثبت نسب ولد معتدۃ الرجعی ولو بالاشہر لإیاسها و ان ولدت لا کثر من سنتین ما لم تقر بمضی العدّة والمدّة تحتمله (ای تحتمل المضی بان تکون ستین یومًا علی قول الامام وتسعة وثلاثین علی قولهما ثم جاءت بولد لایثبت نسبه إلا اذا جاءت به لاقلّ من ستّة اشهر من وقت الاقرار فانه یثبت نسبه للتیقن بقیام الحمل وقت الاقرار فیظهر کذبها وکذا هٰذا فی المطلقة البائنة والمتوفی عنها اذا ادعت انقضائها ثم جاءت بولد لتمام ستة اشهر لایثبت نسبه ولاقل یثبت اھ (شامی) کما یثبت بلادعوة احتیاطًا فی مبتوتة جاءت به لاقل منهما من وقت الطلاق لجواز وجوده وقته ولم تقر بمضیها کما مرّ ولو لتمامهما لا الا بدعوته لانه التزمه وان لم تصدقه المرأة لا فی روایة (ای فی ان الولد منه اھ شامی) وهی الاوجه اھ

(ص ١٠٢٦ تا ١٠٢٨-ج ٢)

وفیه ایضًا : ویثبت نسب ولد المعتدة بموت او طلاق ان جحدت ولادتها بحجة تامة واکتفیا بالقابلة قیل وبرجل اوحبل ظاهر وهل تکفی الشهادة بکونه کان ظاهرًا فی البحر بحثًا نعم او اقرار الزوج به ای بالحبل ولو انکر تعیینه تکفی شهادة القابلة اجماعًا اھ

(ص ١٠٣٠ ج -٢)

وفیه ایضًا : وسیجیئ فی الاستیلاد ان الفراش علی اربع مراتب (ضعیف، وهو فراش الامة لایثبت النسب فیه الا بالدعوة۔ ومتوسط، وهو فراش ام الولد فانه یثبت فیه بلادعوة لکنه ینتفی بالنفی۔ وقویّ، وهو فراش المنکوحة ومعتدة الرجعی فانه فیه لاینتفی الا باللعان۔ واقوٰی، کفراش معتدة البائن فان الولد لا ینتفی فیه اصلاً لان نفیه متوقف علی اللعان وشرائط اللعان الزوجیة اھ شامی (ص ١٠٢٧ ج -٢)

وفی الدر : فمن قذف فی دار الاسلام زوجته (اخرج دار الحرب لانقطاع الولایة اھ شامی) العفیفة عن فعل الزنا تهمته او من نفی نسب الولد وطالبته به لاعن اھ۔ ویسقط اللعان بالطلاق البائن ثم لا یعود وکذا یسقط بزناها ووطیها بشبهة اھ

وفی الدر ایضاً : ومتی سقط اللعان بوجه ما (کعدم صلاح احدهما للشهادة او عدم الاحصان شامی) لم ینتف نسبه ابداً اھ (ص ۹۷۴ ج -۲ باب اللعان)

هذا واللہ اعلم وعلمه اتم واحکم

حرّرہ الاحقر ظفر احمد عفا اللہ عنہ۔ از تھانہ بھون

۱۷ رجب ۴۲ھ

مدّتِ حمل حنفیہ کے نزدیک زیادہ سے زیادہ دوسال ہے اس پر شبہ اور اس کا جواب

سوال : عرض اینکہ درمیانِ زنان مشہور است کہ حملِ زن گاہے خشک شود، بعضے ۳ سال خشک باشد، بعضے چار سال بعضے زیادہ ازان ہم خشک باشد باز در شکم تازہ شود وبچہ تولّد شود این سخن درست است یا نہ حال آنکہ در کتب مسطور است کہ "اکثر مُدّة الحملِ سنتان" واین ہم مشہور است کہ تا زمانیکہ حمل خشک باشد زن راحیض ہم میشود این سخن ہم راست است یا نہ؟ مع آنکہ در کتب مذکور است کہ "ما رأته الحاملُ من الدّم فهو استحاضة" بیّنوا توجروا۔

السّائل : رسول شاہ۔ ڈاکخانہ نہ وضلع کوہاٹ
موضع ڈھوڈھ

الجواب

قال الزیلعی : واخرج الدارقطنی ومن جهته البیهقی عن الولید بن مسلم قال : قلت : لمالك بن انس ای حدیث عن عائشة انها قالت : لاتزید المرأة فی حملها علی سنتین قدر ظل المغزل فقال : سبحان اللہ من یقول هذا هذه جاءتنا امرأة محمد بن عجلان امرأة صدق وزوجها رجل صدق حملت ثلاثة ابطن فی اثنی عشر سنة کل بطن فی اربع سنین اھ (ص ۵۱ ج -۲، نصب الرایہ)

اس سے معلوم ہوا کہ دوسال سے زیادہ مدت تک حمل کا بطن میں رہنا امام مالک رح

کے نزدیک بھی ممکن ہے۔ اس لئے ممکن ہے کہ عورتوں میں جو حمل کے خشک ہو جانیکا قصہ مشہور ہے یہ بھی کسی درجہ میں اصل رکھتا ہو۔ مگر حنفیہ نے حضرت عائشہ رضؓ کے اثر کی وجہ سے مدتِ حمل کو دو سال سے زائد نہیں مانا۔

اخرج البیہقی ثم البیہقی فی سننہا من طریق ابن المبارك عن داوٗد بن عبد الرحمن عن ابن جریج عن جمیلة بنت سعد عن عائشة رضؓ قلت: ما تزید المرأة فی الحمل علی سنتین قدر ما یتحول ظل عمود المغزل اھ (زیلعی ص ۵۱ ج-۲) قلتُ: سند صحیح رجاله رجال الصحیح وجمیلة بنت سعد صحابیة استشهد ابوها یوم احد وهی حمل تزوجت زید بن ثابت الامام ذکرها الحافظ فی الاصابة فی القسم الاول (ص ۴-ج ۸) - وفی حاشیة الهدایه والظاهر ان عائشة رضی الله تعالیٰ عنها قالته سماعًا لان العقل لا یهتدی الی معرفة المقادیر اھ (ص ۱۳۴ ج - ۲)

پس جس صورت میں عورتیں یہ دعوی کریں کہ حمل خشک ہو گیا تھا حنفیہ وہاں یہ کہیں گے کہ خشک ہونے سے پہلے جس کو تم نے حمل سمجھا تھا وہ حمل ہی نہیں تھا بلکہ نفخ یا پانی ہو گا جس کو غلطی سے حمل سمجھ لیا گیا پھر اس کو خشک مان کر خواہ مخواہ مدتِ حمل دو سال سے بڑھادی کیونکہ حمل میں نفخ کا احتمال بھی کچھ بعید نہیں۔

قال فی الفتح: اذ یحتمل کونه نفخًا او ماءً وقد اخبرنی بعض اهلی عن بعض خواصها انه ظهر بها حمل واستمر الی تسعة اشهر ولم یشککن فیه حتی تهیأت له بتهیئة ثیاب المولود ثم اصابها طلق وجلست الدایة تحتها فلم تزل تعصر العصرة بعد العصرة وفی کل عصرة تصب الماء حتی قامت فارغةً من غیر ولد اھ (شامی ص۹۷۲ ج ۲) - قلتُ: وهذا هو جوابنا عن واقعة امرأة محمد بن عجلان وهو ظاهر التقریر۔ والله اعلم

اکثر مدّتِ حمل کے بعد اور نکاحِ ثانی سے اقل مدّتِ حمل کے اندر بچّہ پیدا ہوا تو اس کا نسب شوہر متوفیٰ سے ثابت ہو گا یا ناکحِ ثانی سے ؟

سوال: ہمارے اطراف میں ایک منکوحہ کا حمل چھ یا سات مہینہ کی مدت کے بعد سوکھ گیا اور تین مہینہ کے بعد اس کے شوہر کا انتقال ہو گیا پھر تین برس کے بعد جس کے اندر مہینہ دو مہینہ کے فاصلہ پر کبھی کبھی خون بھی ظاہر ہوا دوسرے ایک مرد سے بغیر اطلاع دیئے صورت

صورہ کے ایک قاضی صاحب اور دو گواہ کے مقابل میں نکاح کیا اور نکاح ثانی سے دو مہینہ بعد پھر اگلا حمل ظاہر ہوا خوب احتمال ہے کہ چھ مہینے کے اندر ہی وضع حمل ہوگی۔ اب بحسب شرع شریف کہ اس منکوحہ اور نکاحِ ثانی پر کیا حکم ہے اور وہ ولد جو کہ مدتِ مذکورہ میں پیدا ہوئے ثابت النسب کس سے ہے اور حالتِ مذکورہ میں نکاح منعقد ہوا یا نہیں اگر نہیں ہوا تو قاضی صاحب پر کیا حکم ہے؟ لوجہ اللہ جواب عنایت فرماکر ممنون فرمائیں توجروا عند اللہ العزیز۔ زیادہ آفتابِ ہدایت برسرِ عالمان تابان و درخشان باد۔ بالنّون والصّاد۔

الجواب

اگر نکاحِ ثانی کے بعد چھ ماہ سے قبل بچہ پیدا ہوا تو زوج ثانی کا نہیں ہو سکتا۔ اور چونکہ زوجِ اول کی وفات سے دو سال بعد اس کی پیدائش ہے اس لئے اس کی طرف بھی منسوب نہیں ہو سکتا۔

فی الدر: (واقلّها ستّة اشهر اجماعًا ص۱۰۲۵) (و) یثبت نسب ولد معتدة (الموت لاقل منهما من وقته) ای الموت و قال الشامی تحت قوله لاقل منهما: ای من سنتین ص ۱۰۲۹ ج-۲)

اور جب عدتِ وفات ختم ہو چکی کیونکہ تین سال گزر چکے وفاتِ زوج کو اور دو سال سے زائد زوجِ اول کا حمل نہیں رہ سکتا تو اس کا نکاح ثانی جائز ہو گیا مگر چونکہ محض روایات اس کے خلاف بھی ملی ہیں اس لئے احتیاطًا اس عورت کا نکاح بعد وضع حمل کے دوبارہ پڑھ لینا ضروری ہے اگر وضع حمل زوج ثانی کے دخول سے ۶ ماہ سے پہلے ہو۔ اور یہ جواب قواعد سے دیا گیا ہے جزئیہ نہیں ملا لهٰذا دوسرے علماء سے بھی دریافت کر لیا جائے۔ واللہ اعلم

کتبہٗ الاحقر عبد الکریم عفی عنہ
۱۶ر محرم ۴۴ھ

الجواب صحیح
ظفر احمد عفا عنہ۔ ۱۶ر محرم ۴۴ھ

تفصیل الجواب

قال فی البحر: (ص ۱۴۳ ج-۱) وان کان (الوضع) لاکثر من سنتین منذ طلقها الاول ولاقلّ من ستة اشهر منذ دخل الثانی لم یلزم الاول

ولا الثانی بقی مالو جاءت به لاقل من سنتین من طلاق الاول وستة اشهر من دخول الثانی و ینبغی الحاقه بالاول اھ

و فی العالمگیریة : عدة الحامل ان تضع حملها کذا فی الکافی سواء کانت حاملاً وقت وجوب العدّة اوحبلت بعد الوجوب کذا فی قاضی خان وسواء کانت عن طلاق او وفاة او متارکة او وطئ بشبهة کذا فی النهر۔ وسواء کان الحمل ثابت النسب ام لا۔ و یتصوّر ذلك فیمن تزوّج حاملاً من الزنا کذا فی السراج الوھّاج اھ (ص ۱۵۹ - ج ۲)

اس سے معلوم ہوا کہ ۱ زوج اول کی طلاق یا موت سے دو سال بعد اور زوجِ ثانی کے دخول سے ۶ ماہ پہلے اگر بچہ پیدا ہوا تو وہ کسی سے ثابت النسب نہ ہوگا ۲ انقضاء عدت حاملہ کے لئے وضع حمل شرط ہے خواہ حمل ثابت النسب ہو یا نہ ہو۔ اب رہا یہ کہ نکاح ثانی صحیح ہوا یا نہیں تو چونکہ قبل موت زوج اول یہ عورت حاملہ تھی جو خشک ہو گیا تھا اس لئے اس کی عدّت وضع حمل کے سوا کچھ نہ تھی اور اس کا نکاح ثانی عدت میں ہوا اس لئے صحیح نہیں۔ رہا یہ کہ حنفیہ کے یہاں تو اکثر مدتِ حمل دو سال ہے تو اس صورتِ مسئولہ میں تین سال تک اس کو حاملہ من الاول کیسے مانا جائیگا۔ اس کا جواب یہ ہے کہ یہ مدت لزومِ نسب کے لئے ہے کہ اس سے زائد میں نسب زوج پر لازم نہ ہوگا باقی انقضاءِ عدت کے لئے نص سے وضع حمل معین ہے پس خشک حمل کے وضع کے بغیر مقتضاءِ نص یہ ہے کہ عدّت تمام نہ ہوگی

قال ابن عابدین فی حاشیة البحر : قال فی النهر : فرع لو مات الحمل فی بطنها و مکث مدة بماذا تنقضی عدتها لم ار المسئلة وینبغی ان تبقی معتدة الی ان ینزل او تبلغ مدّة الایاس اھ ۔ قال بعض الفضلاء قوله او تبلغ مدة الایاس فیه انه مناف الآیة فتأمل اھ

و فی حاشیة الرملی نقلاً عن کتب الشافعیة لا تنقضی مع وجوده بعموم الآیة قال : ولا مبالاة بتضررها بذلك کما فی شرح المنهاج للرملی ۔

و فی حاشیة المنهج لابن قاسم : قال شیخنا الطبلاوی رحمه الله : افتی جماعة عصرنا بتوقف انقضاء عدّتها علی خروجه والذی اقوله عدم التوقف اذا یئس من خروجه لتضررها بمنعها من التزوج اھ ولا شئ من قواعد مذھبنا یدفع ما قالوه فاعلم ذلك اھ ملخصاً (ص س ۱۳۳ ج - ۴)

اس سے معلوم ہوا کہ وجود حمل خواہ میت ہی مانع انقضاء عدت ہے اور یہ کہ انقضاء عدت میں دو سال کی مدت معتبر نہیں اور یہ نہیں کہا جا سکتا کہ حمل میت حمل ہی نہیں کیونکہ جماعتِ فقہاء نے اس کو عموم آیت "حَتّٰى يَضَعْنَ حَمْلَهُنَّ" کے تحت ہیں داخل کر کے مانع انقضاء کہا ہے پس حمل خشک بھی اسی کے مثل ہے بلکہ اس کا حمل ہونا بہ نسبت میت کے اظہر ہے اور جب وہ بوجہ حمل ہونے کے مانع ہے تو اس کا مانع ہونا اولیٰ ہے۔ اور علامہ خیرالدین نے فتویٰ شافعیہ کو نقل کر کے کہا ہے کہ یہ ہمارے قواعد کے خلاف نہیں۔ اس سے معلوم ہوا کہ انقضاء عدت کا دو سال سے زائد مدت پر موقوف ہونا ہمارے قواعد کے خلاف نہیں اس سے اس تاویل کی تائید ہوتی ہے جو احقر نے اول میں لکھی ہے کہ یہ تخصیص مدّت لزوم نسب کے لئے ہے۔

وقال فی رد المحتار بعد ذکرہ الاقوال المذکورۃ وبه ظهر انّ المراد من قوله او تبلغ حدّ الایاس هو الایاس من خروجه وهل المراد منه نهایة حدّ الحمل وهو اربع سنین عند الشافعیة وسنتان عندنا او اعم من ذلك محتمل والذی ینبغی العمل بما قاله الجماعة لموافقته صریح الآیة اھ (ص۹۹٦ ج ۲)

اس سے بھی ظاہر ہوا کہ علامہ شامی کے نزدیک راجح یہی ہے کہ صورتِ مذکورہ میں انقضاء عدّت وضع حمل وخروج ما فی البطن پر مطلقاً موقوف ہو اس ہیں نہایت مدتِ حمل کا اعتبار نہ ہو گا کیونکہ صریح آیت یہی ہے کہ عدت حاملہ وضع حمل ہے

وقد ذکرنا عن العالمگیریة: ان کون الحمل ثابت النسب غیر ضروری قلتُ: وهذا هو الراجح عندی ای ما قاله العلاّمة الشافعی۔ البتہ بحر میں خانیہ سے ایک جزئیہ نقل کیا ہے جس سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ دو سال جو مدتِ حمل مقرر ہے وہ لزومِ نسب کے لئے بھی ہے اور انقضاءِ عدت کے لئے بھی

ونصّه فی الخانیة: المتوفی عنها زوجها اذا ولدت لاکثر من سنتین من وقت الموت یحکم بانقضاء عدتها قبل الولادة بستّة اشهر وزیادة فتجعل کانها تزوّجت بزوج آخر بعد انقضاء عدتها وحبلت من الثانی اھ (ص۱۳٦ ج-۴) ای لا نسیئ الظن بها بل نجعلها متزوّجة سرا کمسئلة الشرقی مع المغربیة ولا نجعلها حاملا اکثر من سنتین وهذا اوسع والاول احوط۔

اس روایت کا مقتضاء یہ ہے کہ صورتِ سوّال میں مسماۃ مذکورہ کا نکاحِ ثانی صحیح

ہو گیا۔ بہر حال صحت نکاح ثانی مختلف فیہ ہے لہٰذا دوبارہ نکاح پڑھ لینا خروج عن الخلاف کے لئے ضروری ہے باقی نکاح خوان کو تو کسی صورت میں بھی گناہ نہیں ہوا کیونکہ اس کو صورت حال کی اطلاع ہی نہ تھی۔ والذی قلنا من صحۃ النکاح وعدمہ کلہ من القواعد ولم نجد جزئیۃ صریحۃ فیہ فلیتحقق و لیحرر من غیرنا ایضاً۔ واللہ اعلم۔

حرّرہ الاحقر ظفر احمد عفا عنہ۔

از تھانہ بھون۔ ۲۵ر محرم سنہ ۱۳۴۴ھ

حکم نفی نسب بتہمتِ زنا وبیان احکامِ نسب

سوال: زید نے اپنی بیوی ھندہ حاملہ کو یہ کہہ کر طلاق دیدی کہ یہ حمل حرام کا ہے میرا نہیں۔ ھندہ اپنے میکہ چلی آئی اور وہاں اس کی لڑکی پیدا ہوئی۔ اب دریافت طلب امر یہ ہے کہ یہ لڑکی زید سے ثابت النسب ہوگی یا نہیں؟ زید اور زید کی والدہ اور اس کے دیگر اعزّہ سے بطور وراثت کے کچھ پائے گی یا نہیں؟ قول مفتیٰ بہ تحریر فرمائیں۔

الجواب

صورتِ مسئولہ میں زید پر لعان واجب ہوتا۔ اگر یہ جگہ دار الاسلام میں ہوتی اور یہاں قاضی اسلام موجود ہوتا جب، بوجہ دار الحرب اور قاضی اسلام نہ ہونے کے لعان نہیں ہوسکتا بلکہ اب تو چونکہ زوجہ طلاق کی عدّت پوری ہونے سے مطلقہ بائنہ ہوچکی ہے تو دار الاسلام میں بھی لعان نہیں ہوسکتا۔ تو شوہر کے نفی کرنے سے حمل یا ولد منتفی نہیں ہوسکتا۔ بلکہ یہ لڑکی زید ہی کی لڑکی ہے اور شرعاً وہ زید سے اور زید کے خاندان سے حقِ وراثت پانے کی کامل مستحق ہے۔

قال فی الدر: الفراش علی اربع مراتب: (الی ان قال) وقوی وھو فراش المنکوحۃ ومعتدۃ الرجعی فانہ فیہ لا ینتفی الا باللعان۔ واقوی، کفراش المعتدۃ البائن فان الولد لا ینتفی فیہ اصلاً لان نفیہ متوقف علی اللعان ومن شرائط اللعان الزوجیۃ اھ (ص ۱۰۲۷ ج ۲)

وفیہ ایضاً: متی سقط اللعان بوجہ ما (کعدم صلاح احدھما للشہادۃ او عدم الاحصان) لم ینتف نسبہ ابداً اھ (ص ۹۷۴ ج-۲، باب اللعان مع الشامی)

حررہ الاحقر ظفر احمد عفا عنہ از تھانہ بھون

۲۷ر رجب سنہ ۱۳۴۵ھ

ثبوتِ نسب کی ایک صورت کا حکم

سوال: کیا فرماتے ہیں علماءِ دین و مفتیانِ شرع متین اس مسئلہ میں کہ ایک شخص اپنے وطن سے پردیس چلا گیا وہ کہتا ہے کہ قبل روانگی میری، میری

اہلیہ ۵ - ٦ یوم پیشتر حیض سے فارغ ہوئی بعد فراغت مواصلت ہوتی رہی بعد ازاں ۱۵ ذی الحجہ کو میں پردیس چلا گیا۔ بعد میرے جانے کے ماہِ محرم الحرام میں میری زوجہ کو گم ہیضہ ہوگیا زندگی کی امید باقی نہ رہی تین مرتبہ دم رُک گیا لیکن بفضلہ تعالیٰ چھ یوم کے بعد رُو بصحت ہوئی مگر صحت کلی نہ ہوئی کبھی حالت ان کی اچھی اور کبھی طبیعت ناساز ہوجایا کرتی رہی علاج ابتداء سے ہوتا رہا یعنی قرب وجوار کے حکماء واطبّاء کا علاج نہایت سعی وکوشش کے ساتھ ہوتا رہا۔ یہ کیفیت مسلسل ایک سال چھ ماہ تک رہی مرض وبا پھر ترقی پذیر ہوا۔ میری زوجہ جب بالکل لاغر ہوگئی اور نشست وبرخاست سے مجبور ہوگئی تو مجھے مطلع کیا اور میری طلبی کے خطوط روانہ کئے۔ میں پردیس سے پورے ایک سال پانچ ماہ ۲۰ یوم کے بعد اپنے وطن پہنچا اور گرد ونواح کے حکماء سے دربارۂ علاجِ مریضہ تذکرہ ومشورہ کیا مگر چونکہ وہ حضرات علاج کرکے پہلے ہی سے مایوس ہوچکے تھے اس لئے ان لوگوں نے مجبوری ظاہر کی مگر ایک صاحب نے جو کہ فی الحال شہر جونپور کے شفاخانہ میں سول سرجن ہیں اور ان کا نام ڈاکٹر محمد حفیظ اللہ ہے مجھے یہ مشورہ دیا کہ تم مریضہ کو اعظم گڈھ کے زنانہ شفاخانہ میں داخل کردو کیونکہ وہاں ایک تجربہ کار لیڈی ڈاکٹر اس وقت موجود ہے علاج معقول ہوجائیگا ساتھ انہوں نے یہ بھی فرمایا کہ اگر خدانخواستہ وہاں صحت یاب نہ ہو تو پھر جونپور کے شفاخانہ میں کہ جہاں میں خود موجود ہوں لیکر آنا میں وہاں کے زنانہ اسپتال میں داخل کرادوں گا ڈاکٹر موصوف کے مشورہ پر میں نے عمل کیا اور مریضہ کو لیجاکر زنانہ اسپتال شہر اعظم گڈھ میں داخل کردیا اور بحکم لیڈی ڈاکٹر چند ایام وہیں مریضہ کے قیام کا انتظام کردیا اور علاج ہونا شروع ہوگیا بعد چند روز کے لیڈی ڈاکٹر نے کہا کہ اب مریضہ کو مکان میں لیجاؤ اور ہر چوتھے روز یہاں سے دوا لیجایا کرو میں نے کچھ مدت تک ایسا ہی کیا اس طرح مریضہ کو رفتہ رفتہ صحت معلوم ہوتی رہی اسی اثناء میں پہلی لیڈی ڈاکٹر کا تبادلہ کسی دوسرے مقام پر ہوگیا اور ان کے قائم مقام دوسری لیڈی ڈاکٹر آئی۔ میں نے مناسب سمجھا کہ مریضہ کو لاکر اس کو بھی معائنہ کرادینا چاہیئے۔ چنانچہ پھر دوبارہ چند ایام وہیں قیام کرکے علاج کیا تو بظاہر کافی صحت معلوم ہونے لگی۔ ایک دن جدید لیڈی ڈاکٹر نے کہا کہ وہ بیماری یعنی ورمِ جگر تو جاتا رہا مگر ابھی اور بیماریاں باقی ہیں اور ان بیماریوں کا علاج بھی ممکن ہے مگر چونکہ مریضہ حمل سے ہے اسلئے تا وضع حمل علاج میں ترددات ہیں۔ ورنہ بچہ ضائع ہونے کا اندیشہ ہے اس وجہ سے میری اہلیہ نے کہا کہ ابھی علاج تا وضع حمل ملتوی رکھا جائے

یہ سوچ کر اہلیہ کو مکان میں لایا اور پھر پردیس چلا گیا۔ اس عرصہ میں بھی صحبت گاہے گاہے ہوتی اور میرے پردیس جانے کے ۴-۵ یوم کے بعد دختر تولد ہوئی، میں نے ہر طرح حساب کیا تو میرے سفر کو ایک برس گیارہ ماہ کئی دن ہوئے ہیں اور دوسری مرتبہ مکان جانے پر صرف پانچ ماہ اٹھارہ یوم قیام رہا۔ اب عرض یہ ہے کہ یہ لڑکی حرامی ہے یا حلالی؟ مفصل و مستند طریقہ سے ساتھ دلیل کے ارسال فرمایا جائے۔ کیونکہ اس کا جھگڑا و فساد کی حالت روز بروز خطرناک ہوتی جارہی ہے اس لئے دلیل طلب ہے، اگر کوئی رسالے اس کے متعلق ہوں تو بذریعہ وی۔ پی ارسال فرمائیں ورنہ اس کا نام بھی تحریر میں لایا جائے، ممکن ہے کہ فریقین میں صلح قائم ہو جائے لہٰذا نہایت ادب کے ساتھ عرض خدمت بابرکت ہوں کہ گستاخی معاف فرما کر جواب باصواب میں بہت عجلت فرمائی جائے۔ واجب تھا عرض کیا۔ عورت سے اس کے شوہر کو خاطری ہے کہ یہ عورت فرمان بردار اور پارسا ہے۔

المرقوم: ۱۵؍ جنوری ۲۹؁ھ

الجواب: اس لڑکی کے حرامی ہونے کی کوئی وجہ نہیں۔ حنفیہ کے یہاں اکثر مدتِ حمل دو سال ہے۔ ایک حمل دو سال تک پیٹ میں رہ سکتا ہے اور اس کی بہت سی نظائر موجود ہیں اور یہ لڑکی شوہر کی مواصلت سے دو سال کے اندر اندر پیدا ہوئی ہے پس اس کی حلالی ہونے میں کوئی شبہ نہیں۔ محض مدّت کے زیادہ ہونے سے بلاوجہ شبہ کرنا جائز نہیں چونکہ زوجہ بعد قیامِ حمل کے سخت بیمار ہو گئی اور اس کی بیماری مسلسل رہی اس لئے بچہ رحم میں جلدی پرورش نہ ہو سکا، دیر میں پرورش ہوئی اس لئے دیر سے پیدا ہوا اور امام شافعیؒ امام مالکؒ اور امام احمد بن حنبلؒ کے نزدیک تو چار سال تک بھی حمل پیٹ میں رہ سکتا ہے پس جو لوگ دیر میں بچہ ہونے سے عورتوں پر شبہ کرنے لگتے ہیں اور ان کی اولاد کو حرامی سمجھنے لگتے ہیں وہ سخت جرم و گناہ کا ارتکاب کرتے ہیں۔

قال اللہ تعالیٰ: وَلَا تَقْفُ مَا لَيْسَ لَكَ بِهٖ عِلْمٌ ط وقال: اِذْ تَلَقَّوْنَهٗ بِاَلْسِنَتِكُمْ وَتَقُوْلُوْنَ بِاَفْوَاهِكُمْ مَا لَيْسَ لَكُمْ بِهٖ عِلْمٌ وَّتَحْسَبُوْنَهٗ هَيِّنًا وَّهُوَ عِنْدَ اللّٰهِ عَظِيْمٌ ۝

وفی الدر المختار ورد المحتار والعالمگیریۃ وغیرہا من کتب الفقہ: اکثر مدۃ الحمل سنتان بخبر عائشۃ رضی اللہ عنہا (ما تزید المرأۃ فی الحمل علی سنتین)

وعند الأئمة الثلاثة اربع سنين (ص ۱۰۲۵ ج ۲) واللہ اعلم

حررہ الاحقر ظفر احمد عفا عنہ از تھانہ بھون
خانقاہِ امدادیہ
۱۰ر شعبان ۴۷ھ

بدون لعان کے نسب منتفی نہیں ہوسکتا

سوال: کیا فرماتے ہیں علماءِ دین ومفتیانِ شرعِ متین رحمکم اللہ تعالیٰ اس مسئلہ میں کہ ایک شخص نے اپنی منکوحہ کو طلاق دیدی بعد ایک سال دو ماہ کے اس سے ایک لڑکا پیدا ہوا لیکن اس نے ایک شخص کو بوقتِ حمل تہمتِ زنا کی لگائی تھی وہ قسم کھا کر بَری ہوگیا ہے اب نسب اس لڑکے کا اس کے شوہر سے ثابت ہوگا یا نہیں بیّنوا توجروا

المستفتی: محمد عبد الغفور۔ مقام خنڈل بہار پاڑہ
پوسٹ آفس خنڈل نیا پاڑہ ضلع اکیب ملک برما

الجواب

صورتِ مسئولہ میں لڑکے کا نسب اس طلاق دینے والے سے ثابت ہے کیونکہ بدون لعان کے نسب منتفی نہیں ہوسکتا اور واقعۂ مذکورہ میں لعان ہوا نہیں بلکہ ان دیار میں بوجہ قاضی نہ ہونے کے لعان ہوتا ہی نہیں (گو حاکم مسلم جو انگریزوں کے مقرر کئے ہوئے ہیں وہ قاضی کے حکم میں ہیں مگر جہاں تک مجھ کو معلوم ہے کہ گورنمنٹ نے حکام کو لعان کا حکم نہیں دیا تاہم اگر لعان ہوا ہو تو سوال دوبارہ بھیجا جائے)

فی العالمگیریہ (ص ۱۵۳ ج-۲) وکذلك اذا كان من أهل اللعان فلم يتلاعنا فانه لاينتفی النسب كذا في شرح الطحاوی۔

علاوہ ازیں جو علماء کرام اس ملک کو دار الحرب کہتے ہیں ان کے نزدیک نفی ولد کی کوئی صورت ممکن نہیں کیونکہ دار الحرب میں لعان نہیں ہے۔ واللہ اعلم

کتبہ الاحقر عبد الکریم عفی عنہ از خانقاہِ امدادیہ تھانہ بھون
مورخہ ۱۲ر ربیع الثانی۔

غیر منکوحہ (داشتہ) کی اولاد کا ثابت النسب نہ ہونا عورت اور اس کی اولاد کا میراث سے محروم ہونا

سوال: زید متوفی کے ایک لڑکا اور لڑکی تو اصلی منکوحہ سے ہیں اور تین لڑکے

ایک لڑکی عورت داشتہ غیر منکوحہ (بغیر نکاح والی) سے ہیں۔ عورت غیر داشتہ اپنے اصل خاوند سے جبرًا طلاق لے کر اور کسی جگہ غیر مردوں سے حرام کر کے ڈھائی تین ماہ کا حمل لیکر زید متوفی کے گھر میں رہی اور عورتِ داشتہ کو جو غیر حرام کا حمل تھا وہ زید متوفیٰ کے یہاں رہ کر ایک حرام کا لڑکا جنا۔ اور اس عورت داشتہ نے زید متوفیٰ کے یہاں رہ کر دو لڑکے اور ایک لڑکی زید متوفی کے نطفہ سے جنا۔ یہ تین لڑکے اور ایک لڑکی زید متوفیٰ کے گھر میں موجود ہیں اور عورت داشتہ کو زید متوفیٰ کے یہاں رہتے ہوئے عرصہ ۳۵ سال کے قریب ہوگیا اور اس عرصہ تک یہ عورت داشتہ زید متوفیٰ کے یہاں بغیر نکاح کے رہی اور اب زید متوفیٰ کا انتقال ہولئے چند ماہ گزر گئے بعد انتقال متوفیٰ کے اس کی اولاد حقیقی اور اولاد عورت داشتہ میں جھگڑا ہوا وراثت پر یہاں تک کہ جھگڑا عدالت میں چلا گیا۔ یہاں پر نکاح خوانی کا یہ قاعدہ ہے، جتنے بھی جے پور میں نکاح ہوئے وہ سب شہر قاضی کے رجسٹر میں درج ہوتے ہیں چیف، عدالت سے نکاح کا رجسٹر طلب کیا تو عورت داشتہ کا مرحوم زید متوفی سے کہیں نکاح ثابت نہیں ہوا۔ اب انصاف عدالت میں یہ ہے کہ شرع محمدی ایک کتاب ہے انگریزی میں، اردو میں اس کا ترجمہ یہ ہے کہ اگر کوئی عورت ۳۰ یا ۳۵ سال بغیر نکاح کے رہے تو اس کا نکاح سمجھا جائیگا اور وہ اور اس کی اولاد ورثہ کی مالک ہوگی۔ اب آپ سے دست بستہ گذارش ہے کہ بحوالہ کتب مع نامِ کتب اور صفحہ کے ارشاد فرمائیں کہ ایسا نکاح جائز سمجھا جائے گا یا نا جائز؟ ورنہ ورثہ کا مالک کون کون ہو سکتا ہے۔ زید متوفیٰ کے ذمہ ایک مہاجن کا کچھ روپیہ قرض تھا۔ زید متوفیٰ نے بوجہ قبضہ جائیداد مہاجن کے اپنے مکانوں کو اس عورت داشتہ کے مہر میں مصنوعی طور پر لکھ دیا کہ مہاجن قبضہ نہ کر سکے اب جس وقت اولاد زید متوفیٰ میں جھگڑا ہوا تو صرف اس سندِ مصنوعی کے علاوہ اور کوئی نکاح کا ثبوت نہیں۔

السائل: محمد بخش پورحر۔ جے پور

الجواب: خدا کی پناہ! کس قدر تحریف ہے جو فقرہ کتاب "شرعِ محمدی" کا درج سوال ہے اس کو دیکھتے ہوئے وہ کتاب "برعکس نہند نامِ زنگی کافور" کی مصداق ہے۔ یہ قانون صراحتًہ شریعتِ مقدّسہ کے خلاف ہے۔ جب تک شرائط کے موافق نکاح نہ ہوا اس وقت تک وہ حرام کاری رہے گی، ہرگز نسب اور نکاح

ثابت نہ ہوگا زیادہ زمانہ گزرنے سے جرم اشد ہو جائیگا نہ کہ اس میں تخفیف۔ یہ بات تو عقل کے بھی بالکل خلاف ہے۔ اس قانون کا خلافِ شرع ہونا ایسا بدیہی ہے کہ اس کے لئے کسی حوالہ کی ضرورت نہیں۔ جملہ اہل اسلام کے نزدیک یہ مسئلہ غلط ہے اور ہر کتاب میں اس کے خلاف مسئلہ موجود ہے۔ حتی کہ قرآن مجید میں ارشاد ہے: وَاُحِلَّ لَکُمْ مَاوَرَآءَ ذٰلِکُمْ اَنْ تَبْتَغُوْا بِاَمْوَالِکُمْ مُّحْصِنِیْنَ غَیْرَ مُسٰفِحِیْنَ۔ غرض یہ کہ یہ عورت اور اس کی اولاد ہرگز وارث نہیں ہو سکتی۔ باقی رہا دوسرا معاملہ یعنی فرضی طور پر مہر میں جائیداد دیدینا سو اس کے متعلق مفصل واقعہ لکھا جائے تو حکم شرعی بتلایا جائیگا۔ یعنی اس کاغذ کی نقل اور اس تحریر کا واقعہ مفصل لکھا جائے تب اس کاغذ کے معتبر ہونے نہ ہونے کا مسئلہ بتلایا جائے گا۔ البتہ اتنا ظاہر ہے کہ جب تک نکاح ثابت نہ ہو جائے اس وقت تک مہر کا ثبوت ممکن نہیں۔ فقط واللہ اعلم

کتبہ الاحقر عبدالکریم عفی عنہ از خانقاہ امدادیہ، تھانہ بھون

۴؍ ربیع الاول ۵۱ھ

تین طلاق ملنے کے بعد ایک عورت نے نکاحِ ثانی کیا۔ زوج نے قبل دخول طلاق دیدی پھر تیسرے شخص سے نکاح کیا، اس نے دخول کے بعد طلاق دی اور انقضاءِ عدّت سے قبل زوجِ اول نے اس کے ساتھ وطی کیا اور عورت حاملہ ہوگئی تو یہ حمل کس سے تصوّر ہوگا۔

سوال: ماقولکم رحمکم اللہ تعالی اندر اینکہ شخصے زوجۂ خود را سہ طلاق دادہ اند باز نکاح خواہد کرد لھذا نکاح ثانی دادہ اند باؤ دخول نیافت طلاق دادہ است چنانچہ بموافق مذہبِ ابوحنیفہ درست نشد لھذا نکاح ثالث دادہ اند باُو وطی یافت نشد و آن ناکح ثالث طلاق داد بعد انقضاء یک حیض زوج اول مطلق وطی نمود نطفہ قرار گرفت و عدت زوج ثالث تمام نیافت و آن حمل آیا آن زوج او باشد یا زوج ثالث بیّنوا بدلیل الکتاب وتوجروا عنداللہ الملک الوہّاب

الجواب

درصورت مسئولہ چونکہ عدّت زوج ثالث تمام نشدہ کہ درمیان عدت آثارِ حمل ظاہر گشت لھذا عدّتِ این مطلقہ وضع حمل است قبل از وضع حمل نکاح زوج اول باین مطلقہ صحیح نخواہد شد واین حمل از زوج ثالث باشد لان الولد للفراش وللعاہر الحجر۔ واللہ اعلم

حررہ الاحقر ظفر احمد۔ از تھانہ بھون۔ ۲۶؍ ذیقعدہ ۴۸ھ

کتابُ الرّضَاع

مسئلہ رضاعت کی ایک صورت **سوال** : زینب اور رقیہ دوعورتیں ہیں زینب کا ایک لڑکا بعمرِ دوسال اور رقیہ کی تین لڑکیاں ہیں اور ایک لڑکا ہے۔ رقیہ کے لڑکے نے زینب کا دودھ پیا اب زینب کے لڑکے کا نکاح رقیہ کی لڑکی سے درست ہے یا نہیں ؟

الجواب

رقیہؔ کے جس لڑکے نے زینب کا دودھ پیا ہے وہ تو زینب کی کسی لڑکی سے نکاح نہیں کرسکتا لیکن زینب کا لڑکا رقیہ کی لڑکیوں میں سے جس سے چاہے نکاح کرسکتا ہے کیوں کہ اس نے رقیہ کا دودھ نہیں پیا۔

اگر ایک لڑکے نے دودھ پیا ہے توجس نے دودھ پیاہے وہی حرام ہوگا یاسب ؟ **سوال** ؛ اگر ایک لڑکے نے دودھ پیا ہے توجس نے دودھ پیا ہے وہی حرام ہوگا یاسب حرام ہوں گے ؟

الجواب

جو لڑکا کسی عورت کا دودھ پیتا ہے اس کی اولاد پر وہی حرام ہوتا ہے اس لڑکے کا دوسرا بھائی جس نے دودھ نہیں پیا اس دودھ پلانے والی کی لڑکیوں پر حرام نہ ہوگا۔

رضاعت کی ایک صورت اوراس کا حکم **سوال** : مسمّاۃ احمدیہ اور مسماۃ کلثوم دوعورتیں ہیں۔ مسماۃ احمدیہ کا ایک لڑکا بنامِ محمد حسین اور مسماۃ کلثوم کا ایک لڑکا بنامِ محمد صدیق اور تین لڑکیاں عظیمہ، کلیمہ، فسیحہ۔ مسمّاۃ کلثوم نے اپنے بیٹے محمد صدیق کو مسماۃ احمدیہ کا دودھ پلایا اس حال میں کہ محمد حسین کی عمر دو ڈھائی سال کی تھی اور محمد صدیق کی عمر چار یا چھ ماہ کی تھی اس صورت میں نکاح محمد حسین کا مسماۃ کلثوم کی کسی لڑکی سے بلا تفصیل ہوسکتا ہے یا نہیں ؟

الجواب

محمد حسین کا نکاح مسماۃ کلثوم کی کسی ایک لڑکی سے جس کو وہ چاہے جائز ہے کیونکہ محمد حسین نے مسمّاۃ کلثوم کا دودھ نہیں پیا ہے اس کے لئے مسمّاۃ کلثوم کی اولاد حرام نہیں

ایضًا، ایضًا، ایضًا **سوال** : مسمّاۃ فاطمہ کی ایک لڑکی بنامِ سائرہ اور مسماۃ فاخرہ

کا ایک لڑکا بنام عین الحق ہے۔ فاطمہ نے عین الحق کو دودھ پلایا اس حال میں کہ عمر عین الحق کی ۵ ماہ کی تھی اور عمر لڑکی فاطمہ کی چھ سال کی تھی اور ایک لڑکا فاخرہ بعمر دس سال ہے۔ علاوہ عین الحق کے اب نکاح دخترِ فاطمہ اور لڑکا فاخرہ جوکہ علاوہ عین الحق کے ہے، درست ہے یا نہیں؟ اس لڑکی سے جس کی عمر ۶ سال کی تھی۔ بیّنوا بسند الکتاب توجروا عند اللہ الوہّاب۔

عبدالعزیز مدرس مدرسہ اسلامیہ مہوا
بسم اللہ خان۔ ضلع بستی۔ ڈاکخانہ بھنڈریار بازار

الجواب

فاخرہ کا جو لڑکا عین الحق کے علاوہ جس نے فاطمہ کا دودھ نہیں پیا اس کا نکاح فاطمہ کی جس لڑکی سے چاہے درست ہے اور عین الحق کا نکاح فاطمہ کی کسی لڑکی سے جائز نہیں۔

قال فی الدر: وتحلّ اخت اخیہ رضاعًا یصح اتصالہ بالمضاف کان یکون لہ اخ نسبی لہ اخت رضاعیة وبالمضاف الیہ کان یکون لاخیہ رضاعًا اخت نسبًا وبھما وھو ظاھر اھ (ص ۶۶۹ ج-۲)

۱۳ شعبان سنہ ۳۱ھ

رضاعی خالہ سے نکاح حرام ہے

سوال: بسمہٖ تعالیٰ، نحمدہٗ ونصلّی علی رسولہ الکریم۔ امّا بعد کیا فرماتے ہیں علماءِ دین و مفتیانِ شرع متین اس مسئلہ میں کہ زید نے خالدہ کا جھوٹا دودھ پیا خالدہ بقضائے الٰہی فوت ہوگئی اس کے ۳ سال بعد مادرِ خالدہ سے دوسری لڑکی آسیہ متولّد ہوئی پس اس سے زید کا عقد ہوسکتا ہے یا نہیں؟ اور خالدہ مرحومہ سے ایک بڑی بہن ہے اس سے زید کا عقد ہوسکتا ہے یا نہیں؟

الجواب

جب زید نے خالدہ کا دودھ پیا تو خالدہ کی ماں اس کی جدہ رضاعیہ اور خالدہ کی بہنیں اس کی رضاعی خالہ ہوگئیں لہٰذا زید کا نکاح خالدہ کی کسی بہن سے نہیں ہوسکتا نہ چھوٹی سے نہ بڑی سے۔ "لانہ یحرم من الرضاع ما یحرم من النسب"

تنہا مرضعہ کی شہادت سے حرمتِ رضاعت ثابت نہیں ہوتی

سوال: نحمدہٗ ونصلّی علیٰ رسولہ الکریم۔ کیا فرماتے ہیں علماءِ دین اس صورتِ مسئلہ میں کہ زید کی دو خالہ زاد بہنیں ہیں ایک چھوٹی خالہ سے جس کا نام "زکیہ" ہے اور دوسری بڑی خالہ سے جس کا نام "علیہ"

ہے اول زید کی نسبت شادی کا خیال اس کے بزرگوں نے "زکیہ" سے کیا مگر والدۂ زید رضامند نہ ہوئی اس زمانہ میں زید کی بڑی خالہ نے زید کی پھوپھی سے کہا کہ میں نے ہر چند والدۂ زید کو سمجھایا کہ وہ زید کی شادی "زکیہ" سے کردیں مگر اس کی حماقت ہے وہ کسی طرح راضی نہیں ہوئی اس کے بعد بزرگانِ زید نے اس کی دوسری خالہ زاد بہن "علیہ" سے اس کی شادی کرنا چاہا مگر اس کی پھوپھی کو شبہ تھا کہ ایک بار "والدۂ علیہ" نے زید کو شیر خوارگی کی حالت میں گود میں لیکر اوپر سے آنچل ڈھک لیا تھا تو شاید دودھ پلادیا ہو "والدۂ علیہ" سے اس شبہ کو ظاہر کیا تو اس نے صاف انکار کیا کہ میں نے زید کو دودھ نہیں پلایا اور اس وقت میری لڑکی کی عمر ساڑھے تین سال تھی اور میرے پستان میں دودھ مطلق نہ تھا اس بیان کے گواہ تین عورتیں اور ایک مرد ہے اب زید کی والدہ "زکیہ" ہی سے زید کی شادی پر رضامند ہیں۔ اس پر زید کی بڑی خالہ یعنی "والدۂ علیہ" نے یہ کہا کہ میں نے زید اور زکیہ دونوں کو دودھ پلایا ہے دونوں کی شادی کیسے ہوسکتی ہے؟

اب سوال یہ ہے کہ آیا اس صورت میں "والدۂ علیہ" پہلے زید اور زکیہ کی شادی میں ساعی تھی اور نیز اپنی لڑکی کے ساتھ شادی کرنے کے لئے وہ زید کو دودھ پلانے سے صراحۃً انکار کرچکی تھی اب ان کا یہ دعویٰ کہ میں نے زید اور زکیہ دونوں کو دودھ پلایا ہے شرعاً معتبر ہوگا حالانکہ زید کو دودھ پلانے کا دعویٰ نہ اس سے پہلے انھوں نے کہیں کیا اور نہ کوئی اس کا گواہ ہے بلکہ خود مدعیہ اس کے خلاف پہلے صاف صاف کہہ چکی ہے۔ بیّنوا توجروا

شریف الحسن عفی عنہ۔ مقیم میرٹھ

مبسملاً وحامداً ومصلیاً

صورتِ مسئولہ میں زید کا نکاح مسماۃ "زکیہ" سے بلاشبہ درست ہے۔

قال فی البحر عن الخانیۃ: وکما لایفرق بینهما بعد النکاح ولاتثبت الحرمۃ بشهادتهن وکذلك قبل النکاح اذا اراد الرجل ان یخطب امرأۃ فشهدت امرأۃ قبل النکاح انها ارضعتهما کان فی سعۃ من تکذیبها کما لوشهدت بعد النکاح اھ (ص ۲۳۲ ج-۲) (الی ان قال) فی (ص ۲۳۳ ج ۳) والحاصل ان الروایۃ قد اختلفت فی اخبار الواحدۃ قید النکاح وظاهر المتون انه لایعمل به وکذا الاخبار برضاع طار فلیکن هو المعتمد فی المذهب اھ

وفی تنقیح الفتاوی الحامدیة عن التنویر والبحر وغیرهما عن القنیة : امرأة کانت تعطی ثدیها صبیة واشتهر ذلک بینهم ثمّ تقول لم یکن فی ثدیي لبنٌ حین القمتها ثدیي ولا یعلم ذلک الّا من جهتها جاز لابنها ان یتزوّج بهٰذہ الصبیة اھ

وفیه أیضاً : حجة الرضاع حجة المال وهو شهادة عدلین أو عدل وعدلتین ولا تثبت بشهادة النساء وحدهن لکن ان وقع فی قلبه صدق المخبر ترک قبل العقد او بعده کما فی البزازیة۔ قال المنقح الشامی : ای ترک احتیاطاً اھ (ص ۳۵ ج-۱)
قلت : ولا احتیاط فی الصورة المسئولة لظهور کذبها وغلبة الظنّ به لوقوع التناقض فی اقوالها فقد اقدمت اولاً علی نکاح زیدٍ بهٰذه الصبیة وسعت له ثم اقدمت علی نکاحه ببنتها۔ وانکرت صریحاً أن تکون أرضعته ثم ادعت الارضاع بعد مدّة فلا یُقبل قولها والحال هذه لأنها أقرت بعدم إرضاعها زیدًا ثم ادعته رجوع عن الاقرار والرجوع بعد الاقرار فی المعاملات لا یصح وصل ام فصل کما فی حاشیة الهدایة (ص ۲۲۳ ج-۳)

وفی الدر من باب الاقرار : اذا أقرّ بشیءٍ ثم ادعی الخطأ فیه لم یُقبل إلا فی مسئلة وهٰذا اقرار الطلاق بناءً علی إفتاء المفتی ثم تبین عدم الوقوع لم یقع دیانةً اھ (ص ۲۳۷ ج-۴) لکونها لا یعلمات الرضاع الا من غیرها ولیست المرضعة کذلک فان الارضاع فعلها لا فعله من غیرها فرجوعها عن اقرارها الاول لا یصح ولا یوجب ایضًا۔ وفی عدة ارباب الفتوی فی نظیر هذه المسئلة ان امرأة ادعت الارضاع ثم انکرت ثم اقرّت ما نصّه لا یعمل بالاقرار بعد رجوعها عنه کما فی شرح التنویر للعلائی والرأی له فی الاقدم والاجتناب ولا یجب علی الحاکم الشرعی منعه بل لو قضیٰ بالتفریق بشهادة امرأین فی الرضاع لم ینفذ قضاءہ کما فی شرح التنویر اھ (ص ۲۲ ج-۱)

حاصل تمام عبارات کا یہ ہے کہ ایک عورت یا چند عورتوں کے قول سے ثبوتِ رضاعت نہیں ہوسکتی۔ پس اگر کوئی شخص کسی لڑکی کو پیغام نکاح دے اور ایک عورت یہ دعویٰ کرے کہ میں نے ان دونوں کو دودھ پلایا ہے تو مرد کو جائز ہے کہ اسے جھوٹا سمجھ لے

بحر الرائق نے لکھا ہے کہ حاصل یہ ہے کہ ایک عورت کا قول باب رضاع میں ظاہر روایت کے موافق معتبر نہیں، یہی معتمد ہے مذہب میں۔ فتاویٰ حامدیہ، بحر اور تنویر وغیرہ نے نقل کیا ہے کہ ایک عورت کسی لڑکی کے منہ میں اپنی پستان دیتی ہو اور یہ بات مشہور ہو جائے پھر وہ یہ ہے کہ میری پستان میں دودھ نہ تھا تو اس عورت کے لڑکے کو اس لڑکی سے نکاح جائز ہے۔ فتاویٰ حامدیہ میں یہ بھی لکھا ہے کہ رضاع کا ثبوت دو عادل (نیک) مرد وزن یا ایک عادل مرد اور دو عادل عورتوں سے ہو سکتا ہے۔ فقط عورتوں کے قول سے نہیں ہو سکتا۔ لیکن اگر مرد کے دل میں مخبر واحد کا صحیح ہونا غالب ہو تو احتیاط یہ ہے کہ نکاح نہ کرے۔ میں کہتا ہوں کہ صورتِ مسؤلہ میں احتیاط کی بھی ضرورت نہیں کیونکہ جو عورت اب دعویٰ ارضاع کرتی ہے وہ اس سے پہلے خود زید اور زکیہ کے نکاح میں ساعی تھی اور والدۂ زید کو اس پر آمادہ کرتی تھی۔ نیز یہی عورت اپنی لڑکی کے ساتھ زید کے نکاح پر راضی اور آمادہ تھیں اور اس وقت یہ کہہ چکی تھی کہ میں نے زید کو دودھ نہیں پلایا اور جب اُسے گود میں لیکر آنچل ڈھکا لیا اس وقت میری پستان میں مطلق دودھ نہ تھا کیونکہ اس وقت میرے لڑکی کی عمر ساڑھے تین سال تھی۔ پس جب پہلے صراحۃً ارضاعِ زید سے انکار کر چکی ہے تو اب اس کا یہ قول جو پہلے قول کے صریح مناقض ہے، قابلِ قبول نہیں، نہ اس سے کچھ شبہ جوازِ نکاح میں ہو سکتا ہے جیسا کہ درمختار میں ہے۔ واللہ اعلم

ظفر احمد عفا عنہ
۲۰؍ ربیع الاول ۴۳ھ

نعم الجواب وھو عین الصواب
اشرف علی
۲۰؍ ربیع الاول ۴۳ھ

رضاعت کی ایک صورت

سوال: کیا فرماتے ہیں علماءِ دین ومفتیانِ شرعِ متین اس مسئلہ میں کہ زید اور ھندہ کا نکاح ہوا سات سال کا عرصہ ہو چکا اب چند ماہ سے یہ ظاہر ہوا کہ زید اور ھندہ کو حامدہ نے جو ھندہ کی بھاوج ہے اور زید کے چچا زاد بھائی کی بیوی ہے ان دونوں کو ایامِ رضاعت کے اندر دودھ پلایا حامدہ کا بحلف شرعی بیان ہے کہ میں نے ان دونوں کو متواتر دودھ پلایا جبکہ ان دونوں کی عمریں ایک سال کے اندر تھیں۔ ھندہ کے والدین کے حکم سے اور اس حالت میں کہ مجھے

دودھ کی سخت تکلیف تھی اس کے بعد اپنے شوہر کو بھی دودھ پلانے کی اطلاع دے کر ان سے اجازت حاصل کرلی تھی والدہ زید کا بحلف شرعی بیان ہے کہ حامدہ کا زید کو ایک بار دودھ پلانا بذریعہ اس کی کہلائی مجھے معلوم ہے مگر ہندہ کے دودھ پینے کی بابت مجھ کو کوئی علم نہیں۔ نہ میں نے کسی سے سُنا۔ شوہر حامدہ کا بحلف بیان ہے کہ حامدہ کا ھندہ کو دودھ پلانا مجھے معلوم ہوا تھا اور مجھ سے اجازت بھی لی گئی تھی لیکن زید کے دودھ پینے کے متعلق مجھے کوئی علم نہیں ہوا۔ اس کے علاوہ اور کوئی شہادت اس رضاعت کے متعلق موجود نہیں ہے پس اس صورت میں رضاعت کے ثبوت یا عدمِ ثبوت اور اس نکاح کے جواز یا عدمِ جواز کے متعلق کیا حکم ہے؟ اور چونکہ یہ مسئلہ حلّت وحرمت کا ہے لھٰذا جلد از جلد جواب عنایت فرمائیں۔

المکرر - دوسرے روز ہندہ نے ایک عورت مسمّاۃ ظہورن ملازمہ حامدہ کو پیش کیا کہ زید کو ایک بار اور ھندہ کو متعدّد بار حامدہ کو دودھ پلاتے ہوئے میں نے اپنی آنکھ سے دیکھی ہے اور اس زمانہ میں بھی میں حامدہ کی ملازمہ تھی۔

الجواب

ثبوتِ رضاعت کے لئے ایک مردِ عادل (نیک پابندِ شرع) اور دو عورتیں عادلہ (نیک پابندِ شرع) یا دو مردِ عادل ہونے چاہئیں۔ صورتِ مسئولہ میں حامدہ کے ہندہ اور زید دونوں کو دودھ پلانے پر شرعی شہادت موجود نہیں لہٰذا زید اور ھندہ کا نکاح فتویٰ شرعی سے جائز ہے اور ان دونوں کو تعلقِ زوجیت بھی رکھنا جائز ہے لیکن احتیاط اسمیں ہے کہ زید حالتِ موجودہ میں ھندہ کو طلاق دیکر الگ کردے۔ یہ احتیاط استحباب کا درجہ ہے زید پر ایسا کرنا واجب ولازم نہیں بشرطیکہ زید و ھندہ حامدہ کے فعل کی تصدیق نہ کرتے ہوں اور اگر دونوں یا فقط زید حامدہ کے قول کی تصدیق کرتا ہو تو نکاح فاسد ہوجائیگا۔ اگر دونوں تکذیب کرتے ہوں یا صرف زید تکذیب کرتا ہو تو اس صورت میں وہ حکم ہے جو مذکور ہوا کہ نکاح بحالہ باقی ہے گو احتیاط پھر بھی علیحدگی میں ہے اور اگر ھندہ تصدیق کرے اور زید تکذیب کرے تب بھی نکاح جائز ہے لیکن اس صورت میں ہندہ زید سے قسم لیگی کہ تو قسم کھاکر کہہ کہ حامدہ نے ہم دونوں کو دودھ نہیں پلایا اگر وہ اس صورت میں قسم کھانے سے انکار کرے تو قاضی شرع ان میں تفریق کردے۔ اگر قاضی شرع نہ ہو تو مسلمان زید کو طلاق دینے پر مجبور کریں۔ واللہ اعلم

اور اگر وہ قسم کھالے تو پھر اس صورت میں ھندہ کو زید کے پاس رہنا ضروری ہوگا۔ فقط

قال فی الدر : و حجتہ حجۃ المال وھی شہادۃ عدلین او عدل و عدلتین لکن لا تقع الفرقۃ الا بتفریق القاضی (ای ان لم توجد المتارکۃ۔ شامی)

قال فی رد المحتار عن الھندیۃ : تزوّج امراۃ فقالت امرأۃ ارضعتکما فھو علی اربعۃ اوجہ : ان صدقاھا فسد النکاح و ان کذّباھا وھی عدلۃ فالتنزہ المفارقۃ ویسعہ المقام معھا وکذا لو شھد غیر عدول او امرأتان او رجل وامرأۃ وان صدقھا الرجل وکذّبتھا فسد النکاح وان بالعکس لا یفسد و لھا ان تحلفہ ویفرق اذ نکل اھ (ص ۶۷۸ ج۔۲) واللہ اعلم

حرّرہ ظفر احمد عفا عنہ از تھانہ بھون

۴۔ ربیع الثانی سنہ ۱۳۴۳ھ

تحقیق اختلاف روایات دریاب ثبوت رضاع

سوال : ایک عورت مسمّاۃ زینب کہتی ہے کہ میں نے مسماۃ کریمہ کو بسنِ صغیری اپنا دودھ پلایا ہے اور ایک عورت دوسری بھی گواہی دیتی ہے کہ ہم نے زینب کو کریمہ کو دودھ پلاتے ہوئے دیکھا تھا دوسرا کوئی گواہ نہیں اب اس زینب کے قول اور دوسری عورت کی گواہی سے اُخ زینب کو کریمہ کے ساتھ نکاح کرنا درست ہے یا نہیں ؟ اور رضاعت ثابت ہے یا نہیں اگر نہیں تو ذیل کی عبارت کا کیا مقصد ہے

ففی الفتاوی الھندیۃ والمصریۃ : و إذا قالت ھذا ابنی رضاعًا و اصرّت علیہ جاز لہ ان یتزوّجھا لانّ الحرمۃ لیست الیھا قالوا : و بہ یُفتٰی فی جمیع الوجوہ کذا فی البحر الرائق (ص ۲۷۱ ج۱)

اور فتاویٰ قاضیخان میں ہے : وان اراد الرجل ان یخطب امرأۃ فشھدت امرأۃ قبل النکاح أنھا ارضعتھما کان فی سعۃ من تکذیبھا کما لو شھدت بعد النکاح

اور فتاویٰ بزازیہ میں ہے : ولا تثبت بشھادۃ الواحدۃ سواء کانت اجنبیۃ او ام احد الزوجین۔ انتھی۔

اگر درست ہے تو زیرین عبارتوں کا کیا مقصد ہے ؟ :

ففی البزازیۃ : صغیر وصغیرۃ بینھما شبھۃ الرضاع ولا یعلم ذلک حقیقۃ

لاباس بالنکاح بینھما اذا لم یخبر بہ واحد فان اخبرہ واحد عدل ثقۃ یؤخذ بقولہ ولا یجوز النکاح بینھما و ان اخبر بعد النکاح فالاحوط ان یفارقھا الخ

اور رد المحتار میں ہے: لوشھدت بہ امرأۃ قبل النکاح فھو فی سعۃ من تکذیبھا لکن فی محرمات الخانیۃ ان کان قبلہ والمخبر عدل ثقۃ لا یجوز النکاح وان بعدہ وھما کبیران فالاحوط التنزہ انتھی۔ بیّنوا توجروا

احقر غلام محمد ملک۔ قریہ قادر بخش سندھ

الجواب

اصل یہ ہے کہ ثبوتِ رضاع میں روایات مختلف ہیں۔ بعض روایات سے شہادتِ عادلہ واحدہ کا کافی ہونا بھی معلوم ہوتا ہے جیساکہ اخیر کی عبارات سے مفہوم ہوتا ہے اور ظاہر روایت جو متون میں مذکور ہے اس کا مقتضا یہ ہے کہ بدون دو عادل مرد یا ایک عادل مرد اور دو عادل عورتوں کے ثبوتِ رضاع نہیں ہوسکتا اور مذہب میں معتمد بھی یہی ہے۔

قال فی الدر: وحجتہ حجۃ المال وھی شھادۃ عدلین او عدل وعدلتین اھ

قال الشامی: وافاد انہ لا یثبت بخبر الواحد امرأۃ کان او رجلاً قبل العقد او بعدہ وبہ صرّح فی الکافی والنھایۃ تبعاً لما فی رضاع الخانیۃ الی ان قال بعد نقل الروایات المفیدۃ لثبوتہ بخبر الواحد لکن قال فی البحر بعد ذلک ان ظاھر المتون انہ لا یعمل بہ مطلقاً فلیکن ھو المعتمد فی المذھب۔ قلتُ: وایضاً ھو ظاھر کلام الکافی للحاکم الذی جمع کتب ظاھر الروایۃ وفرّق بینہ وبین قول خبر الواحد بنجاسۃ الماء او اللحم۔ فراجعہ من کتاب الاستحسان اھ (ص ۶۷۸ ج-۲)

پس صورتِ مسئولہ میں فتویٰ کی رُو سے ان دونوں میں نکاح درست ہے لیکن تقویٰ اور ورع یہ ہے کہ نکاح نہ کیا جائے اور ہوگیا ہے تو مفارقت کرلی جائے

حرّرہ الاحقر ظفر احمد عفاعنہ از تھانہ بھون

۲۳ر ذی الحجہ ۴۴ھ

مدّتِ رضاعت کے بعد دودھ پلانے سے رضاعت کا معتبر نہ ہونا

سوال: تین برس کی لڑکی اگر نکاح کے بعد داماد کی ماں یعنی نابالغہ بیٹی نے شوہر کی ماں

کی پستان میں منہ میں ڈالا بشرطیکہ اس پستان میں مطلقًا دودھ نہیں اب فقط خورشید امن کی پستان میں منہ دینے سے رضاعی بہن ہوگی یا نہ اور حرام ہوگی یا نہیں ؟

الجواب

صورتِ مسئولہ میں رضاع متحقق نہیں ہوا کیونکہ رضاع مدتِ رضاع میں دودھ پینے کو کہتے ہیں اور یہاں نہ دودھ پیا گیا اور نہ وہ بچی اتنی عمر کی ہے جو رضاع کے لئے شرط ہے

وفی تنویر الابصار : حولان ونصف عنده وحولان عندهما وهو الاصح (شامی ص ٦٦١ ج ٢)

وایضًا فیه : ویثبت التحریم فی المدة وقال الشامی تحت قوله فی المدة فقط اما بعدها فانه لا یوجب التحریم ۔ بحر (ص ٦٦٢ ج ٢)

وقال الشامی تحت قول الدر : (فلو التقم الخ) وفی القنیة امراة كانت تعطی ثدیها صبیة واشتهر ذلك بینهم ثم تقول لم یكن فی ثدیي لبن حین القمتها فی ثدیي ولم یعلم ذلك الا من جهتها جاز لابنها ان یتزوج بهذه الصبیة اه (ص ٦٦٤ ج ۔٢) واللہ اعلم

الاجوبۃ صحیحۃ

ظفر احمد عفا اللہ عنہ

٢٦؍ ذی قعدہ ٤٣ھ

مسئلہ رضاعت

سوال : کیا رضاعت کے ثبوت کے لئے شہادت اس قدر کافی ہے کہ بچہ کو ایک عرصہ تک گود میں پستان منہ میں لیتے دیکھا ہے یا دودھ کا معاینہ ضروری ہے اگر معاینہ ضروری نہیں تو بعض کا کہنا کہ پستان دوھنے سے رقیق سا پانی نکلتا تھا دودھ نہیں تھا اور بعض کا کہنا ہے کہ کچھ بھی نہیں نکلتا تھا مخل فی الشہادۃ ہے یا نہیں مرضعہ کا انتقال ہوگیا ہے

الجواب

اگر رضاع کا دعویٰ دو مرد یا ایک مرد اور دو عورتیں کرتی ہوں (جن میں ایک دایہ بھی ہوسکتی ہے) تو ان کا بیان لکھا جائے کہ وہ کیا کہتی ہیں پھر جواب دیا جائیگا

احقر عبدالکریم عفا اللہ عنہ

٨؍ ربیع الثانی ٤٤ھ

الاجوبۃ صحیحۃ

ظفر احمد عفا اللہ عنہ

٨؍ ربیع الثانی ٤٤ھ

بیٹے کی اختِ رضاعیہ سے نکاح جائز ہے

سوال: ایک عورت ایک شیر خوار لڑکا چھوڑ کر مر گئی وہ لڑکا اپنی حقیقی نانی کا دودھ پیا اور لڑکے کی ایک نابالغہ خالہ ہے اس خالہ کے ساتھ لڑکے کے باپ نے نکاح کیا ہے۔ معلوم یہ کرنا ہے کہ یہ نکاح درست ہے یا نہیں ؟

محمد یٰسین خان

موضع الکدیہ پوسٹ بوگیہ ضلع جبسر

الجواب

فی الدر : (فیحرم منہ مایحرم من النسب الا ام اخیہ واختہ واخت ابنہ وبنتہ الخ » اس سے معلوم ہوا کہ وہ شخص اپنی سالی سے نکاح کرسکتا ہے

صحیح

احقر عبدالکریم

ظفر احمد عفا عنہ

۵ رذی قعدہ سنہ ۴۲ھ

آٹا گوندھتے وقت پستان سے دودھ گر کر آٹے میں مل گیا تو اس کا کھانا جائز ہے یا نہیں شوہر اس کو کھا سکتا ہے

سوال: ایک عورت آٹا گوندھ رہی تھی اور اس کی پستان سے دودھ نکل کر آٹے میں گر کر مل گیا اب وہ اس گھر کا آٹا کھا سکتی ہے یا نہیں اور کون کون کھا سکتا ہے۔ سنا ہے کہ خاوند کو حرام ہے اور عورت کو مکروہ ہے اور بچوں کو جائز ہے۔ اس مسئلہ سے تفصیل کے ساتھ مطلع کریں۔ فقط زیادہ حدادب۔ پٹیالہ خادم فتح محمد

الجواب

آٹے میں دودھ گرنے سے اس آٹے کا کھانا موجب حرمت نکاح نہ ہوگا لانّہ لیس فی معنی الرضاع لاسیّما بعد اقرانہٖ بالخبز اور نہ اس سے رضاع ثابت ہوگا البتہ دودھ جزو انسان ہے جس کا استعمال قصداً جائز نہیں چاہے کھانے ہی میں ہو پس اس سے احتراز اولیٰ ہے لیکن چونکہ وہ پکتے میں جل جائیگا اور شئی قلیل ہے اس لئے احتراز واجب نہیں اس کی روٹی سب کو کھانا جائز ہے۔ لما فیہ من الحرج وھو مرفوع عن الامۃ۔ واللہ اعلم

ظفر احمد از تھانہ بھون

۱۶ رشعبان سنہ ۴۵ھ

رضاع کے متعلق ایک مفصل فتویٰ

سوال : بخدمت اقدس حضرت مخدومی و معتمدی جناب مولانا اشرف علی صاحب ادام اللہ بقاءکم ورزقنا اللہ لقاءکم۔ السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ مرجو کہ عنایت مربیانہ فرمودہ از ارسالِ اجوبہ اسئلہ بندہ را مفتخر و ممتاز فرمایند۔ امید کہ در ارسالِ اجوبہ دیر نہ فرمایند۔ اجوبہ مدلّل و مؤید بعباراتِ فقہیہ ارشاد فرمایند کہ جمیع علماء در اسئلہ ذیل رجوع بآں حضرت بابرکت نمودہ اند صرف بہ آمدنِ اجوبہ از آں حضرت نزاع و مخاصمہ دینی ایشان مدفوع و مرفوع خواہد شد۔

حقیقت ہمین طور است کہ درمیانِ ولی محمد نامی و مسماۃ حوا رضاع مشتہر شدہ بود از یکی مولوی صاحب پرسیدند مولوی صاحب تفحص نمود نزد مولوی صاحب مادرِ ولی محمد و خواہرِ مرضعہ گفتند کہ مارا مسماۃ خواہرِ مرضعہ اولیٰ کہ اکنون فوت شدہ است گفتہ بود کہ من ولی محمد را شیرِ خود در مدتِ رضاع دادہ ام مولوی صاحب گفت چونکہ شاہدان دیگر نیستند لہذا ولی محمد را میرسد کہ با خواہر حوا کہ ہم حوا نام دارد نکاح می تواند کرد ہمین تحریر را ولی محمد نزد مولوی صاحب دیگر برد، مولوی صاحب دیگر ولی محمد را گفت تو درین بارہ چہ میگوئی ولی محمد قرآن شریف بہ سر برداشتہ ہمین اقرار و تصدیق نمود

اقرار و تصدیقِ ولی محمد وھو ھٰذا

مرا مسماۃ ہاتل کہ زنِ برادرِ من است گفتہ کہ تو طفلِ شیرخوارہ بودی و گریہ میکردی برائے تسلّی تو ترا پیشِ خواہرِ خود کہ مسماۃ حوا بود می بردم و حوا را می گفتم کہ ولی محمد را پستانہائے خود بدہ پس مرا حوا می گفت کہ اکنون ولی محمد را شیرِ خود نوشانیدم یعنی پستانہائے خود دادم اورا زیردارو مرا عام مردمان دیگر ہمسایگان و خویشان ما ہستند ہم گفتہ کہ تو در صغر (مدت رضاع) پستانہای حوا با خان محمد کہ پسرِ حوا بود نوشیدۂ اکنون آن مردمان مردہ اند۔ اکنون من میگویم کہ آن کسان را کہ مرا گفتہ کہ تو پستانہائے مسماۃ حوا نوشیدۂ حکایت و شہادتِ ایشان صدق است تا ھنوز نکاحِ من با حوا ثانیہ (خواہرِ حوا مرضعہ) نشدہ است باقی نامزدگی ہست نشانِ انگشتِ چپ ولی محمد ☐ پس مولوی صاحب دیگر گفت رضاع ثابت است ولی محمد را نمیرسد کہ با خواہرِ مسماۃ حوا کہ ہم حوا نام دارد نکاح کند حوا ثانیہ خالہ رضاعیہ ولی محمد می شود و ولی محمد اقرار مع الثبات و تصدیق شرعیہ نمودہ است۔

درین اثناء بر گفتۂ مولوی صاحب اول اعتماد نمودہ و از گفتۂ مولوی صاحب دیگر بی اعتنائی

کرده ولی محمد با خواتانیه که خواهرِ مرضعهٔ اوست نکاح نمود۔ آخرالامر ولی محمد و پدر حواتانیه برائے فیصله شرعیه محکم گرفتند محکم اولاً از ولی محمد پرسید که تو این اقرار و تصدیق نزد مولوی صاحب فلاں (دیگر) کرده و محکم آن اقرار و تصدیق خواند ولی محمد گفت هر چه درین بیان مرقوم می باشد مرا تا پتے نمی شود که همان بیان است یا نه باقی نشان ترا انگشتِ من پس محکم از حافظ عبداللّٰه که شاهد بر اقرار و تصدیقِ او بود پرسید حافظ عبداللّٰه دست بر قرآن شریف داشته گفت من شاهدے میدهم که پیش من ولی محمد نزد مولوی صاحب دیگر همین اقرار ..... الخ نموده است و در اقرار خود ولی محمد گفته که بقسم صدق است و دستخط بر شهادت اقرار من است بعده محکم از مولوی شفیع محمد پرسید آن گفت که من شاهدے می دهم بقسم که نزد من ولی محمد تحریر مولوی صاحب اول بیاورد چونکه در آن تحریر بیان ولی محمد مرقوم نه بود از و پرسیدم او قرآن شریف بر سر داشته اقرار و تصدیق نبشته ..... الخ بعینه نمود پس محکم صاحب خدا می داند بر کدام دلیل حکم بجواز نکاح نمود هر چند که گفته شد محکم صاحب تعجیل در حکم نباید تفتیش نموده و با علماء دیگر صفائی کرده حکم باید کرد مگر محکم صاحب نه صفائی و تفتیش منظور کرد ورنه از حکم جواز باز ماند۔ از جوابات مسئوله ہمیں ہم مرهون منّت فرمایند۔

سوالِ اوّل: در فتاوای عالمگیریه است در باب رضاع ولو جحد الاقرار فشهد اثنان علی الاقرار فرق بینهما۔ مراد ازین اقرار مطلق اقرار است یا اقرار مع الثبات است؟ گرفتن شهود عند انکار الاقرار در مطلق اقرار است یا در اقرار مع الثبات؟ اگر اقرار رضاع بدون ثبات کرد پس در انکار ازین اقرار هم قاضی را میرسد از گواهان گواهی شرعی گرفته تفریق نماید یا اقرار مع الثبات شرط گرفتن شهود عند الانکار است و بدون اقرار مع الثبات در صورت انکار اقرار مطلق شود نمی تواند گرفت۔

سوال دوم: در رجوع عن اقرار الرضاع و جحود عن الاقرار فرق است یا نه؟

سوال سوم: چنانچه تصدیق زوج مر مرضعه را نکاح را فاسد میگرداند کذٰلک تصدیقِ زوج مر شهودِ رضاع را نکاح را فاسد می گرداند۔

سوالِ چهارم: اگر زوج زوجهٔ خود را گفت هٰذه اختی و بعده بلا انقطاعِ نفس گفت وهو صدق اقرار مع الثبات خواهد شد یا نه یا در اقرار مع الثبات

درمیان کلام " هٰذه اختی " ومیان کلام " هو صدق مع انقطاع نفس وتاخیر... ومجلس دیگر شرط وضروری است ۔

سوالِ پنجم : ثبات چنانچہ بالفاظ " هو حق او صدق او کما قلت ونحوه " متحقق می شود یا نہ ؟ ـــ در اشباه است در بابِ شهادات " وهٰذا مشروط بما اذا لم یثبت علی اقراره بان قال هو حق او صدق او کما قلت اوشهد[عہ] علیه بذلك شهود الخ "

السّائل : بندہ شفیع محمد مسجدی پوسٹ قاضی محمد عارف
تعلقہ میہڑ ضلع لاڑکانہ سندھ بمعرفت قاضی عبدالکریم

الجواب

صورتِ مسئولہ میں چونکہ ولی محمد نے ایک عالم کے سامنے قرآن سر پر رکھ کر اقرارِ رضاعت کیا ہے اور یوں کہا ہے کہ : " من میگویم کہ آن کسان کہ مرا گفتہ اند کہ تو پستانہائے مسمّاۃ حوا نوشیدۂ حکایت وشہادتِ ایشان صدق است الخ ۔ اور اس اقرار پر دو گواہ موجود ہیں ۔ تو اگر یہ دونوں گواہ عادل ہوں تو مسمّٰی ولی محمد کا نکاح حوا ثانیہ سے درست نہیں ہوا دونوں کو ایکدوسرے سے متارکت وتفریق واجب ہے

قال فی البحر : وینبغی ان یکون الفساد فی الرضاع الطاری علی النکاح امّا لو تزوّج امرأۃ فشهد عدلان انها اخته ارتفع النکاح بالکلیۃ حتی لو وطئها یحد ویجوز لها التزوّج بعد العدّۃ من غیر المتارکۃ (ص۲۳۰ ج ۳)

وقال فی ردالمحتار : بخلاف ما اذا شهد علی اقراره او قال هو حق او نحوه فانه یدل علی علمه بصدق المخبر وانه جازم به فلا یقبل رجوعه بعده اھ (ص ٦٧٧ ج ٢)

سوالات زائدہ کا جواب حسب ذیل ہے

١ عبارت عالمگیریہ میں اقرار سے مطلق اقرار مراد ہے اگر کوئی شخص اقرار رضاع کا منکر ہو جائے تو مطلق اقرار پر شہادت قبول کی جائیگی مگر مشہود علیہ رجوع کر سکتا ہے

[عہ] عطفٌ علی قوله قال هو حق تحت قوله بان فافهم

اقرار مع الثبات پر شہادت لینے کی ضرورت نہیں اگر مشہود علیہ رجوع نہ کرے اگر مطلق اقرار پر شہادتِ عادلہ قائم ہوگئی تو قاضی تفریق کر سکتا ہے کیونکہ حجیت اقرار کے لئے ثبات شرط نہیں اگر مقر نے رجوع نہ کیا ہو بلکہ ثبات کی شرط صرف عدمِ صحت رجوع کے لئے ہے۔ کما یظہر من الدرّ والشامیۃ وغیرہما من المتون والشروح۔

۲ جحود عن الاقرار اور رجوع عن الاقرار میں فرق ظاہر ہے۔ جحود کے یہ معنی ہیں کہ یوں کہے کہ میں نے اقرار ہی نہیں کیا اور رجوع عن الاقرار میں اقرار کو تسلیم کرکے اس اقرار کی تکذیب و تغلیط کرتا ہے کہ میں نے اس اقرار میں غلطی کی تھی صحت رجوع عن الاقرار میں یہ شرط ہے کہ اقرار سابق مع الثبات نہ ہو اور اگر شہادتِ عادلہ سے اقرار سابق کا مع الثبات والاصرار ہونا ثابت ہو جائے تو رجوع معتبر نہ ہوگا۔

۳ ہاں تصدیقِ مرضعہ و تصدیق شہود رضاع دونوں موجبِ اقرار رضاع و مستلزم فساد نکاح ہیں لافادتہما اقرار الرضاع واثباتہ واللہ اعلم۔

۴ جب اقرار رضاع کے بعد ”ھو صدق او حق او ھو کما قلت ونحوہ من الالفاظ المؤکدۃ استعمال کئے جائیں خواہ متصلاً یا منفصلاً تو یہ اقرار مع الثبات ہوگا

لما فی الدر: ولو ثبت علیہ بان قال بعدہ ھو حق کما قلت ونحوہ اھ (ص ۶۴۶ ج ۲)

وقولہ بعدہ یعم المتصل والمنفصل کلیہما وانما لم یشترط اتحاد المجلس لان التاکید من بیان المقرر و بیان التفسیر والتقریر یجوز موصولاً و مفصولاً کما حققہ الاصولیون (ص ۲۰۳ نور الانوار)

حررہ الاحقر ظفر احمد عفا عنہ
۱۹؍ ربیع الثانی سنہ ۴۶ھ

ضمیمۂ متعلق سوال بالا

سوال: درحق شخصے ولی محمد نسبت رضاع از حوا مشہور بود ولی محمد از جہت تحقیق نسبت یک مولوی محمد ملوک نامی را گرفتہ آورد کہ شرعی تحقیق کردہ حکم نماید اگر رضاع ثابت بحجتِ شرعیہ شود فبہا والّا ہمشیرۂ حوا را نکاح کند مولوی محمد ملوک آمدہ تحقیق کرد و خوب تفتیش نمود معلوم شد کہ مسمّاۃ ہاتل را خبر است ہاتل را طلبید ہاتل گفت کہ من ولی محمد را در خوردگی نزد حوا بُردم کہ او را حفاظت کند بعدہٗ وقتیکہ از جہت برداشتن می آمدم حوا می گفت کہ من او را پستان دادہ ام من بچشم خود گاہے ولی محمد را شیر نوشاندہ از حوا ندیدم بنا بر خبرِ حوا حکایت رضاع مشہور کردم و بجز ہاتل ہیچ

شاہد پیدا نشد کہ از رضاع خبر دہد و شہادت ادا کند مولوی صاحب حکم کرد رضاع ثابت نیست و ولی محمد را میرسد کہ ہمشیرۂ حوا را النکاح کند و تحریر نوشتہ داد کہ از مولوی صاحب شفیع محمد تصحیح کنانید آید مولوی شفیع محمد ولی محمد را گفت کہ من ترا حلف دادہ می پرسم کہ تو چہ میگوئی ؟ بعدہ مولوی صاحب او را بہ مسجد شریف بردہ کلام اللہ شریف بر سرش دادہ پرسید کہ چہ حال ست۔ در جواب مولوی صاحب الفاظیکہ مولوی صاحب در اقرار نامہ نوشتہ از و نشانِ قبولیت گرفت اقرار نامہ بعینہ در زیر ثبت است بنا برین اقرار مولوی محمد شفیع تحریر کرد کہ رضاع ولی محمد از حوا ثابت است کہ نزدم تصدیقِ مخبران کردہ و تصدیق اقرار بعدہ ولی محمد بر آن اقرار مستقیم نماند و اصرار نہ کرد بلکہ گفت کہ من اقرار نہ کردہ ام مرا بہ نسبتِ رضاع ہیچ خبر نیست مولوی صاحب بر سرم قرآن شریف در مسجد داد از ہیبتِ کلام اللہ شریف پریشان شدم و ندانستم کہ چہ گفتم بعدہ از اقرار جحود کردہ ہمشیرۂ خود را نکاح کرد از جہت تصفیۂ این فیصلہ یک محکمے مقرر کردند محکم از ولی محمد پرسید کہ تو نزد مولوی شفیع محمد تصدیق کردۂ گفت نہ ، مولوی شفیع محمد شہادت داد کہ ولی محمد نزدم تصدیق کردہ و دیگر یک شاہد حافظ عبد اللہ نامی گفت کہ من یاد ندارم کہ اقرار رضاع و تصدیق کرد یا نہ ؟ بعدہ چون اقرار نامہ شنید گفت بلے این چنین در جواب مولوی شفیع محمد گفت محکم حکم کرد کہ رضاع ثابت نیست آیا درین صورت حکم محکم صحیح است یا نہ ؟ و رضاع ولی محمد از حوا ثابت می گردد یا نہ و اقرار و تصدیق کہ ولی محمد کردہ بدون اصرار و دوام مثبت رضاع و قابل اخذ شہادت میشود یا نہ ؟ بلکہ از جہت عدم اصرار و ثبات حجت نیست و اخذ شہادت بی سود۔ بیّنوا توجروا

الجواب

درصورتِ مسئولہ خود اقرارِ ولی محمد مثبت حکم حرمت رضاع و مفید محرم نیست فضلاً عن التکلّف لاثباتہٖ علیہ ، زیرا کہ ولی محمد بزبانِ خود نہ گفتہ است کہ من شیرِ حوا نوشیدہ ام یا خواہر حوا خالہ رضاعیہ ام می باشد بلکہ غایۃ الامر آن است کہ تصدیق گواہان بگفتن مولوی شفیع محمد نمودہ و آن نیز اگرچہ بموجبِ تفوّہ بما لا یتفقہ کلامی بود کہ قائل از حقیقتِ آن آگاہ نبود امّا اگر تنزّل از ان کردہ تسلیم تصدیقِ او کنیم تاہم اقرار رضاع بدان ثابت نمی گردد چہ اقرار بہ تصدیق آن شہود ثبوت می پذیرد کہ شہادتِ اوشان نیز مثبت رضاع باشد و در صورتِ مسئولہ شہادتِ اوشان کہ حسب سماع است و فقط بہ اشاعت ہائل خبر بہ اسماع آنان رسیدہ و خود ہائل نیز مقر برویت خود نیست بلکہ خبر سماع از خواہرِ خود حوا میکند

چنانکہ فیصلۂ مولوی محمد ملوک صاحب وبیانِ ولی محمد برآن دلالت می دارد لهذا بتصدیقِ چنین شہود اقرار برضاع ثابت نخواہد شد واگر ازان ہم تنزّل نمائیم وفرض کنیم کہ این تصدیق شہود عیانی است وتصدیق شہود اقرار است چنانکہ صاحبِ درالمختار تصدیقِ شہود را اقرار گفتہ است ۔

حیث قال فی کتاب الشهادة واما قوله صدقوا اوهم عدول صدقة فانه اعتراف بالحق فیقضی باقراره انتهیٰ (ص ۴۱۵ جلد رابع رد المحتار مطبع مصری)

تاہم مفید مقصود محرم نیست زیراکہ بعد اقرار ثبات مقر بر اقرار نیز شرط برائے تفریق بین الزوجین است وآن درین صورت مفقود است ۔

قال فی الدر المختار (ص ۴۴۷ جلد ثانی رد المحتار مطبع مصری) فی باب الرضاع قال لزوجته هٰذه رضیعتی ثم رجع عن قوله صدق لان الرضاع مما یخفی فلا یمنع التناقض فیه ولو ثبت علیه بان قال بعده هو حق کما قلت ونحوه هکذا فسر الثبات فی الهدایة وغیرها فرق بینهما انتهی

وولی محمد را کہ مولوی شفیع محمد اقرار بہ اجراء کلام کنانیدہ است دران فقط اقرار است کہ رجعت ازان صحیح است وثبات بر اقرار کہ بعد از اقرار باشد چنانکہ لفظ بعده در عبارتِ مذکورہ برآن دلالت می دارد یافتہ نمی شود پس حکم مولوی شفیع محمد بحرمت رضاع باوجود انکار ولی محمد وگفتنِ او مرا خبرے از سخنِ او نیفتادہ کہ چہ گفتہ من فقط الفاظ را حسب گفتنِ او می گفتم خلافِ شریعت است

والحاصل ان الثبات علی الاقرار هو ان یقول بعد الاقرار انه حق او هو کما قلت او ما یفید ذلك المعنیٰ کما تبین من عبارة الدر المختار التی نقلناها سابقًا وکما صرح به فی فتح المعین حاشیة المسکین شرح الکنز حیث قال: قال لزوجته هی امی او اختی او بنتی من الرضاع واصرّ علی ذلك بان قال بعده هو حق کما قلت فرق بینهما ولم یصر بل قال أخطأت او نسیت لم یفرق انتهیٰ فالبعدیة المصرح بها فی هاتین العبارتین تستلزم ان یکون الاقرار سابقًا علی الثبات ومن المعلوم ان غایة ما یثبت فیما نحن فیه من کلام ولی محمد هو تصدیق الشهود فان ولی محمد قال (ان شهادة الشهود صادقة) فلو جعلتم هٰذا التصدیق اقرارًا کما تشهد به عبارة الدر فی کتاب الشهادة فاین اللفظ الدال علی الثبات الذی یکون بعد الاقرار

وان جعلتموه ثباتاً علی الاقرار فاین الاقرار السابق علی الثبات فعلم انہ لیس ھٰھنا الاّ الاقرار المعرّیٰ عن الثبات۔ قد تقرر انہ یجوز الرجوع عنہ۔ ھذا ما ظہر لی فی ھٰذا الباب واللہ اعلم بالصواب۔

حرّرہ الفقیر محمد ابراھیم الیاسینی تجاوز اللہ عنہ

ھٰذا ھو الحق الصریح والجواب الصحیح وانا المصدّق

الفقیر محمد قاسم المتوطن فی گڑھی یاسین

نشان مہر

برسر کوثر محمد قاسم است

نقل اقرار نامہ ولی محمّد

مرا مسماۃ ہاتل کہ زنِ برادرِ من است خبر کردہ بود کہ ترا از جہت نظرداری نزد ہمشیرۂ خود مسمّاۃ حوا می بُردم وحوا را می گفتم کہ ولی محمد را پستان بدہ بعدہ مرا می گفت کہ الحال پستان اورا دادہ ام وشیر نوشانیدہ ام باخود برداشتہ ببردم مرا ودیگر آدمیان از جوار واقربا نیز عام می گفتند کہ تو از حوا بمعہ خان محمد در صغارت پستان نوشیدۂ الحال آن آدمیان مردہ اند درین وقت میگویم کہ آن آدمیان کہ مرا گفتہ اند کہ تو از حوا شیر نوشیدۂ حکایتِ اوشان وشاھدے راست ست، من تا ہنوز بہ حوا صغیرہ (ہمشیرہ حوا کلان کہ از نسبت رضاع مشہور بود) نکاح نکردہ ام باقی نامزدگی شدہ است۔

الجواب من جامع امداد الاحکام

اس سوال میں اور پہلے سوال میں جو مولوی شفیع محمد صاحب نے بھیجا تھا فی الجملہ تخالف ہے۔ پہلے سوال میں مسماۃ ہاتل کو لکھا ہے کہ مرگئی ہے، اب زندہ نہیں اور اس سوال میں مسمّاۃ ہاتل کو زندہ ظاہر کیا ہے اور یہ کہ اس کو طلب کر کے اس سے بیان لیا گیا لیکن بہرحال قاعدۂ فقہیہ یہ ہے کہ "المرأ یؤخذ باقرارہ" مسمّٰی ولی محمد نے مسمّاہ ہاتل کا جو بیان اپنے اقرار میں ظاہر کیا ہے اور اس پر قسم کھائی ہے وہی اس پر حجّت ہے۔ بیّنہ اور شہادت کی ضرورت تو وہاں ہو جہاں مقر کا اقرار موجود نہ ہو۔ پھر مسمّٰی ولی محمد نے اپنے اقرار میں صرف مسمّاہ ہاتل پر مدار نہیں رکھا بلکہ دوسروں سے بھی سماعِ رضاع بیان کیا ہے کہ مرا دیگر آدمیان از جوار واقرباء نیز عام می گفتند کہ تو از حوا بمعہ خان محمد در صغارت پستان نوشیدۂ الحال آن آدمیان مردہ اند۔ اور مسمّٰی ولی محمد اگر اسی بیان پر اکتفا کرتا تو اس سے اقرار رضاع بحوا ثابت ہو جاتا کیونکہ ولی محمد نے

یہ سب بیان حلف کے ساتھ دیا ہے مگر اس کے بعد وہ کہتا ہے " درین وقت من میگویم کہ آن آدمیان کہ مرا گفتہ اند کہ تو از خواشیر نوشیدۂ حکایتِ اوشان وشاہدے راست است" اور یہ ثبات ہے مجیب کا اسی کو اقرار سمجھنا اور یہ کہنا کہ اس کے بعد ثبات کہاں ہے نہایت عجیب ہے اور اگر بالفرض مان لیا جائے کہ یہی اقرار ہے تو ہم کہتے ہیں کہ یہ اقرار مع الثبات ہے اور اس نے جو در مختار کے قول " ولو ثبت علیہ بان قال بعدہ الخ" سے یہ سمجھا ہے کہ ثبات کے لئے اقرار کے بعد ہونا ضروری ہے، صحیح نہیں بلکہ بعدہٗ کی قید محض تمثیل وتوضیح ہے ورنہ ثبات مع الاقرار بھی ہو سکتا ہے۔ ملاحظہ ہو حاشیۂ ابن عابدین علی البحر (ص٢٣٤ ج-٣)

صریح ہذہ النقول ومنطوقہا مع العلم بوقوع العطف التفسیری فی الکلام الفصیح شاہد بان المراد بالثبات والدوام والاصرار واحد۔ وبان الثبات علیہ لا یحصل الّا بالقول بان یشہد علی نفسہٖ بذلك اویقول حق اوکما قلت اوفی معناہ کقولہ ہوصدق اوصواب اوصحیح اولا شك فیہ عندی ولا ریب ان قولہ ہوصدق اٰکد من قولہ ہوکما قلت اھ

اس میں صاف بتلایا گیا ہے کہ شہادت علی الرضاع یعنی قسم اور شہادت کے لفظ سے رضاع کا اقرار بھی ثبات میں داخل ہے اور ظاہر ہے کہ قسم وشہادت مقسم بہٖ سے مقدم ہوتی ہے نہ مؤخر اور بحر و درر وغیرہ میں بھی کسی نے " بعدہٗ " کی قید بیان نہیں کی۔ پس ہمارے نزدیک تفسیر ثبات کی یہی ہے کہ اقرار مؤکد ہو چنانچہ عبارتِ بحر میں " ہوصدق " کو "ہو کما قلت " سے مؤکد ہونے ہی کی وجہ سے ثبات میں داخل کیا ہے۔ پس اگر اقرار مؤکد ہوگا خواہ یمین سے خواہ اس قول کے ساتھ کہ یہ بیان صحیح ہے تو ثبات کا تحقق ہو جائیگا اور رجوع قبول نہ ہوگا کیونکہ ثبات تاکید ہے اور تاکید مفیدِ جزم ہے۔

قال الشامی: بخلاف ما اذا شہد علٰی اقرارہ اوقال ہوحق اونحوہٗ فانہ یدل علی علمہ بصدق المخبر وانہ جازم بہٖ فلا یقبل رجوعہ بعدہ الخ (ص٦٤٤ ج-٢)

اس سے صاف معلوم ہوا کہ ثبات کے بعد اس لئے رجوع صحیح نہیں کہ وہ علم بصدق مخبر اور جزم بہٖ پر دال ہے اور یہ فائدہ ہر اس کلام سے حاصل ہو سکتا ہے جس میں تاکید موجود ہو خواہ اقرار کے ساتھ تاکید ہو یا اقرار سے منفصل ہو۔ پس صورتِ مسئولہ میں اقرارِ ولی محمد مع الثبات متحقق ہے۔ اب اس کا اس بیان سے رجوع کرنا اور یہ کہنا کہ میں نے قرآن کی دہشت سے

یہ کہا تھا اور بے خبری میں کہا تھا سب لغو ہے۔ واللہ اعلم

ظفر احمد عفا عنہ از تھانہ بھون

۹ر جمادی الاول ۴۶ھ

مسئلہ رضاعت

سوال : اگر کسے کہ درحقِ او البتہ نسبتِ رضاع مشہور بود ازو پرسیدہ شد کہ تو چہ می گوئی؟ او قرآن شریف بر سر داشتہ گفت کہ مرا ایک زن خبر کردہ کہ رضاع ہست تصدیقِ آن قول نہ کرد نہ تکذیب این را اقرار بہ رضاع گفتہ شود یا نہ؟ بلکہ از جہتِ اقرار تصدیق ضرور است؟

الجواب

اس صورت میں محض اخبار رضاع ہے اقرار ثبوت رضاع نہیں۔ کیونکہ قائل نے یہ نہیں کہا کہ میں اس کے قول کی تصدیق کرتا ہوں اور محض ایک عورت کا بیان ثبوتِ رضاع میں حجت نہیں اور قرآن سر پر رکھنا بدون لفظ قسم کے قسم نہیں اور ہو بھی تو اس سے محض اخبار مرآۃ پر جزم کا اظہار ہوا اس کی تصدیق پر تو جزم نہیں ہوا۔ هٰذا ما علمته واللہ اعلم

حررہ الاحقر ظفر احمد عفا عنہ از تھانہ بھون خانقاہ امدادیہ

۸ر شعبان ۲۶ھ

رضاعی بھتیجی سے نکاح حرام ہے

سوال : کیا فرماتے ہیں علماءِ دین و مفتیان شرعِ متین اس مسئلہ میں کہ زید و عمرو آپس میں ایک دوسرے کے علی الترتیب حقیقی ماموں بھانجے ہیں عمرو نے ایام طفولیت میں زید کی والدہ یعنی اپنی حقیقی نانی کا دودھ پیا ہے اس وقت نانی کی عمر ۳۵ سال کی تھی اور جس زمانے میں عمرو نے اپنی حقیقی نانی کا دودھ پیا اس زمانہ میں زید کی عمر دو سال کی تھی اب تجویز یہ ہے کہ زید کی جو ایک ہندہ نامی لڑکی ہے اس کو عمرو کی زوجیت میں دیا جائے لھذا اس مسئلہ کا جواب باصواب مع حوالہ کتب مستند تحریر فرما کر ارسال کریں فقط بیّنوا توجروا۔ المستفتی : محمد حشمت اللہ ایامی چوک برہانپور

الجواب

عمرو کا نکاح زید کی کسی لڑکی سے بھی جائز نہیں کیونکہ زید و عمرو رضاعاً بھائی ہو گئے پس زید کی لڑکی عمرو کی بھتیجی ہوتی اور بھتیجی سے نکاح حرام ہے۔

قال النبی صلی اللہ علیہ وسلم : یحرم من الرضاع ما یحرم من النسب" متفق علیہ

والمسئلۃ مصرّحۃ فی سائر کتب الفقہ   واللہ اعلم

حررہ الاحقر ظفر احمد عفا عنہ از تھانہ بھون خانقاہِ امدادیہ

۲۴ر شوال

تنہا مرضعہ کی شہادت ثبوتِ رضاعت کے لئے کافی نہیں ہے

سوال : کیا فرماتے ہیں علماءِ دین اس مسئلہ میں کہ ھندہ کے ہاں دختر تولّد ہوئی. ولادت کے وقت اس لڑکی کے منہ میں دانت بھی دو عدد موجود تھے ایسے بچہ کو عام طور پر منحوس خیال کیا جاتا ہے اس لڑکی کے ماموں مسمّٰی زید کی منشا اپنے بیٹے کے ساتھ اس لڑکی کو منسوب کرنے کی تھی ہندہ بھی رضامند تھی مگر عام طور پر یہ مشہور ہو گیا کہ زید کی بیوی نے ہندہ کی بیٹی کو دودھ اپنا پلا دیا ہے۔ ہندہ فوت ہو گئی ہے اور اس کا خاوند بھی فوت ہو گیا. گویا عام خیال کے مطابق اس لڑکی کا منحوس ہونا بھی مسلّم ہو گیا مگر زید اپنے خیال پر قائم ہے اور ان خیالات کو لغو قرار دیتا ہے چنانچہ اپنے لڑکے کے ساتھ ھندہ کی لڑکی کا عقد کرنے کا سب انتظام زید نے درست کر لیا۔ برات آموجود ہوئی مگر چونکہ سب میں یہ بات مشہور ہو چکی تھی کہ اس لڑکی کو زید کی بیوی نے دودھ پلایا ہے۔ پس ناکح نے عدمِ جواز کا فتویٰ دیکر نکاح پڑھانے سے انکار کر دیا۔ زید اور دیگر معتبر اشخاص کہتے تھے کہ دراصل دودھ نہیں پلایا گیا۔ یہ صرف اس لڑکی کی نحوست سے بچنے کے لئے زنانہ وہم کی بناء پر ایک چال کی گئی لوگ کہتے تھے کہ خود زید کی عورت کہہ چکی ہے کہ میں نے دودھ پلایا ہے۔ آخر زید کی بیوی سے دریافت کیا گیا۔ پہلے تو وہ کچھ ہچکچائی پھر اس نے بھری مجلس میں بہ ایں الفاظ اقرار کیا کہ ھندہ کی اس لڑکی کو جبکہ وہ بیس یوم کی تھی ضرور گود میں لیکر اپنی چھاتی اس کے منہ میں دی تھی صرف اس بناء پر کہ یہ منحوس لڑکی میرے بیٹے سے منسوب نہ ہو سکے اور میں نے یہ بات اس غرض سے عام لوگوں میں مشہور کر دی تھی لیکن درحقیقت نہ اس لڑکی نے میری چھاتی دبائی نہ کوئی گھونٹ دودھ کا اس نے پیا۔ فوراً ہی میں نے گود سے ہٹا کر الگ لٹا دیا بعد ازاں ہرگز ہرگز کبھی چھاتی بھی اس کے منہ میں نہیں دی۔

زید کی بیوی نے حلفیہ برسرِ مجلس مذکورہ بیان دیا جب اس کو عذابِ الٰہی سے ڈرایا گیا اور ایمان جاتے رہنے کا خوف دلایا گیا جب بھی اس نے مذکورہ بیان ہی کی تائید کی اور یہ بھی کہا کہ یہ بیان میرا اگر غلط ہو تو میرا منہ کالا ہو اور جہنم نصیب ہو۔ اس پر ناکح نے ہندہ کی لڑکی کا نکاح زید کے بیٹے کے ساتھ پڑھا دیا کہ از روئے فقہ تین گھونٹ دودھ کے پی لینے

سے بھی مانع نکاح نہیں چہ جائیکہ مرضعہ کے قول کے موافق مطلق کوئی گھونٹ دودھ کا پیا ہی نہیں۔ اگر یہ جھوٹ کہتی ہے تو اس کا وبال اس کی گردن پر ہوگا۔ ہم نے حجّت تمام کر دی پس کیا یہ نکاح صحیح ہوگیا یا نہیں ؟ نیز کیا یہ بات ٹھیک ہے کہ تین گھونٹ تک ممانعت یا حرمتِ نکاح ثابت نہیں ؟

الجواب

یہ نکاح صحیح ہوگیا کیونکہ ثبوتِ رضاع کے لئے دو مرد یا ایک مرد اور دو عورتوں کی شہادت ضروری ہے اور صورتِ مسئولہ میں صرف ھندہ کی شہادت بیان کی جاتی ہے جو ناکافی ہے پھر ھندہ نے بھی صرف چھاتی کا منہ میں دینا بیان کیا ہے، دبانے اور دودھ نکلنے کا اور بچی کے دودھ پینے سے وہ حلف کے ساتھ منکر ہے لہذا رضاع کا ثبوت کسی درجہ میں نہیں ہوا اور افواہی شہرت قابلِ اعتبار نہیں۔ اسی طرح اس لڑکی کو منحوس سمجھنا ہی جائز نہیں۔ شریعت میں اس نحوست کی کوئی اصل نہیں اور جو لوگ ایسی بے اصل باتوں کے معتقد ہوتے ہیں اللہ تعالیٰ کبھی بطورِ سزا کے دنیا میں ان پر کوئی وبال واقع کر دیتے ہیں پس اس عقیدے سے توبہ کرنا چاہیئے۔

حضرات تابعین و تبع تابعین میں بعضے بچے ماں کے پیٹ سے دانت نکالے ہوئے پیدا ہوئے اور بڑے درجہ کے عالم ہوئے جن سے آج تک برکتیں پھیل رہی ہیں (منهم الضحاك الراوی عن ابن عباس روی عنه التفسير والحديث والقرأة) نیز ناکح کا یہ قول بھی غلط ہے کہ تین گھونٹ سے حرمتِ رضاع نہیں ہوتی۔ حنفیہ اس کے قائل نہیں۔ ہمارے مذہب میں ایک گھونٹ سے بھی حرمتِ رضاع ثابت ہو جاتی ہے۔ جبکہ بیّنہ سے ثبوت ہو جائے۔ والمسئلة مشهورة فی الفقه۔ والله تعالیٰ اعلم۔

حررہ الاحقر ظفر احمد عفا عنہ از تھانہ بھون

۱۶ محرم الحرام ۴۸ھ

رضاعت کا ایک مسئلہ

سوال : دو سگی بہنیں ہیں جن دونوں کا نکاح دو سگے بھائیوں سے ہوا ان میں سے ایک کا لڑکا ہے اور دوسری کی ایک لڑکی ہے ان کا ارادہ تھا کہ آپس میں ہی اپنی اولاد کی شادی کریں ان کی نند ہے جس کے تعلقات دونوں بھاوجوں سے کشیدہ ہیں۔ وہ گوارا نہیں کرتی کہ ان کی آپس میں رشتہ داری ہو کر اتحاد بڑھے۔ ایک روز لڑکا والی عورت (بڑی بہن) اپنے بچہ کو سوتا چھوڑ کر کسی کے یہاں چلی گئی بعد میں لڑکا جاگ اٹھا۔ چھوٹی

بہن اور نند مذکورہ اس کے پاس تھی نند نے باصرار اِدھر اُدھر کی باتیں ملا کر لڑکے کو اس کی خالہ سے (جو لڑکی کی ماں ہے) دودھ پلوا دیا جو اپنی لڑکی اس لڑکے کے نکاح میں دینا چاہتی تھی۔ دودھ پلاتے وقت اس کو بالکل یاد نہ رہا کہ مجھے تو اس لڑکے یا اس کے بھائی سے اپنی لڑکی کا رشتہ کرنا ہے۔ بعد میں دوسری بہن نے آکر یاد دلایا۔ مگر لڑکا دودھ پی چکا ہے اور نند اپنا کام کر چکی تھی۔ اب فتویٰ درکار ہے کہ جیسے روزہ میں بھولے سے کھانا کھانے سے روزہ نہیں ٹوٹتا کیا یہ بھول شرعاً معاف ہو کر اب بھی ان دونوں بہنوں کے بچوں کا آپس میں نکاح ہو سکتا ہے یا نہیں؟ والسلام

السائل: عبدالمتین۔ از تھانیسر ضلع کرنال

الجواب

صورتِ مسئولہ میں حرمتِ رضاع ثابت ہوگئی۔ اب اس لڑکے کا اس خالہ کی کسی لڑکی سے نکاح جائز نہیں، قطعاً حرام ہے۔ بھول چوک کا اول تو اس قصہ میں کچھ لگاؤ ہی نہیں ہے بلکہ قصداً پلایا ہے۔ بھول چوک تو اس کو کہتے ہیں کہ مثلاً اپنا بچہ سمجھ کر اندھیرے وغیرہ کی وجہ سے دوسرے بچہ کو دودھ پلا دیا جائے۔ دوسرے اس بارے میں بھول چوک معاف نہیں ہوتی۔ البتہ جس لڑکے نے دودھ پیا ہے اس کے بھائی کا اس لڑکی سے نکاح جائز ہے۔

واللہ اعلم۔ کتبہ الاحقر عبدالکریم عفی عنہ۔

۲۷ جمادی الاول ۴۸ھ

الجواب صحیح

وما تضمّنه كلام السائل من ان الحرام لايباح الّا لامرٍ واجبٍ غيرمسلم فان الفطر فى رمضان حرامٌ ومع ذلك نيباح لامرٍ جائزٍ كسفر۔ كذا فى فتح البارى (ص۲۹۱ ج۔۱) قلتُ: والاصل فيه ماقاله فقهائنا قد يفتقر ضمناً مالا يفتقر قصداً (الاشباه ص۹٦) والله اعلم

ظفر احمد عفا عنہ

۲۷ جمادی الاوّل ۴۸ھ

مسئلہ رضاعت | **سوال**: کیا فرماتے ہیں علماءِ دین و مفتیانِ شرعِ متین اس بارے میں کہ ہندہ اور صابرہ دونوں حقیقی بہنیں ہیں اور رشید و قادر دو حقیقی برادر۔ صابرہ نے قادر

کی والدہ کا دودھ پیا جبکہ اس کی والدہ بیمار تھی یہاں پر قادر کو صابرہ کی ماں کا دودھ انہیں ایام میں جبکہ اس کا سینہ پکا ہوا تھا کھینچانے کی غرض سے ایک دن دیا گیا کہ قادر ہوشیار ہو گیا تھا طاقت دودھ نکالنے کی رکھتا تھا ممکن ہے کہ پیا بھی ہو لیکن دوسرے دن علیحدہ کر لیا گیا ۱ کیا یہ دونوں (صابرہ وقادر) بھائی بہن ہوئے جبکہ صورت شک کی ہے ۲ اور نیز کیا ھندہ اور رشید بھی رضاعی بھائی بہن ہوئے جنہوں نے دودھ بالکل ایک دوسرے کی ماں کا نہیں پیا؟ ۔ صورتِ مسئولہ ۲ میں عقدِ ہندہ ورشید کا ہو چکا ہے ایک بچی بھی موجود ہے یہ عقد جائز ہوا یا نہیں اولاد کا کیا حکم ہے؟ اگر یہ دونوں رضاعی بھائی بہن ہوئے تو کیا اب طلاق کی ضرورت بھی ہو گی؟ بیّنوا توجروا۔ خادم محمد نور عفی عنہ

الجواب

ہندہ سے رشید کا نکاح جائز ہے گو قادر کا دودھ پینا متیقّن یا مظنون بھی ہو۔

کما فی الشامی (ص ۴۱۹ ج ۲) فرع فی البحر عن آخر المبسوط لو کانت ام البنات ارضعت احد البنین وامّ البنین ارضعت احدی البنات لم یکن للابن المرتضع من امّ البنات ان یتزوّج واحدۃ منهن وکان لاخوته ان یتزوّجوا بنات الاخریٰ الا الابنۃ التی ارضعتها امّهم وحدها لانها اختهم من الرضاعۃ فقط واللہ اعلم

کتبہ الاحقر عبد الکریم عفی عنہ

ازخانقاہِ امدادیہ تھانہ بھون ضلع مظفر نگر

۲۹؍ ربیع الثانی سنہ ۵۰ھ

دو برس سے زائد کی بچہ کو دودھ پلانے سے حرمتِ رضاع ثابت نہیں ہوتی

سوال : کیا فرماتے ہیں علماءِ دین و مفتیانِ شرعِ متین اس مسئلہ میں کہ مسماۃ ولیما اور رسول بخش دونوں حقیقی بہن و بھائی ہیں مسماۃ ولیما کا ایک لڑکا پیدا ہوا جس کا نام شمس الحق رکھا گیا جب شمس الحق کی عمر تین سال کی ہوئی اس وقت شمس الحق کی ماں کا انتقال ہو گیا۔ اسی دوران رسول بخش کی بیوی سے ایک لڑکا پیدا ہوا اور ضائع ہو گیا اس وقت رسول بخش کی بیوی نے شمس الحق کو دودھ پلایا جس وقت رسول بخش کی بیوی نے دودھ پلایا اس وقت شمس الحق کی عمر تین سال کی تھی بعد ازاں رسول بخش کی بیوی کے دو تین لڑکے پیدا ہو کر ضائع ہو گئے اس کے بعد رسول بخش کی بیوی سے لڑکی پیدا ہوئی۔ اب دونوں میں عقد شرعاً جائز ہے یا نہیں۔ فقط رسول بخش

۲۱؍ ذیقعدہ سنہ ۴۸ھ

www.ahlehad.org

الجواب

اگر یہ بات صحیح ہے کہ رسول بخش کی بیوی نے جس وقت شمس الحق کو دودھ پلایا تھا اس وقت شمس الحق کی عمر تین سال کی تھی تو اس صورت میں شمس الحق کا نکاح رسول بخش کی لڑکی سے درست ہے کیونکہ دو برس سے زائد کی بچہ کو دودھ پلانا جائز نہیں اور نہ اس سے حرمتِ رضاع ثابت ہوتی ہے ـــــ فانہ لارضاع بعد الحولین و انما الرضاعۃ من المجاعۃ صرح بہ اصحاب المتون من اہل المذہب ۔ واللہ اعلم

ظفر احمد عفا عنہ از تھانہ بھون خانقاہ امدادیہ

۲۶؍ ذی قعدہ ۴۸ھ

باب الحضانۃ

نابالغ کے حقِ حضانت وولایت مال میں دادی، ہمشیرہ اور پھوپھی زاد بھائی میں کون مقدم ہے

سوال : کیا فرماتے ہیں علماءِ دین اس مسئلہ میں کہ محمد اختر نابالغ پسرِ منظور حق مرحوم کے عزیز حسب ذیل ہیں :

۱ مسماۃ شمس النساء ۔ حقیقی دادی ۔ ۲ مسماۃ حسینہ ۔ حقیقی ہمشیرہ ۔ ۳ انوار احمد ۔ حقیقی بہنوئی اور محمد اختر کا پھوپی زاد بھائی ۔ ان میں شرعاً محمد اختر کا ولی فی النکاح یا ولی فی المال کون ہے اور اس ولی کو کیا کیا اختیارات حاصل ہیں ۔ ولی فی النکاح اور ولی فی المال دونوں کے متعلق شرعاً جو کچھ حکم ہو مفصل بیان فرمائیں ۔

الجواب

صورتِ مسئولہ میں محمد اختر کا ولی فی النکاح اس کی حقیقی دادی ہے ۔

قال فی الدر : فان لم یکن عصبۃ فالولایۃ للام ثم لأم الاب وفی القنیۃ عکسہ اھ (ص ۵۱۲ ج ۔ ۲)

اور ولی فی النکاح کے اختیارات یہ ہیں کہ بلوغ سے پہلے بدون اس کی اجازت کے بچہ کا نکاح صحیح نہیں ہوسکتا اور ولی فی المال ان ورثاء مذکورین میں سے کوئی نہیں ۔

قال فی الشامی : فان الولی فیہ الاب ووصیہ والجد ووصیہ والقاضی و نائبہ فقط اھ (ص ۵۰۹ ج ۔ ۲)

پس اگر نابالغ کے باپ نے کسی شخص کو وصی بنایا ہو خواہ انہی ورثہ میں سے یا کسی اور کو وہ ولی فی المال ہوگا ورنہ پھر ولایتِ مال اس کو ہوگی جس کو حقِ حضانت حاصل ہو اور صورتِ مسئولہ میں حقِ حضانت بھی دادی ہی کو حاصل ہے۔

لما فی الدر: ثم ای بعد الام ام الام ثم ام الاب اھ (ص ۱۵۰ ج ۲)

وقال فی الکفایۃ: وان لم یکن احد من ھٰؤلاءِ الاربعۃ (ای الأب ووصیہ والجد ووصیہ) جاز قبض من کان الصبی فی عیالہ وحجرہٖ ولم یجز قبض من لم یکن فی عیالہ لانہ اذا کان فی عیالہ فلہ علیہ ضرب ولایۃ الخ (ص ۴۹۴ ج ۷۔ مع الفتح)

وفی الھدایۃ: ونوع آخر ما کان من ضرورۃ حال الصغار وھو شراء مالا بدّ للصغیر منہ وبیعہ واجارۃ الاظآر وذلک جائز ممن یعولہ وینفق علیہ کالاخ والعم والام والملتقط اذا کان فی حجرھم (ج ۴ ص ۴۶۰)

وفی الحامدیۃ: قولھم: ان عائل الیتیم یملک بیع مالابد منہ خاص بغیر العقار من نحو المنقولات امّا العقار فلیس لہ بیعہ اھ (ص ۲۹۶ ج ۲)

ولی فی المال کے اختیارات یہ ہیں کہ یتیم کو کوئی شخص کچھ ھبہ کرے تو اس پر قبضہ کر کے اس کی حفاظت کرے۔ یتیم کی جائیداد وغیرہ کی حفاظت کرے۔ خود یا بواسطہ وکیل کے اور جس چیز کی اُس کے لئے خریدنے کی ضرورت ہو خریدے اور اس کی اشیاءِ منقولہ میں سے جس چیز کا بیع کرنا مصلحت ہو اس کی بیع کر دے لیکن جائیداد و مکاناتِ غیر منقولہ کی بیع نہیں کر سکتا واللہ اعلم۔

حرّرہ الاحقر ظفر احمد عفا عنہ انتھانہ بھون

۱۶؍ محرم الحرام ۴۵ھ

اس صورت میں حق حضانت حقیقی خالہ کو اور ولایتِ نکاح نانا حقیقی کو حاصل ہے

سوال: کیا فرماتے ہیں علماءِ دین اس مسئلہ میں کہ ایک شخص مسلم سُنّی حنفی نے تین نابالغ لڑکیاں (۱۰؍ سال، ۸؍ سال، ۵؍ سال) اور ایک نابالغ لڑکا (۶؍ سال) بوقتِ انتقال چھوڑا۔ اور پھر شخصِ مذکور کی موت کے چھ ماہ بعد ان کی اہلیہ یعنی ان چار بچوں کی ماں بھی گذر گئیں۔ فی الحال ان نابالغ بچوں کے قرابت داروں میں ایک حقیقی پھوپھی نانا حقیقی ایک حقیقی خالہ ہیں۔ حقیقی نانا کے بہت سے چھوٹے چھوٹے بچے ہیں۔ بچوں کی حقیقی نانی ۲۵؍ سال قبل گذر گئیں سوتیلی نانی موجود ہیں اور سوتیلی نانی ہی کے سارے بچے حقیقی نانا کے ساتھ ہیں۔ خالہ حقیقی

کے شوہر جو پیشہ سرکاری ملازمت میں ہیں شہر بشہر بدلتے رہتے ہیں ایک شہر میں دو تین سال بھی مستقل طور پر قیام نہیں کر سکتا۔ پھوپھی نابالغ بچوں کے ساتھ ہمیشہ بیوہ ہو کر رہ رہی ہیں اور ہمیشہ اپنے بھائی مرحوم (بچوں کے والد) کے ساتھ رہی ہیں اور ایک شہر ہی میں مستقل رہنے والی ہیں، لاولد ہیں خالہ کے بچے متعدّد چھوٹے چھوٹے ہیں لہٰذا صورتِ مذکورہ بالا میں بچوں کا ولی شرعاً کون مقرر ہو سکتا ہے اور حقِ ولایت اور حقِ حضانت کس کو حاصل ہے ؟ بیّنوا توجروا۔

الجواب

اگر خالہ حقیقی کے شوہران لڑکیوں کے محرم ہوں اور خالہ حقیقی باوجود ایسی ملازمت کے بھی حضانت پر راضی ہو تو خالہ حقیقی حقِ حضانت میں مقدّم ہے ورنہ پھوپھی کو حقِ حضانت حاصل ہوگا۔

قال فی الدر: ثم الخالات کذلک ای لابوین ثم لام ثم لاب ثم العمّات کذلک اھ (ص ۱۰۵۰ ج ۲ مع الشامی)

وفیہ: والحاضنة یسقط حقها بنکاح غیر محرمه ای الصغیر وکذا بسکناها عند المبغضین له اھ (ص ۱۰۵۲ ج ۲)

اور حقِ ولایت نکاح نانا حقیقی کو ہے۔

قال الشامی بعد کلام طویل عن فتح القدیر وقیاس ما صحّح فی الجدّ والاخ من تقدّم الجد تقدم الجد الفاسد علی الاخت اھ فثبت بھذا ان المذھب ان الجدّ الفاسد بعد الام قبل الاخت اھ کلام البحر (ج ۲ ص ۵۱۳) باب الولی

واللہ اعلم
حرّرہ الاحقر ظفر احمد عفا عنہ از تھانہ بھون
۱۶ر محرم ۴۵ھ

احکامِ حضانت اور یتیم کے مال و زمین میں حاضنہ کے تصرف کا حکم

سوال مس

محمد اسماعیل
زوجہ۔ ابنین صغیرین۔ عم و صہر۔ عم۔ ابن العم
عبدالمجید شفاعت اللہ عبدالغفور

اب سوال یہ ہے کہ محمد اسماعیل مرحوم کی زوجہ ان کے نابالغ دونوں لڑکوں کی ماں ہے اب ان دونوں لڑکوں کی پرورش کے ولی صورتِ مرقومہ بالا میں سے کون ہوں گے اور نکاح کے کون اور مال و جائیداد کے انتظام و حفاظت

کے ولی کون ہوں گے تحریر فرما کر عند اللہ ثواب حاصل فرمائیں۔

الجواب ھوالموفق للصدق والصواب

من بعض علماء بنگال

محمد اسماعیل مرحوم کے نابالغ دونوں لڑکوں کی پرورش کے ولی لڑکوں کی ماں ہے۔ کذا فی کتاب الحضانۃ۔ اور نکاح کے واسطے مرحوم کے دونوں چچے شفاعت اللہ و عبد المجید ولی ہیں مگر عبد المجید ذو القرابتین ہونے کی وجہ سے اقرب ہے۔

درمختار باب الولی میں ہے: الولی فی النکاح العصبۃ بنفسہ وھو من یتصل بالمیت بلا توسط انثیٰ علیٰ ترتیب الارث والحجب۔

اور مال و جائیداد کے انتظام و حفاظت کے بارے میں ردالمحتار باب الولی میں مذکور ہے: الولی فیہ الاب ووصیہ والجد ووصیہ والقاضی ونائبہ وقال الطحطاوی فی باب الولی تحت قول صاحب درالمختار (لا المال) اما الولی فیہ فالاب ووصیہ و وصی وصیہ والجد کذلک والقاضی ووصیہ کما ذکرہ المصنّف متناً کما سیأتی۔

پس صورتِ مسئولہ میں بوجہ فقدانِ وصیِ اَب وَجَد کے مال کے انتظام و حفاظت قاضی یا نائب قاضی کے ساتھ متعلق رہیگا۔

اب دوسرا سوال یہ ہے کہ: محمد اسماعیل مرحوم کی اولادِ صغار ریاست پٹرہ غیر مسلم راجہ کے عملداری میں رہنے والے ہیں اور یہاں مسلمان حاکم یا قاضی وغیرہ کچھ نہیں ہیں۔ اب مرحوم کے ترکہ کس کے حوالہ کیا جائے۔

الجواب

مرحوم کے کنبہ والے و محلہ دار سب ملکر کسی کو حَکَم مقرر کر کے ترکہ کو حَکَم کی ذمہ داری میں رکھیں کیونکہ حَکَم اموال کے بارے میں مثل قاضی کے ہے۔ درمختار باب التحکیم میں ہے: والحاصل انہ کالقاضی الا فی مسائل۔

تیسرا سوال یہ ہے کہ: عبد المجید محمد اسماعیل مرحوم کے چچا اور خسر ذو القرابتین ہے اور کنبہ اور محلہ کے معتمد لوگوں میں سے بھی ہے لہٰذا ان کو نابالغوں کے مال و جائیداد کی حفاظت و انتظام کے لئے حَکَم بنانے میں کوئی حرج ہے یا نہیں؟

الجواب: اگر عبد المجید واقعی اوصافِ مذکورہ فی السؤال کے ساتھ متّصف ہے

تو محلہ والوں کے مشورہ سے مرحوم کی اولادِ صغار عاقل بالغ ہونے تک ان کے مال وجائیداد کی حفاظت و انتظام کے لئے عبدالمجید ہی کو حَکَم بنانے میں کوئی حرج نہیں بلکہ افضل معلوم ہوتا ہے

واللہ اعلم

راقم سید واحد علی عفا اللہ عنہ ساکن اسلام آباد
ڈاکخانہ کھوالی ضلع ٹہرہ اسٹیٹ

۳۰ / ۱ / ۴۵ھ

تفصیل الجواب من جامع امداد الاحکام

قال فی الهداية : و اذا وهب لليتيم هبة فقبضها وليه وهو الاب ووصی الاب او جدّ اليتيم او وصيّه جاز لأنّ لهٰؤلاء ولاية عليه لقيامهم مقام الاب. وان كان فی حجر أمّه فقبضها له جائز لأنّ لها الولاية فيما يرجع الى حفظه وحفظ ماله وهٰذا من بابه لانه لا يبقى الا بالمال فلا بد من ولاية التحصيل. و قال صاحب الكفاية تحت قوله "لأنّ لهٰؤلاء الخ" وان لم يكن من هٰؤلاء الاربعة جاز قبض من كان الصبی فی حجره وعياله ولم يجز قبض من لم يكن فی عياله لانه اذا كان فی عياله فله عليه ضرب ولاية الخ (مع فتح القدير ص ۴۹۴ ج ۷)

وفی الهداية ايضاً : ونوع آخر ما كان من ضرورة حال الصغار وهو شراء ما لا بدّ للصغير منه وبيعه واجارة الأظآر وذلك جائز ممن يعوله وينفق عليه كالاخ والعم والام والملتقط اذا كان فی حجرهم واذا ملك الملتقط هٰذا النوع فالولی اولی به الا انه لا يشترط فی الولی ان يكون الصبی المذكور فی الفرع الاول (ص ۳۶۰ ج ۳)

وفی الفتاوی الحامدية : نعم ويجوز شراء ما لا بد للطفل منه وبيعه لاخيه وعمّه وامّه وملتقطه ان هو فی حجرهم دفعاً للضرر عنه وتوجّر امّه فقط وكذا ملتقطه على الاصح (الى ان قال) وجاز ايضاً شراء ما لا بد للصغير منه كالنفقة والكسوة واستيجار الظئر ونحو ذلك وبيعه ای بيع ما لا بدّ منه ايضاً للصغير لاخ وعم وام هو ای الصغير فی حجرهم دفعاً للضرر عنه اھ (ص ۲۹۵ ج ۲)

وفيه ايضاً : ثم ان ما مرّ من ان عائل اليتيم يملك بيع ما لا بدّ منه خاص بغير العقار من نحو المنقولات فليس له بيعه ولو مع وجود المسوغات لما فی الدر المختار:

وهذا ای بیع العقار للمسوغ لو البائع وصیاً لامن قبل ام واخ فانهما لایملکان بیع العقار مطلقًا ولاشراء غیر طعام وکسوة الخ (ص ۲۹٦ ج-۲)

مجیب اول کا یہ جواب تو بالکل صحیح ہے کہ ان صغیرین غیر بالغین کا حقِ حضانت ماں کو حاصل ہے البتہ اس میں اتنی تفصیل ہے کہ اگر یہ صغیرین دونوں لڑکے ہیں تو ماں کو حقِ حضانت سات برس کی عمر تک ہے۔ جب یہ لڑکے سات سال کے ہوجائیں اس کے بعد حقِ حضانت ولی اقرب عصبہ کو ہے اور اگر ان میں سے کوئی لڑکی بھی ہے تو حقِ حضانت لڑکی کے بالغ ہونے تک ہے

قال فی الدر: والحاضنة اما اوغیرها أحق به ای با لغلام حتی یستغنی عن النساء وقدر بسبع وبه یفتیٰ والام والجدّة احقّ بها ای بالصغیرة حتی تحیض ای تبلغ فی ظاهر الروایة اهـ (ص ۱۰۵۴ ج ۲)

نیز مجیب اول کا یہ جواب بھی صحیح ہے کہ ولایت نکاح صغیرین میت کے دونوں چچا کو حاصل ہے مگر مجیب نے ایک چچا کو بوجہ ذو القرابتین ہونے کے جو ترجیح دی ہے اس ترجیح کی کوئی دلیل بیان نہیں کی اور قواعد سے یہ ترجیح صحیح نہیں کیونکہ علاقۂ مصاہرت کو ولایتِ نکاح میں کچھ دخل نہیں اسکی وجہ سے ایک عصبہ کو دوسرے عصبہ پر کیونکر ترجیح ہوسکتا ہے بلکہ صحیح یہ ہے کہ ان صغیرین کا ولی ہر چچا بدرجہ مساوی ہے ان میں سے جو بھی صغیرین کا نکاح اول کرے گا نافذ و معتبر ہوگا بشرطیکہ کفو سے کرے اگر یہ صغیر لڑکی ہو اور صغار ذکور میں رعایت کفاءت مختلف فیہ ہے۔

قال فی الدرّ: ولو زوّجها ولیّان مستویان (کأخوین شقیقین) قدم السابق فان لم یدر او وقعامعًا بطلا اهـ (ص ۵۱۵ ج ۲)

قال الشامی تحت قول الدر وان کان المزوّج غیرهما لایصح النکاح من غیر کفوٴ مثل قول الکنز ولو زوّج طفله غیر کفوٴ اوبغبن فاحش صحّ ولم یجز ذلك لغیر الاب والجد ومقتضاه ان الاخ لو زوّج اخاه الصغیر امرأة ادنی منه لایصح وفیه مامرّ عن الشرنبلالی من ان الکفاءة لاتعتبر للزوج اهـ (ص ۵۰۰ ج ۲)

اور مجیبِ اول نے ولایتِ مال وحفظِ جائیداد کے متعلق جو تکلف کیا ہے اس کی کچھ ضرورت نہیں بلکہ بر تقدیر فقدان اب وجد ووصی ایشان ولایتِ حفظ مال و انتظام جائیداد اس ولی کو حاصل ہے جس کو حقِ حضانت حاصل ہے جیساکہ جزئیاتِ مذکورہ سے

مستفاد ہوتا ہے پس صورتِ مسئولہ میں ولایت حفظِ مال و انتظام جائیداد بھی صغیرین کی ماں کو حاصل ہے جب تک کہ اس کو حقِ حضانت حاصل ہے جس کی حد اوپر مذکور ہو چکی خواہ وہ خود انتظام کرے یا کسی معتبر شخص کو وکیل بنا کر اس کے ذریعہ انتظام کرائے البتہ ماں کو صغیرین کی جائیداد کی بیع کا حق حاصل نہیں اور منقولات میں سے بھی بلا ضرورتِ شدیدہ کسی شئ کو بیع نہیں کر سکتی۔ فقط واللہ اعلم

حررہ الاحقر ظفر احمد عفا عنہ۔

۸ر صفر ۴۵ھ

بچے کے غیر محرم سے حاضنہ کا نکاح مُسقطِ حقِ حضانت ہے

سوال: کیا فرماتے ہیں علماءِ دین رحمکم اللہ اس مسئلہ میں کہ دو لڑکیاں نابالغ یتیم ہیں ماں باپ کا انتقال ہو گیا ہے نانی، دادی بھی زندہ نہیں ہیں لیکن خالائیں اور پھوپھیاں، نیز چچا بھی ہیں اور ماموں بھی، ابتداء سے ان لڑکیوں کی مجھلی خالہ نے ان کو پالا ہے ان کی والدہ مرحومہ کی زندگی میں بھی اور ڈھائی تین مہینہ تک بعد انتقال کے بھی۔ مرتے وقت ان کی والدہ نے اسی خالہ کے حوالہ بھی ان کو کیا تھا۔ یہ مجھلی خالہ ان لڑکیوں کی والدہ مرحومہ سے عمر میں بھی بڑی ہے اور شادی بھی مرحومہ کی شادی سے ۵ر ۶ سال قبل ہوئی ہے۔ اس خالہ کی کوئی اولاد نہیں ہے، لاولد ہے۔ اب ان لڑکیوں کو ان کی والدہ مرحومہ کے انتقال کے ڈھائی تین مہینہ کے بعد ان کی پھوپھیوں نے اپنے یہاں بلا کر روک لیا ہے اور خالہ کے پاس بالکل آنے نہیں دیتیں خالہ ان کے فراق میں بہت بے قرار ہے۔ اس نے مثل اولاد کے بچپن سے اب تک پالا ہے محبت کے باعث آب دیدہ رہا کرتی ہے۔ یہ لڑکیاں اپنی والدہ مرحومہ کے ساتھ اور خالائیں سب ایک ہی مکان میں جو ان کے نانا کا ہے اب تک رہتی تھیں اور خالائیں اب بھی اس مکان میں بدستور ہیں، خالہ دعویدار ہے کہ میرا حق سب سے زیادہ ہے یہ لڑکیاں مجھ کو بغرضِ پرورش ملنی چاہئیں۔ ایک پھوپھی جس کی ابھی شادی نہیں ہوئی ہے اور دوسری پھوپھیوں سے چھوٹی ہے اس کے پاس یہ لڑکیاں اب ہیں وہ پھوپھی بھی اب دعویدار ہوئی ہے کہ لڑکیوں کی پرورش میں کروں گی میرا سب سے زیادہ حق ہے اس واسطے کہ جو خالہ دعویدار ہے ونیز دیگر خالہ پھوپھیاں سب شادی شدہ ہیں اور سب کے شوہر لڑکیوں کے غیر محرم ہیں لہذا سب کے حقوق جاتے رہے صرف اب میں حقدار ہوں جو خالہ دعویدار ہے اس نے بھی شادی کر لی ہے اس کا سوہر بھی لڑکیوں کا محرم نہیں ہے۔ خالہ یہ جواب

ہے کہ میں نے اب دوسرا شوہر نہیں کیا۔ میری شادی کو سولہ برس ہو چکے ہیں پہلے شوہر ہونے سے گو وہ لڑکیوں کا نامحرم ہی ہو حق پرورش نہیں جا سکتا کیونکہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ کی صاحبزادی کو ان کی خالہ کے سپرد فرمایا تھا جو حضرت جعفر رضی اللہ عنہ کے نکاح میں پیشتر سے تھیں۔ اور فرمایا تھا کہ خالہ بمنزلہ ماں کے ہے۔ اگر پہلے کے شوہر غیر محرم ہونے سے حق جاتا رہتا تو حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کیسے اس خالہ کو حوالہ فرماتے حالانکہ حضرت جعفرؓ حضرت حمزہؓ کی صاحبزادی کے غیر محرم اور چچیرے بھائی تھے۔ حضرت شاہ اہل اللہ صاحب برادرِ حضرت شاہ ولی اللہ صاحب دہلوی نے بھی کنز الدقائق کے ترجمے میں جس کا نام "احسن المسائل کامل ترجمہ کنز الدقائق" ہے اور جو مطبع مجیدی کانپور میں ۱۹۱۹ء کو چھپی ہے، اس بات کو خوب صاف فرمایا ہے۔ فرماتے ہیں: پھر اسی (سگی سوتیلی کے) ترتیب سے خالائیں۔ اگر خالائیں بھی نہ ہوں تو اس ترتیب سے پھوپھیاں اور جو عورت بچہ کے غیر محرم سے نکاح کرے تو اس کا حق جاتا رہے گا۔ (ف) یعنی جس سے اب اس عورت نے دوسرا نکاح کیا ہے وہ اس بچہ کا قریبی رشتہ دار نہیں ہے تو اب اس بچہ کی پرورش کرنے میں اس عورت کا حق نہ رہا۔ ص ۱۲۶

تو سوال یہ ہے کہ مذکورۂ بالا صورت میں لڑکیاں کس کو بغرضِ پرورش ملنی چاہئیں۔ کس کا حق ہے؟ اور خالہ اور پھوپھی میں کس کس کی بات صحیح اور شرع کے موافق ہے؟ جواب مدلّل، مشرّح اور مفصّل درکار ہے۔ بیّنوا توجروا

حسین محمد صالح محلہ از مولمین پوسٹ بکس ۱۰۸

الجواب

چھوٹی پھوپھی کا یہ قول صحیح ہے کہ خالہ کا شوہر چونکہ یتیم لڑکیوں کا محرم نہیں ہے اس لئے خالہ کا حقِ حضانت ساقط ہو گیا۔

قال فی الدر: تثبت للام الا ان تکون مرتدّة أو فاجرة او متزوّجة بغیر محرم الصغیر اھ

قال فی الشامی: ومثله (فی سقوط حقّ الحضانة) لو تزوّجت باجنبی وصارت الحضانة لغیرها کالاخت فانه لا یلزمها ان تربیه او ترضعه عند الام (ص۱۰۴۴ ج ۲)

اور خالہ نے جو دلیل بیان کی ہے اس کی صحت اس پر موقوف ہے کہ اول یہ ثابت کر دے کہ بنت حمزہ کی کوئی پھوپھی بغیر نکاح کے اس وقت موجود تھی اور جب خالہ اور پھوپھی

سب کے سب صغیر یتیم کے نامحرم کے نکاح میں ہوں تو اس صورت میں خالہ مقدم ہوگی پس بصورتِ موجودہ چھوٹی پھوپھی ان یتیم لڑکیوں کی پرورش کا زیادہ حق رکھتی ہے بشرطیکہ وہ بالغ ہو اور پرورش کے قابل ہو اگر اس چھوٹی پھوپھی نے کسی وقت ان یتیم لڑکیوں کے نامحرم سے نکاح کرلیا تو حقِ حضانت پھر چچا کی طرف عود کریگا اگر اس وقت بھی یہ لڑکیاں نابالغ ہوں۔

قال فی الدر: ثم الخالات ثم العمات ثم العصبات بترتیب الارث الخ (۱۰۵ ج ۲)

حررہ الاحقر ظفر احمد عفا عنہ
۲ ر رجب ۱۳۴۵ھ

لڑکا سات سال کا ہو تو ماں کو اس کی پرورش کا حق نہیں بلکہ ولی عصبہ کو ہے

سوال: عبد الغفور ایک شخص ہے جو اپنے حقیقی چچا کے پاس رہتا تھا بعد انتقالِ چچا کے عبد الغفور کی چچی نے دوسرے شخص سے شادی کرلی جو کہ عبد الغفور کی مرضی کے خلاف ہوئی۔ لیکن یہ عقد ہونے پر کیا کرسکتا تھا چچا کے صرف دو لڑکے ہیں جو نابالغ ہیں ایک کی عمر دس برس ہے اور دوسرے کی عمر بارہ یا تیرہ برس ہے۔ اب عبد الغفور لڑکوں کی پرورش خود کرنا چاہتا ہے اور جس شخص سے عبد الغفور کی چچی نے عقد کیا ہے اس کے ذریعہ سے وہ پرورش کرانا نہیں چاہتا اور یہ ہی عدالت میں عبد الغفور کو بھتیجا قرار دیا گیا ہے سوائے اس ایک بھتیجے کے اور کوئی حقیقی رشتہ دار نہیں ہے۔ اب عدالت نے فتویٰ طلب کیا ہے کہ تم فتویٰ پیش کرو کہ آیا تم اپنے چچا کے لڑکوں کے اور کل مال و جائیداد وغیرہ کے شرعی حقدار ہو یا نہیں؟ لہٰذا براہ کرم جواب سے فوراً مطلع فرمائیں کہ یہ شخص یعنی عبد الغفور اپنے چچا کے لڑکوں کو شرعاً ان کی والدہ سے لیکر خود پرورش کرسکتا ہے یا نہیں؟ عبد الغفور کے چچا کو مرے ہوئے تین برس ہوگئے ہیں اور لڑکے دونوں اپنی والدہ کے پاس ہیں بعد انتقال والد ان کی پرورش آج تک ان کی والدہ ہی نے کی ہے اور جو کچھ مال اسباب جائیداد چچا کا ہے اس کا مالک کون ہے؟ اور کس کے تحت میں وہ رہے جب تک لڑکے بالغ نہ ہوں۔

عبد الغفور تھانوی بیرون جالوری دروازہ حویلی جوشی
ابنا داس جی۔ جودھ پور

الجواب

قال فی الدر: والحاضنة اما أو غیرھا أحق بہ ای بالغلام حتی یستغنی عن النساء وقدر بسبع وبہ یفتی لانہ الغالب اھ

قال الشامي : وفي شرح المجمع : واذا استغنى الغلام عن الخدمة الاب اوالوصى اوالولى على أخذه لانه أقدر على تاديبه وتعليمه اھ

وفي الخلاصة وغيرها : واذا استغنى الغلام وبلغت الجارية فالعصبة اولى يقدم الاقرب فالاقرب اھ (ص ۱۰۵۴ ج ۲)

ان نصوص سے معلوم ہوا کہ صورتِ موجودہ میں جب نابالغ بچوں کی عمر ۷ سال سے زیادہ ہے تو اب ماں کو ان کی پرورش کا حق نہیں بلکہ ان بچوں کے ولی عصبہ کو یعنی میت کے بھتیجے عبدالغفور کو ان کی پرورش کا حق ہے اور وہی میت کی جائیداد کی حفاظت وانتظام کا حقدار ہے باقی ملکیت کا اس جائیداد میں اس کو کوئی حق نہیں کیونکہ جب میت کے لڑکے موجود ہیں تو ان کے سامنے بھتیجے کو میراث کچھ نہیں مل سکتی۔ ہاں وہ ان کے بلوغ تک جائیداد وغیرہ کا انتظام کر سکتا ہے اور اس انتظام کا معاوضہ حاکم کی رائے میں جتنا مناسب ہو وہ پا سکتا ہے اس سے زیادہ اس کو اور کچھ حق نہیں سب میّت کے لڑکوں کا ہے جو فرائضِ شرعی سے معلوم ہو سکتا ہے۔

از خانقاہِ امدادیہ اشرفیہ تھانہ بھون

۱۴ شعبان ۴۳ھ

بالغ ہونے تک لڑکیوں کی پرورش کا حق ماں کو ہے

سوال : جناب مولانا صاحب السلام علیکم! طلاق دی ہوئی عورت کے پاس لڑکیاں جن میں ایک کی عمر چھ سال اور دو کی عمر تین سال ہے رکھنا جائز ہے یا نا جائز؟ اور طلاق دی ہوئی عورت اپنے میکے یعنی اپنی ماں کے گھر رہتی ہے مرد کے مکان سے کوئی نسبت نہیں اور نہ کبھی آئندہ رہ سکتی ہے دونوں لڑکیوں کی نانی وغیرہ کہتی ہیں کہ ابھی بالکل بچہ ہے یہیں رہیں گی۔ مرد اس وجہ سے دریافت کرنا چاہتا ہے کہ طلاق دی ہوئی عورت کی بڑی بہن جس کی بیوہ ہونے کو آٹھ دس برس ہوا اس نے ابھی تک دوسرا نکاح نہیں کیا اس وجہ سے اس کی ساس وسسر بہت کرتے ہیں اور محبت سے پہلے کی طرح رکھ رہے ہیں اسی وجہ سے وہ دوسرا نکاح کرتی ہے اسی خیال سے اگر مرد لڑکیوں کو طلاق دی ہوئی عورت کے پاس رکھے اور وہیں خرچ بھیجے تو خرچ کی بدولت اور بچوں کی محبت کی وجہ سے دوسرا نکاح نہ کرے تو اس کا کیا حکم ہے لڑکیوں کو طلاق دی ہوئی عورت کے پاس رکھے یا اپنے ماں باپ یعنی لڑکیوں کے دادا، دادی کے گھر رکھے اور مرد کو پورا یقین ہے کہ اگر خرچ طلاق دی

ہوئی عورت کے پاس گھر جائیگا بچوں کے واسطے تو وہ ہرگز ہرگز دوسرا نکاح نہیں کرسکتی ہے فقط۔ خاکسار محمد عزیز خطوط نویس الٰہ آباد سٹی پوسٹ آفس الٰہ آباد

۱۶ر اپریل ۱۹۳۰ء یوم چہارشنبہ

الجواب

جب تک زوجہ مطلقہ دوسرا نکاح نہ کرے اس وقت تک وہ ان لڑکیوں کے بالغ ہونے تک ان کی پرورش کا حق رکھتی ہے۔ باپ کو لازم ہے کہ اس سے لڑکیوں کو بلا وجہ الگ نہ کرے بلکہ لڑکیوں کا خرچ ان کی ماں ہی کے پاس بھیجتا رہے اور جو وجہ شبہ کی سائل نے بیان کی ہے اس سے ماں کا حقِ پرورش باطل نہیں ہو سکتا۔ اگر وہ اپنی اولاد کی محبت اور پرورش کی وجہ سے دوسرا نکاح نہ کرے تو اس میں حرج کیا ہے بلکہ اس کو صبر کا اجر ملیگا نکاح ثانی اس عورت پر لازم ہے جو رسم و رواج کی وجہ سے اس سے رُکتی ہو حالانکہ اس کو اپنی عفت محفوظ نہ رہنے کا خطرہ ہو اور جس کو یہ خطرہ نہ ہو بلکہ اپنی اولاد کی پرورش کرنے کے لئے اپنے کو خاک میں ملادے اس پر نکاحِ ثانی لازم نہیں۔ واللہ تعالیٰ اعلم

از تھانہ بھون خانقاہِ امدادیہ

۱۹ر ذی قعدہ ۱۳۴۸ھ

باپ، ماں کی خالہ، دادا، دادی میں کون احق بالحضانت ہے؟

سوال: ایک عورت سات برس کی لڑکی چھوڑ کر اور اس کو اپنی خالہ کے سپرد کرکے مرگئی اور اس لڑکی کے حسب ذیل اقارب ہیں: ایک ماں کی خالہ مذکورہ جو لڑکی کو خوشی سے پرورش کر رہی ہے اور باپ جو اس مذکورہ کی پرورش پر راضی ہے اور دادا، دادی جو کہ لڑکی کو اس مذکورہ پرورش کنندہ سے لینا چاہتے ہیں۔ اب سوال یہ ہے کہ کیا صورتِ مذکورہ میں دادا۔ دادی اس لڑکی کو جبرًا اس مذکورہ پرورش کنندہ سے شرعًا لے سکتے ہیں یا نہیں؟ بیّنوا توجروا

الجواب

فی الدر: فی باب الحضانة ثم بعد الام أمّ الام ثم أمّ الأب وان علت ثم الاخت ثم الخالات ثم العمّات ثم خالة الامّ ثم خالة الاب ثمّ عمّات الامّهات والآباء ثم العصبات بترتیب الارث اھ (ص ۱۰۵ ج ۲)

پس صورتِ مسئولہ میں اس لڑکی کا حقِ حضانت دادی کو ہے ماں کی خالہ اور باپ کو نہیں

ہے وہ اگر بچہ کی پرورش کرنا چاہیں تو دادی کی اجازت سے کرسکتے ہیں بدون اس کے نہیں فان لمن لہ حق الحضانۃ لہ اسقاط ہٰذا الحق ایضاً۔ واللہ اعلم

از خانقاہِ امدادیہ تھانہ بھون

۲۳؍ ذی قعدہ ؁۴۸ھ

حاضنہ ایام حضانۃ میں بچے پر صرف کی ہوئی رقم بچے کے مال سے اس کی ملک میں اگر مال ہو لے سکتی ہے ورنہ باپ کے ذمہ ایام حضانۃ کا خرچ لازم ہوگا

سوال: فاطمہ مرحومہ کے تعلقات آخر میں خراب ہوگئے تھے کیونکہ اس کا شوہر باوجود بلانے کے نہیں آیا تھا۔ چنانچہ مرتے وقت فاطمہ مرحومہ نے اپنی والدہ کو یہ وصیت کی تھی کہ میرا تمام سامان اور روپیہ پیسہ اور میرا لڑکا ان سب کو اپنے پاس رکھنا اپنے شوہر کے متعلق یہ کہا تھا کہ اس کو کچھ نہ دینا جب لڑکا جوان ہوجائے تو سب کچھ اس لڑکے کو دیدینا۔ مرحومہ کی ماں یعنی بچہ کی نانی نے پرورش کرتے وقت یہ نیت کی تھی کہ اگر لڑکے کے باپ نے مجھ سے اچھے تعلقات نہ رکھے تو میں اس سے پرورش کا پورا صرفہ لوں گی۔ چنانچہ بچے کے باپ نے تعلقات خراب کر لئے، ملنا جلنا ترک کر دیا، بچے کو جب دس سال کا ہوگیا تو زبردستی بذریعہ عدالت بچے کی نانی سے لے لیا بچے کی نانی نے صرفۂ پرورش کا مطالبہ بچے کے باپ سے کیا تو بچے کے باپ نے انکار کر دیا۔ بچہ کی نانی نے پرورش میں اور تعلیم میں اور عقیقہ و ختنہ کی تقریب میں کافی رقم صرف کی اب دریافت طلب امر یہ ہے کہ بچے کی نانی زرِ مہر اور مرحومہ کے دیگر ترکہ سے مذکورۂ بالا رقم سے لے سکتی ہے یا نہیں؟

خادم عبد المجید

الجواب

چونکہ نانی کو اس صورت میں حقِ حضانت حاصل تھا اس لئے اس نے جسقدر رقم بچے کے کھانے کپڑے میں اور تعلیم میں صرف کی ہو وہ بچہ کے حصہ میں سے جو اس کو اپنی ماں کے ترکہ میں سے ملا ہو لے سکتی ہے اور جو رقم تقریبات میں خرچ کی ہے وہ نہیں لے سکتی اور شوھر کے حصے میں سے اس وقت لے سکتی ہے جبکہ بچہ کا حصہ نفقہ کے لئے کافی نہ ہو۔

والمسئلۃ فی الشامیۃ ص ۱۴۵ ج ۲۔ واللہ اعلم۔ از تھانہ بھون خانقاہ امدادیہ

۲۶؍ محرم ؁۴۹ھ

باپ حاضن اپنے مالدار صغیر بیٹے کا کھانا اپنے ایندھن سے پکائے تو ایندھن کے عوض اس میں سے باپ کو کھانا جائز ہے یا نہیں؟

سوال: ایک شخص اپنے صغیر لڑکے کا حاضن ہے اور صغیر مالدار ہے اور صغیر کے مال سے صغیر کے لئے باپ اپنا ایندھن لکڑی وغیرہ جلا کر کھانا پکاتا ہے تو کیا باپ کے لئے جائز ہے کہ اس کھانے میں سے اپنی مؤنت اور ایندھن کے عوض میں کچھ کھالیا کرے یا نہیں ؟

الجواب

وَمَنْ كَانَ غَنِيًّا فَلْيَسْتَعْفِفْ وَمَنْ كَانَ فَقِيْرًا فَلْيَأْكُلْ بِالْمَعْرُوْفِ

اگر باپ غنی ہے تو اس کو صغیر کے مال میں سے نہ کھانا چاہیئے ہاں ایندھن کا عوض نقد لے سکتا ہے جبکہ ایندھن کی مقدارِ معیّن صغیر کے لئے جلانے سے پہلے الگ کردی جائے باقی مؤنت کے عوض نہیں لے سکتا لعدم تحقق الاجارۃ۔ اور فقیر ہے تو مؤنت کا عوض بھی لے سکتا ہے لا لکونہٖ اُجرۃ بل لکون الاَبِ مُحتَاجًا اِلٰی مالہٖ۔ اور بدون مؤنت کے بھی حاجت کے وقت بقدرِ ضرورت کھا سکتا ہے۔ واللہ اعلم۔

۷؍ ذی الحجہ ۴۹ھ

كتاب النفقات

فصل فی نفقة الزوجة وسكناها

زوجہ شوہر کی اجازت کے بغیر اس کا مال خرچ نہیں کر سکتی ۔

سوال : ھندہ زوجۂ زید ہے اور زید پچاس روپیہ ماہوار پیدا کرتا ہے تو کیا پورا پچاس روپیہ ماہوار ھندہ کا نفقہ زید کے ذمہ واجب ہیں یا کس قدر ؟ اور اگر اس کی پوری آمدنی پچاس روپیہ کی ہندہ کے پاس امانت رہتی ہو تو کیا وہ ان سب کے صرف کر دینے کی بلا رضامندی شوہر خود مالک و مختار ہے یا نہیں ؟

الجواب

اگر ھندہ کو سب رقم خرچ کرنے کی زید نے اجازت دیدی ہو تو وہ سب صرف کر سکتی ہے ورنہ نہیں اور اجازت دینے کی صورت میں زید کو اپنے باپ کی حق تلفی کا گناہ ہوگا اور اگر ھندہ زید کو اغواء کرتی ہے کہ تو اپنے باپ کی خدمت نہ کر تو اس کو بھی گناہ ہوگا اور بھائی بہن اگر اپاہج نہیں ہیں تو زید کے ذمہ ان کا نفقہ نہیں ہے واللہ اعلم

۲۷ ربیع الثانی

عورت کے ناشزہ ہونے کی صورت میں اس کا نان نفقہ اور مہر کا مطالبہ کرنا

سوال : کیا فرماتے ہیں علماءِ دین و مفتیانِ شرع متین اس مسئلہ میں کہ زید نے ہندہ سے نکاح کیا۔ بعد چار پانچ ماہ کے ھندہ نے اپنے والدین کے گھر جانے کی غرض سے زید سے دو روز کی مہلت چاہی زید نے دو روز کے بعد آنے کے اقرار پر ہندہ کو اس کے والدین کے گھر روانہ کیا۔ ہندہ اپنے ماں باپ کے گھر جاتے وقت زیورات وغیرہ جو نکاح کے وقت ڈالے گئے تھے ہمراہ لے کر گئی لیکن ہندہ اپنے اقرار کے موافق دو روز کے بعد نہیں آئی۔ یہاں تک کہ چار پانچ مہینہ تک آئی نہیں۔ زید بھی ھندہ کے اقرار پر نہ آنے کی وجہ سے خفا ہو کر خاموش ہو گیا بعد دو چار ماہ کے زید نے کسی کو یوں کہلا بھیجا کہ اس وقت تیری مرضی کیا ہے کہ اس طرح اپنے والدین کے گھر بیٹھی ہوئی ہے تو اس کے جواب میں ھندہ یوں کہتی

ہے کہ میں زید سے ناراض ہوں، میرا اس کے پاس آنا نہ ہوسکے گا، مجھے نان نفقہ اور مہر ادا کرنا چاہیئے اور زیورات وغیرہ جو بوقتِ روانگی ہمراہ لے گئی تھی اس سے انکار کرتی ہے کہ میں کچھ نہیں لایا۔ تمام زیورات وغیرہ زید کے گھر میں ہیں وہ بھی مجھے دینا چاہیئے۔ تو زید کہتا ہے کہ ھندہ تو اپنے اقرار پر ثابت نہیں رہی کہ دو روز کے بعد آنے کے اقرار پر ماں باپ کے گھر بیٹھ گئی۔ دوسرے بلوانے پر بے باکانہ طور پر نان ونفقہ اور مہر چاہنا۔ زیورات وغیرہ ہمراہ لیجاکر اس سے انکار کرنا اور پھر زیورات کا چاہنا لہٰذا یہ نان ونفقہ اور مہر کی حقدار نہیں اور کوئی حق اس کا میرے پاس ثابت نہیں پس دریں صورت زید کا قول صحیح ہے یا ہندہ کا؟

بیّنوا بالتفصیل توجروا بالآخرۃ۔

الجواب

اگر مہر کل مؤجل ہے تب تو عورت کو قبل از موتِ زوج یا طلاق، مطالبۂ مہر کا کوئی حق نہیں اور اگر بعض معجل ہے تو مہر معجّل کے مطالبہ کا ھندہ کو حق حاصل ہے۔ اور نفقہ کا حکم یہ ہے کہ اگر مہر کُل مؤجل ہے تو اس کے وصول کرنے کے لئے ھندہ کو زوج سے رُکنے کا حق نہیں اس صورت میں وہ ناشزہ ہے جس کے لئے نفقہ نہیں۔ اور اگر کل مہر یا بعض معجل ہے اور ھنوز ھندہ کو وصول نہیں ہوا تو اس کے وصول کرنے کے لئے شوہر سے رُکنے کا اُسے حق حاصل ہے۔ اس صورت میں وہ ناشزہ نہ ہوگی اس کو نفقہ بھی ملیگا۔ اور اگر مہرِ معجّل اس کو مل چکا ہے تو اب اس کو رُکنے کا حق حاصل نہیں ہے وہ ناشزہ ہے جس کے لئے نفقہ نہیں۔

قال فی الخلاصۃ: ولو کان المھر الیٰ أجل لیس لھا ان تمنع نفسھا لاستیفائہ لا قبل حلول الاجل ولا بعدہٗ وکذا لو کان البعض عاجلاً والبعض آجلاً فاستوفت العاجل (ص ۳۳ ج ۲) واللہ اعلم

۱۸/ جمادی الاولیٰ ۴۰؁ھ

اگر عورت شوہر کے ساتھ سفر میں جانے سے انکار کردے تب بھی اس کے لئے نفقہ واجب ہے،

سوال: زید "گیا" کا رہنے والا ہے۔ اب اس کو تھانہ بھون میں مدّتِ طویلہ قیام کرنے کا ارادہ ہے۔ اس نے اپنی زوجہ کو بھی ساتھ لانا چاہا اس نے انکار کردیا اور ساتھ نہیں آئی۔ اس صورت میں زوجہ کے لئے نفقہ ہے یا نہیں؟

سائل۔ اکرام الحق گیاوی

الجواب

صورتِ مسئولہ میں زوجہ کے لئے نفقہ ہے۔

قال فی الدر : و یسافر بها بعد اداء کله مؤجلاً و معجلاً اذا کان ماموناً علیها والّا یؤدکله او لم یکن ماموناً لا یسافر بها و به یفتی کما فی شرح المجمع و اختاره فی ملتقی الابحر و مجمع الفتاوٰی و اعتمده المصنف و به افتی شیخنا الرملی لکن فی النهر و الذی علیه العمل فی دیارنا انه لا یسافر بها جبراً علیها و جزم به البزازی وغیره و فی المختار و علیه الفتوٰی اھ

قال فی الشامیة ومثله فی الابحر : ذکر اولاً انه اذا اوفاها المعجل فالفتوٰی علی انه یسافر بها کما فی جامع الفصولین ــ وفی الخانیة : وفی الولوالجیة انه ظاهر الروایة ثم ذکر عن الفقیهین ابی القاسم الصغار و ابی اللیث انه لیس له السفر مطلقاً بلا رضاها لفساد الزمان لانها لا تأمن علی نفسها فی منزلها فکیف اذا اخرجت و انه صرّح فی المختار بان علیه الفتوٰی ۔ وفی المحیط : انه المختار ۔ وفی الولوالجیة : ان جواب ظاهر الروایة کان فی زمانهم اما فی زماننا فلا و قال فجعله من باب اختلاف الحکم باختلاف العصر والزمان ثم قال فقد اختلف الافتاء و الاحسن الافتاء بقول الفقیهین من غیر تفصیل و اختاره کثیر من مشائخنا کما فی الکافی و علیه عمل الفقهاء فی زماننا ۔ کما فی انفع الوسائل اھ ولا یقال انه اذا اختلف الافتاء لا یعدل من ظاهر الروایة لان ذلک فی ما لا یکون مبنیاً علی اختلاف الزمان ۔ کما افاده کلام الولوالجیة ۔ وقول البحر فجعله اھ

وفیه : وبعد ایفاء المهر اذا اراد ان یخرجها الی بلاد الغربة یمنع من ذلک لان الغریب یؤذی و یتضرر لفساد الزمان ۔

؎ ما اذن الغریب ما اسقاه ∴ کل یوم یُهَیِّنُه من یراه

کذا اختاره الفقیه و به یفتی ۔ قال القاضی : قول الله تعالیٰ : اَسْکِنُوْهُنَّ مِنْ حَیْثُ سَکَنْتُمْ من قول الفقیه ۔ قیل : قوله تعالیٰ : وَلَا تُضَآرُّوْهُنَّ فی آخره دلیل قول الفقیه لانا قد علمنا من عادة زماننا مضارة قطعیة فی الاغتراب بها اھ (ص ۵۹۰ و ۵۹۱ ۔ ج ۲)

وفی الدر فی باب النفقۃ : بخلاف ما اذا خرجت من بیت الغصب او ابت الذهاب الیہ او السفر معه او مع اجنبی بعثه لینقلها فلها النفقۃ الخ

قال الشامی : قولہ : او السفر معہ ای بناءً علی المفتیٰ به من انہ لیس له السفر بها لفساد الزمان فامتناعها بحق قولہ او مع اجنبی الخ ھٰذا مفهوم بالاولیٰ لانّها اذا استحقت النفقۃ عند امتناعها عن السفر معه فمع الاجنبی بالاولی الخ واللہ اعلم

(ص ۱۰۶۵ ج ۲)

۲۶ صفر سنہ ۷۱ھ

ناشزہ مطلقہ کے نان ونفقہ کا شوہر کے ذمہ واجب نہ ہونا

سوال : بکر نے اپنی زوجہ ہندہ کو اپنے گھر سے اپنی خوشی سے اپنے حقیقی بھائی بڑے زید کے گھر بھیجا۔ جب بکر لینے گیا تو ھندہ نے بکر کے ساتھ چلنے سے انکار کیا اور ہندہ خلاف مرضی بکر اپنے شوہر کے، زید کے ساتھ جو ھندہ کا نامحرم ہے اور پردہ ضروری ہے رہنا چاہتی ہے بکر نے حسب حکم شرعی ہندہ کو بذریعہ نوٹس اطلاع دیدی کہ زید تیرا نامحرم ہے، پردہ کیا جائے اور ھندہ کا زید کے ساتھ رہنا ناجائز ہے اور جب تک ھندہ زید کے گھر رہیگی خلاف مرضی شوہر ہے اور شرعاً ناجائز ہے، نان ونفقہ نہیں دیا جائیگا اس نوٹس بکر کی ہندہ نے کچھ پرواہ نہ کی اور نہ حکم شرع کی تعمیل میں پردہ کیا بدستور زید کے ساتھ ہندہ رہتی ہے اور زید اس کو رکھا ہوا ہے لانے نہیں دیتا۔ بکر سے جھگڑا کرنے کو تیار ہے جبکہ شرعاً زید کو ھندہ کے رکھنے کا کوئی حق نہیں ہے اور جس کی اطلاع زید کو دی گئی ہے مگر زید حکم شرع کی کچھ پرواہ نہیں کرتا یہ گمان غالب ہے کہ زید اور ھندہ کا ناجائز تعلق ہوگیا ہے اسی وجہ سے ھندہ خلاف مرضی شوہر وخلاف حکم شرع نامحرم کے ساتھ رہنا چاہتی ہے تو ایسی صورت میں اگر بکر ھندہ کو طلاق دیدے تو ایامِ عدت طلاق کا نان ونفقہ دینا ہوگا یا نہیں؟

سید محمد عابد حسین۔ از آگرہ

الجواب

نفقہ واجب نہ ہوگا البتہ اگر وہ طلاق کے بعد شوہر کے گھر میں چلی آئے تو پھر عدت کا بھی واجب ہوگا۔

قال فی الدر : بخلاف حرّۃ نشزت فطلقت فعادت۔

وفی ردالمحتار : ای ان المرأۃ اذا نشزت فطلقھا زوجھا فلھا النفقۃ والسکنیٰ اذا عادت الی بیت زوجھا (الی ان قال) ونکاح الحرۃ حال الطلاق سببٌ لوجوب النفقۃ الا انھا فوتت بالنشوز فاذا عادت وجبت اھ (ص ۱۰۹۰ ج ۲) واللہ اعلم

۱۸ر جمادی الاولیٰ ۹۱ھ

زوجہ اور والدین میں نااتفاقی کی صورت میں اگر زوجہ علیحدہ گھر کا مطالبہ کرے

سوال : والدین اور زوجہ کے درمیان نااتفاقی کی صورت میں کیا شوہر اس امر کا مجاز رکھتا ہے کہ والدین سے علیحدگی اختیار کرے؟

الجواب

قال فی الدر، وفی البحر، عن الخانیۃ : یشترط ان لا یکون احد من احماء الزوج یؤذیھا اھ۔ قال الشامی و ذکر الخصاف ان لھا ان تقول لا اسکن مع والدیک واقربائک فی الدار فافرد لی دارًا۔ قال صاحب الملتقط ھذہ الروایۃ محمولۃ علی الموسرۃ الشریفۃ وماذکرنا قبلہ ان افراد بیت فی الدار کافٍ انما ھو فی المرأۃ الوسط اعتبارًا فی السکنیٰ بالمعروف اھ (ص ۱۰۹۲ ج ۲)

اگر زوجہ غنیہ اور شریفہ ہے اور وہ والدین زوج کے ساتھ رہنا پسند نہیں کرتی ان سے الگ رہنا چاہتی ہے تو شوہر کے ذمہ واجب ہے کہ اس کو الگ مکان میں رکھے اور اگر زوجہ متوسط الحال ہے تو شوہر پر اس کو جدا گھر میں رکھنا واجب نہیں۔ لیکن اگر وہ اپنی راحت کے لئے جدا رہنا چاہے تو جائز ہے بلکہ اگر ساتھ رہنے میں والدین کے حقوق تعظیم وغیرہ ضائع ہونیکا اندیشہ ہو یا نزاعات کی وجہ سے قطع رحم کا خوف ہو تو الگ ہو جانا ضروری ہے

واللہ اعلم

۸ر شعبان ۹۱ھ

حکم نفقہ زوجۂ ناشزہ اور کن امور میں زوج کی اطاعت زوجہ پر واجب ہے،

سوال : کوئی امر خواہ بروئے شریعت ہو یا خلافِ شریعت وہ قولِ علماء ہو، جو کچھ شوہر بیوی کو حکم کرے وہ حکم بیوی کو ضرور اس پر حق بجانب عمل کرنا چاہیئے ورنہ اس کی حکم عدولی پر شوہر کو حق ہے کہ وہ اس عورت کا نان و نفقہ ضرور بند کردے۔

اس لئے بہ امید طلب جوابِ شافی درین امورِ مرقومۂ بالا مستدعی خدمتِ عالی

ہوں کہ تردیدِ فتویٰ اس کے معہ قلمی دستخط و معہ حوالہ آیتِ قرآنی و حدیثِ صحیح و قولِ علماء سے ضرور پتہ مرحمت فرماکر احقر کو مشکور فرمائیں گے ۔

الجواب

عورت کو شوہر کی اطاعت انہی امور میں واجب ہے جو شرعاً مباح ہوں اور اگر وہ نافرمانی کرے تو صرف نافرمانی اور عدول حکمی سے شوہر کو نان و نفقہ بند کرنے کا حق نہیں ہے بلکہ جب وہ بلا اجازتِ شوہر کے اس کے گھر سے چلی جائے جب ناشزہ ہوگی۔

قال العلامة عبد الحی فی فتاواہ ناقلاً عن شرعة الاسلام وعلیہا ان تطیعہا فی الامور الشرعیة ولوامر ان تنقل الحجر من جبل و ان لا تخرج من بیتہ الا باذنہ اھ

(ص ۲۳ ج ۲ مع الخلاصة

قلت: ولکن لوخرجت الی ابویہا او الی محارمہا فی المدة التی لہا الخروج فیہا وقد ذکرناہا فی الجواب الثانی فلا تکون ناشزة فی الاثم نعم لا تکون لہا نفقة حینئذٍ واللہ اعلم

یکم رجب سنہ ۱۳۴۰ھ

سال بھر میں زوجہ کے والدین اور عزیز و اقارب سے ملنے کی مدت اور اس عرصہ کے نفقہ کا حکم

سوال: اور یہ بھی تحریر فرمائیں گے کہ شوہر کی نارضامندی پر عورت اپنے خویش و اقارب خصوصاً اپنی خالہ کے یہاں اور اپنے حقیقی بھائی کے یہاں جاسکتی ہے یا وہ لوگ مرقوم بالا اس کے یہاں آمد و رفت کرسکتے ہیں یا نہیں و یا خط و کتابت کرسکتے ہیں یا نہیں ؟ اور اگر وہ لوگ طرفین میں سے یہ تعلقات بروئے شریعت رکھ سکتے ہیں تو آمد و رفت کتنے کتنے عرصہ پر کرسکتے ہیں۔ سال بھر میں ایک بار یا دوبار یا مہینہ میں ایک بار یا ہر ہفتہ میں۔ امید کہ شافی جواب سے مطلع فرمائیں گے ۔

فقیر حاجی محمد عبد اللطیف القادری عفاعنہ

از کلکتہ ۔ از ضمیمہ ۵۴

الجواب

والدین سے ایک شہر میں ہفتہ میں ایک بار اور شہر سے باہر ہر مہینہ میں ایک بار عورت کو ملنے کا حق ہے اگر والدین نہ آسکتیں تو وہ خود جاسکتی ہے اور وہ آسکیں تو ہر ہفتہ خود وہیں آکر

مل جائیں ہاں سال میں دو چار دفعہ جس طرح عرف و دستور ہے خود بھی جاسکتی ہے اور محارم غیر والدین سے شہر کے اندر اور شہر سے باہر سال بھر میں ایک بار ملنے کا عورت کو حق ہے اور محارم کو خط و کتابت کا بھی حق ہے اور وہ عورت[عه] کے پاس خود بھی آسکتے ہیں اور شوہر کو یہ حق البتہ ہے کہ ان کو اپنے گھر کے اندر رہنے سے روک دے پس وہ اگر اس سے مل لیں اور بات چیت کرلیں اور کچھ دیر بات کرکے واپس چلے جائیں اگر رات کو بھی رہنا چاہیں تو زوج سے اجازت لینے کی ضرورت ہے۔

قال فی الدر: ولا یمنعہا من الخروج الی الوالدین فی کل جمعۃ ان لم یقدرا علی اتیانہا علی ما اختارہ فی الاختیار ولو کان ابوھا زمناً فاحتاجہا فعلیہا تعاھدہ ولو کافراً وان ابی الزوج اھ

قال الشامی: وھل لہا النفقۃ الظاھر لا وان کانت خارجۃ من بیتہ بحق کما لو خرجت لفرض الحج اھ (ص ۱۹۹۴ ج ۲)

وقال الشامی: فقولہ المختار مقابلۃ القول بالشھر فی دخول المحارم کما افادہ فی الدر والفتح الی ان قال بعد کلام طویل عن البحر أن الصحیح المفتیٰ بہ من أنہا تخرج للوالدین فی کل جمعۃ باذنہ وبدونہ وللمحارم فی کل سنہ مرّۃ باذنہ وبدونہ اھ۔ وقال قبل ذلک وقد اختار بعض المشائخ منعہا من الخروج الیہما واشار الی نقلہ فی شرح المختار والحق الاخذ بقول ابی یوسف إذا کان الابوان بالصفۃ التی ذکرت (ای لا یقدران علی اتیانہا) ولا ینبغی ان یأذن لہما فی زیارتہا فی الحین بعد الحین علی قدر متعارف اما فی کل جمعۃ فھو بعید اھ (ص ۱۰۹۳ ج ۲) وجمعت بین روایتی الشھر والجمعۃ بکونہما فی بلد الزوج او خارجہ ولعلّہ جمع حسن۔

لیکن اگر عورت بلا اذنِ زوج کے جائے گی تو ظاہر یہ ہے کہ نفقہ کی مستحق

[عه] قال فی الدر ولا یمنعہما من الدخول علیہا فی کل جمعۃ وفی غیرہما من المحارم فی کل سنۃ۔ (قلت: صححہ الشامی خلافاً لمن قال لہ المنع من الدخول) لہا الخروج ولہم الدخول، زیلعی ویمنعہم من الکینونۃ وفی نسخۃ من البتوتۃ ولفظ مسکین من القرار۔

نہ ہوگی اگرچہ وہ حق عـه جانے کا رکھتی ہے۔ واللہ اعلم

از تھانہ بھون ۲۹ رجمادی الثانی سـہ

ایسی دو بیویوں کے نفقہ کا حکم جن میں ایک کی اولاد زیادہ ہو

سوال: فیض گنج، فیض رساں حضرت مولانا صاحب السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ۔ احقر کی دو زوجہ ہیں ایک زوجہ سے ایک لڑکی ہوئی اور دوسری زوجہ سے پانچ لڑکے اور ایک لڑکی ہے۔ پانچوں لڑکوں میں بڑا لڑکا تقریباً ۱۴ سال ہے اور سب اس سے چھوٹے ہیں۔ میں یہ دریافت کرتا ہوں کہ میری جو کمائی ہے اس میں سے دونوں زوجہ کو کس طرح سے دوں اور دونوں زوجہ علیحدہ علیحدہ مکان میں رہتی ہیں اور جو لڑکے لڑکیاں ہیں ان کے رشتہ و شادی وغیرہ کا جو خرچ ہوئے دونوں گھروں میں سے کیا جائے یا کہ جن بیوی کی اولاد ہو اس گھر سے خرچ کیا جائے اور زمینداروں میں عام رواج ہے کہ کپاس وغیرہ کھیتوں میں سے چُن کر لاتی ہیں دونوں زوجہ اپنی چنی ہوئی علیحدہ علیحدہ رکھیں یا کہ کس طرح تقسیم کیا جائے۔ تحریر فرمائیں۔ فقط والسلام

مرسلہ احقر میاں چتن الدین از مقام مونہ ڈیبودر
جھلا چوہدری محمد حیات خان صاحب ضلع گجرات

الجواب

جس شخص کی دو بیویاں ہوں اور دونوں صاحب کی اولاد ہوں ان کو زوجین میں مساوات اس طرح کرنا چاہیئے کہ ہر زوجہ کا نفقہ الگ مقرر کرے اور اس میں دونوں بیویوں کو برابر رکھے اور اولاد کا نفقہ علیحدہ مقرر کرے اور دونوں کی اولاد کو فرداً فرداً حاجت کے لحاظ سے برابر رکھے یعنی ایک کی ضروریات دس روپے میں مہیا ہو سکتی ہوں اس کے دس روپیہ اور ایک کی ضروریات پانچ روپیہ میں مہیا ہوں اس کے پانچ روپیہ مہیا کرے گو مجموعہ ایک کی طرف زیادہ ہو مثلاً ہر بیوی کا ماہوار پندرہ روپیہ مقرر کر دے اور ہر لڑکے لڑکی کا دس روپیہ ماہوار۔ اس

عـه ۱۵ اگر عورت شوہر کی اجازت سے جائے چاہے کہیں جائے تو ظاہر یہ ہے کہ عورت مستحقِ نفقہ ہے مگر یہ کہ شوہر شرط کرے کہ میں نفقہ نہ دوں گا۔ قال فی العالمگیریۃ: الکبیرۃ اذا طلبتِ النفقۃ وھی لم تزف الی بیت الزوج فلھا اذا لم یطالبھا الزوج بالنقلۃ فان کان الزوج طالبھا بالنقلۃ فان لم تمتنع عن الانتقال۔

صورت میں زیادہ اولاد والی کی طرف جو زیادہ رقم جائے گی وہ بیوی کے نفقہ میں زیادتی نہیں بلکہ یہ زیادتی اولاد کی وجہ سے ہے اس پر دوسری بیوی اگر اعتراض کرے تو لغو ہے اور متفرق اخراجات شادی وغیرہ کے اس ضابطہ سے علیحدہ ہیں جن میں یہ شخص مختار ہے۔ اس جواب سے سائل کے سب سوالات کا جواب نکل آیا۔ واللہ اعلم

از تھانہ بھون۔ خانقاہِ امدادیہ اشرفیہ
۳ر رجب سنہ ۴۶

فصل فی نفقۃ الأولاد والآباء والاُمہات

دوسرے شوہر پر بیوی کی پہلی اولاد کا نفقہ شرعاً واجب نہیں۔

(**سوال**) ہندہ کہتی ہے کہ زوجہ کی اولاد جو دوسرے خاوند رافضی ہے وہ شوہر حال اہل سنت کی اولاد ھے اور شوہر اہل سنت کو مثل اولادِ خود زوجہ کی خدمت واجب ہے۔

الجواب :- دوسرے شوہر پر بیوی کی پہلی اولاد کی خدمت شرعاً واجب نہیں واللہ اعلم

۲۷ر ربیع الثانی

باپ اگر حاجتمند ہو تو اس کا نفقہ غنی اولاد کے ذمہ واجب ھے

(**سوال**) شوہر کے باپ بھائی اہل سنت جو زوجہ کی اولاد دختری بالغ منکوحہ والدہ مستطیعہ سے ہر طرح زیادہ حاجت مند ہیں غیر مستحق بتلاتی ھے۔

الجواب :- جب ماں باپ حاجت مند ہوں تو اس کا نفقہ غنی اولاد کے ذمہ واجب ھے واللہ اعلم

۲۷ر ربیع الثانی

رسالہ ”خیر الارشاد فی العدل بین الاولاد“ یعنی اولاد میں برابری اور مساوات کی تحقیق

(**سوال**) (۱) اولاد کے ساتھ برابری کرنا کس کس امر میں اور کس حد تک شرعاً ضروری ہے اور کس درجہ کی ضروری ھے؟ اگر نابالغ اور بالغ لڑکی اور لڑکے کے حکم میں فرق ہو تو اسکو بھی ظاہر فرما دیا جائے۔ اور آیا یہ برابری ماں کے ذمہ بھی، یا صرف باپ کے ذمہ ھے؟ اور صرف اولاد کے حق میں ھے یا دیگر وارثان شرعی کے حق میں بھی ھے؟

(۲) تبرعات اور نفقات میں برابری کے احکام جدا جدا تحریر فرمائے جائیں۔

(۳) اس قسم کی برابری بوجہ اولاد کے مختلف الحال ہونے کے بظاہر بہت دشوار ھے، مثلاً ایک کی کم عمر ہے ایک کی زیادہ عمر ہے ایک اپنے پاس ہے ایک دور ہے ایک غنی ہے ایک محتاج ہے ایک کی ضروریات زیادہ ہیں، مثلاً کالج میں پڑھتا ہے ایک کی کم ہیں، مثلاً مکتب میں پڑھتا ہے ایک کی شادی میں کم خرچ ہوتا ہے، ایک کی شادی میں زیادہ ایک لڑکی ہے جس کو جہیز اور

زیور کی ضرورت پڑتی ہے ایک لڑکا ہے جسکی شادی میں ان اخراجات کی ضرورت نہیں، ایک کی شادی آج ہے ایک کی دس برس یا کم وبیش مدت کے بعد ہے غرض حاجات اور حالات اسقدر متخالف ہوتے ہیں کہ عطا میں برابری کرنا نہایت دشواری ہے، اگر واجب ہو تو اسکی سہل صورت تجویز فرمائی جائے، اگر ایک بچہ کو اسکی ضد پر ایک پیسہ یا چیز دی تو کیا سب بچوں کو خواہ حاضر ہوں یا غائب ایک ایک پیسہ تقسیم کیا جائے؟

(۴) نانی نانا یا دادی، دادا وغیرہ کے ذمہ تو اس قسم کی برابری ضروری نہیں؟

(۵) اوپر تو صرف چند جزئیات کا حوالہ ہے، دیگر صدہا جزئیات اس معاملہ میں ہو سکتی ہیں علاوہ جواب کلّی کے جہانتک ممکن ہو سکے جزئیات کے متعلق بھی احکام تحریر فرمائے جائیں تاکہ عمل کے وقت دشواری یا خلط نہ ہو چونکہ اس معاملہ میں عام طور پر غفلت ہے اسلئے مفصل اور اگر ضرورت ہو تو مدلل احکام قلمبند فرما دینے کی بظاہر ضرورت معلوم ہوتی ہے تاکہ ہر عاملین کو اس طرف توجہ ہو اور عاملین کو ادائے حقوق میں سہولت ہو۔ بینوا توجروا۔

السائل: خواجہ عزیز الحسن صاحب اسسٹنٹ انسپکٹر
مدارس اسلامیہ لکھنؤ فرنگی محل۔

الجواب:- قال فی الدر، عن الخانیۃ: ولا بأس بتفضیل بعض الاولاد فی المحبۃ لانہا عمل القلب وکذا فی العطایا ان لم یقصد بہ الاضرار وان قصدہ یسوی بینہم یعطی البنت کالابن عند الثانی وعلیہ الفتویٰ ولو وہب فی صحتہ کل المال للولد جاز واثم اھ (ص۵۸۵ ج۴)

وفی البدائع: وینبغی للرجل ان یعدل بین اولادہ فی النحلی بقولہ سبحانہ وتعالیٰ: إِنَّ اللّٰهَ يَأْمُرُ بِالْعَدْلِ وَالْإِحْسَانِ، ولما روی ان بشیرًا ابا النعمان اتی بالنعمان الیٰ رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم الحدیث وہذا اشارۃ الی العدل بین الاولاد فی النحلۃ وہو التسویۃ بینہم ولان فی التسویۃ تالیف القلوب والتفضیل یورث الوحشۃ بینہم فکانت التسویۃ اولیٰ ولو نحل بعضاً وحرم بعضاً جاز من طریق الحکم لانہ تصرف فی خالص ملکہ لاحق لاحد فیہ الا انہ لا یکون عدلاً سواء کان المحروم فقیہاً تقیاً اوجاہلاً فاسقاً علی قول المتقدمین من مشائخنا واما علیٰ قول المتأخرین

منهم لا بأس ان يعطى المتأدبين والمتفقهين دون الفسقة الفجرة اھ (ص۱۲۷ ج ۶)

وفی البحر: يكره تفضيل بعض الاولاد على البعض فی الهبة حالة الصحة الا لزيادة فضل له فی الدين وان وهب ماله كله لواحد جاز قضاءً وهو آثم كذا فی المحيط، وفی الخلاصة: المختار التسوية بين الذكر والأنثى فی الهبة ولو كان ولده فاسقاً فاراد ان يصرف ماله الى وجوه الخير ويحرمه عن الميراث هذا خير من تركه لان فيه اعانة على المعصية ولو كان ولده فاسقاً لا يعطى له اكثر من قوت يومه ولو اتخذ لولده ثياباً ثم اراد ان يدفع الى آخر ليس له ذالك الا ان يبين وقت الاتخاذ انه عارية اھ وقال محشيه: قال الرملی: وفی الحاوی الزاهدی دفع لولده الصغير قرضًا فاكل نصفه ثم اخذه منه ودفعه لآخر يضمنه اذا كان دفعه لولده على وجه التمليك واذا دفعه على وجه الاباحة لا يضمن قال عرف به ان مجرد الدفع من الاب الى الصغير لا يكون تمليكًا وانه حسن اھ (ص ۲۸۸ - ج ۷)

وفی الخلاصة: رجل له ابن وبنت اراد ان يهب لهما شيئًا فالافضل ان يجعل للذكر مثل حظ الانثيين عند محمد وعند ابی يوسف بينهما سواء هو المختار لورود الآثار ولو اعطى بعض ولده شيئًا دون البعض لزيادة رشده لا بأس به وان كانا سواء لا ينبغی ان يفضل اھ (ص۴۰ ج ۴ کتاب الھبۃ)

قلت: ويلحق بالرشد فقره ايضًا كما لا يخفى۔

وقال العينی فی شرح البخاری: وقال المهلب: وفی الحديث دلالة على انه لا تلزم المعدلة فيما يهبه غير الاب لولد غيره اھ (ص ۲۷۱ - ج - ۶)

وفيه ايضًا: احتج به ای بحديث النعمان بن بشير من اوجب التسوية فی عطية الاولاد وبه صرح البخاری وهو قول طاؤس والثوری واحمد واسحاق وقال به بعض المالكية ثم المشهور عند هؤلاء انها باطلة وعن احمد يصح ويجب عليه ان يرجع وعنه يجوز التفاضل ان كان له سبب كاحتياج الولد لزمانته اودينه اونحو ذالك وقال ابو يوسف: تجب التسوية ان قصد بالتفضيل الاضرار وذهب الجمهور الى ان التسوية مستحبة

فان فضل بعضاً صح وکرہ وحملوا الامر علی الندب والنھی علی التنزیۃ واجاب عن حدیث النعمان من حمل الامر بالتسویۃ علی الندب بوجوہ نذکرھا بالتفضیل الیٰ ان قال الخامس ان عمل الخلیفتین ابی بکر وعمر رضی اللہ عنھما بعد النبی صلی اللہ علیہ وسلم علی عدم التسویۃ قرینۃ ظاھرۃ فی ان الامر للندب اما اثر ابی بکر فاخرجہ الطحاوی (بسند صحیح) عن عائشۃ زوج النبی صلی اللہ علیہ و ان ابا بکر الصدیق نحلھا جاد عشرین وسقاً من مالہ بالغابۃ فلما حضرتہ الوفاۃ قال: واللہ یا بنیۃ! ما من احد من الناس احب الیٰ غنی بعدی منکِ ولا اعز علی فقرا بعدی منک وانی کنت نحلتک جاد عشرین وسقاً فلو کنت جددتہ واحرزتہ کان لک وانما ھو الیوم مال الوارث الحدیث قال الشافعی وفضل عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ عاصماً بشیٔ وفضل ابن عوف ولد ام کلثوم اما اثر عمر فذکرہ الطحاوی ایضاً کما ذکرہ البیھقی عن الشافعی واخرج عبد اللہ بن وھب فی مسندہٖ قال بلغنی عن عمرو بن دینار ان عبد الرحمٰن بن عوف نحل ابنتہ من ام کلثوم بنت عقبۃ اربعۃ آلاف درھم ولہ ولد من غیرھا اھ (ص ۲۷۵، ۲۷۶ ج-۶)

ان نصوص سے امور ذیل مستفاد ہوئے

(۱) تسویہ بین الاولاد عطایا اور ھبات میں ہے نفقات میں نہیں کیونکہ احادیث و اقوال فقہاء لفظ عطیہ وھبہ سے مقید ہیں نفقات میں کسی نے وجوب یا استحباب عدل کی تصریح نہیں کی وقیود الفقہ احترازیۃ، تسویۃ فی النفقۃ زوجات میں واجب ہے اولاد کے متعلق اسکی کوئی تصریح نہیں ملی باوجود تتبع کثیر کے۔

(۲) تسویہ بین الاولاد عطایا میں بھی حنفیہ وجمہور آئمہ کے نزدیک واجب نہیں بلکہ مستحب ھے اور ترک تسویۃ مکروہ تنزیہی ھے اور اگر قصد اضرار ہو تو مکروہ تحریمی ھے وعلیہ یحمل قول المحیط اثم فیجتمع مع قول العینی وحملو النھی علی التنزیہ۔

(۳) اگر ایک لڑکے یا لڑکی کو کسی خاص وجہ سے ھبہ کیا جائے یا زائد دیا جائے اور دوسروں کو نہ کیا جائے اور اضرار آخرین کا قصد نہ ہو تو جائز ھے۔

(۴) اگر ایک لڑکے یا لڑکی کو اسکی دینداری یا طلبِ علم دین وغیرہ کی وجہ سے زیادہ

دیا جائے تو مضائقہ نہیں اسی طرح ایک کو بوجہ فقر کے زیادہ دیا جائے تو یہ بھی جائز ہے۔

(۵) فاسق اولاد کو صالح کے برابر دینا لازم نہیں بلکہ فاسق کو قُوت سے زیادہ نہ دیا جائے

اب سوالات کے جوابات معروض ہیں

(۱) اولاد کے ساتھ برابری کرنا ان عطایا وھبات میں مستحب ہے جو ان کی ملک کر دی جائیں باقی نفقہ یعنی ماکول ومشرب وملبوس میں بقدر حاجت متفق علیہ جو کہ مقدار واجب نفقہ کی ھے تسویہ واجب و مستحب نہیں اگرچہ تملیکاً ہو اور قدر واجب قدر کفایت ھے یعنی ما یتضرر بالنقص منہ اور قدر واجب سے زائد نفقہ میں بھی اگر وہ بطور ھبہ کے نہ ہو بلکہ بطریق اباحت و عاریت کے ہو تسویہ نہ لازم ھے نہ مستحب بلکہ باپ کو اختیار ھے کہ جسکو جیسا چاھے کھلائے اور جیسا چاھے پہنائے البتہ اگر بطور ھبہ کے قدر واجب سے زائد نفقہ دیا جائے تو رعایت تسویہ مستحب ہے اور قدر واجب سے زائد نفقہ کی اباحت وعاریت میں بھی اگر تفضیل سے اولاد میں وحشت وکراھت کا اندیشہ ہو تو اس میں بھی تسویہ مستحب ہوگا " لان علة التسوية فی العطايا هی الاحتراز عن الوحشة بينهم والحكم يدور مع علته "

اور یہ تسویہ ماں باپ دونوں کے حق میں ہے دیگر وارثان شرعی کے حق میں نہیں۔ دوسروں کو بلاکراھت جائز ہے کہ ایک شخص کے ایک لڑکے کو دیں یا زائد دیں اور دوسروں کو نہ دیں۔

(۲) اس کا جواب نمبر ایک کے جواب سے معلوم ہو گیا۔

(۳) اس سوال میں نفقات وتبرعات کو خلط کیا گیا ہے سو اوپر گذر چکا کہ نفقات میں تسویہ ضروری نہیں نہ وجوباً نہ استحباباً پس اگر ایک لڑکا کم عمر ہے دوسرا بڑا ھے تو ان دونوں میں نفقہ واجبہ کے اندر کمی وزیادتی بلاکراھت جائز ہے اسیطرح ایک اپنے پاس ھے ایک دور ھے ان میں بھی نفقہ واجبہ کے اندر کمی زیادتی جائز ھے کیونکہ نفقہ واجبہ ہر بیٹے کی قدر کفایت سے مقدر ھے اور اس صورت میں قدر کفایت ہر ایک کی جدا ھے پس رعایت تسویہ ضروری نہیں نہ مستحب۔ رہا یہ کہ ایک غنی ھے، ایک محتاج ھے تو نفقۂ واجبہ میں تو تسویہ ضروری نہیں جبکہ نفقہ واجبہ ہر ایک کا متفاوت ہوتا ہو اگر نفقۂ واجبہ متفاوت نہ ہو تو جب بھی محتاج کو نفقہ واجبہ سے زائد دینا جائز ہے جبکہ مقصود اسکو نفع پہونچانا ھے اور دوسرے کا اضرار مقصود نہیں۔ اور اگر ایک کالج میں پڑھتا ہے اور ایک مکتب میں تو اگر ان دونوں کا نفقۂ واجبہ بھی متفاوت ہو تو اس میں کمی زیادتی کا مضائقہ نہیں اور اگر نفقۂ واجبہ متفاوت نہ ہو تو محض کالج میں پڑھنا

زیادت استحقاق کا سبب نہیں کیونکہ یہ طلبِ دین یا رشد واحتیاج سے خارج ھے اس صورت میں مستحب ہے کہ دونوں کو نفقۂ واجبہ سے زائد میں برابر رکھا جائے جسکی سہل صورت یہ ہے کہ جتنی رقم کالج والے کو زائد دی جاتی ہے اسی کے برابر دوسرے کیلئے بعد تملیک کے رقم جمع کر دی جائے یا اسکو محفوظ رکھکر آئندہ برابری کا قصد رکھا جائے اور شادی میں جو خرچ ہوتا ہے وہ محض تبرع وھبہ ہے اسمیں اولیٰ یہ ہے کہ اسکی رعایت رکھی جائے کہ ایک لڑکے کی شادی میں جتنا خرچ ہوا اتنا ہی دوسرے لڑکے کی شادی میں کیا جائے اور جتنا ایک لڑکی کو جہیز دیا جائے اُتنا ہی دوسری کو دیا جائے یعنی ذکور کو ذکور کے برابر اور اناث کو اناث کے برابر رکھا جائے اور یہ رعایت اس خرچ میں مستحب ھے جو والد اپنے اختیار سے کرتا ہے اضطراری میں نہیں ؛ مثلاً ایک کی شادی قریب جگہ ہوئی۔ دوسرے کی دور جگہ ہوئی جسکی وجہ سے کرایہ آمد و رفت میں تفاوت ہو گیا باقی اس کا مضائقہ نہیں کہ لڑکی کی شادی میں بوجہ جہیز دینے کے لڑکے کی شادی سے زیادہ خرچ ہو جائے کیونکہ یہ تفاوت بھی مثل اضطراری کے ھے لڑکیوں کو بوجہ اُنکی احتیاج کے کہ وہ کسب سے عاجز ہیں جہیز دیا جاتا ہے اور لڑکوں کو اسکی ضرورت نہیں ہوتی اور عموماً لڑکوں کو اس سے اعتراض بھی نہیں پیدا ہوتا البتہ اگر کسی جگہ لڑکوں کو اسپر اعتراض ہوتا ہو، وہاں مستحب ھے کہ ذکور و اناث کی شادی میں بھی تسویہ کیا جائے، بہرحال مدارِ تسویہ خوفِ وحشت وعدمِ خوف پر ہے اگر کہیں زیادت سے باھم وحشت کا خطرہ ہو وہاں تسویہ مستحب ہے ورنہ زیادت بلاکراہتِ تنزیہیہ جائز ہے جبکہ قصد اضرار نہ ہو اور ایک کو کسی خاص وجہ سے جو شرعاً وجہ معتبر ہو مثلاً رُشد وعلم و تقویٰ واحتیاج وغیرہ ہو، زیادہ دیا جائے پس اگر ایک بچہ کو اسکی ضد پر پیسہ دیا جائے تو دوسرے چھوٹے بچوں کو بھی دیا جائے جو حاضر ہوں باقی بڑوں کو دینا یا صغار غائبین کو دینا ضروری نہیں کیونکہ ان کو نہ دینے سے توحش وغیرہ کا خطرہ نہیں۔

(۴) نانا، نانی، یا دادا، دادی کے ذمہ باپ کی موجودگی میں یہ تسویہ ضروری نہیں اور باپ کی عدم موجودگی میں جسکی پرورش میں یہ لڑکے ہوں وہ بمنزلہ باپ کے ھے اُسکو تسویہ مستحب ہے بالتفصیل الذی قدمر اور جس کی پرورش میں نہ ہوں ان پر تسویہ لازم نہیں، وھذا بالقیاس ولم اراہ صریحاً لان العائل کالاب فی کثیر من

الاحکام ، البتہ اگر نانا ، نانی ، یا دادا ، دادی ایک لڑکی یا لڑکے کی اولاد کو زائد دیں دوسرے کی اولاد کو کم یا دوسرے کی اولاد کو بالکل نہ دیں اور اس تفضیل سے باہم خود نانا ، نانی ، یا دادا ، دادی کی اولاد میں توحش و نفرت پیدا ہونیکا اندیشہ ہو تو قیاس کا مقتضی یہ ہے کہ رعایت تسویہ ان پر بھی لازم ہے یعنی استحباباً اسلئے کہ عرفاً نواسوں اور پوتوں کو دینا اپنی بیٹی یا بیٹے کو دینا شمار ہوتا ہے فرجع الی تفضیل بعض ولدہ علی الآخر ۔

(۵) چونکہ یہ تسویہ حنفیہ کے نزدیک مستحب ہے جبکہ قصدِ اضرار نہ ہو اسلئے جتنی سہولت سے رعایت ہو سکے کی جائے اور زیادہ کاوش کی ضرورت نہیں ۔ واللہ اعلم

از تھانہ بھون خانقاہ اشرفیہ
۱۷؍ ربیع الثانی ۴۵ھ

فصل فی نفقۃ ذوی الارحام

بہن کا نفقہ اور اس کے مصارفِ نکاح بھائی کے ذمہ ہیں یا نہیں

(سوال) ہندہ کا شوہر تقریباً پچاس روپیہ ماہوار پیدا کرتا ہے اور سوائے اسکی زوجہ اور زوجہ کی اولاد کے باپ بھائی حاجتمندوں کو کچھ نہیں دیتا ۔ اب شوہرِ ہندہ نے اپنی بہن کی شادی اپنے باپ اور اپنی رائے سے بلاشرکتِ دیگر برادران مفلوک کردی ہے ۔ اب وہ اس شادی کا صرفہ باپ بھائی سے لینا چاہتا ہے تو کیا باپ بھائی اسکے ذمہ دار ہیں یا نہیں ؟

الجواب : ۔ اگر اس نے یہ کہکر خرچ کیا تھا کہ میں باپ اور بھائیوں سے یہ رقم وصول کر لونگا اور انہوں نے بھی اسکو قبول کر لیا تھا تب تو ان سے لینے کا حقدار ہے ورنہ کچھ بھی نہیں ۔ واللہ اعلم

چچا کے ذمہ بھتیجے کے نفقہ کا حکم

(سوال) زید کی بیوی کا نواسہ جو اس کے ماں باپ رافضی سے ہے اور جسکو بعد پرورش ہونے کے وہ ماں باپ اپنے پاس رکھیں گے

اور زید کے برادر زادہ حقیقی ھے تو زید کی بیوی اپنے نواسہ کو متبنّٰی بنلاکر اپنے شوہر کی آمدنی سے اس کی تعلیم دلاتی ہے اور اگر اہل سنت زید کا بھائی چاہتا ہے کہ میرے بچہ کو بھی تعلیم دی جائے تو زوجۂ زید حارج و مانع ہے تو کیا ایسی صورت میں زید کی زوجہ کا نواسہ، زید کی آمدنی سے تعلیم پانیکا مستحق ھے؟ یا برادر زادہ زید مستحق ہے؟ یا دونوں نہیں؟ بینوا توجروا

المستفتی: ظہور الحق ٹپیری ڈاکخانہ تترون ضلع سہارنپور

الجواب:- زید کے ذمہ اسکی بیوی کے نواسہ کا کوئی حق نہیں اور اگر برادر زادہ کا باپ زندہ ہے تو اس کا بھی کچھ حق نہیں اور اگر اس کا باپ زندہ نہیں اور اس کی خبر لینے والا زید کے سوا کوئی نہیں تو زید کے ذمہ اپنے برادر زادہ کی خبرگیری لازم ہوگی واللہ اعلم

۲۷ ربیع الثانی

یتیم کے مال سے اس کے معلم کو تنخواہ اور ضیافت کرنا جائز ھے یا نہیں۔

(سوال) عرض یہ ہے کہ مسئلہ ذیل کے حکم سے واقف فرماکر مسرور فرماویں وہ یہ ہے کہ ہمارے یہاں محلہ کے سب لوگ ملکر بچوں کی تعلیم کیلئے معلم رکھتے ہیں اس میں یتامٰی بھی شامل رہتے ہیں۔ اس میں دریافت یہ ہے کہ جو یتیم کا مال علیحدہ ہے اُس سے اس کے وارث بالغ چچا یا بھائی کیلئے اس یتیم کے مال سے معلم کی تنخواہ ادا کرنا جائز ہے یا نہیں؟ اور جو یتیم اپنے بھائی یا چچا کے ساتھ مخلوط ہیں وہ بھائی یا چچا کیلئے یتیم کے مال مخلوط سے معلم کی تنخواہ اور خورد ونوش دینا جائز ہے یا نہیں؟

الجواب:- قال فی الدر: له ان ینفق فی تعلیم القرآن و الأدب ان تأهل لذالك و الا فلینفق علیه بقدر ما یتعلم القراءة الواجبة فی الصلوٰة مجتبیٰ اھ

قال الشامی: و فی الخلاصة وغیرها: ان کان صالحاً لذالك جاز و صار لوحی مأجوراً و الا فعلیه ان یتکلف فی تعلیم قدر ما یقرأ فی صلاته اھ فلم یقیده بالقراءة الواجبة تامل۔

و فی القنیة: و لا یضمن ما انفق فی المصاهرات بین الیتیم و الیتیمة و غیرها فی خلع الخاطب او الخطیبة و فی الضیافات المعتادة و الهدایا

المعھودۃ ، وفی الاعیاد ان کان لہ منہ بد و فی اتخاذ ضیافۃ لختنہ للاقارب والجیران ما لم یسرف فیہ وکذا المؤدبہ ومن عندہ من الصبیان وکذا العیدین وقال بعضھم : فی ضیافۃ المؤدب والعیدین اھ (ص ۱۰۷ ج ۵)

اگر یتیم لڑکا تعلیم قرآن وادب کے قابل ہو یعنی جو پڑھایا جاتا ہے اسکو پڑھ سکتا ہو یا پڑھ سکنے کی امید بظن غالب ہو تو اسکی تعلیم میں اس کے مال سے معلم کی تنخواہ دینا ولی کو جائز ہے اور معلم کو تنخواہ لینا بھی جائز ہے اور اگر اس میں تعلیم حاصل کرنیکی قابلیت نہ ہو تو صرف اتنی مقدار کی تعلیم دی جائے جس سے اسکو نماز پڑھنا آجائے اور اس مقدار میں اس کے مال سے ولی کو تنخواہ دینا جائز اور معلم کو لینا جائز ہے اسکے بعد جائز نہیں اور اس میں یتیم مختلط وغیر مختلط دونوں کا ایک ہی حکم ہے۔ واللہ اعلم

۲۹ / ربیع الثانی ۴۵ھ

حکم نفقۂ ذوی الارحام

(**سوال**) میری ایک اخیافی بہن گیارہ بارہ برس کی ہے اسکے والد کا انتقال ہو گیا ہے۔ شادی ہو گئی ہے خاوند چھوٹا ہے اور لڑکی بھی بالغ نہیں ہوئی اور اس کے چار بھائی حقیقی ہیں بڑا بھائی میں ہوں اور حقیقی بھائی میں سے جو بڑا ہے اسکی شادی ابھی ہوئی ہے معمولی کاروبار کرکے بچوں کا گذارہ کرتا ہے۔ اور بہن اسکے ہمراہ رہتی ہے مگر بھابی سے جنگ وجدال ہوتی ہے اور بھابی مارتی رہتی ہے اور خدمت بھی زیادہ لیتی ہے اس لئے بہن پریشان غمگین رہا کرتی ہے اور احقر کو یاد کرتی رہتی ہے اور حقیقی بھائی میں سے دوسرا بھائی ڈابھیل فارسی وغیرہ پڑھتا ہے بیس برس کی عمر ہے اور اس سے چھوٹا ملازمت کرتا ہے اور فضول خرچی کرتا ہے ان صورتوں میں ہر ایک پر اس کا نان ونفقہ وغیرھا اور نگرانی وغیرہ ضروری اور فرض ہے یا کسی پر زیادہ ہے؟ اور میں آئندہ سال تعلیم وغیرہ کی غرض سے رہنا چاہتا ہوں اور اسیطرح دوسرا بھائی جو ڈابھیل پڑھتا ہے تعلیم کیلئے رہے تو بہن کا کوئی حق آنیکی وجہ سے گنا ھگار تو نہ ہونگے؟ بینوا توجروا

عبد الرحمٰن اناوارطی غفرلہ مدرسہ امینیہ دہلی ، / رجب

الجواب :۔ والنفقۃ لکل ذی رحم محرم (الی قولہ) ویجب ذالک علی قدر المیراث (ھدایہ ص ۴۲۵ ج ۲)

مسئلہ لصـ ۲۴

مـ ھندہ

اَخ لهما	اَخ لهما	اَخ لهما	اَخ لهما	اَخ لام
				۱
۵	۵	۵	۵	۴

صورت مسئولہ میں اس بہن کے نان ونفقہ کے چھ سہام میں سے پانچ حصہ اسکے حقیقی بھائیوں کے ذمہ ہیں اور ایک حصہ اسکے اخیافی بھائی کے ذمہ ہے یعنی جو ان میں سے غنی ہو یا غنی نہ ہو لیکن کمانے والا ہو اگر کوئی حقیقی بھائی اس کا نان ونفقہ نہ دے تو پھر وہ کالعدم قرار پاکر باقی بھائیوں پر اسی نسبت سے نفقہ ہوگا اگر حقیقی بھائی سب کے سب نفقہ نہ دیں تو پھر اخیافی بھائی کے ذمہ کل نفقہ ہوگا جبکہ وہ غنی یا کمانے والا ہو اور سوال سے معلوم ہوتا ہے کہ اس بہن کو اس کا حقیقی بھائی ساتھ رکھتا ہے اور نان نفقہ دیتا ہے تو اگر وہ تنہا اسکے کل نفقہ کا خوشی سے متحمل ہے تو باقی بھائیوں پر وجوب نفقہ نہیں اور اگر وہ تنہا کل نفقہ دینے پر راضی نہ ہو تو بقیہ حقیقی بھائیوں پر چھ سہام میں سے پانچ سہام میں علی السواء اسکے نفقہ میں شرکت واجب ھے اور اخیافی بھائی پر چھٹے حصّہ کی شرکت واجب ھے نیز سب بھائیوں پر اس بہن کو بھاوج کے عذاب سے بچانا واجب ہے اور اس میں حقیقی اور اخیافی بھائی سب برابر ہیں انکو چاہیئے کہ بڑے بھائی کو سمجھائیں کہ اپنی بیوی کو ان افعال سے روکے اور کوشش کے ساتھ اس کا انتظام کریں کہ اگر اس میں کامیابی نہ ہو تو بہن کو کسی اور معتبر عورت کے پاس رکھیں اور سب بھائی حقیقی چھ سہام میں سے پانچ سہام میں شرکت کرکے علی السواء اس کا نفقہ بھیجتے رہیں اور اخیافی بھائی چھٹا حصّہ نفقہ کا ادا کرے بشرطیکہ ان میں سے کوئی مُعسِر معذور نہ ہو اور اس وقت غنی ہو نہ کمانے پر قدرت رکھتا ہو اور جب تک حقیقی بھائی نفقہ میں کوتاہی کریں اخیافی بھائی پر کل نفقہ کا وجوب نہ ہوگا۔ واللہ اعلم

قال فی الحامدیہ : بعد التفصیل فی نفقات الاقارب، القسم السابع اذا کانوا حواشی فقط (ومرادنا بالحواشی من لیس اصلاً ولا فرعاً) یعتبر فیہ الارث ای اهلیته وحقیقته (اذلا یتحقق الا بعد الموت) وعند الاستواء فی المحرمیة واهلیة الارث یترجح الوارث حقیقةً ففی خال وابن عم علی الخال لانه رحم محرم اهل للارث عند عدم ابن العم ولا شیٔ علی ابن العم وان کان المیراث کله له لانه غیر محرم ولا تجب نفقة علی غیر محرم اصلاً اھ (ص۶۶ ج-۱)

قلت : وفی الصورة المسئولة الاخوة کلهم سواء فی المحرمیة

واھلیۃ الارث فالنفقۃ علی کلھم علی قدر میراثھم من الاخت کما
قال فی الحامدیۃ فی العمۃ والخالۃ ان النفقۃ علیھما اثلاثاً
کارثھما اھ (صفحہ مذکورہ) واللہ اعلم۔

(تنبیہ) واعلم ان الفقہاء جعلوا المعسر العاجز عن
الکسب کالعدم ولم یجعلوا الموسر الممتنع عن اداء النفقۃ ولا العاجز
المکسوب کذالک کالعدم لان القاضی یجبرھما علیھا ولکن بلادنا
لاقاضی فیھا ولا یمکن اجبار الممتنع علیھما اصلاً فجعلنا الممتنع
ایضاً کالعدم واوجبنا کل النفقۃ علی الباقین بقدر ارثھم و
ھذا ھو الظاھر عندی ولعل اللہ یحدث بعد ذالک امراً واللہ اعلم

۱۱ رجب سنہ ۳۶ھ

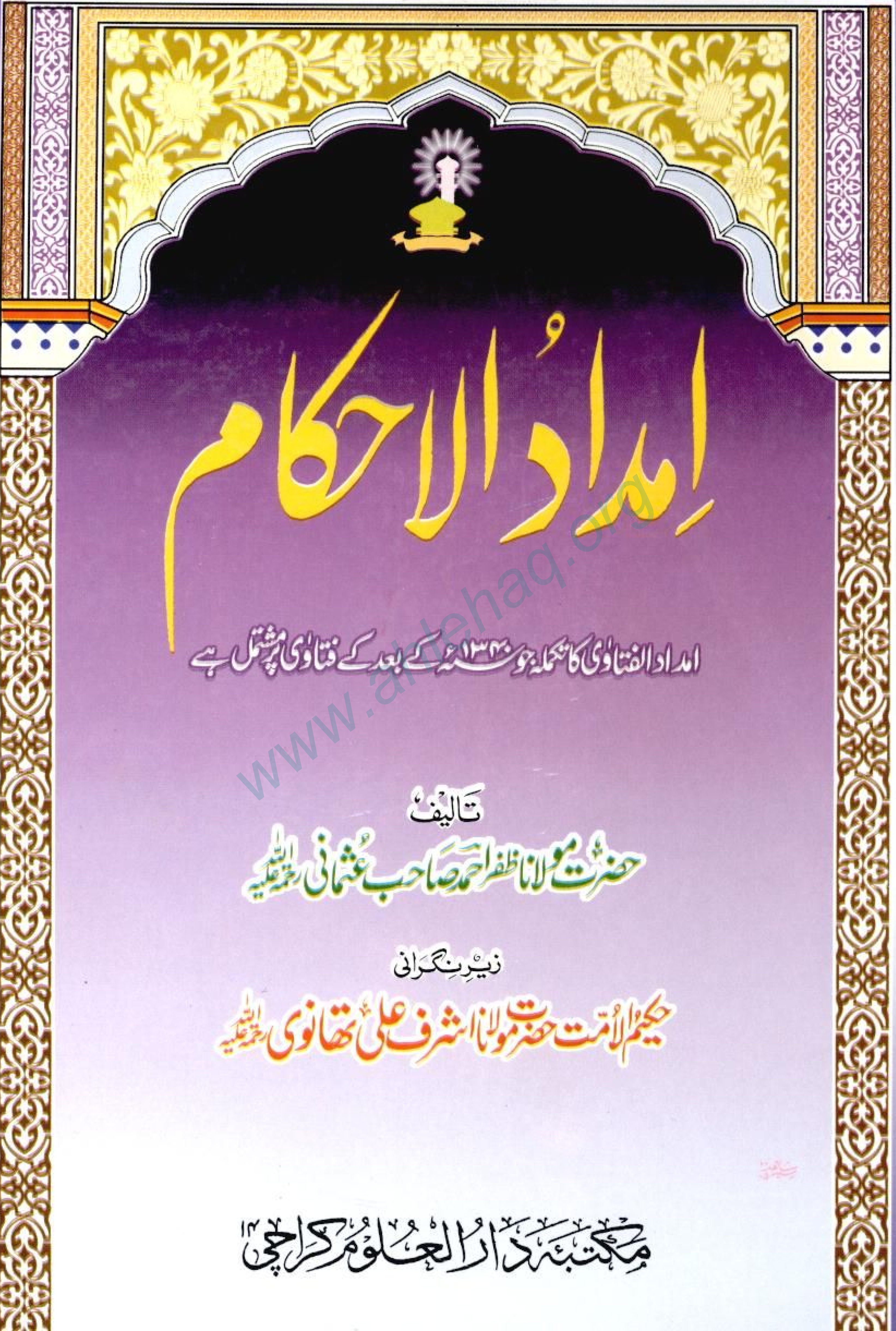

اِمدادُ الاحکام

امداد الفتاویٰ کا تکملہ جو ۱۳۴۰ھ کے بعد کے فتاویٰ پر مشتمل ہے

تالیف

حضرت مولانا ظفر احمد صاحب عثمانی رحمۃ اللہ علیہ

زیرِ نگرانی

حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی تھانوی رحمۃ اللہ علیہ

مکتبہ دار العلوم کراچی ۱۴